نوٹ: سرورق ثانی کی پشت یعنی صفحہ ۲ پر مطالعہ کتاب سے پہلے اطلاع عام ضرور پڑھ لیں

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

اور سب مل کر خدا کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا (سورۃ آل عمران - ع ۱۱ پارہ ۴)

کتاب

التفریق والتحریف

فی الاسلام

جس میں

اس تاریخی مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ امتِ اسلامیہ اتنے فرقوں میں کیوں تقسیم ہو گئی جبکہ اسلام کا مقصد دنیا کو ایک مرکز پر متحد کرنا تھا اس تقسیم تفریق کے اسباب دخل کیا تھے کس شخص یا جماعت نے اختلاف کی ابتدا کب کی؟ کیوں کی؟ اور کس کی؟ اصلی جماعتِ اسلامیہ اور اہل جماعت کون ہیں؟ اس جماعت سے جدا ہونے والے کون ہیں؟ دراصل جماعتِ اسلامیہ کی تقسیم کیا ہے اور کس بنا پر ہے۔

تصنیف

خان صاحب آغا محمد سلطان مرزا۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ سیشن جج ریٹائرڈ۔
مؤلف البلاغ المبین، صراطِ مستقیم نور المشرقین من حیاۃ الصادقین، کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام، حُبِّ وطن، تاریخ ارتقائے تخیل جذبۂ حُبّ الوطن قومی (انگریزی) وغیرہ وغیرہ
سابق صدر شیعہ مجلس اوقاف دہلی۔ سابق پریذیڈنٹ انجمن تحفظ العزا پراونس شیعہ کانفرنس، سابق ممبر اورکورٹ یونیورسٹی دہلی، سابق ممبر جنرل کونسل انگلو عربک کالج اینڈ اسکولز سوسائٹی دہلی
سابق سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول با اختیارات دفعہ ۳۰ ضابطہ فوجداری، سابق آنریری سکرٹری پراونشل سول سروس ایسوسی ایشن جوڈیشل برانچ وغیرہ وغیرہ۔

بار دوم — مارچ ۱۹۵۹ء — ایک ہزار پانچ صد

ناشر

منیجر امامیہ کتب خانہ لاہور مغل حویلی موچی دروازہ

قیمت سات روپے مجلد ولائتی ڈائیدار سنہری ساڑھے آٹھ روپے صرف

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

٦٦

اِطّلاعِ عام

اگرچہ تاریخی تنقید اور تحقیق سے مذہبی جذبات کا "متغیّر" ہونا عام طور سے جائز نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن اسلام میں بہت سے تاریخی مسائل مذہب میں داخل ہو گئے ہیں۔ لہٰذا بذریعہ اطلاع ہٰذا گذارش ہے کہ اِس کتاب میں خلافتِ صدرِ اوّلی یعنی حکومت حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان پر نہایت مہذّب پیرایہ میں تاریخی تنقید کی گئی ہے لہٰذا وُہ فرقے جو اُس حکومت کے ارا کین اور خُلفاء پر یہ تنقید پسند نہیں فرماتے اِس کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے اِس امر کو مدِ نظر رکھیں۔ کیونکہ کسی کی دل آزاری مطلوب نہیں۔ اظہارِ حق مقصود ہے۔

اِس کتاب میں شیعی نُقطۂ نظر کی حمایت کی گئی ہے جو حضرت علیؑ کو خلیفۂ بلافصل رسُول سمجھتے ہیں اور محض اِس ہی فرقہ (امامیہ اثنا عشریہ) کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے

فہرست مضامین

طبع دوم

اِس طبع دوم کے موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر اس میں درستی اغلاط کے علاوہ جو بہت اہم اضافہ ہے وُہ باب پنجم ہے۔ ہماری رائے ہیں یہ بالکل اچھوتا مضمون ہے اور بہت غور و فکر چاہتا ہے۔ ناظرین باتمکین سے التجا ہے کہ اِس کو غور و خوض سے پڑھنے کے بعد اگر اُن کو مجھ سے کسی امر میں اختلاف ہو تو مجھے مطلع فرمائیں کہ حق کی تلاش اسی طرح ایک دُوسرے کی مدد سے کی جاتی ہے۔ اور اگر اُن کی رائے میرے مطابق ہے تو اس سے بھی مجھے اطلاع دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ عِنداللہ ماجور ہونگے اور میرے شکریہ کے مستحق۔

خُداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کا شُکر ادا کرتے ہوئے اور اپنے معاونین کرام کا احسان مانتے ہوئے

عاجز عاصی

محمد سُلطان مرزا

سنی سائڈ بلڈنگ۔ اے۔ ایم ۳۰۔ کراچی ۱۰

مورخہ ۲۷ ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء

نذر

بحضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آقائے دو جہاںؐ! جو صدمہ حضور کو اپنے بسترِ مرگ پر دُنیا سے رُخصت ہوتے وقت اپنی اُمّت کی ایک جماعت سے اِنّ الرجل لیہجر سُن کر ہُوا تھا جس کا اظہار حضورؐ نے قوموا عنی کے حکم سے فرمایا۔ اور جو صدمات بعدِ وفات حضورؐ کی رُوحِ اقدس کو اپنی اُمّت سے پہنچتے رہے مثلاً جب آپ کے مقرر کردہ وصی و ولی و خلیفہ سے حکومت چھیننے کے لئے لوگ حضورؐ کے جسدِ اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے، جب آپ کے اصحاب کی ایک جماعت نے آگ جمع کر کے آپ کی پیاری بیٹی کو اُن کا گھر جلانے کی دھمکی دی، اور آپ کی بیٹی نے آپ کا نام لے کر فریاد کی، جب آپ کا ہبہ کیا ہُوا فدک آپ کے بچّوں سے چھین لیا گیا، جب آپ کے ایک نواسے کو آپ کے پاس دفن نہ ہونے دیا۔ جب انہی واقعات کے سلسلہ میں اور اس ہی سیاست کی بناء پر آپ کے دُوسرے نواسے کو کربلا کے میدان میں مع بچّوں اور دوستوں کے اِس ظلم و ستم کے ساتھ شہید کیا گیا اور جب اپنے مقاصدِ دُنیاویہ حاصل کرنے کے لئے آپ کے جان سے زیادہ محبوب دین کے ٹکڑے کئے گئے اور آپ کی اُمّت میں تفرقہ پیدا کیا گیا وُہ صدمات کُفر و نفاق و احسان فراموشی کی بدترین مثالوں کا ثبوت دیتے ہیں۔ اُمّت کا یہ طرزِ عمل اُس دین کے اُوپر بہت بدنما داغ ہے جس کے نام میں یہ سب کچھ کیا گیا۔ لہٰذا آپ کے ہر ایک نام لیوا کا فرض ہے کہ وُہ دُنیا پر

ظاہر کر دے کہ آپ کی اصلی جماعت کون سی ہے اور وُہ قومو اعنی والی جماعت کون سی ہے جس سے آپ دُنیا سے ناراض گئے۔ اور ثابت کرے کہ جس اسلام کے نام میں یہ ظلم و ستم کیا گیا ہے وُہ آپ کا لایا ہُوا اسلام نہیں ہے بلکہ اس قومو اعنی والی جماعت نے اصلی اسلام کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے دین کو ترمیم و تنسیخ کر کے ایک نیا دین بنا لیا ہے جو اُنہوں نے دُنیا میں رائج کیا ÷

اِسلام کے مظلوم اوّل! اِس غلام نے اِس رسالہ میں اپنے اسی فرض کے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ زہے قسمت کہ وُہ کامیاب ہو جائے۔

اے سرچشمۂ جُود و سخا! یہ فقیر ازلی اپنی ساری عُمر کی کمائی حضور کے قدموں میں پیش کرتا ہے۔ ایک نظر قبول اُس کے دونوں جہان کے بیڑے کو پار لگا دے گی۔ یہ گنہگار حضور کے فیض لا متناہی سے اُمّید رکھتا ہے کہ جس طرح حضور نے اس کا ہاتھ اِس دُنیا میں پکڑا ہے اِسی طرح آخرت میں اِس کو اپنے قدموں سے جُدا نہ فرمائیے گا۔

دیباچہ

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے | پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے | اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آکے ملائے | اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جُدا ہے
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب | اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

(حالی)

شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی مرحوم نے نہایت صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اُس استعجاب وحیرت کا جو ایک طالب علم الادیان کو اسلام کی تاریخ پڑھ کر ہوتی ہے۔ پہلا سوال جو اُس کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ قصور دین کا ہے جس نے شاید سونے کا دھوکہ دے کر ملمع پیش کیا یا اُس دین کے قبول کرنے والوں کا ہے جنہوں نے ظاہرا تو دین قبول کیا اور درصل نیت دُنیا حاصل کرنے کی تھی۔ اِس خیال کے اُٹھتے ہی فوراً اُس کا دماغ دین پیش کرنے والے اور اُس کے گھر والوں کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُن لوگوں کے واقعات اپنے دل میں دُہرانے کے بعد وہ اِس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جس دین کا پیش کرنے والا محمدؐ جیسا صاحبِ ہمت واستقلال وخلوص مرد ہو، جس نے علی جیسا خدا نما انسان پیدا کیا ہو، جس کی پیداوار کربلا والے لوگ ہوں وہ دین تو ناقص ہو نہیں سکتا۔ بقول علامہ حالی مرحوم ؎

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

اب دین قبول کرنے والوں کے واقعات پر نظر ڈالتا ہے تو وہاں بھی پہلے پہل ایک

نہایت تعجب انگیز واقعہ اُس کے سامنے آتا ہے۔ جس لمحہ میں رسولِ خدا کی آنکھ بند ہوتی ہے اُس لمحہ ہی کے دُوسرے حصّہ سے اہل بیت رسالت پر اُمّت کا ظلم شروع ہو جاتا ہے۔ وُہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص معہ اپنے رشتہ داروں کے جسدِ اطہرِ رسول کے پاس بیٹھا ہوا اُن کے سوگ و ماتم میں مُبتلا ہے اور وُہ لوگ جو اپنے تئیں یارانِ رسُول کہتے تھے رسول کی پیدا کی ہوئی حکومت پر قبضہ کرنے مسجد رسول سے دُور سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے جاتے ہیں۔ جس بحث سے لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر حکومت حاصل کی وُہ عجیب ہے اور جن طریقوں سے لوگوں سے بیعت لی وُہ عجیب تر اب جو سلسلہ آلِ رسول پر مظالم کا شروع ہوتا ہے، قصدِ احراق بیت فاطمہ و غصب فدک سے لے کر آخر دم تک جب تک اس لوگوں کی گھڑی کی ہوئی خلافت میں آخری سانس رہی، وُہ نہایت ہی دردناک ہے۔ مورخ سوچتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ اُمّت کی اکثریت کو آلِ رسُول سے اتنی دُشمنی کیوں ہے۔ محمد مصطفٰے نے جو عرب پر احسانات کئے تھے، دینِ حق دکھایا، راہِ ہدایت بتائی، معاشرتی اصلاحات کیں، عربوں کے قبائل کو ملا کر ایک قوم و ایک مُلک بنایا۔ اُن کے لئے اتنی عظیم الشان سلطنت حاصل کی۔ کیا اِن تمام احسانات کا یہ ہی جائز بدلہ تھا جو اُن کی اُمّت کی اکثریت نے اُن کی اولاد کو دیا۔ ان تمام استعجابات اور سوالات کا جواب جو تاریخ اسلامیہ کے مطالعہ سے ایک بے تعلق مورخ کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

اُمتِ اسلامیہ کی اکثریت کا نظریہ قدرتی طور سے اس کتاب کے نظریہ سے مختلف ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اُن کی بحث کا مدلل جواب اس میں آجاوے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جس تسلسلِ بیان اور منطقی گفتگو کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی اُس میں کسی اعتراض کے اُٹھنے کا موقع ہی نہیں باقی رہتا۔ ہر ایک سوال پر اُس کے ہر ممکن پہلو سے ایسی مُدلّل و مفصّل بحث کی گئی ہے کہ کوئی اعتراض باقی ہی نہیں رہتا۔ جب یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے تو کھسیانے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اچھا فرض کرو ہم تو گمراہی میں ہیں۔ وُہ جماعت جو

تمسک بالثقلین کا دعوے کرتی ہے وہ تو اپنی حالت کا جائزہ لے اور بتائے کہ اس نے اس راہِ حق میں کیا کارنمایاں کئے۔ اس جماعت کو بھی ہم دیکھتے ہیں۔ یہ وہ علیؑ کی ہم خیال جماعت ہوگی جس نے حضرت علی علیہ السلام کی تابعی میں کسی خلیفہ کی بیعت نہ کی ہوگی۔ یہ جماعت بہت قلیل تھی۔ اوّل اوّل تو بہت سے لوگ تھے جنہوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی۔ لیکن سقیفہ والی بیعت کے بعد حکومت کی دھمکی والالچ کے زیر نظر بہت لوگوں نے بیعت کر لی کہتے ہیں کہ بہت سے بنو ہاشم نے بھی بیعت کر لی۔ اگرچہ میری تحقیق میں یہ بات نہیں آئی بہرصورت اصحاب میں سے تو حضرات ابو ذر غفاری، عمار یاسر، سلمان فارسی، مقداد بن اسود کے علاوہ ایسے لوگ کوئی اور نظر نہیں آتے ہاں آگے چل کر حکومت کے مظالم جو اہلِ بیت پر ہوتے گئے اُن کو دیکھ کر اس جماعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ بدترین مظالم جو اہلِ بیت پر ہوئے وہ کربلا میں ہوئے لہٰذا اس جماعت کی زیادہ سے زیادہ تعداد وہیں مل سکتی ہے۔ میدانِ کربلا میں یہ لوگ اہلِ بیتِ رسالت کے علاوہ ۴۲ بیان کئے جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ تعداد ۵۲ یا ۴۵ ہے۔ یہ جماعت کیسی تھی اور اپنی استقامت وصبر واسلام کا کیسا ثبوت دیا۔ دُنیا جانتی ہے۔ ہم کیا بیان کریں یہ تو ۵۲ یا ۴۵ تھے۔ اور کُل بہتّر تھے۔ اُمّتِ اسلامیہ کی اکثریت باوجود اپنی تعداد کے اپنے کُل زمانۂ تاریخ میں آج تک چار آدمی بھی ایسے پیش نہیں کرسکتی۔ دو آدمی بھی نہیں پیش کرسکتی۔ ایک بھی نہیں پیش کرسکتی۔ محمدؐ تو بہرحال حسینؑ سے افضل تھے۔ نبی تھے۔ رسول تھے۔ اُمّت اُن کا کلمہ پڑھتی تھی۔ جو لوگ اُحد وحُنین میں محمدؐ کو دُشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے اُن سے وہ لوگ بدرجہا افضل تھے جو حسینؑ کو کربلا میں چھوڑ کر نہ بھاگے۔ اور یقینی موت کا مقابلہ اُس کی شکل دیکھ کر کیا۔ حکومت الٰہیہ کے قائم کرنے والے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔

اِس کا جواب معترض ممکن ہے کہ یہ دے کہ (۱) اُن بہتّر کے علاوہ اور لوگ بھی تو اس جماعت میں ہوں گے وہ حسین علیہ السلام کی مدد کو کیوں نہ آئے۔ (۲)

یہ جماعت کیا یہیں ختم ہوگئی۔ (۳) اگر نہیں تو آگے چل کر اس جماعت کی حالت کیسی رہی اور (۴) ہم اب تو اس کو نہایت ہی گری ہوئی حالت میں پلتے ہیں۔ پیروی اہلِ بیت نے اُن کی حالت سنوارنے میں آخر تک ساتھ نہیں دیا۔

ان میں سے ہر ایک اعتراض کا جواب ہم دیتے ہیں۔

اعتراضِ اوّل :-

ہمارا یہ جواب ہے کہ اس وقت یہ جماعت صرف اُتنی ہی تھی جتنی کہ کربلا میں موجود تھی، سوائے اہلِ بیتِ رسالت میں سے اُن بزرگوار کے جن کو امام حسین علیہ السلام نے باوجود اُن کے اِصرار کے مدینہ میں اپنے بچّوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ ہر ایک تاریخی واقعہ پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ غور کیجئے کہ امام حسین علیہ السلام اپنی نُصرت کے لئے حبیب ابن مظاہر جیسے ضعیف العمر شخص کو تو بُلایا اور بہت سے اصحاب رسول موجود تھے اُنہیں نہ بلایا۔ نیز منزل عذیب الہجانات پر جبکہ آپ کربلا کے نزدیک پہنچ گئے تھے اور جہاں آپ کو خبر ملی کہ آپ کے قتل کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور آپ کے قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کو ابن زیاد نے قتل کر دیا ہے۔ آپ کو طرماح بن عدی بن حاتم طائیؓ ملے۔ اُنہوں نے امام علیہ السلام کو بتایا کہ آپ پہاڑوں پر میرے ساتھ چلیں وہاں محفوظ رہیں گے۔ حُر بن یزید جو آپ کے ساتھ تھے اُنہوں نے بھی اس تجویز کی مخالفت نہ کی لیکن پھر بھی آپ نے اُن کی نُصرت قبول نہ کی۔ راستہ میں بھی اور عین شب قتل بھی آپ نے اپنے ساتھیوں کو اجازت دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ لیکن روز قتل جب آپ کے ناصر و مددگار کام آچکے تو آپ نے یہ استغاثہ بھی فرمایا کہ ھَلۡ مِنۡ نَاصِرٍ یَّنۡصُرُنَا۔ ھَلۡ مِنۡ مُغِیۡثٍ یُغِیۡثُنَا۔ ظاہر بیں آنکھ اِس طرزِ عمل میں تضاد دیکھتی ہے معترض کہتا ہے کہ جب آپ کو نُصرت مِل رہی تھی تب تو قبول نہ کی۔ زمانۂ حج قریب تھا کہ مکہ چھوڑ دیا۔ موسمِ حج میں استغاثہ کرتے تو آپ کو نُصرت بھی مِل جاتی۔ اب جبکہ خود آپ نے نُصرت کو ٹھکرا دیا تو نُصرت نہ ملنے کی فریاد کرتے ہیں۔ یہ کیا

معنی۔ مولوی صاحبان بڑی ڈاڑھیوں والے یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ جب نصرت مل رہی تھی تو قبول کرنی چاہئے تھی۔ امام کا فرض ہے کہ نصرت ملنے پر ناحق کے خلاف جہاد کرے کیوں نہ آپ نے نصرت طلب کی تاکہ ناحق کو مغلوب کرسکتے۔

اب فرمائیے ان اعتراضات کا کیا جواب ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی لڑائی یزید سے اصول کی لڑائی تھی۔ شخصی لڑائی نہ تھی۔ جن اصول کی بناء پر یزید تخت پر متمکن تھا۔ جن حالات نے یزید کو حکومت دلائی تھی، جس سیاست کا نتیجہ یزید کی حکومت تھی حسین علیہ السلام کی مخالفت اُن اصول، اُن حالات اور اُس سیاست سے تھی۔ حسین علیہ السلام اُن لوگوں ہی کو دعوتِ نصرت دے سکتے تھے جن کی نسبت آپ کو یقین تھا کہ آپ کی طرح وہ لوگ بھی یزیدیت موجودہ اور سابقہ کے مخالف ہیں۔ وہ لوگ ہی آپ کی نصرت میں اُستوار اور قائم رہ سکتے تھے ایسے صرف چند ہی افراد تھے لہذا چند ہی افراد کو دعوتِ نصرت دی۔ طرماح بن عدی سیاستِ سابقہ کو قبول کرچکے تھے، جو لوگ موسم حج میں جمع ہونے والے تھے اُن سب نے اُس سیاست کو قبول کرلیا تھا جس کا نتیجہ موجودہ یزیدیت تھی۔ پھر بھلا اپنے اُصول کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ یزید سے کس دل سے لڑتے۔ اگر لڑتے تو بد دلی سے لڑتے اور نتیجہ وہی ہوتا جو صفین میں حضرت علی کے ساتھ ہوا۔ عین وقت پر حضرت علی کو چھوڑ دیا۔ معاویہ نے اُن کو بتایا کہ جو اصول میرے ہیں وہی تو تمہارے ہیں۔ اور وہ اصول یہ ہیں کہ اہلبیتِ رسالت میں حکومت نہ رہے۔ یہی میرا اصول ہے یہ ہی تمہارا ہے۔ ہمارے مشترکہ رہنما نے صاف رسول خدا سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں تمہارے اہل بیت کی ضرورت نہیں ہے حَسۡبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ اُسی کتاب اللہ کو اب میں پیش کرتا ہوں بس کیا تھا۔ بگڑ گئے۔ پہلے تو حکم مقرر کرتے وقت علی علیہ السلام کو مجبور کیا اور جب حکم مقرر ہوگئے تو علیؑ سے یہ کہہ کر علیحدہ ہوگئے کہ تم نے غلطی کی۔ اَلۡحُكۡمُ لِلّٰهِ اگر وہ مصنوعی نصرت جو امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی تھی قبول کرلی جاتی تو اُس کا بھی آخر کار یہ ہی حشر ہوتا۔ حضرت علی کے پاس تو اُس وقت

حکومت تھی، بادشاہ کی حیثیت سے واپس آگئے۔ اگر میدان کربلا میں یہی واقعہ ہوتا تو حسین کے پاس تو بادشاہت نہ تھی وہ کس حیثیت سے واپس آتے۔ نتیجہ وہی ہوتا جو اب ہوا۔ اور اُس کی عظمت جاتی رہتی۔ لوگ کہتے کہ لشکر مہیا کرکے سلطنت لینے چلے تھے شکست کھائی۔ مارے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی صفین سے واپس ہوگئے اور امام حسن علیہ السلام نے صُلح کر لی۔ یہ دونوں بزرگوار وہ نہیں کر سکتے تھے جو حسینؑ نے کیا۔ اگر کرتے تو اُس کی عظمت نہ ہوتی۔ لوگ کہتے کہ بادشاہت کے لئے لڑے تھے اسلام کے لئے نہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں طرماح ابن عدی یا دیگر دُنیا کے لوگوں نے اصلی نصرت پیش نہیں کی۔ اُن کی نصرت میں استقامت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے اصول وعقائد بالکل وہی تھے جو مخالفین حسینؑ کے تھے۔ حسینؑ سے ذاتی محبت ان کو تھی لیکن حسین علیہ السلام کے اصول اور اُن کے وجہ مقابلہ کو نہ وہ سمجھے تھے ورنہ اُن سے ہمدردی تھی۔ جب آخر وقت تک صحیح نصرت اتنی ہی پیش ہوئی کہ جو ہوئی تو امام حسین علیہ السلام اُس نصرت کے ختم ہونے کے بعد کہہ سکتے تھے کہ ھَل مِن نَاصِرٍ یَنصُرُنَا انہوں نے صحیح اور اصلی نصرت کو کبھی رد نہیں کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام کے بعد دیگر ائمہ علیہم السلام میں سے کسی نے تلوار نہیں اُٹھائی۔ بہت سے موقعے آئے کہ ظاہر بین شخص کہہ سکتا تھا کہ اگر اُس وقت کے موجودہ امام تلوار اُٹھاتے تو کامیاب ہو جاتے۔ لیکن جو حشر انجام کار اُن تحریکوں کا ہُوا وہ بتا رہا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے جو کیا درست کیا اور اگر وہ بھی شامل ہو جاتے تو پھر خاندانِ رسالت کا ایک بچہ بھی نہ بچتا۔ ایسی تین تحریکیں بہت زبردست نظر آتی ہیں۔ ایک تو مختار کا خروج دوسرے بنو اُمیہ کے خلاف تحریک جس میں آخرکار بنو عباس کامیاب ہوئے۔ اور تیسرے زید شہید رحمۃ اللہ کا خروج۔ ان تینوں تحریکوں کا جو انجام ہُوا وہ ہمارے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ مختار خود اور اُن کے ساتھی اُس ہی سیاست کے مقلد تھے

جس نے یزید کو پیدا کیا تھا۔ اگرچہ ذاتی طور سے امام حسین علیہ السلام کے مظالم کو وُہ بُرا جانتے تھے اور اُس کا بدلہ لیا۔ لیکن ان مظالم کو وُہ محض یزید اور اُس کے کارکنوں کی ذاتی کاوش کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اس سے گہرا نہ اُنہوں نے سوچا اور نہ سوچ سکتے تھے۔ مختار کے خلاف تو بہت سی رائیں خود علماء شیعہ کی ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اُنہوں نے امام وقت حضرت زین العابدین علیہ السلام کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اُنہوں نے اپنے عُروج کے لئے محمد بن حنفیہ کو ذریعہ بنایا تھا اور جو کچھ کر رہے تھے وُہ خود اپنے دُنیاوی عُروج و ترقّی کے لئے تھا اگرچہ اُس میں نیّت امام حسینؑ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کی بھی تھی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وُہ امام زین العابدین کو یا محمد بن الحنفیہ کو برسرِ حکومت لانے کے لئے کوشش کر رہے تھے اور اُن کے ساتھی تو محض ایسے تھے جنہوں نے آخر کار خود اُن کو چھوڑ دیا۔ بنو اُمیّہ کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی وُہ کئی وجوہات سے جن میں سے ایک شہادتِ امام حسین علیہ السلام تھی کامیاب تو ضرور ہوگئی۔ لیکن کس کے لئے کامیاب ہوئی۔ بنو فاطمہ کے لئے نہیں بلکہ بنو عباس کے لئے۔ ابو مسلم نے جو غدّاری خاندانِ رسالت کے ساتھ کی وُہ ہمیشہ تاریخ اسلام پر ایک نہایت بدنما دھبّہ رہے گی شروع سے یہ بنو عباس کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ظاہر یہ کر رہا تھا کہ مَیں بنو فاطمہ کا داعی ہوں۔ کتنی غلطی ہوتی اگر امام جعفر صادقؑ اُس کی باتوں میں آن کر اُس سے مِل جاتے۔ یہ شخص پہلے اُن کو اور اُن کے خاندان ہی کو قتل کرتا۔ آخر وقت تک لوگ سمجھتے رہے کہ یہ بنو فاطمہ میں سے کسی کو خلیفہ بنائے گا۔ لیکن جب مسجد کوفہ میں اُس کے جنرل ابو سلمہ نے ابوالعباس عبداللہ کو خلافت کے لئے پیش کیا تو اس غدّاری کا انکشاف ہُوا لیکن کوفیوں نے کیا کیا۔ نہایت خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کر کے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اِس موقعہ پر مسٹر امیر علی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:-

But the proverbial fickleness of the Iraqians was now proved. Again and again they had risen in arms

in support of the fatimide cause, and as often betrayed those whom they had pledged themselves to help or whose help they had invoked. swayedle by the passing whim of the moment, they had shown themselves equally to be traitors as the defenders of truth, no sooner had the words passed from the lips of Abu Salma, proposing Abul Abbas as the caliph, than they burst forth with loud acclamations of the Takbir, signifying their approval. (Amir Ali's short history of the Saracens, P. 179)

ترجمہ

لیکن عراقیوں کی مشہور و معروف تلوّن مزاجی پھر ثابت ہوئی اس سے پہلے بھی بسا اوقات اُنہوں نے اولادِ فاطمہ کی حمایت کے لئے تلوار اُٹھائی تھی۔ لیکن ہر مرتبہ کہ وُہ اولادِ فاطمہ کی حمایت میں اُٹھے۔ اُنہوں نے اولادِ فاطمہؑ سے غدّاری کی اور اُن کو چھوڑ دیا۔ وقتی اور عارضی جذبات سے متاثّر ہو کر اُنہوں نے اپنے تئیں حق کا حامی بھی ظاہر کیا اور حق سے غدّاری بھی کی۔ ابھی ابو سلمہ کے مُنہ سے ابوالعباس کو خلیفہ مقرّر کرنے کے الفاظ نکلے ہی تھے کہ کُوفیوں نے اپنی رضامندی تکبیر کے فلک بوس نعروں سے ظاہر کر دی ۔

ہر ایک مورخ کا فرض ہے کہ وہ وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کیوں ایسا ہُوا۔ یہ کہہ دینا کہ عراقی متلوّن مزاج تھے کافی نہ ہوگا یہ وہی تو عراقی تھے جنہوں نے حضرات خلفاء ثلاثہ کی حکومت کو مُستقل مزاجی سے برداشت کیا۔ یہ وُہ ہی عراقی تھے جو مسلسل صدیوں تک بنو عباس کے حامی رہے۔ کیا یہ تلوّن مزاجی فقط بنو فاطمہ ہی کی مدد کے وقت پیدا ہو جاتی تھی جسٹس امیر علی جیسے مُورخ اپنے آبائی مذہب کے معتقدات کی وجہ سے اصلی وجہ نہ دیکھ سکے یا اگر اصلی وجہ معلوم کرلی تھی تو اُس کو بیان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور سب کچھ تلوّن مزاجی کے سر منڈھ دیا اصلی وجہ یہ تھی کہ جب کبھی یہ اہلِ بیت علیہم السّلام میں سے کسی کی مدد کو اُٹھے ہیں تو محض اُس کی ذاتی محبت و شخصیت کی وجہ سے یا اِس خیال سے کہ شاید اُن کے ساتھ بہت لوگ ہو جائیں اور یہ برسرِ حکومت آ جائیں تو ہم خُوب مزے اُڑائیں گے۔ ان کو اہلِ بیت علیہم السلام کے مذہبی و اصولی عقائد سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مذہب دراصل ان کا وہی تھا جو حضرات شیخین نے مُرتب و رائج کیا تھا۔ اور جو اہل بیت کے مذہب سے بالکل علیحدہ تھا۔ جب کبھی سختی پڑی اور شکست نظر آنے لگی فوراً ان لوگوں کو اپنے مذہب کے عقائد یاد آ گئے۔ اور اولی الامر کی تفسیر جو حضراتِ شیخین نے رائج کی تھی ان کی مدد کو آ گئی۔ کہنے لگے کہ ہمارا صاحب امر تو خلیفۂ وقت ہے ہم اُس سے غداری کر کے کیوں جہنّم میں جائیں۔ بس معاملہ ختم ہو گیا۔ اولادِ فاطمہ کو چھوڑ کر اولادِ حکومت کی طرف چلے گئے۔ اہل بیت علیہم السلام اور حضرات شیخین کے مذہب میں دیگر اختلافات میں سے یہ ایک بہت بڑا اختلاف تھا اہل بیت علیہم السلام کے مذہب میں صاحب امر، ولیٔ امر وُہ شخص تھا جس کو خداوند تعالیٰ نے اپنا امر بذریعہ رسول تفویض کیا تھا اور وُہ بہ شکل وصیت ایک دُوسرے کی طرف مُنتقل ہوتا رہا۔ اُسی کو اور صرف اُس کو ہی لوگوں کی جان و مال پر اختیار تھا۔ وُہ ہی لوگوں سے بیعت لینے کا مجاز تھا۔ جو اُس کے خلاف بیعت لے یا بیعت کرے وُہ حکومت الٰہیّہ اسلامیہ کا باغی تھا۔ برخلاف اس کے حضرات شیخین نے یہ مذہب رائج کیا تھا کہ ولی امر وُہ شخص ہے جو جبر یا لوگوں کی رائے سے حکومت پر قبضہ کر سکے۔ مقادم الذکر

نقطۂ خیال کے بموجب یزید باغی اور حسینؑ حق پر تھے۔ مؤخر الذکر نکتۂ نگاہ کے مطابق حسین باغی تھے اور یزید حق پر تھا حسینؑ کے ساتھ محض وہ شخص ہو سکتے تھے جو حسین کو صاحب امر سمجھتے تھے یزید کے حامی اپنے عقائد کے بموجب اُن سب کو ہونا چاہئے تھا اور وُہ تھے جو حضرات شیخین کو اور یزید کو صاحب امر سمجھتے تھے اِس ہی وجہ سے جناب ائمہ علیہم السلام کو کہنا پڑا کہ جس شخص کے دل میں سفیدیٔ ماش کے برابر بھی حضرات شیخین کی محبّت ہے وُہ ہم میں سے نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز اور ان کے ہمخیال دیگر علماء یہ کہہ کر اصلی مضمون بحث کو خبط کرنا چاہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اُن کو بھی شیعانِ اہلبیت کہتے تھے جن کو اب اہلِ سُنّت وجماعت کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:۔

باید دانست کہ شیعہ اولیٰ کہ فرقۂ سُنیہ و تفضیلیہ در زمان سابق بشیعہ ملقب بودند

یعنی جاننا چاہئے کہ زمانہ سابق میں فرقۂ سُنیہ اور تفضیلیہ کو شیعہ کہتے تھے۔

ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ہجری فتح الباری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں جس کا اُردو میں ترجمہ یہ ہے:۔

تشیع صرف اتنا ہے کہ علی سے محبّت کریں اور ماسوائے شیخین کے دیگر صحابہ پر ان کو ترجیح دیں۔ غالی شیعہ وُہ ہے جو حضرت علی کو شیخین پر بھی فضیلت دیتا ہے اُس کو رافضی بھی کہتے ہیں۔ اور اگر شیخین پر فضیلت نہ دے تو وُہ صرف شیعہ ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ ہی کوئی شیخین پر لعن کرے اور اُن سے دشمنی رکھے تو وُہ غالی رافضی ہے اور اگر اس کے ساتھ وُہ رجعتِ امام کا بھی قائل ہے تو وُہ غلو فض میں بھی شدّت کرتا ہے۔

اِس تعریف کی رُو سے محض شیعہ وُہ ہے جو حضرت علی علیہ السلام سے محبت رکھتا ہے حضرات شیخین سے بھی محبت رکھتا ہے اور حضرات شیخین کو حضرت علی پر ترجیح دیتا ہے اور اگر تفضیلیہ ہوا یعنی حضرات شیخین پر حضرت علی کو فضیلت دیتا ہے تو غالی شیعہ یا رافضی ہوگیا۔ لیکن اصولاً اور واقعاً وُہ اہلِ سُنّت وجماعت ہی رہا کیونکہ حضرات شیخین کی خلافت کو برحق جانتا رہا اور اُس

اصول کا حامی رہا جس اصول کی بناء پر حضراتِ شیخین نے اہلِ بیت رسالت کو حکومت سے خارج کرکے اپنے تئیں صاحبِ امر کی مسند پر آراستہ کر لیا تھا۔ گویا خاص امر متنازعہ میں تو وُہ حضراتِ شیخین کا مقلد ہے۔ اور اگر شخصی حیثیت سے اُس نے علی سے نفرت نہ کی یا علی کو حضراتِ شیخین سے افضل بھی سمجھا تو اُس کے اصل مذہب پر فرق نہ پڑا۔ ایسا شخص اگر امام حسینؑ کو بُلاتا ہے اور دعویٰ نصرت کرتا ہے اور ذرا سا زور پڑنے پر حسینؑ کو چھوڑ دیتا ہے تو نہ تو کوئی تعجب کی بات ہے اور نہ کوئی یہ طعنہ دے سکتا ہے جو اکثر دیا جاتا ہے کہ حسینؑ کو تو شیعوں نے قتل کیا۔ بقول شاہ عبدالعزیز اور ابن حجر مکی وُہ تو اہلِ سُنّت وجماعت تھے۔ اب اگر اُن کو چاہو تو شیعہ یا رافضی یا ناصبی یا خارجی کہدو۔ صرف نام سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصلی شیعہ علی اور اصلی اہلِ سُنّت وجماعت میں مابہ الامتیاز فقط اولی الامر کے معنی کا ہے۔ فضیلتِ علی یا فضیلت شیخین مابہ الامتیاز نہیں ہے۔ اگر زید حضرت علی کو شیخین سے بدرجہا افضل سمجھتا ہے لیکن اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد ولی امر حضرت ابوبکر تھے حضرت علی نہ تھے تو چونکہ اُن کا اختلاف حضرت علی علیہ السلام سے اصول وعقیدہ میں ہوگیا، وُہ اپنے تئیں ولی امر سمجھتے تھے زید ابوبکر کو ولی امر سمجھتا ہے تو زید شیعۂ علی نہ کہلائے گا۔ بلکہ اُس کو شیعۂ ابوبکر وعمر کہیں گے۔

اِس معیار پر جب ہم پرکھتے ہیں تو شیعیانِ علی کی جماعت شروع شروع میں بہت قلیل نظر آتی ہے۔ اِس جماعت کا اپنے تئیں قائم رکھنا اور اپنے خیالات کا اس قدر پھیلانا کہ موجودہ زمانے میں دُنیا کا کوئی حصّہ یا مُلک نہیں جس میں شیعۂ علی علیہ السلام نہ ہو ایک معجزہ ہے۔

شیعۂ علی وشیعۂ شیخین کا فرق نہایت نمایاں طریقہ سے جس نے لوگوں پر ظاہر کیا اور اِس جماعت کو وُسعت وترقی وتنظیم دی وُہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام تھی۔ اِس جماعت کو نمایاں اور باقی اُمتِ اسلامیہ سے ممیّز کرنے کے لئے واقعۂ کربلا کو بہت دخل ہے۔ اس سانحۂ عظیم نے جس میں آلِ محمّد کا بچّہ بچّہ ذبح کر دیا گیا کونہ کھدرے سے ڈھونڈھ کر نکالا گیا اور ذبح کیا گیا، دو امور کو نہایت واضح طور سے لوگوں کی نظروں کے سامنے

لاکر رکھ دیا۔ (۱) امام حسینؑ کا اِصرار کہ بیعتِ یزید نہ کریں گے۔ (۲) اُمتِ اسلامیہ کی اکثریت کی عداوت آلِ رسولؐ سے + اہلِ بیتِ رسالت کو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد یہ پہلا موقع ملا تھا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی جان کی بھی پرواہ نہ کرکے اُس نظام کے خلاف احتجاج بلند کریں جو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد قائم ہوگیا تھا اور جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو منقلب کر دیا گیا تھا۔ احتجاج تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا اور بہت اچھی طرح کیا تھا۔ لیکن تلوار اُٹھانی تین وجوہات سے مناسب نہ سمجھی +

(۱) اگر اس وقت تلوار اُٹھاتے تو اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا اور لوگ فوراً کفرِ سابق کی طرف رجوع کر جاتے +

(۲) چونکہ حکومت کا سوال تھا لوگوں کو خیال پیدا ہوتا کہ علی تو حکومت کے لئے لڑے تھے۔ مارے گئے اور اپنے بچوں کو بھی حکومت کی خاطر ہلاکت میں ڈالا۔ لہٰذا اس احتجاج کا جو مقصد حق کو ظاہر کرنے کا تھا وہ نہ پورا ہوتا۔ یہی اشتباہ امام حسن علیہ السلام کی حالت میں ہوسکتا تھا لہٰذا اُنہوں نے صُلح کرلی +

(۳) حضرت علی اور امام حسنؑ کے زمانہ کے حُکام ایسے تھے جنہوں نے اپنی اصلی نیت کو ظاہرا اسلامی لباس کے نیچے پنہاں کر رکھا تھا۔ بلکہ لوگوں میں اسلام ہی ایسا رائج کر دیا تھا جس میں وُہ سرچار نظر آتے تھے۔ اگر اُن کے خلاف احتجاج کیا جاتا تو معاملہ بحث و مباحثے میں پڑ جاتا اور اصلی مقصد فوت ہوجاتا۔ امام حسین علیہ السلام کی حالت میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش ہی نہ تھی +

اب امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں یہ باتیں نہ تھیں۔ یزید نے اپنے تئیں مضبوط و مستحکم پاکر ظاہرداری کی چادر اوڑھنی مناسب نہ سمجھی اور صاحبانِ غور و فکر نے دیکھ لیا کہ جس نظام کی پیروی ہم اب تک کرتے آئے ہیں وُہ یزید جیسے اولوالامر اور لشکریانِ یزید جیسے دشمنانِ اہلِ بیت پیدا کرتا آیا ہے اور کرے گا۔ لہٰذا اُن میں جو حق کے جویا تھے اِس جماعت میں آملے۔ لیکن اِس جماعت کو اکثریت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور حکومت پر اس کا کبھی قبضہ نہیں ہُوا۔ قوم کے خدوخال حکومت و

اکثریت ہی سے بنتے ہیں۔ لہٰذا اسلام اور مسلمانوں کا نقشہ جو دُنیا نے دیکھا وُہ وہی تھا جو یہ اکثریت پیش کر سکی۔ چونکہ اُس اسلام اور اُن مسلمانوں میں بہت سے نقائص تھے لہٰذا دُنیا نے اُن کی نکتہ چینی اور عیب جوئی کی اور حضرت حالیؔ کو کہنا پڑا کہ ع

اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

غرضکہ سانحۂ کربلا نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور شیعۂ علی کی جماعت میں اضافہ ہو گیا۔ لیکن چونکہ حکومت اور اکثریت حاصل نہ ہوئی۔ یہ جماعت کُل قوم پر اپنا رنگ نہ جما سکی۔ اِس حالت میں بھی اس جماعت میں ایسے ایسے علماء پیدا ہوئے جو آسمان اسلام پر مہر و ماہ ہو کر چمکے۔ جو قربانیاں اس جماعت نے کیں، اور جن مخالف حالات کے اندر اُنہوں نے حق کی شمع کو اپنے دامن کے نیچے لے کر بادِ مخالف کے جھونکوں سے بچایا وُہ ہمیشہ اور ہر قوم میں بنی نوع انسان کو ایثار نفس، نُصرتِ حق، جُرأت۔ ہمت، شجاعت اور موت سے نہ ڈرنے کا سبق پڑھاتے رہیں گے۔ شیعیان علی زندہ دیواروں میں چُنے گئے، جلا وطن کیئے گئے، کونہ کونہ سے ڈھونڈھ کر نکالے گئے اور قتل کیئے گئے۔ ان میں سے بعض کو اُن کے بیوی بچوں کے سامنے، اُن کو اور بعض کی بیوی بچوں کو اُن کے سامنے بیدردی کی حالت میں قتل کیا گیا، کسی کی زبان گُدی کے پیچھے سے نکالی گئی۔ کسی کو زندہ لٹکا بوٹی کیا گیا۔ کسی کو زندہ دفنا دیا گیا۔ کسی کو سُولی دے کر مہینوں اُس کی لاش کو سرِ راہ لٹکا رہنے دیا۔ جو علی کا نام لیتا تھا وُہ قتل کیا جاتا تھا، جس جماعت نے ایسے حالات میں اپنے اصول و مذہب کو نہ چھوڑا ہو اس جماعت کی نسبت یہ کہنا کہ تمسک بالثقلین کرنے کا کیا نتیجہ ہوا طنز بے معنی اور تعصب لا طائل کی آخری حد ہے۔ یہ وُہ جماعت ہے جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سَو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اقبال مرحوم نے اِس شعر کو موجودہ اِسلام کی اکثریت کے متعلق کہہ کر اپنے شعر کی بھی وُقعت کھوئی۔ سَو بار تو بہت ہوتے ہیں، ایک دفعہ ہی

بتادیں کہ کب باطل کے غلبہ کے سامنے یہ ٹھہرے ہیں اُحد و حنین سے لے کر آج تک دیکھ لو۔ نہ دبنے کی صفت اُس وقت زیر عمل آتی ہے کہ جب غلبہ فریق مخالف کا ہو۔ اگر غلبہ اپنا ہے تو پھر دبنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اکثریت کو تو ہمیشہ غلبہ ہی رہا ہے۔ اور جب غلبہ نہ رہا تو بقول حضرت حالیؔ اُن کی اصلی حالت نمایاں ہوگئی ؎

حکومت تھی گویا کہ اک جھول تم پر کہ اُترتے ہی اُس کے نکل آئے جوہر

غضب تو یہ ہے کہ اصلی واقعات تو سب معلوم کر لیتے ہیں۔ تعصب پیدا گشتی اُن کو اُن کے وجوہات اصلی نہیں دیکھنے دیتا۔

مقدّمہ

رازہائے دہر تو بہت ہیں۔ اور اتنے ہیں کہ انبیاء کے علاوہ شائد ہی کسی اور نے اُن سب رازہائے سربستہ کو سمجھا ہو۔ انبیاء میں اُن کے اوصیاء اور خلفاء بھی شامل ہیں۔ چنانچہ حافظ نے کہہ ہی دیا کہ ؎

حدیث از مطرب و عاگو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمہ را

لیکن دعویٰ بہت لوگوں نے کیا۔ اور کیوں نہ کرتے۔ جب اُن کی ہمت کی بلندی کے آگے خدائی اور مسیحیت تک کی حد کچھ نہیں تو یہ تو محض راز ہیں۔ چنانچہ حضرت اقبال جن کی پرستش کرنے والوں کی تعداد بڑھ ہی رہی ہے فرماتے ہیں ؎

سرآمد روزگارِ این فقیرے
دگر دانائے راز آید نہ آید

اُن تمام رازہائے سربستہ کے انکشاف کا کام ان بزرگواروں کے سپرد کر کے اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا میں صحیح طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لئے دُنیا یا دہر کے چند رازوں کا علم صاحبان غور و فکر کے لئے ضروری ہے یہ بات دُوسری ہے کہ اُن چند رازوں کے علم کی وجہ سے کچھ لوگوں کا ظرف چھلک گیا اور وہ سمجھے کہ ہم کو سب راز معلوم ہوگئے۔ ان چند ضروری رازوں میں سے ایک یہ راز معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ دُنیا میں ہر حقیقی شئے اور تصوّر کے ساتھ اُس ہی سے ملتی جلتی مصنوعی شئے ضرور ہوتی ہے افلاطون اور شاہ ولی اللہ جیسے دانشمندان راز نے اِس دُنیا ہی کو مصنوعی قرار دے کر کے۔۔ نئی اور حقیقی دُنیا کا انکشاف کیا ہے۔ اِس اصول سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

ان ہی میں سے ایک معجزہ ہے کہ ابتدائی نبوت سے یہ اُس کے ساتھ رہا ہے۔ اس کے کئی میرات ہیں جو سحر کو معجزے سے علیحدہ کردیتے ہیں۔ قرآن شریف میں ایک مابہ الامتیاز یہ ہے کہ معجزہ ہستی شئے کو معدوم کرسکتا ہے سحر میں یہ طاقت نہیں۔ جب ساحران فرعون نے دیکھا کہ اُن کے وُہ عصا جن کو اُنہوں نے لوگوں کی نظروں میں سانپ دکھایا تھا موسیٰ کے عصا کی وجہ سے معدوم ہوگئے تو وُہ سمجھ گئے کہ موسیٰ کا معجزہ ہے۔ سحر نہیں۔ اور بھی کئی میرات ہیں۔ مُردے کو زندہ کرنا یعنی معدوم کو ہستی میں دوبارہ لانا، اُن امراض کو اچھا کرنا جو طب زمانہ کی طاقت سے باہر تھے وغیرہ وغیرہ۔ اُن میں سے ایک پیشینگوئی بھی ہے۔ معجزہ یہ ہے کہ پیشینگوئی سچّی ہوجائے حالانکہ جب وُہ پیشین گوئی کی گئی تھی اُس وقت موجودہ لوگوں میں سے کسی کو اُس کے سچّا ہونے کے امکانات واسباب نظر نہیں آتے تھے۔ چنانچہ جناب رسولؐ خدا نے بھی ایسی پیشینگوئیاں ارشاد فرمائی ہیں۔

جناب رسولؐ خدا کی پیشین گوئیوں میں سے فی الحال ہم صرف دو پیشینگوئیوں کا ذکر کرتے ہیں جو یقیناً معجزہ تھیں۔ ایک تو دعوت ذی العشیرہ پر جو اعلان خلافت آپ نے فرمایا اور دُوسرے حدیث ثقلین۔ دعوت ذی العشیرہ کے اعلان کو لیجیے۔ حضرت علی کی عمر اُس وقت کم سے کم گیارہ سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال کی تھی۔ اُسوقت تک حضرت علیؑ کی دماغی اور جسمانی قوتوں کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت آنحضرتؐ کہتے ہیں کہ یہ کم سن بچہ میرے اِس اہم کار نبوت میں میرا شریک ہے۔ وزیر ہے۔ خلیفہ ہے۔ تم لوگ اُس کی اطاعت کرو۔ اس پر غور کیجئے۔ یہ کتنا بڑا اعلان ہے۔ آپ نے بغیر تجربہ ظاہری کے ایک کم سن نوجوان کو اس اہم کار نبوت میں شریک کہا ہے بغیر اس عالم الغیب والشہادت کے انتخاب کے آنحضرتؐ یہ بات کیونکر حضرت علی کے متعلق کہہ سکتے تھے۔ اگر فرض کرو آگے چل کر وُہ نہایت بزدل ثابت ہوتے۔ ہر ایک لڑائی کی گرمی سے بھاگ جاتے۔ رسول خدا کو تن تنہا میدان جنگ میں چھوڑ کر چلے جاتے یا فرض کرو (معاذ اللہ) بدچلن ہوتے۔ عیش وعشرت کرتے ایک

اور بات سے سروکار نہ رکھتے۔ زہد و ریاضت کی طرف اُن کی طبیعت ہی نہ مائل ہوتی۔ جسدِ رسول اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر وُہ بھی دُنیاوی وجاہت کے حصول کے لئے چلے جاتے تو آپ کی نبوت پر حرف آتا یا نہ آتا۔ کُفّار کہتے دیکھو وُہ خلیفہ وزیرِ رسُول میدانِ جنگ سے بھاگا جارہا ہے۔ اس کو تو حشر و نشر و جنّت و دوزخ پر یقین نہیں ورنہ اِس طرح اپنی جان بچا کر کیوں بھاگتا۔ دیکھو جسدِ رسول اطہر پڑا ہُوا ہے اور اس کا خلیفہ و وزیر دُنیاوی وجاہت کے حصول میں مشغول ہے۔ یا دیکھو اس کے ایسے کرتُوت ہیں۔ محمد (صلعم) کو تو دعویٰ ہے کہ خداوند تعالیٰ سے براہِ راست ان کے پاس سلسلہ و تعلق ہے۔ خُدا نے بھی یہ نہ بتایا کہ جس کو تم خلیفہ و وزیر کر رہے ہو اس کے تو یہ کرتُوت ہوں گے۔ کُفّار تو کُفّار مسلمانوں کو آپ کی نبوت سے انکار ہو جاتا۔ اب جبکہ واقعات اور حضرت علیؑ کے کارناموں نے آپ کے اعلان کو صحیح ثابت کر دیا تو اس کا اس طرح صحیح ثابت ہونا ہی آپ کی نبوّت کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ہر ایک غور و فکر کرنے والے کے لئے قیامت تک اس اعلان کا صحیح ہونا آنحضرتؐ کی نبوّت کی تصدیق کرتا رہے گا۔

اب حدیث ثقلین کو لیجئے۔ اِس حدیث کی پیشنگوئی بھی آپ کا ایک معجزہ ہے جو قیامت تک آنحضرتؐ کی نبوّت کی تصدیق کرتا رہے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تم نے میری عترت اہل بیت کا دامن چھوڑ دیا، ان سے سبقت کی اور اپنے تئیں ان پر مقدّم رکھا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُمّت نے اہلبیت علیہم السلام کا دامن چھوڑ دیا اور ان پر سبقت کر کے خود خلیفہ بن گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی پیشین گوئی متذکرہ بالا پُوری ہوئی یا نہیں اگر پُوری ہوئی تو اس کا سچّا ہونا آنحضرتؐ کی نبوّت کی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔ اور اگر پُوری نہیں ہوئی تو آپ کے نبی برحق ہونے میں شُبہ کا پیدا ہونا انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ ہماری اس کتاب کا مقصد محض اس پیشین گوئی کی صداقت کو ثابت کرنا ہے۔ کہ اُمّتِ محمدیہ کی اکثریت بلکہ کُل اُمّت باستثناء معدودے چند مومنین کے جناب رسولؐ خدا کے انتقال کرتے ہی

جادۂ مستقیم سے ہٹ کر گمراہ ہوگئی۔ اِس گمراہی کو ہم نے اس کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حدیث کی ہر ایک کتاب میں ایک عنوان ہے کتاب الفتن کے نام سے۔ وُہ ہی اِس گمراہی کا بیّن ثبوت ہے۔ ہر ایک مسلمان مانتا ہے کہ اسلام دُنیا کو امن و راحت دینے آیا تھا اور بنی نوع انسان کو تفرقہ اور افتراق سے بچا کر ایک مذہب پر لانا اس کا مقصد تھا۔ کیا اُمّت کی گمراہی کا اس سے زیادہ کوئی اور ثبوت ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ دونوں چیزیں معدوم نظر آتی ہیں۔ آنحضرتؐ کے بستر مرگ ہی پر ایک جماعت نے افتراق پیدا کر دیا۔ اور وُہ تفرقہ آگے بڑھتا ہی گیا۔ اُس ایک تفرقہ کی وجہ سے بہت سی تقسیم و تفریق کرنی پڑی اور اسلام میں تحریف ضروری سمجھی گئی۔ خرقۂ اسلام یُوں پارہ پارہ ہُوا۔ امن و چین کو لیجئے۔ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی سے جو خونریزی شروع ہوئی وُہ اُس وقت تک جاری رہی جب تک بدن میں ایک قطرۂ خُون بھی باقی تھا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کر لو۔ اور تم کو ظاہر ہو جائے گا کہ مملکت اسلامیہ سے امن و چین معدوم تھا۔ نائبانِ رسول کی عیش و عشرت کی کہانیاں سُننی ہوں تو ابوالفرج کی کتاب الاغانی کا مطالعہ کیجئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کا زمانہ ٹھیک اسلامی زندگی کے مطابق تھا۔ اس زمانہ کے امن و راحت کی حالت یہ تھی کہ کوئی خلیفہ اپنی قُدرتی مَوت نہیں مرا۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ ہی سے مسلمانوں کا قتل عام مانعین زکوٰۃ کے بہانہ سے شروع ہو گیا۔ حضرت عثمان چالیس دِن تک اپنے محل میں محصور رہے سوائے علی مُرتضیٰ کے کوئی مسلمان اُن کی مدد کو نہ آیا۔ آخرکار قتل کر دئے گئے۔ جب حضرتِ امیر نے مجبوراً مسندِ حکومت پر قدم رنجہ فرمایا تو قاتلانِ عثمان ہی قصاصِ خُونِ عثمان کے بہانہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور خلیفہ برحق کے خلاف خود خلافت حاصل کرنے کی امید میں وُہ بغاوت پھیلائی کہ مملکت اسلامیہ کا امن و چین مفقود ہو گیا۔ اپنے پیغمبر و محسن کے پیارے نواسے کو اِس بے رحمی سے میدانِ کربلا میں قتل کر کے اُمّتِ اسلامیہ نے اپنے اخلاق و کمالِ ایمان کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اب تک دُنیا حیرت میں ہے۔ اس کے بعد آخر زمانۂ خلافتِ اسلامیہ تک جو خُون ریزیاں ہوتی رہیں وُہ تاریخ کے صفحوں میں

محفوظ ہیں۔ اسلام کے دونوں مقصد مملکتِ اسلامیہ میں شروع ہی سے پورے نہیں ہوئے اور یہی گمراہی ہے۔ ہم نے اِس کتاب میں کتب تواریخ و حدیثِ اہلسنت و جماعت سے ثابت کیا ہے کہ یہ گمراہی محض دامن آل رسول کے چھوڑنے سے ہوئی اور اس طرح جناب رسولؐ خدا کی یہ پیشینگوئی پوری ہوئی۔

کہا جا سکتا ہے کہ اِس پیشینگوئی کا دوسرا حصّہ بھی ہے اور وُہ یہ کہ جو متمسک اہلبیت و قرآن کرے گا وُہ کبھی گمراہ نہ ہوگا مسلمانوں کی ایک جماعت کا جن کو شیعیان علی کہتے ہیں یہ دعویٰ ہے کہ وُہ آل رسولؐ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں وُہ کیوں گمراہ ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے۔

کسی قوم کی گمراہی یا صداقت اس کی اکثریت کی حالت سے دیکھی جاتی ہے اور اسی پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ اور اسلام کو کامل ترین دین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور آنحضرتؐ کی نبوت میں حکومت شامل ہے۔ حکومت ایک ایسا رکن ہے جس پر رعایا کے اخلاق و مذہب کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ الناس علیٰ دین ملوکھم گویا کسی جماعت پر اثر کرنے والے دو اسباب ہوئے۔ اکثریت اور حاکمیت۔ اور یہ دونوں شروع سے اُمّت اسلامیہ میں ان کے قبضہ میں تھے جو راہ مستقیم سے علیحدہ ہو چکے تھے اور جن کی اِس علیحدگی کو جناب رسول خدا نے اپنے آخری الفاظ قوموا عنی کہہ کر دُنیا پر ظاہر کر دیا تھا۔ جب صُورتِ حالات یہ ہو تو اس جماعت کی اقلیت کس طرح اپنے تئیں گمراہ ہواؤں کے جھونکوں سے بچا سکتی ہے اکثریّت نے اِس اقلیت کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا اور رسوم عمل میں دونوں کا اتحاد ہو گیا۔ اور یہ اتحاد دونوں کو قعر مذلت میں لے گیا۔ شیعیان علی ہونے کا زبانی دعویٰ کبھی کارگر نہیں ہو سکتا۔ جب تک عمل بھی اس کے مطابق نہ ہو۔ عمل کی صُورت یہ ہے کہ یہ بھی اسی طرح دُنیاوی وجاہت پر جان دیتے ہیں جو ان کی اکثریت کا طرزِ عمل سقیفہ بنی ساعدہ والے دن اور مابعد کے زمانہ میں رہا ہے۔ اِسی طرح عدل سے یہ بھی گریز کرتے ہیں۔ اگرچہ امام حسین علیہ السلام کو ہر سال روتے ہیں لیکن اُن کے قاتل سے

محبّت کرتے ہیں۔ اُن کا قاتل ظالم تھا اور یہ بھی ظلم کو پسند کرتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد کے تعلّقات میں ظلم، میاں بیوی کے تعلقات میں ظلم۔ بھائی بھائیوں میں، دوستوں میں غرض ہر جگہ ظلم ہی ظلم ہے اعتقاداً متعہ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ عملاً یہ حالت ہے کہ زنا اچھا اور متعہ بُرا۔ جب ہر ایک امر میں یہ اپنی اکثریت کی پیروی کرتے ہیں تو اکثریت کے ساتھ ہی قعر مذلت میں گرنا بھی ضروری تھا۔ یہ تصویر شیعہ جماعت کے اکثریت کی ہے ورنہ اگر افراد کو دیکھو گے تو ہر زمانے میں ان میں ایسے بزرگ ملیں گے جو واقعی قولاً، فعلاً، اعتقاداً اپنے امام کے قدم بقدم چلتے تھے تو ان کی حالت بھی یہ تھی کہ جہاں تک شخصیّت کا تعلق تھا ان کی شخصیّت ہر ایک پر غالب تھی۔

غرضکہ آج کل کی پستی کے زمانے میں ہر ایک مُسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اعتقاد و عمل کا جائزہ لے اور جس میں نقص دیکھے اُس کو صحیح کرنے کی کوشش کرے اس سعی میں مدد کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

نکلسن روڈ دہلی۔ ۱۰ر نومبر ۱۹۴۶ء

کتاب التفریق

باب اوّل

خرابیٔ اقوام و ملل کے اسباب

لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ عِنْدَ عَالِمِهٖ مَنْ لَّمْ یَکُنْ عَالِمًا لَمْ یَدْرِ مَا الدَّاءُ (ابوالعتاہیہ)

(حکیم کے پاس ہر مرض کی دوا ہوتی ہے لیکن جو حکیم ہی نہیں اُسے کیا معلوم کہ مرض کیا ہے)

اقوام عالم کے عروج و زوال کے تذکرے اور اُن کے اسباب و علل انسانی درس زندگی کا نہایت اہم اور مفید سبق دیتے ہیں۔ مورخین احوال ماضی سے تاریخی اصول و قواعد مستنبط کرتے ہیں۔ مدبرین مُلک ماضی کی بناء پر حال کو قائم کرتے ہیں حکماء دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ علماء مذہبیہ رحمتِ خداوندی اور عذاب الٰہی کا نمونہ دیکھتے ہیں۔ مصلحینِ مُلک و ملّت کو ان سے اصلاحِ حال کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ اور بہر صورت گزرے ہوؤں کا ماجرا درسِ عبرت تو ہوتا ہی ہے۔ بہت خوش قسمت اور عقلمند ہیں وہ قومیں اور وہ افراد جن کو خداوند تعالیٰ نے دوسروں کی مصیبت دیکھ کر اپنی اصلاحِ حال کی طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے اُوپر سے بھی بہت سے عُسر و یُسر کے زمانے گزرے۔ فاتح بھی ہوئے۔ مفتوح بھی ہوئے اور اُس حالت کو بھی پُہنچے کہ جس میں وہ اب ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک انہوں نے اپنے زوال کے

اسباب پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ اگر غور کرتے تو اسباب معلوم ہو جاتے اور جب اسبابِ مرض معلوم ہو جاتے ہیں تو ازالۂ مرض تو دنوں کی بات رہ جاتی ہے مہینے بھی نہیں لگتے۔ تاہم یہ ہم کیونکر کہیں کہ غور نہیں کیا۔ اسبابِ زوال معلوم کرنے کی کوششیں تو اب نہیں بلکہ صدیوں پہلے سے جاری ہیں لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مریض کی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ابھی صحیح تشخیص نہیں ہوئی۔ اب تک جتنا معلوم ہو سکا وہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے صحیح اسلام کو چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے اِس قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ علتِ اوّل تو نہیں ہے۔ یہ تو نتیجہ ہے کسی اور سبب کا۔ یہی تو مرض ہے کہ مسلمانوں نے شارعِ اسلام کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کو چھوڑ دیا ہے معلوم تو یہ کرنا چاہیئے کہ صراطِ مستقیم کے چھٹنے کے کیا اسباب تھے۔ قبل اس کے کہ ہم آگے چلیں ہمیں یہ ایک معمّہ حل کرنا پڑ گیا کہ مسلمانوں میں خُدا کے فضل سے بڑے بڑے عالی دماغ لوگ گزرے ہیں۔ صدیوں سے یہ غور ہو رہا ہے کہ مسلمانوں نے کیوں اور کب صراطِ مستقیم کو چھوڑا۔ اور پھر صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچتے۔ آخر اِس رُکاوٹ کی کیا وجہ ہے۔ جب حکیم دیکھتا ہے کہ باوجود سخت ہونے کے جلّاب کارگر نہیں ہوا تو وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ضرور کہیں سخت سُدّا اٹکا ہوا ہے۔ اِسی طرح ہمیں بھی معلوم کرنا پڑا کہ یہ دماغی سُدّا کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اعتقادات جنہوں نے مذہب کا درجہ حاصل کر لیا ہے اِس رُکاوٹ کا باعث ہیں۔ بہرصُورت جہاں اور لوگوں نے کوشش کی ہم بھی کرتے ہیں۔ ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

اِسلام مبنی ہے احکامِ قرآن اور اقوالِ رسول پر۔ اور ان دونوں کی طرف ہم مسلمانوں کے زوال معلوم کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں +

احکامِ قرآن

احکامِ قرآن

قرآن شریف نے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ صراطِ مستقیم کون سی ہے۔ مندرجہ ذیل

آیات غور طلب ہیں:-

(۱) وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(سورۃ الانعام پارہ ۸ ع ۱۹)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

(سورۃ المائدہ پارہ ۶ ع ۲)

(۳) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

(سورۃ آل عمران پارہ ۴ ع ۱۱)

(۴) شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ۖ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ (سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲)

(۵) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (سورۃ آل عمران پارہ ۴ ع ۱۱)

(۶) وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ

(سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲)

(۷) وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝

(سورۃ البینہ پارہ ۳۰ ع ۱)

ترجمہ

(۱) اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا۔ مگر ایسے طریقے سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے لیکن اس کی طاقت کے مطابق۔ اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو۔ اگرچہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔ اور خدا کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ تم اسی پر چلنا۔ اس کے سوا اور راستوں پر نہ چلنا کیونکہ ان پر چل کر خدا کے راستہ سے الگ ہو جاؤ گے۔

(۲) اے ایمان والو خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو۔ کیونکہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

(۳) اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔ اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

(۴) اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

(۵) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے اور صریح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہو گا جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ۔ تو جن لوگوں کے منہ سیاہ ہوں گے (ان سے خدا فرمائے گا) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ سو (اب)

اِس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو +

(۶) اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم (حق) آچکنے کے بعد۔ آپس کی ضد سے (ہوئے ہیں)

(۷) اور اہل کتاب جو متفرق (و مختلف) ہوئے ہیں تو دلیل واضح کے آنے کے بعد (ہوئے ہیں)

یہ ترجمہ مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری کا ہے جو تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کے مطبوعہ قرآن شریف کے ساتھ شائع ہُوا ہے۔ اِن آیات پر اچھی طرح غور کرو۔ خود بخود نتیجے نکلتے چلے آئیں گے۔ قرآن شریف کی بلاغت اور جامعیت کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کی عبارت ظاہری معانی کی بھی حامل ہے اور باطنی و تلمیحی مطالب کو بھی برداشت کرتی ہے اور اس طرح دُنیا کی ترقی و رفتار کے ساتھ ساتھ قرآن شریف کی ہدایت جاری رہتی ہے۔ دن میں کئی دفعہ سُورۂ فاتحہ پڑھنے کا اتّفاق ہوتا ہے۔ اس میں ایک لفظ ہے رَبّ العالمین' یہ اُس زمانہ میں بھی بامعنی اور قابل فہم تھا۔ جب اس دُنیا کے علاوہ کسی اور عالم سے لوگ واقف نہ تھے کیونکہ اس ہی ایک عالم یعنی دُنیا میں پرندوں کا عالم، چوپایوں کا عالم، جنّوں کا عالم، سمندر میں رہنے والوں کا عالم سینکڑوں عالم تھے اور لوگ ان سے واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ خداوند تعالےٰ ان سب کا رب ہے۔ اور اب کہ ہماری دُنیا کے علاوہ اور کئی عالم معلوم ہو گئے ہیں۔ بہت سے سیّارے ہیں جن میں ہماری طرح کی مخلوق خدا آباد ہے۔ اِس دُنیا کی طرح بہت سی اور دُنیائیں ہیں۔ جن کا نظام شمسی ہی علیحدہ ہے۔ اُن سب کا رب ہمارا خداوند تعالیٰ ہے اور یہ لفظ اُسی طرح پُرمعنی ہے۔ اسی طرح اُوفوا الکیل والمیزان بالقسط کو لو۔ یہ فقرہ بزازوں کے کپڑا ناپنے اور بنیوں کے دال چاول تولنے پر حاوی ضرور ہے لیکن ان پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کے معنی یہ بھی ہیں کہ آپس کے معاملات میں لوگوں کو ذلّت و حقارت اور آبرو و عزّت کے ساتھ دیکھنے میں، اُن کے فضیلت و رذالت کے

مدارج مقرر کرتے ہیں، غرضکہ ہر اُس چیز میں جو تم لوگوں کو دے سکتے ہو، خواہ وُہ اجناس و اشیاء کی صورت میں ہو، خواہ وہ عزّت و آبرو کی شکل میں ہو انصاف کے ساتھ میزان کر کے دو۔ یہ وُہ میزان یا ترازُو ہے جس میں اشیاء بھی تُل سکتی ہیں بڑے بڑے محل و قصر بھی تولے جا سکتے ہیں اور اعمال بھی تُلتے ہیں۔ میدانِ حشر میں جو ترازُو نصب ہوگا اس میں تو فقط اعمال ہی تلیں گے۔ کتنی بڑی جہالت ہوگی اگر اس میزان کو تم بزاز اور بنئے کی دُکان ہی میں محدود کر دوگے اِس تمہیدی نوٹ کی روشنی میں اِن آیات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :-

آیات کا اصل مفہوم

(۱) خداوند تعالیٰ کی صراطِ مُستقیم عدل پر مبنی ہے۔ سب کے ساتھ عدل کرنا ہی صراطِ مُستقیم ہے۔ آپس میں عدل کرو یہاں تک کہ ایک دُوسرے کے ذکر کرتے ہیں، روزانہ گفتگو میں بھی انصاف کے جادہ سے انحراف نہ ہو۔ ایک طرف تمہارا دُشمن ہو۔ دُوسری طرف تمہارا قریبی رشتہ دار ہو۔ تب بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑو۔ خواہ اُس سے تمہارے رشتہ دار کو نقصان پہنچتا ہو۔ اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل کرو۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اگر اپنے نفس سے اُس کی وُسعت سے زیادہ اُمّید رکھوگے تو وُہ اُس کے ساتھ بے انصافی ہوگی

اصلی نفس کشی

واعظانِ خوش الحان اور زاہدانِ شیریں بیان نفس کشی کی بہت تعریف کیا کرتے ہیں لیکن نفس کشی کے معنی سمجھ لینے چاہئیں۔ نفس کشی کے معنی کسی عُضو یا خواہش فطری کو بالکل ہی بیکار کر دینے کے نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک عُضو، جذبہ، خواہش فطری کو اس کے حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کی اجازت نہ دینا اصلی نفس کشی ہے اگر ایک یا دو عُضو کو بالکل ہی مار دینا نیکی میں شامل ہوتا تو تمام اعضاء کو مار دینا زیادہ تر نیکی ہوتی - اور اسلام میں خودکشی ایک عُمدہ شے تسلیم کر لی جاتی - لیکن ایسا نہیں ہے - جس کو مارنا ہے وُہ ظُلم کرنے کا میلان یا جذبہ ہے اور یہی اصلی اور مستحسن نفس کشی ہے۔ ہر ایک انسان ہر ایک دائرۂ عمل میں

خود آگے بڑھ کر رہنا چاہتا ہے اور یہ ہی ظلم کی ابتداء ہے۔ جو شخص اپنے میں اور غیر میں انصاف مُطلق کر سکتا ہے وُہ ہی نفس کش ہے۔ خُدا کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ اِس خیال کو کیسے عُمدہ فقرے میں ظاہر کیا ہے، وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ، خُداوند تعالےٰ کے ساتھ اِنصاف کرنے کی کوشش تُم کو غیر اللہ کی پرستش کرنے سے باز رکھے گی تُم معلوم کر لو گے کہ اصلی رَبّ وخالق کے ساتھ کِسی اَور کو شامل کرنا خلافِ انصاف ہے۔ جب ہی دیکھو قرآن شریف میں شرک کو ظُلم عظیم اور مُشرکین کو ظالمین کہا ہے۔ اگرچہ انصاف کا لفظ خداوند تعالےٰ کے متعلق کُچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا لیکن جو بحث ہم کر رہے ہیں اِس کو ذہن نشین کرانے کے لئے اِس فقرہ کا اِستعمال کرنا ناگزیر تھا۔ اگر تم نے انفرادی یا اجماعی حیثیت سے عدل کے راستہ سے انحراف کر لیا تو پھر خُداوند تعالےٰ کی صراطِ مُستقیم سے ہٹ جاؤ گے اور مختلف راستوں پر پڑ جاؤ گے۔ یعنی مختلف فرقے پیدا ہو جائینگے غور کرو۔ دیکھو کیسا نازک مسئلہ ہے۔ اگر بھائی بھائی نے آپس میں عدل نہ کیا اگر باپ نے بیٹے کے ساتھ اور بیٹے نے باپ کے ساتھ عدل نہ کیا۔ خاوند نے عورت کے ساتھ انصاف نہ کیا، عورت نے خاوند کا حق ادا نہ کیا۔ دوستوں نے آپس میں انصاف نہ کیا۔ یہاں تک کہ اگر محض گُفتگو ہی میں انصاف کو چھوڑ کر کِسی شخص غائب یا حاضر کے متعلق وُہ باتیں کہیں جس کا وُہ اہل نہیں ہے یا اُس کو اس سے کم عِلم وفضیلت رکھنے والے کے مقابلہ میں گرا دیا۔ تو یہ سب باتیں عدل کے خلاف ہیں اور خداوند تعالےٰ کی صراطِ مُستقیم سے ہٹا کر دُوسرے غلط راستوں پر ڈال دینے والی ہیں۔ دیکھو قرآن شریف میں ظُلم کی کتنی مذمّت کی گئی ہے۔ لعنت اللہ علی الظالمین۔ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْن۔ شرک ظُلم عظیم ہے۔ عدل کی یہاں تک تاکید ہے کہ اگر تمہیں کسی شخص یا قوم سے نفرت و دُشمنی بھی ہے تب بھی اُس کے ساتھ انصاف کرو۔ بہترین تقویٰ عدل ہے امر واقعہ یہ ہے کہ عدل ہی ایک ایسی شے ہے جو دُنیا کو بہشت کا نمونہ بناتی ہے

اور جس کے نہ ہونے نے دُنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔ قومیں ایک دُوسرے سے انصاف نہیں کرتیں۔ لڑائیاں ہوتی ہیں۔ دُنیا آفت و مصیبت میں مُبتلا ہو جاتی ہے۔ آپس میں انفرادی حیثیت میں انصاف نہیں کرتے۔ لُوٹ مار ہوتی ہے۔ فساد ہوتا ہے۔ گھر کا امن چین رُخصت ہو جاتا ہے۔ امیر غریبوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ مُلک میں غریبی اور غریبوں میں بے چینی پھیل جاتی ہے۔ مزدور اور سرمایہ دار کی کشمکش اس ہی بے انصافی کا نتیجہ ہے۔ غریب امیروں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ لُوٹ مار۔ ڈاکہ زنی۔ قتل و غارت اُس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دیکھیے۔ امریکہ و یورپ میں طلاقوں کی کتنی بھرمار ہے۔ ہندوستان میں طلاق کا رواج عام نہیں تو یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہزاروں معصوم لڑکیوں کے گھر برباد ہو جاتے ہیں اور وُہ اپنی جوانی اور مُرادوں کے دِن بے بسی کی حالت میں اپنے ماں باپ یا بھائی کے گھروں میں گُزارتی ہیں۔ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ جوانی کے عیش کو ترستی ہیں اور اگر دِل کڑا کر کے خاوند کے گھر میں ہی مرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو ساس کے طعنوں اور خاوند کی باتوں سے زِندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔ یہ ساری خرابیاں کیوں ہوتی ہیں۔ ہزارہا مخلوقِ خُدا کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔ محض اِس وجہ سے کہ ایک دُوسرے کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عدل کو اپنی صراطِ مُستقیم کہا ہے۔ اور ظالم کے لیئے عذاب الیم کا حتمی وعدہ فرمایا ہے۔

(ب) گُمراہی اور تباہی و بربادی کا دُوسرا سبب فرقہ بندی ہے۔ آپس میں ایک ہو کر رہنا اور مِل کر خُدا کے صحیح دین کی رسّی کے ساتھ منسلک رہنا۔ یہی انسان کی حیات کا اصلی گُر ہے۔ پہلی نعمت جو خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں پر نازل کی وُہ یہ تھی کہ ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا جناب رسول خدا نے کوشش کی کہ قبیلوں کا رشک و حسد جاتا رہے۔ رشتۂ اخوت قائم ہو گیا۔ آپس میں بھائیوں کی طرح مِل کر رہنا خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے۔ ایک مُستقل اور تاکیدی حُکم جو تمام

انبیاء یعنی نوحؑ، ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور جناب محمد مصطفیٰؐ کو دیا گیا وہ یہ تھا کہ دین کو قائم رکھیں اور آپس میں متفرق نہ ہو جائیں۔ یہی دائمی دین کا حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ اگر متفرق ہوگئے، آپس میں اختلاف کرنے لگے تو اپنے دین پر قائم نہیں رہے۔ صراطِ مستقیم چھوڑ دی، گمراہ ہوگئے ۔

(ج) پہلی قومیں کیوں تباہ و برباد ہوئیں۔ اِس وجہ سے کہ آپس میں اختلاف کر کے متفرق ہوگئے جو اختلاف باعث بربادی ہُوا وُہ اختلاف و تفرقہ تھا جو لوگوں نے خواہش نفسانی کی پیروی کر کے دین حقہ کی معرفت اور پیغمبر کی تعلیم کے بعد کیا۔ اس سے پہلے کے اختلاف یعنی زمانۂ جاہلیت کے اختلاف کو پیغمبر بھیج کر دُور کرنا خداوند تعالےٰ نے اپنے اُوپر لے لیا تھا۔ باعث عذاب وہ اختلاف ہُوا جو اپنے پیغمبر علیہ السلام کی تعلیم معلوم کرنے کے بعد لوگوں نے آپس میں کیا ۔

سُورۂ ہُود میں قوموں کی بربادی کے وجوہات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اُس کے مطالعہ سے ہمارے متذکرۂ بالا تحریر کی تصدیق ہوتی۔ قیل بعدا للقوم الظالمین اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگ برباد ہو جائیں۔ قوم عاد کی بربادی کے اسباب اِن الفاظ میں بیان ہوئے ہیں :۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۞ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۔	اور یہ (وُہ ہی) عاد ہیں جنہوں نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا اور اُسکے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش و متکبر کے حکم کی اطاعت کی (جسکا نتیجہ یہ ہُوا کہ) اِس دُنیا میں بھی لعنت انکے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی لگی رہے گی) دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کُفر کیا اور خبردار ہُود کی قوم عاد برباد ہوگئی ۔

اِس حُکم کی تاکید کی جاتی ہے کہ دیکھو پچھلی اُمتوں کی طرح متفرق نہ ہو جانا جنہوں نے آیات آنے کے بعد اور اپنے نبی کی تعلیم قبول کرنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا تھا۔ جو لوگ اِسلام لانے کے بعد آپس میں اختلاف کرتے ہیں، فرقہ بندی پیدا

تین درجے تعلیم انبیاء اور آنکے اعمال

کرتے ہیں اُن کے لئے قیامت کے دِن عذاب دردناک ہے۔ اور یہ اختلاف کرنا کُفر کرنے کے مساوی ہے۔ جب ہی تو خداوند تعالیٰ قیامت کے دِن ان اختلاف کرنے والوں سے فرمائے گا کہ تم حق ظاہر ہونے کے بعد اور اسلام لانے کے بعد کافر ہوگئے تھے لہٰذا اب اِس وجہ سے عذاب دردناک کے مزے چکھو۔ پہلے زمانہ کے لوگ یعنی امم سابقہ نے جن کے پاس کتاب آئی تھی ایسا ہی کیا تھا کہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد، اسلام لانے کے بعد، وُہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ دین میں تفرقہ پیدا کردیا۔ لہٰذا اُن پر عذاب نازل ہُوا۔

اِس ساری بحث کا نتیجہ نکلا کہ قرآن شریف کی رُو سے اقوام عالم کے تنزّل کے اسباب یہ ہیں:۔

(۱) ظُلم اور ظالم بادشاہوں کی اطاعت۔

(۲) اپنے پیغمبر کی نافرمانی کرنا اور دین کی مرکزیت سے انحراف کرنا۔

(۳) آپس میں اختلاف کرنا اور ایک قوم و ملّت کا مختلف فرقوں میں منقسم ہوجانا۔

اقوالِ رسُولؐ

ان احکامِ قرآنی کی تعمیل میں اُمّت اسلامیہ کو افتراق اور اختلاف سے بچانے کے لئے جناب رسولؐ خدا نے اپنی اُمّت کے واسطے ایک مرکزیت قائم کی اور اس کے ساتھ تمسّک کرنے کو اپنی اُمّت کو ہدایت کی۔ آپ کی ساری نبوّت کے زمانہ کا یہی سبق رہا ہے۔ اور آخر میں جب آپ نے اپنی آنے والی موت سے مقامِ غدیرخم پر اپنی اُمّت کو آگاہ کیا تو وہاں آپ نے فرمایا:۔

کانی دعیت فاجبت انی ترکت	میری طلبی بارگاہِ الٰہی میں ہوئی ہے اور میں نے
فیکم الثقلین احدھما اکبر	لبّیک کہہ دی ہے میں تمہارے درمیان دو
من الاٰخر کتاب اللّٰہ وعترتی	عظیم الشان گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں
اھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی	وُہ دونوں عظمت میں مساوی ہیں۔ قرآن کریم
فیھما لن یفترقا حتّٰی یردا علیّ	اور میری عترت میری اہل بیت۔ دیکھیں

الحوض ما ان تمسکتم بھما — میرے بعد تم ان دونوں سے کیسا سلوک کرتے ہو۔
لن تضلوا بعدی ابدا۔ — وُہ دونوں ایک دُوسرے سے جُدا نہ ہونگے

حتیٰ کہ میرے پاس قیامت کے دِن حوض کوثر پر دونوں ساتھ وارد ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو پکڑے رہے تو میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہوگے +

اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو بازو سے پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ آپ کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگی اور فرمایا :-

یا ایھا الناس ان اللہ مولائی وانا مولی المؤمنین وانا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا علیٌ مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔

اے لوگو! خداوند تعالیٰ میرا حاکم وآقا ہے اور مَیں مومنین کا حاکم وآقا ہوں اور ان کی جانوں کا مالک ہوں پس جسکا مَیں حاکم وآقا ہُوں اُس کا یہ علی حاکم و آقا ہے۔ خُداوندا دوست رکھ اُس کو جو علی کو دوست رکھے اور دُشمن رکھ اسکو جو علی کو دُشمن رکھے مدد کر اُس کی جو علی کی مدد کرے۔ چھوڑدے اُس کو جو علی کو چھوڑے +

اس کا ہی مویّد آنحضرتؐ کا ایک اور قول ہے آپنے ارشاد فرمایا کہ انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابھا۔ من اراد العلم فلیات الباب یعنی مَیں علم کا شہر ہُوں اور علی اُس شہر علم کا دروازہ ہے۔ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُس کو چاہیئے کہ اس دروازے سے آئے۔ ایک نہایت عمدہ مرکزیّت اُس فقہ اور دین کے لئے قائم ہوگئی جو جناب رسولؐ خُدا لائے تھے۔ مکان کا دروازہ ایک ہی ہُوا کرتا ہے۔ وُہ علم صرف علی ہی کے پاس ہے۔ اُن سے مِل سکتا ہے۔ کیسے موثّر الفاظ ہیں اور کس عقلمندی کے ساتھ آنحضرتؐ نے اپنی اُمّت کے لئے وُہ مرکزیّت قائم کردی جس پر قائم رہنے کا حُکم قرآن شریف میں اِس تاکید کے ساتھ آیا تھا۔ اِسلام میں دین و حکومت ایک دُوسرے کے ساتھ منسلک ہیں اعتقادیات کے لئے قرآن شریف اور اس کی صحیح تاویل سمجھانے، اُس پر عمل کرکے دکھانے اُس کے اوامر ونواہی پر

تعمیل کرانے اور اس حکومتِ الٰہیہ کو چلانے والوں کو بھی مقرر کر دیا۔ دین کے لئے بھی مرکزیت قائم ہو گئی۔ حکومت کے لئے بھی مرکزیت مقرر ہو گئی۔ ہم نے "البلاغ المبین" باب دوازدہم میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ لوگ اس بارِ عظیم کے اُٹھانے کے قابل تھے اور ان کے سوا کوئی اور شخص اُمتِ محمدیّہ میں اس بارِ عظیم کو نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ جناب رسول خدا نے محض ہوائے نفسانی سے اپنے خاندان میں حکومت کو مُستقل کرنے کے لئے یہ نہیں فرمایا تھا۔ یہاں یہ دکھانا مطلوب ہے کہ خداوند تعالےٰ نے مسلمانوں کو ایک دینی و سیاسی مرکزیت پر مُتحد رہنے کا حُکم اسی تاکید کے ساتھ دیا جس تاکید کے ساتھ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حُکم دیا تھا اور جناب رسول خدا نے اُس مرکزیت کا پتہ بتا دیا۔ تشریح کر دی۔ جس طرح آنحضرتؐ نے طریقۂ نماز و دستور زکوٰۃ کی تفصیل و تشریح کر دی۔ قرآن شریف میں تو اُن کے لئے حُکم ہی دیا گیا ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ کس طرح نماز پڑھو اور زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے۔

قرآن شریف نے جو اپنی زبان میں اقوامِ عالم کے تنزل اور بربادی کے اسباب بیان کئے ہیں، یعنی ظُلم، نافرمانیٔ رسول اور افتراق، یہ وُہ اسباب ہیں جو تمام بنی نوعِ انسان کے تجربے میں آچکے ہیں اور ہر زمانہ کے حکماء و مدبرین اس ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابتدائے عالم سے اب تک ہر ایک قوم کے تنزل کے اسباب یہ ہی رہے ہیں اور رہیں گے۔ وُہ اپنی زبان میں ان کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔ ظُلم، انحراف از مرکزیت اور افتراق۔ لیکن اس قوم کے تنزل کے اسباب کی تحقیقات کرنے میں جس کی قومیّت جُغرافیادی حدود پر نہیں بلکہ مذہب اور مذہب بھی الہامی مذہب پر مبنی ہے۔ ہم کو انحراف از مرکزیت کے بجائے عصیانِ رسول ہی کہنا پڑے گا۔ اِس امر کے ماننے میں دریغ نہ ہونا چاہیئے کہ یہ اسباب کچھ اسلام یا مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر قوم و ہر ملت پر حاوی ہیں اور ایسا ہی ہونا چاہیئے کیونکہ قوموں کا نشوونما اور انحطاط قوانین قدرت کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور قوانینِ قدرت کے متعلق قضائے

ربّانی صادر ہو چکی کہ وُہ اٹل رہیں گے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا آگ مسلمان کا گھر بھی اُسی طرح جلائے گی جس طرح کافر کا۔ اگر دریا میں بغیر اصول غوطہ خوری معلوم کئے چلے گا تو مسلمان بھی اسی طرح غرق ہو گا کہ جس طرح کافر۔ اگر عیش و عشرت میں مشغول ہو جانا کافروں کی تباہی کا باعث ہوتا ہے تو وُہ مسلمانوں کو بھی برباد کرے گا۔

ایک مرکزیت پر متحد رہنا اور تفرقہ و اختلاف سے بچنا عقل انسانی کا وُہ صحیح و اٹل فیصلہ ہے جو اس وقت بھی صحیح تھا کہ جب بنی نوع انسان نے اپنی زندگی کا پہلا قدم اُٹھایا تھا، جواب بھی صحیح ہے۔ اور جو بنی نوع انسان کی زندگی کے آخری لمحہ تک صحیح رہے گا۔ قوموں، جماعتوں اور ملّتوں کی طاقت، شوکت و عظمت کا پہلا گُر یہ ہے کہ ان میں ایک مرکزیت ہو۔ ان کے افراد دِل کر رہیں اور آپس میں مختلف اور متفرق نہ ہو جائیں۔ سلطنتوں کے بگڑنے، خاندانوں کے برباد ہونے اور ملّتوں کے پریشان ہونے کا پہلا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان کا ایک راہنما نہیں رہتا اور افراد آپس میں متفرق ہو جاتے ہیں۔ تفرقہ و اختلاف کے مضرت رساں نتائج ایسے صریح و واضح ہیں کہ اِس اٹل و فطری قانُونِ اجتماع کے بیان کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی اگر لوگوں کی خواہشات نفسانی و ذاتی درمیان میں آن کر ان کو اندھا اور جماعت کے فائدہ سے لاپرواہ و غافل نہ کر دیا کرتیں۔ چُنانچہ قرآن شریف نے اِس فطری و اٹل قانون پر زور دینے کی وجہ بھی بیان کر دی اور بتا دیا کہ پہلی قوموں نے ذاتی و نفسانی خواہشات افراد کی وجہ سے اِس اصول کو چھوڑ دیا تھا اور اسی وجہ سے وُہ قومیں برباد و معدوم ہو گئیں ۔

چُونکہ مرکزیت قوم و ملّت کی جان ہوتی ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ مرکز صحیح ہو، قوی ہو، ذکی و فہیم ہو، ہر ایک مُشکل میں صحیح فیصلہ کرنے کی قابلیت اس میں ہو۔ عدل کر سکے، ظُلم و خواہشاتِ نفسانی سے بَری ہو ۔

اب اس کے آگے اِسلام میں اور موجُودہ سیاست میں اختلاف ہے موجُودہ تہذیب و سیاست یہ کہتی ہے کہ بنی نوع انسان کی تقسیم قوموں سے

ہونی چاہیئے۔ اور قومیں جغرافیاوی حدود سے محدود ہونی چاہئیں۔ مثلاً انگلستان کی انگریزی قوم۔ فرانس کی فرانسیسی قوم۔ ہالینڈ کی ڈچ قوم، وغیرہ وغیرہ اور اس قوم کی رہنمائی اور حکومت ایک جماعت کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے جس کو اس مُلک کے لوگ منتخب کریں۔ اُن کے یہاں یہ جماعت ہی مرکز ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ نہیں یہ درست نہیں ہے۔ جتنی زیادہ قومیں ہوں گی اُتنی ہی زیادہ عداوتیں و دُشمنیاں ہوں گی اور وجوہات فساد و جنگ زیادہ ہو جائیں گے۔ بنی نوعِ انسان کو اس طرح تقسیم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ایک خدا، ایک مخلوق، سب بھائی بھائی ہوں کیوں نہ ساری بنی نوعِ انسان کے لئے ایک ہی مرکز ہو۔ اور وُہ مرکز مذہب ہونا چاہیئے۔ اور مذہب ایسا ہونا چاہیئے جو دینِ فطرت ہو۔ اور تمام بنی نوعِ انسان پر حاوی ہو سکے۔ اور اس مرکز کا چلانے والا ایک ہو تاکہ احکام و اصول حکومت میں آپس میں اختلاف ہو کر تفرقہ نہ پڑ جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جغرافیاوی حدود کے اختلاف سے زبان، وطرزِ معیشت وطرزِ تمدّن میں لوگوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مقامی ضرورتوں کے لحاظ سے حکومتیں مختلف ہوں لیکن وُہ سب حکومتیں مرکز کے ساتھ وابستہ اور اس کے احکام کی مطیع ہوں۔ یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ امریکہ کی مختلف ریاستیں اور پھر اُن کا ایک مرکز کے ساتھ منسلک ہونا اور اس نظام کا نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ چلنا ظاہر کر رہا ہے کہ یہی نظام ایک بڑے پیمانہ پر بھی کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے اور اگر دُنیا کی تقسیم ہونی ہی ہے تو جغرافیاوی تقسیم ناانصافانہ ہے، کسی مُستقل اصول پر مبنی نہیں۔ اُس کی تقسیم فطرتی اصول پر عادلانہ طریقہ سے کرنی چاہیئے۔ جب ہم دُنیا پر نظرِ غور ڈالتے ہیں تو اُسکو ۲ دو حصّوں پر منقسم پاتے ہیں، خیر و شر، روشنی و تاریکی، حق و باطل۔ یہ ہیں وُہ ۲ دو چیزیں جو دُنیا کو ۲ دو حصّوں میں قُدرتی طریقہ پر تقسیم کرتی ہیں۔ مختلف ممالک مثلاً انگلستان، آئس لینڈ، نیٹال اور ہندوستان کے نیک لوگ خوشی کے ساتھ اچھی طرح آپس میں مِل کر رہ سکتے ہیں۔ ایک ہی مُلک و وطن کے نیک و بد لوگ آپس میں مل کر

خوش اسلوبی واطمینان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ نتیجہ نکلا کہ قدرتی تقسیم حق وباطل
سے ہوتی ہے نہ کہ دریاؤں اور پہاڑوں سے۔ حق کی طرز وروش تمام دُنیا میں ایک ہی
ہوگی خواہ زبان وتمدن مُلک بہ مُلک مختلف ہو۔ باطل کی ادا ایکسی ہی ہوگی خواہ کسی
لباس میں ہو۔ اِس ہی خیال کو اس جُملہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ الکفرۃ ملۃٌ واحدۃ
اِسلام نے دعویٰ کیا کہ میں دُنیا کا آخری مذہب حق ہوں۔ دُنیا کو چاہیئے کہ میری پیروی
کرے اور جب تک دُنیا اِس نظریہ پر مُتحد نہ ہوجائے اسوقت تک دُنیا کی تقسیم
صرف مُسلم وغیر مُسلم سے ہوگی۔ بے جان وبے رُوح دریا وپہاڑ نہیں تقسیم کرسکتے ہیں
ممکن ہے ہماری اس تحریر سے پھر اس خیال میں جان پڑنے لگے کہ مسلمانوں نے
اِس ہی مطمح نظر کے ماتحت دُنیا میں اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے کی کوشش کی۔ یہ
خیال قطعاً غلط ہے۔ جس مذہب کا اصول یہ ہو کہ لا اکراہ فی الدین (دین
میں جبر جائز نہیں) وُہ کس طرح گوارا کرے گا کہ اپنے تئیں لوگوں سے شمشیر کی نوک
پر قبول کروائے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جناب شارع اسلام کی رحلت کے بعد
جو حکومت مدینہ میں قائم ہوئی اُس نے اندرونی سیاسی ضرورتوں سے مجبور
ہوکر اپنے سپاہیوں کو روم وایران پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور یہ حملہ بغیر کسی وجہ
کے تھا۔ اُن مُلکوں نے اسوقت کوئی وجہ خصومت نہیں دی تھی۔ لیکن یہ حملہ
اِسلام کو پھیلانے کے لئے اِس مطمح نظر کے ماتحت نہ تھا جو ہم نے بیان کیا ہے
بلکہ اپنے اغراض سلطنت کے واسطے اور اپنی حکومت کو مُستقل، مستحکم اور ہر دلعزیز
بنانے کے لئے تھا۔ جو حملہ ویورش کہ اصول اسلامی کے خلاف ہو اُس کو کس طرح
کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مقصد اسلام پھیلانا تھا۔ اِن لڑائیوں سے اسلام نہیں
پھیلا۔ بلکہ اسلام میں امپیرلزم پیدا ہُوا اور وُہ پھیلا۔ اور یہ امپیرلزم شارع اسلام کے
منشاء کے بالکل خلاف تھا اس کی مثال بعینہ ویسی ہے کہ جس طرح سولھویں صدی
عیسوی میں اپنی اندرونی ضرورتوں سے مجبور ہوکر یورپ کے ممالک نے یورپ
کے باہر دیگر ممالک میں اپنے تئیں پھیلایا اور کالونیاں قائم کیں۔ اور اس طرح

اُن کا وُہ امپیر لزم دُنیا پر چھایا جو آج کو مایۂ ناز نہیں بلکہ منبعٔ فساد ہے فرق اتنا ہے کہ عرب بہادر تھے۔ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ ان مُلکوں پر فوج کشی کی جو قدامت، سامان حرب و اسباب جنگ میں ان سے بڑھ کر تھے۔ اور ان کو گرایا۔ ان کے گُناہ میں بھی ایک قسم کی جاذبیت تھی۔ یورپ والے عیش پسند تھے۔ موت سے ڈرتے تھے۔ خود اپنے مُلک میں بیٹھے رہے۔ پہلے پہلے اپنے ملّاحوں، سیّاحوں اور سوداگروں کو اُن وحشی ممالک کی طرف بھیجا جہاں وُہ آسانی سے قبضہ کر سکیں۔ وُہ گئے اور بغیر لڑائی کے محض جھنڈا گاڑ کے قابض ہوتے گئے۔ اور جب زمین ہموار ہوگئی اور کوئی خطرہ نہ رہا تو امرا آئے اور اپنی حکومت قائم کر لی۔ اگر امپیر لزم کا امپیر لزم سے مقابلہ کیا جائے تو مسلمانوں کے امپیر لزم کی ابتداء نہایت شاندار، بہادرانہ اور آنکھوں کو اپنی چمک سے خیرہ کرنے والی تھی اور یورپ کے ممالک کا امپیر لزم چوروں کی طرح شروع ہُوا۔ اور ڈاکوؤں کی طرح ختم ہو رہا ہے۔ یہ جنگہائے عظیم کیا ہیں۔ ڈاکوؤں کا مال غنیمت کی تقسیم پر آپس میں لڑنا۔ غریب اور کمزور قوموں سے جو مال و حقوق چھینے تھے اُس کی تقسیم ٹھنڈے دِل سے نہ کر سکے۔ آپس میں لڑ پڑے۔ بہر صُورت مسلمانوں کا امپیر لزم کتنا ہی شاندار ہو۔ تھا تو امپیر لزم ہی۔ اِس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مسلمان مورخوں کو بہت دقت محسوس ہوئی ہے۔ اعتراض کا تعلّق تو مسلمانوں کی اُن فتوحات سے ہے جو آنحضرتؐ کے بعد ہوئیں۔ اور یہ مسلمان مورخین مثلاً مولوی شبلی جواب دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے زمانہ کی جنگوں کا نمونہ پیش کر کے۔ خلافت کے زمانہ کی لڑائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کتراتے ہیں۔ یہ مضمون نہایت دلچسپ ہے اور اس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

باب دوم

جناب پیغمبرِ اسلام نے کس قسم کا نظامِ حکومت قائم کیا تھا

اور اُس میں قیامِ مرکزیت کا کیا انتظام تھا

یہ امر واقعہ اب محتاج دلائل نہیں رہا کہ جناب پیغمبر آخر الزمان صلواۃ اللہ علیہ کی نبوت میں حکومت شامل تھی۔ اور دُنیا میں حکومت الٰہیہ قائم کرنا آپ کے مقاصد نبوت میں سے ایک مقصد تھا۔ حکماء و مدبّران فرنگ کا یہ خیال کہ حکومت پر مذہب کا اثر نہ ہونا چاہیئے۔ یعنی حکومت و مذہب کا اجتماع ناموزوں ہے اسلام کے لئے ناقابل قبول ہے۔ بلکہ زمانۂ وسطےٰ کے رہنمایان مذہب عیسوی بھی اِس تخیّل کے خلاف تھے۔ اور پاپائے اعظم کو مُلک و ملّت کا حاکم سمجھتے تھے وُہ ہر ایک عیسائی بادشاہ کو تاج خود عنایت کیا کرتا تھا جس رسم کو کورونیشن کہتے تھے۔ اور ہر ایک بادشاہ کو اُس کا حکم ماننا ضروری تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے مذہب میں حکومت شامل نہ تھی۔ اور پوپ کا یہ قائم کیا ہُوا نظام آخر کار ختم ہو گیا اور اُس کے بجائے اُس تخیّل نے جگہ لے لی جس کا ذِکر ہم نے اُوپر کیا ہے۔ ہم نے اِس مضمون پر نہایت تفصیل و تشریح کے ساتھ اپنی کتاب "البلاغ المبین" میں بحث کی ہے۔ یہاں اُس کے دُوہرانے کی ضرورت نہیں۔

مشیّتِ ایزدی فیصلہ کر چکی تھی کہ اس اسلامی حکومت الٰہیّہ کی مرکزیت پر آل رسول کو قائم کیا جاوے۔ اہل بصیرت کے لئے اُس مشیّت کا اظہار اُس ہی دِن ہو گیا تھا کہ جس دن کارکنانِ قضا و قدر نے حضرت علیؑ کی پیدائش کا انتظام عین خدا کے گھر میں کیا۔ اور اُس ہی مشیت کی تعمیل میں جناب رسولؐ خدا حضرت علی کو ان کی عُمر کے چوتھے سال ہی میں اُن کے والدین کے گھر سے لے آئے۔ تاکہ امامت کی پرورش و نشو و نما نبوّت کے زیر نظر ہو سکے! لقاء نبیّت

کے بعد ہی فوراً دعوتِ ذی العشیرہ کے موقع پر جو صریح حکم الٰہی کے ماتحت بلائی گئی تھی ۔ اِس مرکزیت کا اعلان نہایت صاف اور صریح الفاظ میں کر دیا گیا ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے وقتاً فوقتاً اپنے افعال اور اقوال سے تمام اُمّت اسلامیہ پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ آپ نے اِس نظامِ حکومت کے لئے اپنے بعد اپنا جانشین جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کو مقرر فرما دیا ہے ۔ آخر کار ۱۸ ۔ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری مطابق ۱۲ ، مارچ سنہ ۶۳۲ء کو حجۃ الوداع کی واپسی پر بمقام غدیر خم تمام اُمّت کے سامنے منبر پر تشریف لے جا کر اور حضرت علی کو ہاتھوں سے بلند کر کے ان الفاظ میں اِس جانشینی کا اعلان فرمایا :-

کانی دعیت فاجبت انی ترکت فیکم الثقلین احدھما اکبر من الآخر کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابداً ۔ یا ایھا الناس ان اللہ مولائی وانا المولیٰ المومنین وانا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ ۔

میری طلبی بارگاہ الٰہی میں ہوئی ہے اور مَیں نے لبیک کہہ دی ہے ۔ مَیں تمہارے درمیان دو عظیم الشان گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں عظمت میں دونوں مساوی ہیں ۔ قرآن کریم اور میری عترت میرے اہلبیت ۔ دیکھیں میرے بعد تم ان دونوں سے کیسا سلوک کرتے ہو ۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونگے حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر قیامت کے دن وارد ہوں ۔ اگر تم ان دونوں کو پکڑے رہے تو میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہو گے ۔ اے لوگو! خداوند تعالیٰ میرا مولا یعنی آقا و مالک ہے اور مَیں مومنین کا مولا ہوں ۔ اور اُن کی جانوں کا مالک ہوں ۔ پس جس کا مَیں مولا ہوں اُس کا یہ علی مولا ہے ۔ خداوندا دوست رکھ اُس کو جو علی کو دوست رکھے اور دُشمن رکھ اس کو جو علی کو دُشمن رکھے ۔ مدد کر اُس کی جو علی کی مدد کرے اور چھوڑ دے اور ذلیل کر اس کو جو علی کو چھوڑ دے ۔

اِن امور کو ہم نے بہت شرح و بسط کے ساتھ ہر ممکن ثبوت کے ذریعہ سے اپنی کتاب البلاغ المبین کی دو ضخیم مجلدات میں ثابت کیا ہے جن کی ضخامت ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ یہاں اُس تمام شہادت کا ازسرِ نو اعادہ کرنا اور اُس تمام بحث کو مکرر بیان کرنا، ان تمام دلائل کو پھر دُہرانا بے فائدہ ہے۔ ہماری یہ کتاب وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں البلاغ المبین ختم ہوئی تھی اور اس کتاب کو وُہ ہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو البلاغ المبین کا پہلے مطالعہ کر چکے ہیں لہٰذا ہم اپنی بحث کو اس مرحلے سے آگے چلاتے ہیں کہ جناب رسول خُدا نے حضرت علی کو شروع رسالت ہی سے اپنا ولیعہد مقرر فرما دیا تھا اور اس جانشینی کا باضابطہ اعلان غدیر خم کے مقام پر ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کو کر دیا۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ جناب رسول خدا نے کیسا انتظام مقرر فرمایا تھا ہمیں قرآن شریف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اور اپنی عقل پر بھی زور دینا پڑے گا۔ اسلام اور اسلامی حکومت کی مرکزیّت کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ مرکزیّت اس وقت ہی بہترین صورت میں کام کر سکتی ہے کہ اس کا کارفرما ایک عالی دماغ ہو۔ ایک سے زیادہ حکومت کرنے والے مرکزیّت اور اتحاد کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت میں مختلف حکمرانوں کے لئے مختلف محکمے ہوتے ہیں۔ ہر ایک محکمہ کا ایک حاکم ہوتا ہے اور وُہ اس کو اچھی طرح چلاتا ہے۔ لیکن اِس پر مزید غور کیجئے۔ کبھی برابر کے دو حاکموں کا تخیل ایک راستہ پر نہیں چلتا۔ دونوں کے نظریہ میں کہیں نہ کہیں اختلاف ہو جاتا ہے اور اختلاف مرکزیّت کا دشمن ہے۔ جمہوریت میں بھی ایک ہی پریمیر یا وزیر اعظم رکھنا پڑتا ہے جو سب کے اختلافات کو مٹا کر مرکزیت قائم رکھے۔ لہٰذا اسلامی سلطنت کے لئے ضروری ہُوا کہ ایک حاکم ہووے۔ چنانچہ قرآن شریف نے جو حکومتِ الٰہیہ قائم کی اس کے لئے محض ایک شخص کو حاکم مقرر کیا اور رعایا کو حُکم دیا کہ اس کی بے چون و چرا اطاعت کرے۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:-

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ (پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب ع ۵)

ترجمہ: (جماعت اسلامیہ میں سے) کسی مرد یا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا و رسول کچھ حکم دیدیں تو پھر اُن کے لئے اس میں کچھ اختیار باقی رہے۔ اور جو خدا و رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

(۲) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ ۵ سورۃ النساء ع ۹)

ترجمہ: تمہارے پروردگار کی قسم، یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تم کو حاکم بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کرلیں تب تک یہ مومن نہ ہونگے۔

اِسلام کی اور ایمان کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی اطاعت بے چون وچرا کریں اور جو حکم رسول صادر کر دے پھر اُس میں کسی کو کچھ اختیار باقی نہیں رہتا۔ یہ بھی صاف کر دیا ہے کہ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت میں مضمر ہے۔ یعنی رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اور نہایت عظیم الشان قسم کے ساتھ اِس امر واقعہ کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے ایمان کی شرط ہی یہ ہے کہ اپنے تمام تنازعات کے فیصلہ کے لئے اپنے حاکم یعنی رسول کی طرف رجوع کریں۔ ابھی معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک اور شرط ہے اور وہ یہ کہ جو فیصلہ رسول کر دے اُس کو قبول کریں اُسکی اطاعت کریں بلکہ دل میں بھی اُس کی طرف سے ناخوش نہ ہوں۔ یہ ہے اطاعت کامل۔ اور یہ حکم رسول ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جیسی اور جس طرح رسول کی اطاعت واجب ہے اُسی طرح اُس کے بعد اُس کے اصلی نائب کی اطاعت ضروری ہے۔ وجہ ظاہر ہے دونوں حاکم و والی ہیں اور حکومت کے لئے

اطاعت کی ضرورت ہے ارشاد ہوتا ہے :- یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ - (پارہ ۵ سورۃ النساء ع ۸) یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور (راس کے بعد) صاحبان امر کی۔ صریح ہے کہ حکومت الٰہیّہ کے لئے ایک ہی شخص حاکم مقرر کیا گیا ہے بلکہ ایک ہی مُلک میں ایک سے زیادہ حاکموں کو موجب فتنہ و فساد قرار دے کر اُس اٹل و فطری قانونِ قدرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو حکماء نے اس طرح ظاہر کیا ہے کہ در یک اقلیم دو بادشاہ نمی گنجند۔ ارشاد ربّانی ہے :- لَوْ کَانَ فِیهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا - (پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء ع ۲) یعنی اگر زمین و آسمان میں ایک خدائے حقیقی کے سوا کئی خدا ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام بگڑ کر فساد پڑ جاتا۔ یہ بحث ہے خدا کی وحدانیت کے ثبوت میں۔ لیکن اس کا اطلاق حکّام حکومتِ الٰہیّہ کے اُوپر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں میں حکومت جزو مشترک اور وجہ مشابہت ہے۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حکومت الٰہیّہ کے حکّام کیسے ہونے چاہئیں۔ یہ سوال بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس پر ہی عدل و انصاف اور ظلم و جبر کا انحصار ہے۔ اس سوال کو بھی ہم قرآن شریف ہی سے حل کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں ظلم کی مذمّت شرک کے بعد نہایت ہی سخت الفاظ میں کی گئی ہے۔ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ ظالم ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور صاف فرما دیا ہے کہ لا ینال عھدی الظالمین - میری حکومت و امامت و خلافت میں ظالموں کا حصّہ نہیں ہے۔ ظلم بادشاہ کے ارادہ اور نیّت ہی سے نہیں ہوتا بلکہ جہالت سے بھی ہوتا ہے۔ ظلم ظلم ہی رہے گا خواہ بادشاہ کی جہالت و نااہلیّت سے ہو یا اُس کے ارادہ و نیّت سے ہو۔ حکومت کی وجہ ہست و بود یہی ہے اور اس کا فرض اوّلین یہ ہے کہ رعایا پر نہ خود ظلم کرے اور نہ اُن میں سے کسی فرد پر ظلم ہونے دے۔ یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ نے حکومت الٰہیّہ کے حکّام کی بے چون و چرا اطاعت مطلقہ کا حکم دے کر اور اُس کو

مذہب میں شامل کر کے اپنی ذات کے اوپر بھی کچھ بات لے لی۔ اور وہ یہ کہ حکومتِ الٰہیہ کے حکام وہ خود منتخب و مقرر کرے اور ان کا علم ایسا وسیع اور انہماک فی اللہ ایسا مطلق ہونا چاہیئے کہ اُن کے ایک حکم سے بھی کسی ایک فرد کے اُوپر ظلم نہ ہو۔ ورنہ وہ ظلم خداوند تعالیٰ کی طرف راجع ہوگا اور بندوں کی حجت خداوند تعالے پر قائم ہو جائے گی۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ جنگل کے ویرانہ میں، آدھی رات ادھر آدھی رات اُدھر، دو آدمی آپس میں کسی بات پر لڑتے ہیں۔ اور ایک قتل ہو جاتا ہے۔ مقدمہ حاکم اسلام کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ نہ گواہ نہ شاہد، ملزم جس طرح جی چاہتا ہے بیان دیتا ہے۔ حاکم عدم ثبوت میں چھوڑ دیتا ہے۔ حق مقتول اور اس کے ورثہ کی طرف ہوتا ہے یا حاکم ملزم پر دیتِ خون لازم کرتا ہے اور حق ملزم کی طرف ہوتا ہے مقتول تنازعہ میں ناحق پر تھا۔ ملزم کے سینہ پر چھرا لے کر چڑھ بیٹھا کہ قتل کرے بچانے والا مارنے والے سے زیادہ طاقتور ہے۔ اتفاقاً چھرا ہاتھ سے گرتا ہے۔ ملزم اٹھا لیتا ہے اور قتل کر دیتا ہے۔ یا وہ ہی مقدمات لو جو حضرت عمر، حضرت علی کے پاس لے گئے اور جب انہوں نے صحیح فیصلہ کر دیا تو حضرت عمر نے فرمایا:۔ لولا علی لهلك عمر، اللهم لا تبقنی لمعضلة لیس لها ابو الحسن[۱] حضرت علی نہ ہوتے تو حضرت عمر غلط فیصلہ کر دیتے۔ ان تمام حالات میں جب مظلوم روز حشر خدا کے سامنے پیش ہو کر شکایت کرتے تو اُن کی شکایت بجا ہوتی۔ اگر

---

[۱] ریاض النضرة الجزء ثانی، باب التاسع فصل السادس ص ۱۹۴، ۱۹۷
ابن عبدالبر:۔ الاستیعاب فی معرفة الاصحاب الجزء الثانی ص ۴۷۴ ترجمہ علی
ابن سعد:۔ طبقات الکبریٰ ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۲
سید مومن شبلنجی:۔ نور الابصار ص ۷۱، ۷۳
محمد بن طلحہ الشافعی:۔ مطالب السئول الفصل السادس ص ۱۰۰
ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۶

بارگاہِ الٰہی سے جواب ملتا کہ حاکم کی نیت تو خراب تھی نہیں۔ اُس نے اپنے مبلغِ علم کے مطابق فیصلہ کیا۔ صحتِ فیصلہ کا وُہ ذمہ دار نہیں تو یہ سارے مظلوم ہاتھ باندھ کر عرض کرتے کہ بارِ الٰہا پھر ایسے حاکم کے متعلق جس کا مبلغِ علم اتنا ہو کہ جتنا تُو نے دیکھا۔ تو ہمیں کیوں حکم دیا گیا کہ اطاعت مطلق اس کی کرو۔ اگر تو یہ نہ فرماتا تو ہم تو اس سے دُنیا ہی میں نبٹ لیتے۔ ہم تو تیرے بندہ ہیں کچھ زبان سے لفظ نہیں نکال سکتے۔ جو حاکم غلط حکم دے تو اُس کے غلط احکام کی ذمہ داری تو اس ذات پر عائد ہونی چاہیئے جس نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ تُو ہی خود بتا دے کہ اگر ہم کسی جاہل، نالائق یا نااہل کو لوگوں پر حاکم مقرر کر کے کہتے کہ تم اس کی ہر بات کی اطاعت کرنا۔ یہی نہیں۔ بلکہ جو حکم یہ دے۔ غلط یا صحیح۔ اُس حکم کی وجہ سے اپنے دِل میں بھی ملال نہ رکھنا تو ہماری ذمہ داری تو قائم کرتا یا نہیں۔ آگے ناظرین خود غور کر لیں۔ جب حکومت الٰہیہ کے حکام کے عمل و فعل سے ہی ظلم ہونے لگا تو پھر کس طرح خُدا کی لعنت ظالموں پر قائم ہو سکتی ہے۔ کیا خداوند تعالےٰ اپنی ہی حکومت پر لعنت کرے گا ہر ایک فرض کے ساتھ حق ہوتا ہے اور ہر ایک حق کے لئے فرض عائد ہوتا ہے جب خداوند تعالےٰ نے ایسی اطاعت کا فرض مسلمانوں پر عائد کیا کہ جس میں دلی شکایت تک نا رہیا ہے۔ ایک حکم کی نافرمانی کی بھی اجازت نہیں۔ تو مسلمانوں کا یہ حق بھی ہے کہ اُس حاکم کا ایک حکم بھی ظلم پر مبنی نہ ہو۔ اور اگر حکم تو ظالمانہ ہوا۔ اور رعایا کو شکایت تک کی اجازت نہیں تو حکومت الٰہیہ کیا ہوئی۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ حکومت الٰہیہ کی رہنمائی کے لئے وُہ ہی شخص سزاوار ہے کہ جو معصوم ہو۔ اس سے ایک غلطی بھی عمر بھر میں سرزد نہ ہو۔ ایک حکم بھی عدل و انصاف کے خلاف نہ ہو۔ اور وُہ علی الاعلان برسرِ منبر یہ کہنے کے قابل ہو کہ سلونی من طرق السماء فانی اعلم بہا من طرق الارض سلونی قبل ان تفقدونی فان بین جنبی علوماً کثیرۃ کالبحار الزواخر۔۔۔۔۔۔۔۔ انا کنز اسرار النبوۃ انا المطلع علی اخبار الاولین انا المخبر عن وقائع الآخرین

سلونی فواللہ لا تسئلونی عن شئی الا اخبرتکم وسلونی عن کتاب اللہ فواللہ ما من آیۃ الا وانا اعلم ابلیل نزلت ام بنھار ام فی سھل ام فی جبل[۲]

ترجمہ

پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہو قبل اس کے کہ تم مجھ کو نہ پاؤ۔ پوچھ لو مجھ سے آسمانوں کے راستوں کی بابت کیونکہ میں ان کو زمین کے راستوں سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ پوچھ لو مجھ سے کیونکہ میرے اندر علوم بے شمار ذخار کی طرح موجیں مار رہے ہیں میں نبوّت کے اسرار کا خزانہ ہوں۔ میں پہلے زمانہ کے گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات کا جاننے والا ہوں اور اُن امور سے بھی واقف ہوں جو آئندہ آنے والے لوگوں پر گزریں گے۔ پوچھ لو مجھ سے قسم بخدا کسی شئے کی بابت تم مجھ سے نہیں پوچھو گے لیکن یہ کہ میں تمہیں اس کی بابت خبر دوں گا۔ مجھ سے کتاب اللہ کی بابت دریافت کرو۔ قسم بخدا کوئی آیت قرآن کی نہیں لیکن میں اُس کی نسبت جانتا ہوں کہ وُہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو۔ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر ؞

۲؎ ابن حجر عسقلانی :۔ تہذیب التہذیب الجزء السابع ص ۳۳۸ ؞
ابن تیمیہ :۔ منہاج السنتہ الجزء الثالث ص ۱۲۷ ؞
شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید الجزء الاوّل ص ۲۰۸، ۲۱۲، الجزء الثانی ص ۵۰، ۱۷۵ ؞
محمد ابن طلحۃ الشافعی :۔ مطالب السئول ص ۱۰۸ ؞
ابن سعد :۔ طبقات الکبریٰ ۔ ج ۲ ۔ ق ۲ ۔ ص ۱۰۱ ؞
سید صدر الدین احمد الحنفی :۔ روائح المصطفےٰ ص ۱۱، ۲۴ ؞
ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ ۔ باب التاسع فصل الثالث ص ۷۶ فصل الرابع ص ۷۷ ؞
ابن عبد البر :۔ الاستیعاب الجزء الثانی ص ۴۷۵ ترجمہ علی ؞
محب الدین طبری :۔ ریاض النضرۃ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص ۱۹۸ فصل التاسع ص ۲۲۱ ؞
علی المتقی :۔ کنز العمال الجزء السادس ص ۳۹۷ حدیث ۶۰۵۲ ص ۴۰۵ حدیث ۶۱۳۸ ؞

تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم ہے۔ خدا و رسول اور والی امر۔ خدا کی اطاعت کے کیا معنی ہوئے اور وہ کس طرح ہو سکتی ہے۔ ہر وقت ہر امر میں تو خدا سے باتیں نہیں ہو سکتیں اور نہ اس کا حکم حاصل کیا جا سکے۔ خداوند تعالیٰ نے خود بتاتا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (سورۃ النساء پارہ ۵ ع ۱۱) جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے گویا خدا کی اطاعت کی۔ اور ایک ہی امر اطیعوا رسول اور اولی الامر پر حاوی ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اور صاحبان امر کی اطاعت ایک ہی سی ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنے رسول اور صاحبانِ امر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کوئی غلط حکم نہیں دے سکتا۔ لہذا اس کے سارے احکام قابل اطاعت ہوتے ہیں۔ اسی طرح رسول و صاحبان امر کوئی غلط حکم نہیں دے سکتے۔ یہ امر واقعہ اب مسلمۂ اُمت ہے کہ نبی اور رسول معصوم ہوتا ہے۔ اور ہمارے نبی گناہوں سے پاک تھے۔ مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی اپنے قصص القرآن حصہ اوّل ص ۱۱۴ میں فرماتے ہیں:-

> "نبی اور رسول کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کی تمام زندگی اِس طرح آزمائش و امتحان کی کسوٹی پر اُتر چکی ہو کہ اُسکا کوئی شعبۂ زندگی ناقص اور قابلِ اعتراض نہ ہو بلکہ اس کی تمام تر زندگی میں اخلاق کی بلندی، گناہوں سے معصومیت اور صداقتِ گفتار و کردار کا کمال ہی پایا جاتا ہو"۔

مولوی صاحب موصوف ثابت کرتے ہیں کہ کسی نبی یا رسول سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ چونکہ خدا و رسول سے غلطی و ظلم ناممکن ہے لہذا اُن کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا گیا۔ اور چونکہ صاحبانِ امر کی بھی اطاعتِ مطلقہ کا حکم دیا گیا ہے لہذا وہ بھی معصوم ہونے چاہئیں۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ ان صاحبانِ امر کی اطاعت غیر مشروط کا حکم دے کر خداوند تعالیٰ نے بھی کچھ بات اپنے اُوپر لے لی۔ جو بات اپنے اُوپر لے لی تھی اُس کو اس طرح پورا کیا :- اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ

الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب ع ۴)
چند نفوسِ قدسیہ کو حکومتِ الٰہیہ کی رہنمائی کے لئے طاہر و معصوم پیدا کیا اور اپنی تمام عمر وُہ طاہر و معصوم رہے۔ اُن کے لئے اطاعت مطلقہ و غیر مشروط جائز ہے لہذا اُس کا حُکم دیا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اِس طرح کے حکّام کسی مجمع میں مُنتخب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ خداوند تعالےٰ اُن کو اِس خاص غرض کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اور رسولِ خدا بحکمِ خداوندی اِس تقرر کا اعلان اُمّت کے سامنے کرتا ہے۔ ہم البلاغ المبین میں ثابت کر چکے ہیں کہ غدیر خم کا اعلان خداوند تعالےٰ کے حُکم سے ہُوا۔ ابھی وُہ اعلان ختم ہی ہُوا تھا۔ جناب رسولِ خدا منبر ہی پر تھے کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ وُہ تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت کیا تھی۔ وُہ کیا شے تھی جس سے تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت وابستہ تھی۔ قیامِ امامت تھا جس سے دین کی تکمیل ہوئی۔ جس نے ہدایتِ اُمّت کا سلسلہ وہاں سے اپنے ہاتھ میں لے لیا جہاں سے نبوّت نے چھوڑا تھا۔ اور اب قیامت تک اِس ہدایت کا انتظام ہو گیا اور یہ ہی اتمامِ نعمت تھا۔ کیونکہ حکومتِ الٰہیہ کے لئے دُنیا میں عدلِ کامل کی نعمت عام کرنے کے لئے ایک سلسلۂ حکّام مقرر کر دیا گیا۔ عدلِ کامل وُہ شے تھی جو بنی نوعِ انسان کو ابتدائے آفرینش سے اب تک نہیں ملی تھی۔ باوجود اِس امر کے کہ انہوں نے ہر قسم کی طرزِ حکومت کا تجربہ کر کے دیکھ لیا۔ عدلِ کامل نہ ملنے کی وجہ یہ تھی کہ ایسے اِنسان جو ہر حالت میں عدل کر سکیں اب تک نہیں ملے تھے۔ اب اُمّتِ اسلامیہ کے لئے خُداوند تعالےٰ نے انہیں پیدا کیا اور مقرر کر دیا۔ یہ بات دُوسری ہے کہ چُونکہ مسلمانوں نے کُفرانِ نعمت کیا لہذا اُن اٹل قوانین الٰہیہ کے بموجب جو رائج ہیں اِس کُفرانِ نعمت کی وجہ سے وُہ نعمت زائل ہو گئی۔

ابھی ہم اپنی بحث میں آگے چلتے ہیں ذرا اصلی و مصنوعی کا فرق دکھاتے چلیں۔ رسول کے منتخب کردہ، خدا کے مقرر کردہ، آغوشِ رسول میں پرورش پائے ہوئے صاحب امر کی علمی شان کی ذرا سی جھلک تو آپ نے دیکھی اور اُن کے خطبہ کے اِکّا دُکّا جُملے سُنے۔ مکمل صُورت دیکھنی ہو تو البلاغ المبین، دیکھیں اب اُس حاکمِ حکومتِ الٰہیّہ کی کیفیّت و حالت خود اُس کی اپنی زبانی سُنیئے جس کی پُخت و پُز سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی تھی۔ سقیفہ میں بیعت لے کر جب آپ آئے ہیں اور منبرِ رسُول پر جلوہ افروز ہوئے ہیں تو اوّل خطبہ جو حضرت ابو بکر نے دیا وُہ یہ تھا:۔

ایھا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ان زغت فقومونی واعلموا ان لی شیطانا یعترینی احیانا فاذا رایتمونی غضبت فاجتنبونی [۵۳]

ترجمہ:۔ اے لوگو! مَیں نے تمہارے امور کی زمام اپنے ہاتھ میں لے تو لی ہے مگر مَیں

---

[۵۳] ابن سعد:۔ طبقات الکبرے ج ۳ ق ا ص ۱۲۹ +
ابن الاثیر جزری:۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۲۶ +
محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۲۰۳، ۲۱۱ +
ابن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء السادس ص ۳۰۱ +
ابن ہشام:۔ سیرۃ النبی الجزء الرابع ص ۳۴۰، ۳۴۱ +
جلال الدین سیوطی:۔ تاریخ الخلفاء ص ۵۱ مطبع مجتبائی +
ابن حجر مکی:۔ صواعق محرقہ ص ۷ +
علی المتقی:۔ کنز العمال الجزء الثالث ص ۱۳۰ حدیث ۲۲۶۲ ص ۱۳۶ حدیث ۲۳۰۷ +
ابن قتیبہ:۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ الجزء الاوّل ص ۱۶ +
ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی ص ۸ +

تم سے بہتر نہیں ہوں۔ لہذا اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھ کو سیدھا کر دینا۔ جان لو تم کہ کبھی کبھی مجھ پر شیطان چڑھ جاتا ہے پس جب تم مجھے غصّہ میں دیکھو تو مجھ سے پرہیز کرنا ؛

اِن خطبوں کا آپس میں موازنہ و مقابلہ کرنے سے ان دونوں بزرگواروں کی شخصیّت کا صحیح صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ اِن دونوں صاحبوں نے خود ہی اپنی شخصیّت کا تعارف اُمّت محمدیّہ کو کرا دیا ہے۔ فرمائیے ان میں سے کون ہادی خلق و رہنمائے اُمّت ہونے کے قابل ہے۔ علاوہ اس کے تکمیل دین کے لئے معرفتِ امام زمانہ ایسی ہی ضروری ہے کہ جیسی معرفت نبی زماں۔ نہایت مشہور حدیث رسول کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ مسلمہ اُمّت ہے۔ جس طرح انبیاء علیھم السّلام لوگوں کو اپنی شان و منزلت سے آگاہ کرتے ہیں اسی طرح امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی معرفت کرائے تاکہ امام کے نہ پہچاننے کا عُذر باقی نہ رہے اور لوگ اس کی شان و علوء مرتبت اور اس کے علم لدنّی سے واقف ہو کر رشد و ہدایت کے لئے اس کے پاس آئیں اور مستفید ہوں، اِس ہی ضرورت کو مدنظر رکھ کر جناب علی مرتضےٰ اُمّت کو اپنی اصلی شان و مرتبہ سے آگاہ کرتے رہے ہیں اور لوگوں کو ہدایت کی صلائے عام سلونی قبل ان تفقدونی کے الفاظ میں دیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر نے بھی بتا دیا کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں مجھ پر تو شیطان غالب ہو جاتا ہے۔ جب میں ٹیڑھا ہو جایا کروں تو تم سیدھا کر دیا کرو، ممکن ہے کہ دنیاوی حاکم کا یہ انکسار کسی کی نظر میں خوش نما معلوم ہو اور اب کہ جب بادشاہیت سے یورپ کی تقلید میں نفرت ہے اور جمہوریت پر اتنے دلدادہ ہو گئے ہیں کہ ہر شخص فرعون بے سامان نظر آتا ہے تو بادشاہ کی یہ عاجزی اِس فرعونی طبیعت رکھنے والی رعایا کو بہت اچھی معلوم ہو۔ مگر جانشین رسول کی زبان سے یہ انکسار نہیں ہے بلکہ اقبالِ نا اہلیت ہے۔ جانشین رسول محض دُنیاوی سلطنت کا حاکم نہ تھا

بلکہ یہ اُس رسُول کا جانشین تھا جس نے تمام دُنیا کی ہدایت کا دعویٰ کیا ہُوا تھا اس کے ذمہ محض حکومت کرنا نہ تھا بلکہ لوگوں کی ہدایت اور قرآن شریف کی تعلیم اس کا فرض اوّلین تھا۔ اگر وُہ بھی یہ کہنے لگے کہ مَیں ٹیڑھا چل رہا ہُوں مجھے صراطِ مُستقیم دکھاؤ، میرے اُوپر شیطان غالب ہو جاتا ہے مجھ سے دُور رہا کرو، تو پھر لوگ کس کے پاس ہدایت و رہنمائی کے لئے جائیں حکم قرآنی تو یہ ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ جس سے ظاہر ہے کہ حاکم امر میں زیغ و کجی کا امکان نہیں۔ ہر وقت اس کی اطاعت لازم ہے۔ مگر حضرت ابو بکر کا حُکم ہے کہ حاکم میں زیغ و کجی ضروری ہے، اور اس وقت اس کی اطاعت ضروری نہیں ٭

باب ۳ سوم

تفرقے کی ابتداء

از مُسلمانان نظیری شد مُسلمانی خراب　　زین مسلماناں برآئی ذر مُسلمانی گریز

جماعتِ مخالفین کا طرزِ عمل جو جناب رسولِ خدا کے عین رحلت کے دن ظہور پذیر ہُوا وُہ صاف بتا رہا تھا کہ اس جماعت میں اور جناب رسُول خدا میں عرصہ سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور تفرقہ پڑ چکا تھا۔ یہ تفرقہ اُن کے اندر اتنا سرایت کر چکا تھا کہ اُن کے ہر ایک فعل، ہر ایک عمل، ہر ایک تجویز، ہر ایک ترکیب ہر ایک منصُوبے سے نمایاں تھا۔ سب سے پہلے تو حضرت ابو بکر نے لوگوں کے دلوں سے آنحضرتؐ کی محبت یہ کہہ کر دُور کرنی چاہی کہ اُن کی موت پر غم کرنا اور رونا اُن کو پرستش کرنے کے مساوی ہے۔ اسے چھوڑو۔ آؤ چلیں۔ اپنے میں سے ایک حاکم مقرر کریں۔ حضرت ابو بکر نے یہ اُس وقت فرمایا کہ ابھی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے شروع نہیں ہوئے تھے۔ اُن کے اجتماع کی خبر تو

بہت بعد میں آئی جیسا ہم ابھی بیان کریں گے۔ حضرت ابو بکر کی اپنے میں سے خلیفہ مقرر کرنے کی تجویز انصار کے اجتماع سے بہت پہلے تھی۔ لہٰذا اب ان کے مقلدین کا یہ کہنا کہ حضراتِ شیخین تو بصد اکراہ و اجبار محض اُمت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے قطعاً غلط ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ابتدا ہی انہوں نے کی اور انتہا بھی اُن پر ہوئی۔ ہم اِن واقعات کا ذِکر ابھی تفصیل سے کریں گے۔
ہم کہہ رہے تھے کہ اِس جماعت کے منصوبوں کی بناء رسول خدا سے اختلاف کرنے پر تھی۔ ان کی تجاویز کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں جب تک جسدِ اطہر رسولِ اکرمؐ سے دُوری نہ اختیار کر لیتے ...... ایک علیحدگی
جب تک بیت الشرفِ نبوّت سے دُور نہ نکل جاتے ..... دُوسری علیحدگی۔
جب تک مسجدِ نبوی کو چھوڑ کر خانہ معصیت یعنی سقیفہ میں نہ چلے جاتے .... تیسری علیحدگی۔
جب تک اہلبیت رسالت سے دُوری اور تفرقہ نہ پیدا کر لیتے .... چوتھی علیحدگی۔
جب تک لوگوں میں تفرقہ ڈال کر اُنہیں جناب رسول خدا کے مقرّر کردہ نظام کے مخالف نہ کر لیتے ..... پانچویں علیحدگی۔
جب تک جناب رسولؐ خدا کے مذہب و فقہ کو ترمیم و تنسیخ کر کے اپنے منصوبوں کے مطابق نہ بنا لیتے .... چھٹی علیحدگی۔
اِن علیحدگیوں سے اور علیحدگیاں پیدا ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ جناب رسول خدا سے ان کا مکمّل تفرقہ ہو گیا۔ اِن تمام امور پر ہم تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے جو تجاویز انہوں نے اپنے حصول مقصد کے لئے کیں اُن تجاویز کی تشریح و تفصیل ہی اُمّتِ اسلامیہ کے تفرقہ و تقسیم کی تاریخ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے جناب رسول خدا سے کیوں اختلاف کیا اور ان کا مقصد کیا تھا۔ جواب تو صاف ہے۔ جناب رسولؐ خدا نے جو نظام حکومتِ الٰہیّہ قائم کر کے اس کے لئے حکّام مقرّر کیے تھے وہ جناب رسولِ خدا کے اصحاب کی ایک جماعت کو پسند نہ تھے لہٰذا انہوں نے اختلاف کیا۔ ان کا مقصدِ اوّلین یہ تھا کہ جناب رسول خدا کے خاندان میں حکومت

نہ جائے۔ بلکہ محمدؐ کی پیدا کی ہوئی سلطنت پر ہم خود قبضہ کرلیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے مُنہ سے یہ امرِ حق نکل کر لوگوں کو تلخ معلوم ہو۔ ہم اُس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی سُناتے ہیں۔ علامہ شبلی نے اپنے الفاروق میں بحوالہ تاریخ طبری عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے دو مکالمے یہ کہہ کر درج کئے ہیں کہ اُن سے حضرت عمر کے خیالات کا رازِ سربستہ معلوم ہوگا۔ ہم الفاروق سے لے کر اُن کو یہاں نقل کرتے ہیں۔[۵]

علاّمہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمے کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا رازِ سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ ابن عباس سے ہُوا تھا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے:۔

حضرت عمر:۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ ابن عباس:۔ مَیں نہیں جانتا۔

حضرت عمر:۔ لیکن مَیں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا افسر ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ ابن عباس:۔ کیوں؟

حضرت عمر:۔ وُہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کردیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر نے وُہ کیا جس سے

---

[۵] مولوی شبلی:۔ الفاروق مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء حصہ اول ص ۲۰۴، ۲۰۵۔
نیز مُلاحظہ ہو:۔
محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ص ۳۰، ۳۱، ۳۲۔
ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل الجزء الثالث ص ۲۴، ۲۵۔

زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی
چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا ۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصّل ہے۔ کچھ باتیں تو وہ ہی ہیں جو پہلے مکالمہ
میں گزریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

حضرت عمر :۔ کیوں عبداللہ ابن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا
کرتا تھا۔ لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری
عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے ۔

عبداللہ ابن عباس :۔ وہ کیا باتیں ہیں ؟

حضرت عمر :۔ میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے
خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی ۔

عبداللہ ابن عباس :۔ ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر
مخفی نہیں ہے لیکن حسداً تو اسکا کیا تعجب ہے۔ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم
لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے ۔

حضرت عمر :۔ افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے ۔

عبداللہ ابن عباس :۔ ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے ۔

حضرت عمر :۔ اِس تذکرے کو جانے دو ۔

عبداللہ ابن عباس :۔ بہت مناسب ۔

حضرت عمر جب اپنی کامیابی کا خیال کر کے خوش ہُوا کرتے تھے تو اکثر عبداللہ ابن
عباس کو ایسے کچھ کے دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مکالمے ہیں۔ ان میں
سے تین ہم ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغۃ سے نقل کرتے ہیں :۔

عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر کے خلافت کے ابتدائی
زمانہ میں ان کے پاس گیا۔ ان کے آگے ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں
ان کے آگے بوریئے پر رکھی ہوئی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ تم بھی کھاؤ۔ میں نے ایک

کھجور اُٹھائی۔ حضرت عمر کھاتے رہے یہاں تک کہ اکیلے ہی ساری کھجوریں کھا گئے پاس تھیلیا رکھی تھی۔ اس میں سے پانی پیا اور گاؤ تکیہ پر کُہنی لگا کر لیٹ رہے اور شکرِ خدا کرنے لگے۔ پھر یُوں گفتگو ہوئی ؛

حضرت عمر:۔ اے عبداللہ ابن عباس کہاں سے آ رہے ہو ؟

ابن عباس:۔ مسجد سے ؛

حضرت عمر:۔ اپنے ابن عم کو کس حال میں چھوڑا ہے۔ (میں سمجھا عبداللہ ابن جعفر کو پُوچھتے ہیں ؟)

ابن عباس:۔ میں نے ان کو اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے چھوڑا ہے ؛

حضرت عمر:۔ اِس سے میرا مطلب نہیں۔ بلکہ تم اہل بیت کے بزرگ (حضرت علی) مقصود ہیں ؛

ابن عباس:۔ وُہ تو فلاں شخص کے کھجوروں کے باغ میں پانی دے رہے اور اس حالت میں بھی تلاوتِ قرآن مجید کر رہے ہیں ؛

حضرت عمر:۔ اے عبداللہ سچ کہنا۔ اگر چھپاؤ گے تو تُم پر اُونٹنیوں کی قُربانی واجب ہو جائے گی۔ کیا اب بھی علی کے دل میں خلافت کی طرف سے کچھ خیال باقی ہے ؛

ابن عباس:۔ یقیناً باقی ہے ؛

حضرت عمر:۔ کیا علی کا خیال و یقین ہے کہ رسولؐ اللہ نے ان کی خلافت کے لئے نص کر دی تھی یعنی ان کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا ؛

ابن عباس:۔ جی ہاں قطعاً۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ میں نے اپنے والد سے حضرت علی کے اِس دعوے کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ یہ دعویٰ سچ ہے ؛

حضرت عمر:۔ لقد کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

فی امرہ ذرو من قول لا یثبت حجۃ ولا یقطع عذرا

ولقد کان یربع فی امرہ وقتا ما ولقد اراد فی مرضہ

ان یصرح باسمہ فمنعت من ذلک اشفاقا وحیطۃ

علی الاسلام لا ورب ھذہ البیت لا تجتمع علیہ

قریش ابدا ولو ولیھا لانتقضت علیہ العرب من

اقطارھا فعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

انی علمت ما فی نفسہ فامسک (ترجمہ اردو)

ترجمہ

بے شک جناب رسولؐ خدا سے علی کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی تھی اور عذر قطع نہیں ہوتا تھا۔ (یعنی یہ حجت اور یہ عذر کہ انہوں نے علی کے بارے میں نص خلافت نہیں کی ثابت نہیں ہوتا تھا) اور ربسا اوقات تو جناب رسولخدا علی کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہوجانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علی کے نام کی تصریح کرنی چاہی تھی مگر میں نے اس سے اُن کو روک دیا جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے ربّ کی قسم علی کے بارے میں کبھی قریش کا اجماع نہ ہوگا اور اگر لوگ ان کو خلیفہ بنا ہی لینگے تو ہر طرف سے عرب ان پر شورش کرینگے بس رسول اللہ سمجھ گئے کہ میں نے ان کے دل کی بات تاڑلی اور وہ رُک گئے۔ (ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص۹۷)

جناب رسولخداؐ کے بارے میں حضرت عمر کے خیالات

علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ اس خبر کو احمد ابن ابی طاہر نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔ اس سے بہت سے اہم واقعات کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایک اور مکالمہ یہاں درج کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں

حضرت عمر کے ساتھ ملک شام کی طرف گیا اور وہاں ایک دن وہ اپنے اونٹ پر اکیلے نکلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ (اب وہ مکالمہ اس طرح شروع ہوتا ہے)

حضرت عمر:۔ میں تم سے تمہارے ابن عم یعنی علی کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے انکار کر دیا اور اکثر میں ان کو اپنے سے غضبناک ہی دیکھتا ہوں۔ اس کا کیا سبب ہے؟

عبداللہ ابن عباس:۔ یہ درست ہے۔ ان کا یقین ہے کہ جناب رسولخدا نے خلافت ان کو عطا کی تھی؟

حضرت عمر:۔ اے ابن عباس۔ یہ تو درست ہے کہ جناب رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے۔ لیکن جناب رسول خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب خدا نے نہ چاہا۔ رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا۔ اور خدا کی مراد جاری ہوگئی۔ اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو۔ رسولخدا نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسولؐ خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں لیکن میں نے فتنہ وامر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسولؐ اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رک گئے اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہی ہوا؟

(ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص۱۱۴)

ایک اور ایسا ہی واقعہ ملاحظہ ہو۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور حضرت عمر مدینہ کے ایک کوچہ میں جا رہے تھے کہ اس طرح گفتگو شروع ہوئی:۔

حضرت عمر:۔ اے ابن عباس، میرا خیال ہے کہ تمہارے ابن عم یعنی حضرت علی پر ظلم ہوا۔

عبداللہ ابن عباس:۔ (دل میں اس موقعہ کو میں ہاتھ سے نہ جانے دوں گا)

اے امیرالمؤمنین، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو وہ شے
واپس کردیں جو ظلم کے ساتھ اُن سے چھینی گئی ہے ۔

حضرت عمر:- (عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سُن کر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں سے نکال لیا اور تھوڑی دُور کچھ گنگناتے ہوئے چلے پھر ٹھہر گئے میں اُن تک پہنچ گیا تو انہوں نے کہا) اے ابن عباس میرا خیال ہے کہ تمہاری قوم نے تمہارے صاحب یعنی علی کو کم سِن سمجھا اور اِس وجہ سے انہیں خلیفہ نہ بننے دیا ۔

عبداللہ ابن عباس:- (میں نے اپنے دِل میں کہا کہ یہ بات پہلے سے بھی زیادہ شر آمیز ہے اور حضرت عمر کو جواب دیا) قسم بخدا، خدا اور اِس کے رسولؐ نے تو علی کو کم سِن نہ سمجھا۔ جب انہیں مقرر کیا کہ تمہارے صاحب یعنی ابوبکر سے سُورۂ براۃ لے کر مکّہ والوں تک پہنچا دیں ۔

حضرت عمر:- نے یہ جواب سُن کر مجھ سے مُنہ موڑ لیا اور دُوسری طرف خاموش چلے گئے۔ میں بھی واپس آگیا ۔

(ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث صفحہ ۱۰۵)

ہمارا مولوی شبلی سے مکمّل اتّفاق ہے کہ ان مکالموں سے حضرت عمر کے خیالات کا رازِ سربستہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی ساری سیاست وجد و جہد کے مقصد کا انکشاف کلّی ہو جاتا ہے ۔

اِن مکالموں سے بہت سے امور حضرت عمر کی زبانی معلوم ہوتے ہیں یہاں فقط اُن امور کا ذکر کیا جاتا ہے جو مضمون زیرِ بحث سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ان مکالموں سے نہایت اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ :-

(۱) جناب رسولخدا نے ایک نظامِ حکومت قائم کیا تھا جس کا حاکم اپنے بعد حضرت علی کو مقرّر کیا تھا۔ یعنی یہ خیال غلط ہے کہ جناب رسول خدا نے اپنا کوئی جانشین مقرّر نہیں

کیا بلکہ انہوں نے حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ۔

(۲) جناب رسول خدا کے اصحاب کی ایک جماعت نے اِس نظام سے اختلاف کیا اور اس کو پسند نہیں کیا ۔

(۳) اُن کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت کے نظام کو توڑ دیں اور حکومت کو اُن کے خاندان میں نہ جانے دیں ۔

(۴) انہوں نے اپنے اِس مقصد کو سقیفہ بنی ساعدہ میں حاصل کر لیا ۔

(۵) ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اِس حصولِ مقصد میں مدد دی وہ اس جماعت مخالفین میں سے تھے ۔

(۶) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے اِس حصول مقصد میں انہیں مدد دی ۔

(۷) لہٰذا یہ تینوں حضرات جماعتِ مخالفین میں سے تھے ۔

اگر اس وجہ اختلاف کو، ہم مختصر الفاظ میں بیان کریں تو کہیں گے کہ یہ اختلاف حکومت کی وجہ سے تھا جس کو مذہبی زبان میں امامت بھی کہتے ہیں ۔ اب یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو گیا کہ یہ اختلاف کب سے ہوا اور اسلام میں تفرقہ کس نے ڈالا ظاہر ہے کہ یہ اختلاف اُس وقت سے اندر ہی اندر شروع ہو گیا کہ جب سے جناب رسولِ خدا کی حکومت کی ابتدا ہوئی اور یہ وہ وقت تھا کہ جب آنحضرت نے مدینہ میں تشریف لا کر مسلمانوں کی قوم کو منظم کرنا شروع کیا۔ اور دیگر اقوام اور جماعتوں سے بطور حاکم کے معاہدے کرنے شروع کر دیئے۔ جوں جوں حکومت مستقل و مستحکم ہوتی گئی۔ اِس اختلاف میں بھی مضبوطی آتی گئی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ تفرقہ اس جماعت نے ڈالا جس نے جناب رسول خدا کے نظامِ اسلام و حکومتِ اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنا علیحدہ نظام سقیفہ بنی ساعدہ میں قائم کر لیا۔ یہ بات کہ اس جماعتِ مخالفین نے مختلف تدابیر و تجاویز کے ذریعہ سے جن میں تحریفِ اسلام بھی شامل ہے آگے چل کر اپنی تعداد میں اضافہ کر لیا اور جناب رسول خدا کے مقرر کردہ

وجہ اختلاف کیا تھی

اختلاف کب ہوا اور کس نے ڈالا

نظام کو ماننے والی جماعت تعداد میں کم رہ گئی اِس سوال پر اثر پذیر نہیں ہو سکتی کیونکہ احقیت و اصلیت کا فیصلہ کبھی تعداد سے نہیں ہُوا کرتا۔ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ (پارہ ۷ سُورۃ المائدہ ع ۱۳) "کہہ دے اے پیغمبر کہ خبیث و طیّب (منزلت میں) برابر نہیں ہوتے۔ اگرچہ تمہیں خبیث کی کثرتِ تعداد (بظاہر) اچھی معلوم ہو"۔ اصلی جماعت تو وُہ ہی ہوگی جو بانیٔ جماعت کے ساتھ ہے۔ اِس سے اختلاف کرنے والی جماعت تفرقہ پیدا کرنے والی جماعت کہلائے گی یہ امر واقعہ کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ اس جماعتِ مخالفین کا اختلاف خود بانیٔ اِسلام کے ساتھ تھا۔ اگر اُمّت کے لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوتا تو پھر اس تحقیقات کی ضرورت ہوتی کہ اصلی جماعت کونسی ہے۔ اور اصلی جماعت وہ ہی کہلاتی جو بانیٔ اسلام کی جماعت ہوتی یا اس کے نزدیک تر ہوتی۔

غرضکہ واقعات کی رو نے بہت جلد بتا دیا کہ ایک اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اُسی وقت سے ہر ایک متنفّس کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ آنحضرتؐ کے بعد اِس حکومت کا کون والی و وارث ہوگا بالکل فطری و یقینی امر تھا۔ یہ خیال پیدا ہُوا اور بہت جلد قوت پکڑتا گیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے جو بقول حضرتِ عمر حکومت کو خاندانِ نبوّت میں جاتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے تھے اپنی علیحدہ ایک جماعت بنالی جس کا مقصدِ اولیٰ آنحضرتؐ کی اس تجویز کی مخالفت تھی آنحضرتؐ کے مقصد و نظام سے مخالفت کرنا اسلام میں تفرقہ ڈالنا تھا۔

باب چہارم (۴)

حکومتِ سقیفائی کا مدارِ قیام و استحکام تقسیم و تفریقِ اُمّت پر

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

جماعت مخالفین نے جو جو تجاویز اپنے مقصد کے حصول اور اس کے استحکام اور استقلال کے لئے کیں وُہ سب تفرقۂ اُمّت پر مبنی تھیں اور مزید تفرقہ پر منتج ہوئیں۔ اِن تجویزوں اور ترکیبوں کے بغیر وُہ انقلاب عظیم ناممکن تھا جو یہ لوگ کرنا چاہتے تھے۔ یعنی بقول حضرت عمر خاندان رسالت میں سے حکومت کو نکالنا اور ان میں سے ہر ایک تجویز بغیر تفرقہ پیدا کئے ہوئے کامیاب نہیں ہو سکتی تھی ؛

پہلی تجویز۔ جس نہج پر جناب رسولؐ خدا اُمّت اِسلامیہ کو لا رہے تھے اور اپنے اقوالؐ طرز عمل سے مرکزیت کے قیام کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلی ضرورت اِس بات کی تھی کہ ایک مخالف جماعت پیدا کی جائے۔ بغیر مخالف جماعت پیدا کئے ہوئے تو ایک قائم شُدہ نظام کو درہم برہم کرنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا پہلی تدبیر جو انہوں نے کی وُہ یہ تھی کہ اُمّت اِسلامیہ میں سے ایک جماعت توڑ کر اپنی ہمخیال بنائی جاوے۔ اور کل میں سے جزو کو توڑنا یہی تفرقہ پیدا کرنے کی ابتدا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف طریقوں سے لوگوں کو اپنی طرف ملانا شروع کیا۔ ان کی خوش قسمتی سے اور اسلام کی بدقسمتی سے چند ایسے امور کا پیدا ہونا ناگزیر تھا جن سے ان لوگوں کی ہمت بڑھ گئی اور تدبیر جماعت سازی کو مدد ملی۔ مشیت الٰہی فیصلہ کر چکی تھی کہ اسلام کی مرکزیت پر آل محمدؐ کو قائم کیا جائے اِس مشیت ربانی کے مطابق جناب رسول خدا نے اپنی اُمّت کو علی کی اطاعت

پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ دیکھو رسولِ خداؐ اپنے چچازاد بھائی اور داماد کو ہماری گردنوں پر سوار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایسی بات تھی جو عرب فطرت کے بہت خلاف تھی اور ان کے دِل کو لگ گئی۔ وُہ سمجھے کہ آنحضرتؐ تو بنو ہاشم میں حکومت کو مُستقل کرنا چاہتے ہیں۔ بقول علاّمہ مشرقی صدیوں کی جہالت کو چند سال کی تعلیم دُور نہیں کر سکتی تھی۔ عرب کی فطرت وُہ ہی رہی جو صدیوں پہلے تھی ان کا تخیّل نبوّت کی رفعت شان تک نہ پہنچ سکا۔ لہٰذا ان کے لئے یہ یقین کر لینا بہت آسان تھا کہ آنحضرتؐ بوجہ محبّت خاندانی علی کو ان کی گردنوں پر سوار کرکے اپنے خاندان میں حکومت مُستقل کرنا چاہتے ہیں "

دُوسرا امر جس نے تدبیر جماعت سازی میں ان کو مدد دی وُہ حضرت علی کے جہاد تھے جو انہوں نے راہ خدا میں کئے تھے۔ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں سے ایک یا دو افراد کو حضرت علی نے قتل نہ کیا ہو۔ عرب کا کینہ مشہور ہے اور نسلوں تک ختم نہیں ہوتا۔ حضرت عمر نے اِس امر سے جس طرح فائدہ اُٹھا کر لوگوں کو علی کے خلاف کیا اس کی ایک مثال ہم سُناتے ہیں:۔

حضرت علی کے جہاد سے ان کے خلاف پروپیگنڈا

ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال لسعید بن العاص و مرّبہ انی اراک کان فی نفسک شیئاً اراک تظن انی قتلت اباک انی لو قتلتہ لما اعتذر الیک من قتلہ ولکنی قتلت خالی العاص بن ہشام بن المغیرہ فاما ابوک فانی مررت بہ وھو یبحث بحث الثور بروقہ فحادت عنہ وقصد لہ ابن عمہ علیؑ فقتلہ سیرۃ ابن ہشام الجزء الثانی ص۲

ایک دن حضرت عمر راہ میں سعید بن العاص سے ملے اور کہا کہ مَیں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دِل میں میری طرف سے بُغض بھرا ہُوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم گمان کرتے ہو کہ مَیں نے ہی تمہارے باپ کو قتل کیا ہے اگر مَیں نے ان کو قتل کیا ہوتا تو مَیں کبھی تم سے اسکی معذرت نہ کرتا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ مینے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا۔ مَیں تمہارے باپ کے پاس سے گزر رہا تھا تو مینے دیکھا کہ وُہ بیل کی طرح پڑا ہُوا اپنے خُون میں لوٹ رہا ہے۔ مینے تو اس سے درگزر کر دی لیکن اُس کے ابن عم

علی بن ابی طالب اُس کی طرف آئے اور اُس کو قتل کر ڈالا ۔

یہ تھے وہ طریقے جن سے اپنی جماعت بنائی گئی اور لوگوں کو حضرت علی سے منحرف کیا گیا۔ اس واقعہ پر نظر ڈالو۔ پہلے تو یہ کہہ دیا کہ اگر میں قتل کرتا تو اس کی معذرت نہ کرتا تاکہ اُس کو یقین آجائے کہ اب جو یہ انکار کر رہے ہیں تو وہ درست ہے۔ اور پھر کس خوبی کے ساتھ اُس کے غم و غصّہ کا رُخ حضرت علی کی طرف کر دیا اور مرنے والے کا ایسا نقشہ کھینچا کہ اُس کے دل میں وہ غصّہ اور زیادہ تیز ہو جائے کہ دیکھو علی نے میرے باپ کو کیسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں قتل کیا۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جو شخص پہلے ہی اس طرح مر رہا ہو اُس کو علی بن ابی طالبؑ کبھی قتل نہیں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تو اپنے فوجی افسران کو اپنے عہد خلافت میں ہدایت بھیجی تھی کہ "کبھی کسی پیٹھ پھیرنے والے سے جنگ نہ کرنا۔ کسی عیب دار یا برہنہ کو آزار نہ پہنچانا۔ زخمی پر حملہ نہ کرنا" (نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۸) یہ اُن کے اوپر بہتان صریح تھا۔ لیکن اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے سب کچھ جائز ہے ۔

جب کبھی آنحضرتؐ نے حضرت علی سے ولیعہد سلطنت اور منتظر الخلافتؑ الاساد کیا فوراً حضرت عمر نے اعتراض کیا۔ آنحضرتؐ پر نکتہ چینی کی اور لوگوں کی توجہ اُس امر کی طرف خاص طور سے دلائی کہ ان کی طبیعت میں مخالفت اور زیادہ بڑھ جائے۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے ۔

اور بھی کئی امور تھے جنہوں نے ان لوگوں کی تدبیر جماعت سازی میں مدد دی جن میں بنو اُمیّہ کی رقابت اور اس جماعت کا حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم میں رسوخ عرب کی جہالت اور ان کی حرص مال و جاہ بہت نمایاں امور رہیں۔ مگر یہاں ایک تنبیہ کی ضرورت ہے۔ یہ سب امور حضرت علی کو حکومت سے دُور رکھنے میں فقط معاون کی حیثیت رکھتے تھے۔ انتزاع خلافت کے خود باعث نہ تھے ۔

غرضکہ اس مخالف جماعت کی موجودگی ایک مسلّمہ امر ہے۔ خود اپنے مرکالمہ

ہیں حضرت عمر نے تسلیم کیا ہے کہ ایک کثیر جماعت تھی جو خاندان رسالت میں نبوت اور خلافت کے اجتماع کی مخالف تھی۔ قضیۂ قرطاس بتا رہا ہے کہ یہ جماعت اسوقت تک کتنی مضبوط ہو چکی تھی۔ اگر یہ جماعت پہلے سے منظم نہ ہوتی اور جو نظام مرکزیت جناب رسول خدا نے تعین کر لیا تھا اس کی مخالفت اس جماعت کے افراد کے دلوں میں جاگزیں نہ ہو چکی ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ جناب رسولؐ خدا کے تحریر وصیّت کے ارادہ سے اتنا ہیجان عظیم پیدا ہو جاتا۔ اور یہ لوگ جناب رسولؐ خدا کی اہانت تک اس طرح علانیہ کر سکتے۔ اگر حضرت عمر کو یقین نہ ہوتا کہ میری جماعت یہاں موجود ہے اور یہ لوگ میری متابعت کریں گے تو کبھی وہ اتنی جرأت نہ کرتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت کہہ سکتے کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ اُن لوگوں کے کان ان باتوں سے پہلے ہی سے آشنا کر دئے گئے تھے۔ جب ہی تو اس ثقیل فقرے نے کچھ تعجب یا غصّہ نہ پیدا کیا بلکہ ایک جماعت کثیر نے اس پر اعتبار و یقین کر لیا۔ اگر حضرت عمر کی پُشت پر یہ جماعت نہ ہوتی تو وہ صرف دو آدمیوں کے ساتھ کیوں سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر اتنی کشتی لڑتے۔ اُن کو یقین تھا کہ جب ہم یہاں حضرت ابوبکر کو خلیفہ منوالیں گے تو پھر مہاجرین میں سے تو اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ اگر فرض کرو مہاجرین میں سے کوئی بھی ان کی طرف نہ ہوتا اور یہ سقیفہ میں سے کشتی مار کر آتے اور کہتے کہ ابوبکر کی بیعت کرو اور کوئی نہ کرتا تو پھر کیا صورت حالات پیدا ہوتی۔ اس جماعت کی موجودگی سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جس نے تاریخ اسلامی کا مطالعہ غور سے کیا ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی اس جماعت مخالفین کا علم تھا۔ اور جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام بھی اس سے واقف تھے۔ جناب رسول خدا صلعم حضرت علی سے فرمایا کرتے تھے:۔

ضغائنُ فی صدور الاقوام لا ... اِن لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے

یبدو نھا لک الا من بعدی[۵۵]
کینے بھرے ہوئے ہیں جن کو اب تو انہوں نے چھپا رکھا ہے۔ لیکن میرے بعد ظاہر کریں گے۔

یا علی ان الامۃ ستغدر بک من بعدی[۵۶]
اے علی میرے بعد تم سے یہ اُمت دغا اور بغاوت کرے گی۔

اِس جماعت مخالفین علی و نظام مقرر کردہ رسول اکرم کی موجودگی اور اُن کی سازشوں کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُن کی جماعتیں آپس میں بیٹھ کر اہل بیت رسول کے خلاف سازشیں کرتی رہتی تھیں اور جب اہل بیت میں سے یا اُن کے رشتہ داروں میں سے کوئی اُدھر سے گزرتا تھا تو اُس کو دیکھ کر فوراً خاموش ہو جاتے تھے اور اپنی گفتگو کا رُخ بدل دیتے تھے۔

عن العباس بن عبد المطلب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال ما بال اقوام یتحدثون فاذا راوا الرجل من اھل بیتی قطعوا حدیثھم والذی نفسی بیدہ لا ید خل قلب امری الایمان حتی یحبھم للہ ولقرابتھم منی۔

حضرت عباس عم رسول سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ اِن لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب یہ میرے اہلبیت میں سے کسی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً جو باتیں وہ کرتے ہوتے ہیں اس کو قطع کر کے خاموش ہو جاتے ہیں یا دُوسری باتیں کرنے لگتے ہیں قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قُدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا جب تک وہ میرے اہلبیت سے

---

[۵۵] علی المتقی:۔ کنز العمال الجزء السادس حدیث ۶۱۵۸ ص ۴۰۸۔
محب الدین طبری:۔ ریاض النضرۃ الجزء الثانی الباب الرابع فصل الثامن ص ۲۱۰۔
[۵۶] علی المتقی:۔ کنز العمال الجزء السادس حدیث ۶۱۵ ص ۱۵۷۔
ابو عبداللہ الحاکم:۔ المستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۴۰، ۱۴۲۔
محمد بن اسمٰعیل:۔ روضۃ الندیہ۔

حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کے خلاف لوگ بیٹھ بیٹھ کر سازشیں کرتے تھے

شیخ یوسف بن اسمٰعیل :۔ شرف المؤبد ص ۸۶ ۔ خدا کی خاطر اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کرے گا
شیخ سلیمان مفتی اعظم قسطنطنیہ :۔ ینابیع المودۃ ص ۱۱، الباب الخامس والاربعون ص ۱۱۰، ۱۱۱ ۔
میرزا محمد بن معتمد خاں :۔ نزل الابرار ص ۷ ۔

قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ کیا گفتگوئیں ہوتی ہوں گی جو اہل بیت رسول سے خفیہ کی جاتی تھیں اور ان میں سے کسی کو دیکھ کر لوگ اپنا سلسلۂ بیان بدل ڈالتے تھے حضرت علی کی جو نسبی فضیلت تھی وہ بھی ان لوگوں کی نکتہ چینی سے نہ بچ سکی ۔ چنانچہ جناب رسول خدا کو یہ فرمانے کی ضرورت پڑی کہ :۔

الا ما بال اقوام یزعمون ان رحمی لا تنفع والذی نفسی بیدہ ان رحمی لموصولۃ فی الدنیا والاخرۃ الا وانی فرطکم ایھا الناس علی الحوض الا وسیجئی اقوام یوم القیامۃ فیقول القائل منھم یا رسول اللہ انا فلان بن فلان فاقول اما النسب فقد عرفت ولکنکم ارتددتم بعدی ورجعتم القھقری

علی المتقی :۔ کنز العمال الجزء السادس حدیث ۷۴۶

کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ میری رشتہ داری سے میرے رشتہ داروں کو کچھ فوقیت و فائدہ حاصل نہیں ہوتا قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میرا رشتہ دنیا و آخرت میں فضیلت پہنچاتا ہے۔ ہاں خبردار اے لوگو! میں حوض کوثر پر قیامت کے دن موجود ہونگا۔ وہاں ایک جماعت لائی جائیگی اس جماعت کا ایک نمائندہ مجھ سے کہیگا کہ اے رسول خدا میں فلاں ابن فلاں ہوں میں جواب دونگا کہ میں نے نسب تو پہچان لیا ہے لیکن تم تو میرے بعد اسلام سے ہٹ گئے تھے اور الٹے پھر کفر کی طرف رجعت کر گئے

جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے میرے اہلبیت سے تمسک رکھا تو تم میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہوگے۔ اس کو حدیث ثقلین کہتے ہیں ۔ حوض کوثر پر قیامت کے دن آنحضرتؐ کے پاس آپ کے اصحاب کی ایک جماعت لائی جائے گی جن کو آپ پہچان لیں گے کہ یہ میرے اصحاب ہیں لیکن ان سے آپ فرمائیں گے میرے پاس سے تم دور ہو جاؤ کیونکہ تم میرے بعد گمراہ ہو گئے ۔ اس کو حدیث حوض کہتے ہیں

کئی روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے ان اصحاب سے کہوں گا کہ تم دُور ہو جاؤ میرے پاس سے۔ کیونکہ تم میرے بعد گمراہ ہو گئے تھے۔ حدیث ثقلین اور حدیث حوض کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آپ کے بعد آپ کے اہل بیت سے تمسک نہ رکھیں گے وُہ گمراہ ہو جائیں گے۔ حوض کوثر پر اصحاب کی ایک جماعت لائی جائے گی جو آپ کے بعد گمراہ ہو گئی تھی۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ یہ وُہ جماعت اصحاب ہو گی جس نے آنحضرتؐ کے بعد علی سے تمسک نہ رکھا۔ اہل بیت کو ذلیل کیا اور اُن سے ان کا حق چھین کر خود مسندِ حکومت پر متمکن ہو گئے۔ یہ حوض کوثر سے ہنکائی جانے والی وُہ ہی اصحاب کی جماعت ہو گی جس کو دُنیا میں بھی آپ نے قضیۂ قرطاس والے دن قوموا عنی کہا تھا۔ یعنی میرے پاس سے دُور ہو جاؤ۔

غرضکہ جماعت مخالفین کی موجودگی اور اُن کی سازشیں برخلاف علی و اہلبیت رسالت اچھی طرح ثابت ہو گئیں۔ یہ کہ یہ جماعت حضرات شیخین کی مرتب کردہ تھی اور یہ وُہ جماعت تھی جس کے سردار یہ دونوں بزرگوار تھے۔ بہت اچھی طرح ثابت ہے۔ حضرت عمر اس جماعت کی اکثر نمائندگی کرتے رہتے تھے۔ قضیۂ قرطاس والے دن نہایت اصرار کے ساتھ آپ نے ان کی نمائندگی کی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے جو مکالمہ حضرت عمر کا ہوا اس میں بھی آپ نے سردار جماعت کی حیثیت سے گفتگو کی۔ اور سب سے بڑا ثبوت اس کا یہ ہے کہ جب یہ جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور خاندان رسالت ہی سے خلافت نکل گئی تو ان کی جگہ اس جماعت کے سرداروں نے لے لی۔ یہ تو روزانہ کا تجربہ ہے کہ جب ایک جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی ہے تو اس کے لیڈر ہی آگے کے پنیچوں پر آتے ہیں اور ذمہ داری کے عہدے سنبھالتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان لوگوں کو بڑی تقویت اُس جماعت سے ملی جس کو عُرف عام میں منافقین کہتے تھے۔ اور جس کی موجودگی کی شہادت قرآن شریف دے رہا ہے۔ دراصل تو وُہ لوگ بھی جو جناب رسولخدا کے

ان احکام کو توجہ و غرض پر محمول کر کے ان سے اعراض کر رہے تھے اور ان پر نکتہ چینیاں کر رہے تھے منافق ہی تھے جیسا کہ علامہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے۔ ان کی عبارت کی نقل ہم آگے کریں گے۔ لیکن چونکہ اس زمرہ میں وہ بزرگوار بھی آجاتے ہیں جو صحابہ کبار میں سے کہلاتے ہیں لہذا مورخین و علماء حکومت اس لفظ کو صرف ان لوگوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں جو عرف عام میں اس زمانہ میں منافق کہلاتے تھے۔ لہذا یہاں ہم بھی ان ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان منافقین کا شیوہ تھا کہ آنحضرتؐ کے اقوال و افعال و حرکات و سکنات پر نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے جب تک یہ نکتہ چینیاں توحید و نبوت تک محدود رہیں تو عام مسلمان ان سے علیحدہ رہے اور ان کو برا سمجھتے رہے۔ لیکن حکومت کے مسئلہ نے، یا یوں کہو کہ بیاسی ضرورت نے صحابہ کی اکثریت کو مجبور کیا کہ منافقین کو اپنے ساتھ ملا کر تقویت حاصل کریں اور منافقین نے بھی سمجھا کہ اب اسلام کا مقابلہ علانیہ دشمنی سے تو کرنا بے سود بلکہ مضر ہے۔ ان مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہم اسلام کو زیادہ نقصان پہنچا سکیں گے۔ وہ تو ایسے موقعہ کے منتظر ہی تھے۔ جناب رسول خدا کے ہر قول و فعل پر نکتہ چینی کرنی تو ان کی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی۔ جناب رسول خدا اپنے ابن عم و داماد کو اپنی حکومت سپرد کرنے کا ایسا مضمون ان کو ہاتھ لگا کہ اس پر انہوں نے نکتہ چینی کا ایک عظیم الشان قصر تیار کر لیا اور حضرت علی کی مخالفت جن کو وہ یوں بھی اپنا اور اپنے دین کا سخت ترین دشمن جانتے تھے اپنے دن کی گفتگو اور رات کی رازگوئیوں کا نشانہ بنا لیا۔ چونکہ جماعت منافقین اور جماعت بہتر صدین حکومت میں مخالفت علی جزو مشترک تھا اور ایک کو دوسرے کی ضرورت ہی تھی لہذا یہ دونوں جماعتیں مل کر ایک ہوگئیں اور ان دونوں میں اتحاد عمل ہو گیا۔ ایک جماعت کو تو تعداد سے قوت ملی اور دوسری جماعت نے خیال کیا کہ جناب رسولؐ خدا کے سارے کام کو بگاڑنے کا اس سے بہتر اور موثر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قائم کردہ نظام کی باگ ڈور اس کے ہاتھ

ہیں نہ جانے پائے جو اس کو جناب رسولؐ خدا ہی کی سی قابلیت، اہلیت اور عظمت کے ساتھ چلا کر اس کو مستقل و مستحکم کر دے۔ بلکہ اس کے حکمراں وہ ہوں جو اس نظام ہی کو نہ سمجھیں اور ہر جگہ اپنی رائے کا پیوند لگاتے جائیں اور اس طرح اسلام مسخ ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ساری کوشش اس سازش کو منظم کرنے میں صرف کر دی جس کا اظہار سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ کرنے والے پر یہ امر اچھی طرح ہویدا ہے کہ منافقین حضرت علی کے سخت دشمن تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر علی کی تلوار نہ ہوتی تو کبھی اسلام کو فتح اور ان کو شکست نہ ہوتی۔ وہ عرب سے اپنے بتوں کے نکلنے کا سبب اعظم حضرت علی کو سمجھتے تھے۔ پھر اپنے مقتولوں کا کینہ بھی اُن کے سینہ میں بھرا ہوا تھا۔ دیکھو۔ غزوۂ تبوک پر جاتے وقت جناب رسولؐ خدا نے حضرت علی کو مدینہ میں چھوڑا تو تمام مورخین لکھتے ہیں کہ منافقین خوش ہو کر علی پر چشمک زنی کرنے لگے جو باعث حدیث منزلت ہوئی۔ بتائیے تو سہی ان منافقین کو حضرت علیؑ سے کیوں عداوت ہوئی۔ وہ تو وحدانیت و نبوّت کے منکر تھے۔ معلوم ہوا کہ خدا کی وحدانیت، محمدؐ کی رسالت اور علی کی خلافت میں ایک جزو مشترک تھا۔ اگر یہ اشتراک نہ ہوتا تو پھر منافقین علی کے عروج سے ناراض اور اُن کے تنزّل سے خوش نہ ہوتے۔ وحدانیت کی تعلیم وابستہ تھی۔ محمدؐ کی رسالت اور علی مرتضےٰ کی خلافت سے اور یہ وابستگی اُس ہی خدا کی قائم کی ہوئی تھی جس نے محمدؐ کو اپنا رسول مقرر کر کے بھیجا تھا۔ لہٰذا وہ لوگ جو نہیں چاہتے تھے کہ علی خلیفہ ہوں۔ منافق تھے۔ منافقین اور جماعت متر صدین حکومت نہیں چاہتے تھے کہ علی خلیفہ ہوں۔ لہٰذا دونوں میں اتحاد عمل ہونا ضروری تھا اور ہوا۔ واقعہ عقبہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں مل کر شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ جب ہی تو جناب رسول خدا نے حذیفہ کو ان حملہ آوروں کے نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ آپ کے اصحاب کی فضیحت نہ ہو اور اُن کو سزا دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا

کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے اصحاب کی مدد سے تو محمدؐ نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور اب اپنا کام نکال کر اپنے اصحاب ہی کو قتل کرنے لگے۔ عُرفِ عام کے منافقین کبھی آپ کے ساتھ ہو کر کافروں سے نہیں لڑے۔ اگر ایک دفعہ لشکر اسلام کے ساتھ چلے بھی گئے تھے تو عین وقت پر الگ ہو گئے۔ اور نہ ہی اُن کے نام کے چھپانے کی ضرورت تھی کیونکہ ان کو تو سب جانتے تھے۔ غور تو کیجیے اِن دونوں جماعتوں کا مل کر ایک ہو جانا کیسا نمایاں ہے۔ کیا وجہ تھی کہ جناب رسولِ خدا کی حیات میں تو جماعت منافقین کا نام بار بار سُننے میں آتا ہے۔ اور بہت شد و مد کے ساتھ ان کے افعال و اقوال پر سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے۔ وہ اتنی کثرت و قوت والے تھے کہ اُن کا ذکر قرآن شریف میں بھی آ گیا۔ آخری آیت جو قرآن شریف کی ہے اس تک میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ مِنَ النَّاس کا لفظ آیا ہے۔ یا تو اس کے معنی یہ لو کہ صحابہ کی اکثریت ہی اس رنگ میں رنگی گئی تھی۔ اکثریت کی وجہ سے لفظ "ناس" کہا گیا۔ یا یہ کہو کہ یہ منافقین ہی کی طرف اشارہ ہے۔ بہرصورت اس بحث میں ہمارا مقصد دونوں تاویلوں سے پُورا ہوتا ہے۔ یہ کیا ہوا کہ جناب رسولِ خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی جماعتِ منافقین صفحۂ ہستی سے اُٹھ گئی۔ اُن کا ذکر ہی نہیں آتا بلکہ ان کی موجودگی پر مفروضہ حدیث نجوم کا پردہ ڈالا جاتا ہے۔ سارے صحابی ہدایت کے ستارے ہیں جس سے جی چاہے ہدایت حاصل کر لو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ جماعت یک لخت غائب نہیں ہو گئی بلکہ یہ بزرگوار مانتے ہیں، کہ جناب رسولِ خدا کے زمانہ سے بھی زیادہ منافقین کی شرارت آنحضرتؐ کے بعد بڑھ گئی۔ کیونکہ جناب رسولِ خدا کی حیات میں وہ اپنے منافقانہ جذبات کو چھپاتے تھے اور اب علانیہ ظاہر کرتے ہیں۔

جماعت منافقین جماعت حکومت میں مدغم ہو گئی

عن حذیفۃ بن الیمان قال ان المنافقین الیوم شر منھم علی	حذیفہ کہتے ہیں کہ آج کے دن کے منافقین بہت زیادہ خطرناک اور بُرے ہیں۔ بہ نسبت

عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یومئذ یسرون والیوم یجھرون

زمانہ رسول اللہ کے منافقین کے۔ کیونکہ اُس وقت تو وُہ پوشیدہ ہوکر رہتے تھے۔ اور اب اپنے تئیں علانیہ ظاہر کرتے ہیں ⁂

صحیح بخاری۔ الجزء الرابع باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم اخرج فقال بخلافہ ص ۱۵۳

ابن حجر عسقلانی: - فتح الباری الجزء الثالث عشر ص ۶۴ ⁂

اتنی جُرأت و دلیری منافقین میں کیوں آ گئی کہ وُہ اپنے تئیں علانیہ ظاہر کر رہے ہیں اور اپنے منافقانہ جذبات و افعال و اقوال کو کھُلے بندوں پھیلا رہے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی اپنی ہی جماعت تو برسرِ حکومت ہے ان کو اب کس کا ڈر۔ اس کو ذہانت و دُور بینی کہو یا پیغمبرانہ پیشین گوئی کہ آنحضرتؐ جان گئے تھے کہ میرے بعد منافقین اور اُمیدواران حکومت کی جماعت مل کر ایسی شیر و شکر ہوجائیں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے۔ اس وقت محض علی ہی کی ذات سے ان کی شناخت ہوسکے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے: - لولاک یا علی ما عرف المؤمنون من بعدی

یعنی اے علی اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد مومن کی شناخت نہ ہوسکتی ⁂

محب الدین طبری: - ریاض النضرۃ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص ۲۰۲ ⁂

علی المتقی: - کنز العمال الجزء السادس ص ۴۰۲ حدیث ۶۱۱۴ ⁂

دُوسری تدبیر۔ فطرتِ انسانی کے عمل کے مستقل اصول و قواعد مقرر ہیں اور جو لوگ ان کو معلوم کر لیتے ہیں وُہ ہی قوم کے رہنما، پیشوا ہوسکتے ہیں۔ محبت، نفرت، غرور، رنج، خوشی، سرکشی، نافرمانی، اطاعت وغیرہ کے جذبات کن حالات میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب یہ جذبات پیدا ہوجاتے ہیں تو انسان کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے۔ جب کسی حاکم کے احکام کو ہم پسند نہ کریں تو نافرمانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب نافرمانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو یہ خیال آتا ہے کہ ہم ایسا طرزِ عمل اختیار کریں کہ یہ ہماری نافرمانی نازیبا اور بے جا نہ معلوم ہو اور

کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ہوسکے ہمارے ہمخیال لوگ زیادہ ہوں اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے انسان اُس حاکم کے احکام پر نکتہ چینی کرنی شروع کرتا ہے۔ تاکہ اس کے احکام بدنما اور ہماری نافرمانی خوشنما ظاہر ہو اور ہم سے ہمدردی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ یہی طرز عمل منافقین نے اختیار کیا۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کے احکام وحدانیت و رسالت کو اچھا نہ سمجھا۔ اور یہی طرز عمل جماعت مخالفین نے اختیار کیا۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کے احکام خلافت کو پسند نہ کیا۔ چنانچہ متر صدین حکومت کی دوسری تجویز جناب رسالتمآب کے احکام، اقوال و طرز عمل پر نکتہ چینی کرنی تھی۔ جب آنحضرتؐ حضرت علی کے فضائل بیان کرتے یا اُن کو دیگر صحابہ پر ترجیح دیتے یا کوئی اور ایسا امتیازی سلوک حضرت علی سے کرتے جس سے ان کا مستقبل کا خلیفہ ہونا ظاہر ہو تو فوراً یہ جماعت نکتہ چینی اور اعتراض کر دیتی۔ اس سے اُن کے کئی مقصد حل ہوتے تھے۔ ایک تو یہ کہ ان کا اعتراض کرنا لوگوں میں شائع ہو جائے۔ اور لوگ سمجھیں کہ جب ایسے قریب اُٹھنے بیٹھنے والے اعتراض کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ کریں۔ گویا اعتراض و نکتہ چینی کا رواج ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اُن کی اس نکتہ چینی سے جس کو وہ حق بجانب سمجھتے تھے یہ امر لوگوں پر منکشف ہو جائے کہ جناب رسول خدا حضرت علی پر ناجائز مہربانیاں فقط محبت خاندان و اُلفت دامادی کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس اشاعت نکتہ چینی سے اُن کے ہمخیال لوگ پیدا ہو جائیں اور ان کی جماعت میں اضافہ ہو۔ چوتھی غرض یہ بھی ہوتی تھی کہ شاید پھر آنحضرتؐ اپنے اس طرز عمل کو چھوڑ دیں یا اس میں کمی کر دیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے صرف حضرت عمر ہی ہوتے تھے۔ اب فرمائیے ان کے اس طرز عمل سے تفرقہ پھیلا یا اتحاد بڑھا۔ ہم نہ کہتے تھے کہ ان کی ہر ایک تجویز تفرقہ پیدا کرنے والی ہوتی تھی اور ان کی حکومت کی وجہ ہست و بود ہی تفرقہ تھا۔ اس نکتہ چینی کی

آنحضرتؐ پر نکتہ چینی سے اعتراض

کئی مثالیں تو تاریخ میں بھی محفوظ ہوگئیں۔ ایام محاصرہ طائف میں ایک دن آنحضرتؐ نے بہت دیر تک خلوت میں راز کی باتیں حضرت علیؑ سے کیں۔ لوگوں کو اس پر حسد ہوا اور آنحضرتؐ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ آنحضرتؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں نے یہ راز کی باتیں علی سے نہیں کیں بلکہ خدا نے کیں۔ تاریخ حبیب السیر کے الفاظ ہیں :۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ با حضرت رسالت گفت یا رسول بے حضور ما با ابن عم خویش خلوت گزیدہ رازمی گوئی فقال یا عمر ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ۔ دیکھو حبیب السیر جلد اوّل جزء سوم ص ۶۶ ۔

اشعتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ نولکشور الجزء الرابع ص ۶۹۶ ۔

ملا معین :۔ معارج النبوۃ رکن چہارم باب یازدہم دربیان وقائع سال ہشتم از ہجرت ص ۱۸۴ ۔

مشکوٰۃ المصابیح مطبوعہ مطبع مجتبائی کتاب الفتن مناقب علی بن ابی طالب ص ۵۶۴ ۔

جب آنحضرتؐ نے خطبہ دیا تو اس میں ارشاد فرمایا کہ لوگ حسد کی وجہ سے یہ اعتراض کرتے ہیں۔ میں نے علی سے راز گوئی نہیں کی بلکہ خدا نے کی۔

عبید اللہ امرتسری :۔ ارجح المطالب باب چہارم ص ۶۹۵ ۔

تذکرۂ خواص الامۃ سبط ابن الجوزی باب الثانی ص ۲۵ ۔

اسی طرح جب تمام صحابہ کے مکانوں کے دروازے جو مسجد میں کھلتے تھے آنحضرتؐ نے بند کرانے کا حکم دیا اور حضرت علی کا مسجد کی طرف کا دروازہ کھلا رہنے دیا تو لوگوں نے اس پر بہت نکتہ چینی کی۔ پھر آنحضرتؐ کو خطبہ دینا پڑا اور فرمایا کہ میں نے نہ تمہارے دروازے بند کرائے نہ علی کا دروازہ کھلا رہنے دیا بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کرائے اور علی کا دروازہ کھلا رکھا۔ غدیر خم کے اعلان جانشینی کے بعد اس جماعت میں ایک کھلبلی مچ گئی

۵۵ امام احمد حنبل مسند الجزء الاوّل ص ۱۷۵، ۳۳۰، الجزء الثانی ص ۲۶۔ الجزء الرابع ص ۳۶۹ ۔

ابن حجر عسقلانی :۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری الجزء السابع ص ۵۹ ۔

محب الدین طبری :۔ ریاض النضرۃ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۴ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اُس وقت ایک گمنام دیہاتی حارث بن نعمان فہری سے یہ کام لیا گیا۔ اس نے نہایت گستاخانہ طریقہ سے اعتراض کیا اور سزا پائی[۵۸] قضیۂ قرطاس اِس اعتراض و نکتہ چینی کی آخری درجہ کی گستاخی کی مثال ہے۔ بار بار اعتراض کر کے ایک بات کو لوگوں کی توجہ میں لاتے رہنے سے قبیلانہ رشک و حسد میں اضافہ ہوتا گیا۔

تیسری تدبیر جیش اسامہ کو روکے رکھنا تھا۔ جیسا ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔ جناب رسولؐ خدا کو اِس جماعت کی موجودگی اور ان کی حرکات اور سازشوں کا اچھی طرح علم تھا۔ جب وحیِ الٰہی سے آنحضرتؐ کو معلوم ہو گیا کہ اب زمانہ رحلت نزدیک آگیا ہے تو اُس عشق و انہماک کی وجہ سے جو آپ کو اسلام کے ساتھ تھا اور اس فکر و تردد

صفحہ ۸۷ کا بقیہ حاشیہ :-

ابن حجر مکی: صواعق محرقہ باب التاسع فصل الثانی حدیث الثالث عشر ص ۷۳، حدیث الثالث عشرین ص ۷۴۔

نورالدین سمہودی:- وفاء الوفاء الجزء الاول باب الرابع فصل الحادی عشر ص ۳۳۹ تا ۳۴۰۔

ابن کثیر الشامی:- البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء السابع ص ۳۴۲۔

جلال الدین سیوطی:- کتاب الدرالمنثور الجزء الثالث ص ۳۱۴، الجزء السادس ص ۲۱۲ زیر تفسیر آیہ والنجم اذاھویٰ آیۃ

مولوی حسن الزمان:- القول المستحسن ص ۲۲۴۔

شمس الدین الجزری:- اسنی المطالب ص ۱۲۔

[۵۸] تفسیر ثعلبی۔

ابراہیم بن عبداللہ الیمانی:- کتاب الاکتفاء۔

شہاب الدین دولت آبادی:- ہدایت السعداء۔

نورالدین سمہودی:- جواہر العقدین۔

عبدالرؤف مناوی: فیض القدیر شرح جامع صغیر۔

محمود شاری:- صراط سوی۔

محمد بن اسمٰعیل صلاح الامیر:- روضۃ الندیہ شرح تحفۃ العلویہ۔

کے زیر اثر جو آپ کو اسلام کے آئندہ تحفظ کے متعلق تھا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر اِس مخالف جماعت کے بڑے بڑے اراکین میری رحلت کے وقت مدینہ سے دُور ہوں تو ممکن ہے کہ علی کی حکومت و خلافت قائم ہو کر اسلام کے لئے صراط مستقیم رل جاوے۔ لہٰذا جس دن مرض موت شروع ہونے والا تھا اس سے ایک دن پہلے آپ نے جیش اُسامہ مرتب فرمایا اور اس میں تمام صحابہ کو باستثناء حضرت علی و بنو ہاشم شامل ہونے کا حکم دیا۔ اسامہ بن زید کو اس کا حاکم مقرر فرمایا۔ مدعا یہ تھا کہ زید کی موت اور واقعہ موتہ کی شکست کا بھی پورا بدلہ ہو جائے اور جب آپ رحلت فرمائیں اور خلافت کے قیام کا وقت آئے تو وُہ لوگ جو حضرت علیؑ کے مخالف تھے اور وُہ جو مسند حکومت کی طرف نظر رکھتے تھے مدینہ میں موجود نہ ہوں لیکن وُہ لوگ جو پہلے ہی سے اِسوقت کی اُمید میں بیٹھے تھے وُہ بھی سمجھ گئے آنحضرتؐ کی بار بار کی تاکید اصرار کے باوجود وُہ نہ گئے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہوگیا۔ ایسی تدابیر اختیار کرنا جناب

۵۹ مدارج النبوۃ جلد ۲۔ ص ۵۳۱، ۵۳۰ مطبوعہ مطبع نولکشور ٭

تاریخ طبری الجزء الثالث جلد ۱۸۸، ۱۸۹ ٭ تاریخ الکامل ابن الاثیر الجزء الثانی ص ۱۲۰ ٭

تاریخ حبیب السیر جلد اوّل جزء سوم ص ۷۷ ٭

ابوبکر و عمر ماتحت اسامہ تھے۔ حضرت علی و بنو ہاشم اس میں نہ تھے ٭

فتح الباری ابن حجر عسقلانی الجزء السابع ص ۹۹ مناقب زید بن حارثہ ٭

تذہیب التہذیب فی بھی حال اسامہ، ابن حجر عسقلانی:۔ تہذیب التہذیب الجزء الاوّل ص ۲۰۸ ٭

مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۳۰، ۵۳۱ ٭

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاوّل ص ۵۳؛ الجزء الثانی ص ۲۰ ٭

لعن اللہ من تخلف عنہا؟

حجج الکرامہ نواب صدیق حسن خاں ٭

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۲۰ ٭

کتاب الملل والنحل شہرستانی برحاشیہ کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ص ۲۰ ٭

رسولؐ خدا کی شان کے منافی نہ تھا۔ مدعا تو وہی ہدایت خلق تھا۔ یہ سنت الہی تھی کہ مخالفین کی تجویزوں کو اپنی تجویزوں سے توڑا جائے مکروا ومکراللہ واللہ خیرالماکرین جب علی کو اپنے رسول کے بستر پر سلا کر اور اس طرح کفار کی آنکھوں میں خاک ڈال کر وہاں سے اپنے رسول کو نکالنے میں خداوند تعالے کی کچھ تنقیص شان نہ ہوئی تو مخالفین کو اس طرح مدینہ سے نکالنے میں جناب رسولؐ خدا کی کون سی کسر شان تھی۔

جیش اسامہ میں بڑے بڑے مہاجر وانصار مثل حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، ابوعبیدہ بن الجراح، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ وزبیر و اسید بن حضیر و بشیر بن سعد کو شامل ہونے کا حکم تھا[۱۰]۔

جب باوجود بار بار کی تاکید کے یہ لوگ نہ گئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لعنت ہو خدا کی اس پر جو جیش اسامہ کے ساتھ نہ چلا جائے[۱۱] لیکن باوجود اسکے یہ لوگ نہیں گئے یہاں تک کہ جناب رسولؐ خدا کا انتقال ہو گیا۔

چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ اس سے مسلمانوں کی تفریق کی تاریخ پر بہت روشنی پڑتی ہے اور جماعت مخالفین کے ارادے اور مقاصد بالکل عریاں ہو جاتے ہیں لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو عبارتیں نقل کی جائیں۔

ابن ابی الحدید معتزلی اپنی شرح نہج البلاغہ میں تحریر کرتے ہیں:-

لما مرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الموت دعا اسامہ بن زید بن حارثہ فقال سر الی مقتل ابیک فاوطئہم الخیل فقد ولیتک علی ھذا الجیش وان اظفرک اللہ بالعدو فاقلل اللبث وبث العیون وقدم الطلائع ثم فلم یبق احد من وجوہ المہاجرین	جب رسولِ خدا کو مرض الموت لاحق ہوا تو آپ نے اسامہ بن زید بن حارثہ کو بلایا اور کہا کہ لشکر تیار کر کے اپنے باپ کے مقتل کی طرف لیجاؤ۔ میں نے تم کو اس لشکر پر امیر سردار مقرر کیا اگر خداوند تعالی تم کو فتح دے تو وہاں کم ٹھہرنا اپنے دستے اور ہراول دشمن کے ملک میں آگے بھیج دینا۔ مہاجرین و انصار کے

[۱۰] دیکھو نوٹ ع۹ ص۸۹ ۔ [۱۱] دیکھو نوٹ ع۹ ص۸۹ ۔

جیش اسامہ میں بڑے بڑے مہاجر و انصار

والانصار الا کان فی ذالک الجیش منھم ابوبکر وعمر فتکلم قوم و قالوا یستعمل ھذا الغلام علی جلۃ المھاجرین والانصار فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لما سمع ذالک وخرج عاصبا راسہ فصعد المنبر وعلیہ قطیفۃ فقال ایھا الناس ما مقالۃ بلغتنی عن بعضکم فی تامیری اسامہ فقد طعنتم فی تامیری ایاہ من قبلہ وایم اللہ ان کان لخلیقا بالامارۃ وابنہ من بعد لخلیق بھا وانھما لمن احب الناس الی فاستوصوا بہ خیرا فانہ من خیارکم ثم نزل ودخل بیتہ وجاء المسلمون یودعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ویمضون الی عسکر اسامہ بالجرف وثقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم واشتد ما یجدہ فارسل بعض نسائہ الی اسامہ و بعض من کان معہ یعلمونھم

بڑے بڑے عمائد اس لشکر میں اسامہ کے ماتحت تھے۔ ابوبکر و عمر بھی اس میں مامور کیئے گئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس لڑکے کو بڑے بڑے مہاجرو انصار پر جناب رسولخدا نے سردار بنایا ہے۔ جب آنحضرتؐ نے ان کا یہ اعتراض سنا تو آپ بہت غضبناک ہوئے اور بیت الشرف سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے سر پر کپڑا بندھا ہوا تھا منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! یہ تمہارا کیا اعتراض ہے جو مجھ تک پہنچا ہے۔ تم اس بات پر طعنہ زنی کرتے ہو کہ میں نے تم پر اسامہ کو سردار مقرر کیا ہے بیشک تم نے اس وقت بھی طعنہ زنی کی تھی جب میں نے اس کے باپ زید کو تم پر امیر مقرر کیا تھا! و قسم بخدا زید امیری کے لئے تم سے لائق تھا اور اسکے بعد اس کا بیٹا اسامہ امیری و سرداری کے لئے تم سے زیادہ لائق ہے۔ یہ دونوں میرے بہت عزیز و محبوب ترین اشخاص میں سے ہیں پس تم اسامہ سے نیکی چاہو۔ یہ تمہارے اچھے لوگوں میں سے ہے۔ پھر آپ منبر سے تشریف لے آئے اور داخل بیت الشرف ہوئے۔ اب لوگ آنحضرتؐ سے وداع ہوتے تھے اور لشکر کی طرف جاتے تھے جو مقام جرف تھا۔ پس اس کے بعد جناب رسولؐ خدا کا مرض شدید ہو گیا۔ آنحضرتؐ کی ازواج میں سے چند نے اسامہ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ واپس آ جائے اور جو لوگ اسامہ کے ساتھ

ذلك فدخل اسامة من
معسكره والنبي صلى الله
عليه وآله وسلم مغمور
وهو اليوم الذي لدوه فيه
فتطاطأ اسامة عليه فقبله
رسول الله صلى الله عليه وآله
وسلم قد اسكت فهو لا يتكلم
فجعل يرفع يديه الى السمآء
ثم يضعها على اسامة كالداعي له
ثم اشار اليه بالرجوع الى عسكره
والتوجه لما بعثه فيه فرجع اسامة
الى عسكره ثم ارسل نسآء رسول الله
صلى الله عليه وآله الى اسامة يامرنه بالدخول
ويقلن ان رسول الله صلى الله عليه وآله
قد اصبح بارئا فدخل اسامة من معسكره
يوم الاثنين الثاني عشر من شهر
ربيع الاول فوجد رسول الله
صلى الله عليه وآله مضيقا
فامره بالخروج وتعجيل النفوذ
وقال اغد على بركة الله وجعل
يقول انفذوا بعث اسامة و
يكرر ذلك فودع رسول الله صلى
الله عليه وآله وخرج ومعه

تھے ان میں سے چند کچھ اور زیادہ ان پیغام لانے والوں
کو بڑھا دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسامہ
اپنے لشکر سے واپس مدینہ آنحضرتؐ کی خدمت میں
آگیا اور یہ وہ دن تھا جس دن ان لوگوں نے
آنحضرتؐ کو آپ کی مرضی کے خلاف دوا پلائی آپ بیہوش
تھے اسامہ آپ پر جھکے۔ آنحضرت ہوش میں
آئے اور اسامہ کو بوسہ دیا لیکن آپ بول
نہیں سکتے تھے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ
آسمان کی طرف اُٹھائے پھر ان کو اسامہ پر رکھا
معلوم ہوتا تھا کہ آپ دعا دے رہے ہیں پھر آپ نے
اشارہ کیا کہ تم اپنے لشکر کی طرف جاؤ اور اس
مہم پر فوراً چلے جاؤ جو تمہارے سپرد کی گئی ہے
پس اسامہ اپنے لشکر میں آگئے پھر چند ازواج رسول نے
اسامہ کی طرف حکم بھیجا کہ تم چلے آؤ۔ رسول خدا کی
حالت بہتر ہے پس اسامہ اپنے لشکر سے بروز
دوشنبہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل واپس آئے۔ دیکھا کہ
رسولؐ خدا کچھ بول سکتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے
اسکو دیکھ کر حکم دیا کہ تم فوراً چلے جاؤ اور لشکر کو
لے جانے میں جلدی کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ
جاؤ جہاد کرو خدا برکت دے اور آپ بار بار
کہہ رہے تھے کہ اسامہ اور اسکے لشکر کو فوراً روانہ
کرو۔ پس اُسامہ نے آنحضرتؐ کو وداع کیا اور
باہر آئے اور حضرت ابوبکر و عمر ان کے ساتھ

ابوبکر و عمر فلما رکب جاءہ رسول	تھے پس لشکر میں پہنچ کر آگے چلنے کے لئے تیار ہوئے تو
ام ایمن فقال ان رسول اللہ صلی	اُمّ ایمن کا قاصد آیا کہ رسولؐ خدا پر حالت نزع ہے
اللہ علیہ و آلہ یموت فاقبل ومعہ	پس وُہ واپس آئے اور اُن کے ساتھ ابوبکر و
ابوبکر وعمر وابوعبیدۃ فانتھوا	عمر و ابوعبیدہ بھی تھے۔ رسولؐ خدا کے دردولت پر
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ	اُسوقت پہنچے کہ جب سُورج زوال پر تھا اور اُسی وقت
حین زالت الشمس من ھذا الیوم	آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا تھا۔ عَلم فوج بریدہ
وھو یوم الاثنین وقد مات واللواء	بن الخصیب کے پاس تھا۔ وُہ علَم لے کر آئے
مع بریدۃ بن الخصیب فدخل باللواء	اور جناب رسولؐ خدا کے دروازے پر علَم کو حرکت
فرکزہ عند باب رسول اللہ صلی اللہ	دینے لگے۔ دروازہ بند تھا اور اندر حضرت
علیہ و آلہ وھو مغلق و علی علیہ السلام و بعض	علی علیہ السّلام اور بعض بنو ہاشم آپ کی
بنو ھاشم مشتغلون باعداد جھازہ و غسلہ	تجہیز و تکفین میں مشغول تھے ۔

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاوّل ص ۵۳ بشرح خطبۂ شقشقیہ ۔

اپنی شرح نہج البلاغہ میں ابن ابی الحدید نے ایک اور جگہ ابوبکر جوہری سے نقل کیا ہے :۔

ان رسول اللہ امر فی مرض موتہ	جناب رسولؐ خدا نے اپنے مرض موت میں ایک
اسامۃ بن زید بن حارثہ علی	لشکر مرتب کیا جس پر اسامہ بن زید بن حارثہ کو
جیش فیہ اجلۃ المھاجرین والانصار	امیر مقرر فرمایا۔ اِس لشکر میں اکابر مہاجرین و
منھم ابوبکر و عمر و ابوعبیدۃ بن	انصار مثل ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ بن الجراح و
الجراح و عبد الرحمٰن بن عوف	عبد الرحمٰن بن عوف و طلحہ و زبیر تھے اور حکم دیا
و طلحہ والزبیر و امرہ ان یغیر	کہ وُہ موتہ پر جہاں اسکا باپ قتل ہوا تھا جنگ
علی موتۃ حیث قتل ابوہ زید وان	کریسے اور نیز وادی فلسطین میں جنگ کرے
یغزو وادی فلسطین فتثاقل اسامہ	پس اسامہ نے تیاری کی اور اس کی تیاری
وتثاقل الجیش بتثاقلہ وجعل	کے ساتھ لشکر بھی تیار ہوا۔ جناب سرورِ کائنات کا مرض

رسول الله فی مرضه یثقل و
یخفف ویوکد القول فی تنفیذ
ذلك البعث حتی قال له اسامه
بابی انت وامی اتاذن لی ان
امکث ایاما حتی یشفیك الله و
فقال اخرج وسر علی برکة الله فقال
یارسول الله انا خرجت وانت
علی هذه الحال خرجت وفی قلبی
قرحة منك فقال سر علی النصر و
والعافیة فقال یارسول الله انی
اکره ان اسئل عنك الرکبان فقال
انفذ لما امرتك ثم اغمی علی
رسول الله وقام اسامه فتجهز
للخروج فلما افاق رسول الله
سأل عن اسامه والبعث فاخبر
انهم یتجهزون فجعل یقول
انفذ وابعث اسامه لعن الله
من تخلف عنه ویکرر ذلك
فخرج اسامه واللواء علی راسه
والصحابة بین یدیه حتی اذا
کان بالجرف نزل ومعه
ابوبکر وعمر واکثر
المهاجرین ومن الانصار

کبھی بڑھتا تھا اور کبھی گھٹتا تھا اور آنحضرتؐ بار
بار اس لشکر کی روانگی کی تاکید فرماتے تھے
یہاں تک کہ اسامہ نے آپ سے عرض کی کہ میرے
ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ مجھے اتنی
اجازت دیں کہ میں اُس وقت تک ٹھہر جاؤں
کہ خداوند تعالیٰ آپ کو شفاء عطا فرمائے لیکن
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں تم فوراً چلے جاؤ
اور خُدا کی برکت پر بھروسہ رکھو۔ پھر اسامہ نے
کہا کہ اگر میں اس حالت میں آپ کو چھوڑ کر
جاؤں گا تو میرے دل میں سخت رنج والم رہے گا
لیکن پھر بھی آپ نے توقف کی اجازت نہ دی
اور فرمایا کہ تم چلے ہی جاؤ۔ پھر اسامہ نے عرض کی
کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ سے شتر سوار مانگوں
(جو روز خبر لے آیا کریں) آنحضرتؐ نے پھر
تاکید فرمائی اور کہا کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں
تم اس مہم پر فوراً روانہ ہو جاؤ۔ اس کے
بعد آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ اسامہ اُٹھے
اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔ جب جناب
رسول خدا کو افاقہ ہوا تو پھر اسامہ اور اس کے
روانہ ہو جانے کی بابت سوال کیا لوگوں نے کہا
کہ وہ تیاری کر رہے ہیں۔ پھر آپ بار بار یہی
کہتے رہے کہ لشکر اسامہ فوراً چلا جائے۔ خدا لعنت
کرے اُس پر جو لشکر اسامہ سے تخلف کرے۔

اسید بن حضیر و بشیر بن سعد وغیرهما من الوجوه فجاء رسول ام ایمن یقول له ادخل فان رسول الله یموت فقام من فوره فدخل المدینة واللواء علی راسه فجاء به حتی دکزه بباب رسول الله وقد مات فی تلک الساعة قال فما کان ابوبکر وعمر یخاطبان اسامه الی ان ماتا الا بالامیر۔

آپ اس لعنت کے فقرے کی تکرار کرتے رہے پس اُسامہ مدینہ سے باہر چلے۔ ان کے سر پر علم تھا اور صحابہ انکے ارد گرد تھے۔ حتیٰ کہ جرف تک پہنچے جو مدینہ کی حوالی میں ہے اور وہاں پر ٹھہر گئے۔ ابوبکرؓ عمرؓ و اکثر مہاجرین اُنکے ساتھ تھے اور انصار میں سے بھی لوگ ساتھ تھے مثلاً اسید بن حضیر و بشیر بن سعد وغیرہ۔ اتنے میں اُمّ ایمن کا قاصد آیا اور خبر دی کہ جنابِ رسولِ خدا پر حالت نزع طاری ہو گئی ہے اسامہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مدینہ آئے اور علم ان کے سر پر تھا۔ جُوں ہی علم لا کر دروازۂ رسولؐ پر رکھا۔ آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی۔ ابوبکر و عمر جبتک زندہ رہے اُسامہ کو امیر کہہ کر پکارتے رہے۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۲۰۔

چوتھی اور نہایت زبردست تدبیر۔ اس جماعت کو بستر مرگ رسول پر قضیہ قرطاس کے وقت کرنی پڑی۔ جب جناب رسولؐ خدا کو اچھی طرح معلوم ہو گیا۔ کہ یہ جماعت حضرت علی کی خلافت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور مسندِ حکومت پر خود نظر رکھتی ہے تو آنحضرتؐ نے سوچا کہ آخری حُجّت اپنے آخری وقت میں اس طرح پوری کرنی چاہیئے کہ ان لوگوں کو اپنی دلی حالت کے چھپانے کا موقع ہی نہ ملے۔ حُجّت بھی پوری ہو جائے اور ان کے دل کی کیفیت بھی عریاں ہو جائے۔ اور اگر موجودہ نسل کو یہ اپنی چالاکیوں کے ذریعہ سے حرص و لالچ کے دام میں پھنسا کر اپنی طرف کر بھی لیں تو آنے والی اُمّتِ اسلامیہ پر تو ظاہر ہو جائے کہ جن لوگوں نے علی کی مخالفت کی تھی وہ اپنے رسول کے بھی تابعدار نہ تھے اور اس کی وقعت ان کے دل میں کچھ نہ تھی اور قوم اعنی

کہہ کر ہمیشہ کے لئے آپ نے انہیں اپنے حلقہ سے خارج کر دیا۔ ہم نے قضیۂ قرطاس کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ البلاغ المبین کتاب اوّل میں درج کیا ہے۔ یہ واقعہ نہایت اہم ہے۔ اور اس مؤرخ کے لئے جو تفریق اسلام کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے اسکے ہر پہلو پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

اس واقعہ کے ثابت کرنے میں کچھ مشکل نہیں پیش آئے گی کیونکہ یہ واقع صحیح بخاری میں سات جگہ مختلف طرق و اسناد کے ساتھ مروی ہے صحیح مسلم میں کئی جگہ مختلف اسناد کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ مسند امام حنبل، مشکوٰۃ، تاریخ روضۃ الاحباب وغیرہ ہر ایک مستند کتاب تاریخ و حدیث میں درج ہے چونکہ اس جماعت کے سردارِ اعلےٰ کا قول و فعل زیرِ اعتراض آتا ہے۔ لہٰذا ہر ایک محدث و مورخ نے اپنی اپنی عقل کے مطابق ان کو بچانے کی کوشش کی ہے لہٰذا کئی اقتباسات نقل کرنے ہوں گے تاکہ اصلیت معلوم ہو جائے۔

اب ہم اس غم اندوز اور دلسوز کہانی کو ان ہی بزرگوں کی زبانی سناتے ہیں صحیح مسلم میں یہ واقعہ مختلف طرق و اسناد کے ساتھ درج ہے:۔

صحیح مسلم میں اس واقعہ کا ذکر

حدثنا اسحاق بن ابراهيم اخبرنا	(اسمائے راویان عربی میں دیکھو)
وكيع عن مالك بن مغول عن	
طلحة بن مصرف عن سعيد بن	
جبير عن ابن عباس انه قال	ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے تھے جمعرات۔ ہائے جمعرات کا
يوم الخميس وما يوم الخميس	دن۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ پھر ابن عباس کی آنکھوں سے
ثم جعل تسيل دموعه حتى رايت	آنسو بہنے لگے میں دیکھتا تھا کہ گویا موتیوں کی لڑی ہے
على خديه كانها نظام اللؤلؤ	ابن عباس نے کہا کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ کاغذ
قال قال رسول الله صلى الله	دوات یا تختی و دوات لاؤ۔ میں ایک ایسا وثیقہ
عليه وسلم ائتونى بالكتف والدواة	لکھ دوں کہ پھر تم اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو
او اللوح والدواة اكتب لكم	لیکن لوگوں نے کہا کہ رسولؐ خدا ہذیان

كتاباً لن تضلوا بعده ابدا" فقالوا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم يهجر۔

بک رہے ہیں ۔

وحدثني محمد بن رافع وعبد بن حميد قال عبد اخبرنا وقال بن رافع حدثنا عبد الرزاق اخبرنا معمر عن الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبه عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي بيت رجال فيهم عمر ابن الخطاب فقال النبي صلى الله عليه وسلم هلم اكتب لكم كتابا لا تضلون بعده فقال عمر ان رسول الله قد غلب عليه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب الله فاختلف اهل البيت فاختصموا فمنهم من يقول قربوا يكتب لكم رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده ومنهم من يقول ما قال عمر فلما اكثروا اللغو والاختلاف عند رسول الله صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا قال عبيد الله

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو)

ابن عباس سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب جناب رسول خدا کا وقت احتضار ہوا تو دولتسرائے نبوت میں عمر بن الخطاب اور دیگر حضرات موجود تھے۔ جناب رسولخدا نے ارشاد فرمایا کہ آؤ میں تمہارے لئے ایسا وثیقہ لکھ دوں کہ اسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر بولے کہ یہ بات تو جناب رسولؐ غلبۂ مرض کی وجہ سے کہہ رہے ہیں ورنہ تمہارے پاس تو قرآن شریف موجود ہے اور کتاب اللہ ہی محض ہمارے لئے کافی ہے اس پر حضار خانہ میں اختلاف ہوا ان میں سے بعض تو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کرو اکثر وہ کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا جب بہت شور و شغف ہوا تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ پس ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مصیبت اور سخت مصیبت تھی وہ بات جو ان لوگوں کے شور و لغو کی

فکان ابن عباس یقول ان الرزیّة کل الرزیّة ما حال بین رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم وبین ان یکتب لھم ذٰلک الکتب من اختلافھم ولغطھم

وجہ سے رسول اللہ کے ارادۂ کتابت وثیقہ میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کچھ نہ لکھ سکے۔

صحیح مسلم مطبوعہ محمد علی میدان الازہر مصر الجزءالخامس کتاب الوصیة ص ۷۶۔

صحیح بخاری میں یہ روایت سات جگہ دُہرائی گئی ہے۔ ان میں سے دو[2] عبارتیں ہم نقل کرتے ہیں :۔

عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس و مایوم الخمیس ثم بکی حتّٰی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجعہ یوم الخمیس فقال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ ابداً فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ھجر رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم فقال دعونی والذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ واوصٰی عند موتہ بثلاثہ اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم ونسیت الثالثة

عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہا انہوں نے کہ جمعرات کا دن کیسا افسوسناک تھا جمعرات کا دن۔ پھر رونے لگے یہاں تک کہ اُن کے آنسوؤں نے زمین کی کنکریوں کا رنگ لال کر دیا۔ کہا کہ جمعرات کے دن جناب رسولخدا کا مرض زیادہ تیز ہوگیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسا صحیفہ لکھ دوں کہ پھر اسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ لوگوں نے اختلاف و تنازعہ کیا حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ہذیان بک رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے رہنے دو جس حالت میں میں ہوں وہ بہتر ہے اُس سے جس حالت کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو اور آنحضرتؐ نے اپنی وفات کے نزدیک تین وصیتیں کیں (۱) مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالدو (۲) وفود کیساتھ اسی طرح سلوک کرو جس طرح میں کرتا تھا تیسری وصیت (راوی) بھول گیا

صحیح بخاری کتاب الجھاد والسیر باب ھل یستشفع الی اھل الذمّة ومعاملتھم

حدثنا ابراھیم بن موسٰی قال اخبرنا　(راہنمائے ترجمہ عربی میں دیکھو)

صحیح بخاری میں اس واقعہ کا ذکر سات جگہ

هشام عن معمر عن الزهری عن عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس قال لما حضر النبی صلی الله علیه وسلم قال وفی البیت رجال منهم عمر بن الخطاب قال هلم اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده قال عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم غلبه الوجع وعندکم القرآن فحسبنا کتاب الله و اختلف اهل البیت واختصموا فمنهم من یقول قربوا یکتب لکم رسول الله صلی الله علیه وسلم کتابا لن تضلوا بعده ومنهم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغو والاختلاف عند النبی صلی الله علیه وسلم قال قوموا عنی قال عبید الله فکان ابن عباس یقول ان الرزیة کل الرزیة ما حال بین رسول الله صلی الله علیه وسلم وبین ان یکتب لهم ذلك الکتاب من اختلافهم ولغطهم

ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جب جناب رسول خدا کا وقت رحلت نزدیک آگیا اور اُس وقت دولتکدہ میں بہت سے لوگ تھے جن میں سے ایک عمر بن الخطاب بھی تھے تو آنحضرتؐ نے فرمایا آؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں کہ پھر جسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو نگے۔ حضرت عمر نے کہا کہ رسولخدا پر اسوقت بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔ لوگ جو وہاں جمع تھے آپس میں جھگڑنے لگے کچھ تو ان میں سے ایسے تھے جو کہتے تھے کہ سامان کتابت لاؤ۔ رسولؐ خدا تمہیں ایسا صحیفہ لکھ دیں گے کہ جس کی وجہ سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اور کچھ ان میں سے حضرت عمر کے ہمزبان ہوگئے۔ جب انہوں نے بیہودہ کلامی زیادہ کی اور رسول خدا کے پاس شور و شغف بڑھ گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا میرے پاس سے دور ہو۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ وہ سخت مصیبت تھی جو رسولخدا اور ان کے کتابت صحیفہ کے درمیان اس وجہ سے حائل ہوگئی کہ لوگوں نے بہت بیہودہ کلامی کی۔

صحیح بخاری :- کتاب الاعتصام - باب کراهة الاختلاف ۔

وقال الخفاجی فی نسیم الریاض وفی بعض طرق هذا الحدیث قال عمر ان النبی

ترجمہ۔ شہاب الدین خفاجی کتاب نسیم الریاض شرح شفائی قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے بعض طرق میں یہ ہے کہ حضرت عمر نے (خدا اُن سے بہت خوش ہو) فرمایا کہ پیغمبر تو ہذیان بک رہے ہیں۔

روی الطبرانی عن عمر قال لما مرض النبی صلعم قال ادعولی بصحیفة ودواة اکتب کتاباً لا تضلوا بعدہ ابداً فقال النسوة من وراء الستر الا تسمعون بالقول رسول اللہ صلعم فقلت انکن صواحبات یوسف اذ مرض رسول اللہ عصرتن اعینکن واذا صح رکبتین عنقہ فقال رسول اللہ دعوھن فانھن خیر منکم۔

علی المتقی:۔ کنز العمال الجزء الثالث ص۱۳۸ حدیث ۲۲۳۲ الجزء الرابع حدیث ۱۰۸۸ ص۵۲

طبرانی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا نے بحالت مرض ارشاد فرمایا کہ کاغذ دوات میرے پاس لاؤ تا کہ میں ایک ایسا نوشتہ لکھدوں کہ جس کی وجہ سے تم لوگ اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ازواج رسول میں سے چند نے پردہ میں سے کہا کہ کیا تم لوگ جناب رسول خدا کا ارشاد نہیں سنتے ہو۔ میں نے ان بیبیوں کو مخاطب کرکے کہا کہ تم صواحبات یوسف کی طرح ہو۔ جب رسولخدا بیمار ہوتے ہیں تو تم روتی ہو اور صحت کی حالت میں انکی گردن پر سوار ہو جاتی ہو۔ یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو وہ تم سے بہتر ہیں۔

اس قضیہ کو بہت شرح و بسط کے ساتھ ابن سعد نے اپنے طبقات میں درج کیا ہے۔ (ج ۲ ق ۲) نیز ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن فی وفات النبی ص۵۴۸ مطبوعہ مطبع مجتبائی۔ جہاں اس واقعہ منع تحریر وصیت کو متفق علیہ لکھا ہے۔

جب آنحضرت کو صحابہ کی طرف سے ناامیدی ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ یہ ضرور تنازعہ پیدا کریں گے تو آنحضرت نے حضرت علی کو بلا کر دیر تک راز کی باتیں کیں اور صبر کی تلقین فرمائی۔ تاریخ طبری میں ہے:۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابعثوا الی علیاً فادعوہ فقالت عائشة وبعثت الی ابی بکر وقالت حفصہ لو بعثت الی

ابن عباس کہتے ہیں کہ اسی مرض کے دوران میں جناب رسولخدا نے فرمایا کہ علی کو میرے پاس بلاؤ۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ کاش آپ ابوبکر کو بلاتے اور حفصہ نے کہا کہ کاش آپ عمر کو بلاتے۔ پس اتنے میں یہ حضرات

عمر فاجتمعوا عندہ جمیعاً فقال رسول اللہ صلعم انصرفوا فان تک لی حاجۃ ابعث الیکم فانصرفوا

وہاں جمع ہو گئے آنحضرت نے جب علی کو نہ دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اگر تمہاری ضرورت ہو گی تو میں خود تم کو بلا لوں گا یہ سن کر وہ لوگ چلے گئے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک۔ الجزء الثالث ص ۱۹۵ وقائع سنۃ الحادیہ عشرۃ

یہ واقعہ صاحبان غور کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا ہے اور ہمارے مدعا پر بہت اچھی طرح روشنی ڈالتا ہے۔ حصول حکومت کی جو تدبیریں کی جا رہی تھیں ان میں ان دونوں مخدرات عصمت کا بہت بڑا حصہ تھا۔ کسی موقعہ کو یہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔ اور آنحضرتؐ کو معمولی انسان سمجھ کر آپ کی جسمانی کمزوری و بیماری کا فائدہ اُٹھانا چاہتی تھیں اور اپنی رائے کے مطابق عمل کرانا چاہتی تھیں۔ جب آنحضرتؐ نے نہ مانا تو خود ہی دونوں نے اپنے اپنے باپ کو بُلا لیا۔ لیکن چونکہ یہ مطلوب نہ تھے آنحضرتؐ نے ان کو واپس کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی کو اہم کام کے لئے طلب کیا تھا۔ واقعات بتا رہے ہیں کہ آنحضرتؐ حضرت علیؑ سے صحابہ کی کیفیت بیان کر کے صبر کی تلقین کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ان کو امامت نماز کے لئے مقرر فرمانا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ وحفصہ مطلب سمجھ گئیں۔ اپنے اپنے باپ کو بُلا لیا۔ جب آنحضرتؐ نے اُن سے اصل مدّعا نہ کہا اور واپس کر دیا تو خود ہی حضرت عائشہ نے اپنے والد ماجد کو امامتِ نماز پر کھڑا کر دیا۔

آخر کار حضرت علیؑ کو بُلایا گیا۔ تاریخ روضۃ الاحباب میں محدّث شیرازی تحریر فرماتے ہیں:۔

فرمود بخوانید برادر من علی را علی بیامد و ببالین وے نشست حضرت سر خود را از بستر برداشت۔ امیر در شیب بغل وے درآمدہ سر مبارکش را بر بازوئے خویش نہاد آں سرور فرمود اے علی فلاں یہودی پیش من چندیں مبلغ دارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ قرض گرفتہ بودم۔ زنہار کہ وے را از ذمہ من ادا کنی و اے علی تو اوّل کسی خواہی بود کہ برلب حوض کوثر بمن رسی۔ بعد از من بسے امور مکروہ بتو خواہند

رسید - باید کہ تنگ دل نشوی و طریق مصابرت پیش گیری و چوں بینی کہ مردم دُنیا را اختیار کردند تو باید کہ آخرت را اختیار کُنی"۔

ترجمہ:- آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی علی کو بلاؤ - حضرت علی آئے اور آپ کے سرہانے بیٹھے - آنحضرتؐ نے اپنا سر تکیہ سے اُٹھایا اور حضرت علی کو اپنی بغل میں لے لیا اور آنحضرتؐ کا سر حضرت علی کے بازو پر تھا - آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علی فلاں یہودی سے میں نے تجہیز جیش اسامہ کے لئے کچھ قرض لیا تھا - دیکھو ضرور بالضرور اس کو میری طرف سے ادا کر دینا - اے علی تم پہلے وہ شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے میرے بعد تم کو بہت سے مصائب و تکالیف پہنچیں گے تم کو چاہیئے کہ دل تنگ نہ ہو اور صبر کرو - اور جب دیکھو کہ لوگوں نے دُنیا اختیار کی تو تم آخرت تیار کرنا ۔

غرضیکہ ثابت ہے کہ اس موقع پر فقرہ ان الرجل لیھجر آنحضرتؐ کے متعلق کہا گیا اور اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر تھے - خدا ان سے بہت بہت خوش ہو[1] - روایات سابقہ کی عبارات پڑھنے سے یہ صاف ظاہر ہے اور شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض شرح شفائی قاضی عیاض میں یہ صاف لکھ دیا ہے ابن الاثیر جزری نے نہایت العقول میں لکھا ہے :-

ومنہ حدیث مرض النبی قالوا ما شانہ اھجر ای اختلف کلامہ بسبب المرض علے سبیل الاستفہام ای ھل تغیر کلامہ واختلط لاجل مابہ من المرض ھذا احسن مایقال فیہ ولا یجعل اخبارا فیکون من الفحش والھذیان والقائل کان عمر ولا یظن بہ ذالک

ایک حدیث مرض رسول ہے وہاں جو صحابہ حاضر تھے انہوں نے کہا کہ رسول کی کیا حالت ہے کیا رسول کو ہذیان ہو گیا ہے یعنی کیا ان کا کلام بسبب مرض کے متغیر مختلط ہو گیا ہے اور یہ اس واقعہ کی بہت اچھی تاویل ہے یہ استفہامیہ ہے نہ کہ امر واقعہ کی خبر اگر اس کو خبر سمجھیں تو پھر فحش و ہذیان عائد ہوتا ہے اور یہ ہم نہیں مان سکتے کیونکہ اس کے کہنے والے حضرت عمر تھے و ران کی نسبت ایسا قیاس نہیں کرنا چاہیئے

(ان الرجل لیھجر کے کہنے والے حضرت عمر تھے - خدا ان سے بہت بہت خوش ہو (رضی اللہ عنہ))

[1] عربی فقرہ دعائیہ رضی اللہ عنہ کا ترجمہ ہے۔

ابن الاثیر:- نہایت القول ۔

جماعت اہلِ حکومت میں بڑے اعلیٰ اعلیٰ منطقی و فلاسفر گزرے ہیں۔ لیکن جب کبھی وہ اپنے ائمہ سقیفہ بنی ساعدہ کے کسی فعل یا قول کی حمایت یا تشریح کرنا چاہتے ہیں تو اُن میں سے کسی کا منطق و ذہن کام نہیں کر سکتا۔ اس میں اُن کا یا اُن کی منطقی قابلیت کا قصور نہیں۔ وہ فعل یا قول ہی ایسا ہوتا ہے کہ جو شرمندۂ توجیہ و تشریح منطق نہیں ہونا چاہتا۔ ابن الاثیر کی توجیہ ملاحظہ کی۔ استفہام کی کیوں ضرورت ہوئی۔ آنحضرتؐ کے قول میں کونسی بات تھی جس سے ہذیان کا شبہ ہوتا اگر استفہام تھا تو مخدرات عصمت نے پردہ میں سے کیوں کہا کہ حکم رسولؐ کی تعمیل کرو۔ انہوں نے تو سمجھ لیا جو باہر نزدیک تر تھے انہیں کس بات نے مغالطہ میں ڈالا۔ اگر وہ لوگ نہیں سمجھے تھے تو پھر حضرت عمر ازواج رسول پر ان کے اس کہنے کی وجہ سے ناراض اور اتنے چراغ پا کیوں ہوئے۔ اور اگر شبہہ تھا تو پھر کیا اور کس طرح تحقیقات کی۔ اور اُس تحقیقات کا نتیجہ کیا ہوا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کا کونسا فعل تھا جس سے انہیں ہذیان کا یقین ہو گیا اور اس یقین کی وجہ سے قلم و دوات پیش نہیں کیا۔ اگر محض استفہام ہوتا تو آنحضرتؐ اتنے ناراض ہو کر یہ نہ کہتے کہ میرے پاس سے دور ہو جاؤ جس حالت میں میں ہوں وہ بہت بہتر ہے اُس سے جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو۔ دلیل و منطق تو ملاحظہ ہو۔ چونکہ اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر ہیں لہٰذا اسکی تاویل اس طرح کرنی چاہیئے کہ وہ فقرہ استفہامیہ تھا۔ پھر ہمارا دعوے ثابت ہوا کہ یہ بزرگوار واقعات صحیحہ کی بناء پر اپنا اعتقاد قائم نہیں کرتے بلکہ اعتقاد کے تعصب کی وجہ سے واقعات کی کتر بیونت کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے جب خود حضرت عمر کا فعل معرضِ بحث میں ہو تو اس وقت یہ دلیل کیا کام کر سکتی ہے۔ غرضیکہ یہ تو ابن الاثیر نے بھی مان لیا کہ اِس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر ہیں۔ ابن تیمیہ نے بھی منہاج السنۃ میں اسی طرح کی تاویل کی ہے۔ لیکن وہ بھی مانتے ہیں کہ اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر ہیں ۔

فلما کان یوم الخمیس ھم ان یکتب کتابًا فقال لہ عمر ما لہ اھجر فشک عمر ھل ھذا القول من ھجر الحمی فکان ھذا مما خفی علی عمر کما خفی علیہ موت النبی بل انکرہ۔	پس جب جمعرات کا دن ہوا تو آنحضرتؐ نے کوشش کی کہ ایک نوشتہ لکھیں لیکن حضرت عمر نے کہا کہ کیا مرض کی وجہ سے آنحضرتؐ کو ہذیان ہو گیا ہے۔ حضرت عمر کو شک ہوا کہ بخار کی تیزی کی وجہ سے آنحضرتؐ کو ہذیان ہو گیا ہے۔ پس یہ وہ امر تھا کہ جس سے حضرت عمر واقف نہ ہوئے جس طرح کہ وہ آنحضرتؐ کی موت سے واقف
ابن تیمیہ۔ منہاج السنۃ۔	نہیں ہوئے بلکہ اس سے انکار کر دیا ۔

بالکل یہی عبارت علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں درج کی ہے۔ گویا علامہ نووی اور ابن تیمیہ دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر تھے اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :۔ ھجر بمعنی اختلط ولا یجوز ان یکون بمعنی ھذیان وفحش لان القائل بعد ما لکتابت عمر ولا یظن بہ ذالک۔ **ترجمہ** :۔ ہجر کے معنی خبط و مخلط ہونے کے ہیں۔ اور یہ جائز نہیں کہ ہم اس کے معنی ہذیان و فحش کے لیں۔ کیونکہ یہ جملہ کہہ کر کتابت سے روکنے والے حضرت عمر تھے اور ان کی نسبت یہ قیاس نہیں ہو سکتا۔ لیجئے اب لغت بھی تبدیل ہوتی ہے۔

شیخ احمد فاروقی سرہندی مکتوب ۳۶ جلد ثانی میں لکھتے ہیں :۔

سوال۔ حضرت فاروق دراں وقت کہ گفت اہجر الرجل مراد از آں چہ باشد ۔

جواب۔ فاروق شاید در آں وقت فہمیدہ باشد کہ ایں کلام از ایشاں بواسطہ وجع بے قصد و اختیار واقع شدہ است ۔

یعنی حضرت فاروق نے غالباً اُس وقت یہ خیال کیا کہ شاید یہ کلام آنحضرتؐ نے مرض کی وجہ سے بغیر ارادہ اختیار کے کہہ دیا ہے۔

توجیہ و تاویل تو وہی پرانی ہے لیکن فاروق کا لفظ یہاں خوب مزا دیتا ہے۔ فاروق تو اُس کو کہتے ہیں کہ جو حق کو باطل سے جُدا کر دیتا ہے۔ اور یہاں اس عبارت میں شیخ احمد فاروقی سرہندی کی ساری بحث ہی یہ ہے کہ حضرت عمر حق و باطل میں

شناخت نہ کر سکے۔ گویا اُن کی صفت غیر فاروقی کی بنا پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ لیکن ان کو فاروق مانا جا رہا ہے۔ کہیں تو انسان عقل و منطق سے کام لے۔

شیخ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں اِس جملہ قال انا امان لاصحابی قیل من البدع وقیل من الاختلاف و الفتن کی تفسیر میں اس طرح لکھتے ہیں:۔

المراد بالاختلاف ما یشتمل الخلاف و هو مخالفة العلماء والفقهاء والحکام من غیر دلیل معمول به وان کان ذلک مطلقاً لم یقع فی حیاته علیه لمعرفة حقیقة کل امر بالوحی وانما الاختلاف الذی وقع عنده کما ورد فی الاحادیث الصحیحة من ان النبی قال فی مرضه ائتونی بدواة اکتب لکم کتاباً لا تضلون بعدی فقال عمر ان الرجل لیهجر حسبنا کتاب الله فغلط اللغط بین فقال اخرجوا عنی لا ینبغی التنازع لدی فقال ابن عباس الرزیة کل الرزیة ما حال بیننا و بین کتاب رسول الله صلعم و هذا ما یطعن به الرافضة علی عمر وقال صاحب ملل والنحل هو اول اختلاف وقع فی الاسلام۔

اختلاف سے مراد مخالفت ہے اور وُہ مخالفت علماء و فقہاء حکام کی بغیر دلیل کے ہے۔ اور اگر اس سے مطلب مخالفت مطلق ہو تو وُہ آنحضرتؐ کی زندگی میں کبھی نہیں ہوا کیونکہ آپ کو وحی کے ذریعے ہر ایک امر کی حقیقت معلوم ہو جاتی تھی اور وُہ اختلاف جو آپ کے حضور میں بوقت مرض اخیر ہوا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ آپ نے بحالت مرض فرمایا کہ میرے پاس دوات و کاغذ لاؤ تا کہ میں ایک ایسا صحیفہ لکھدوں جسکی وجہ سے تم لوگ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو لیکن عمر نے کہا کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے لئے تو کتاب خدا کافی ہے پس لوگ آپس میں لغو باتیں کہنے لگے اس پر جناب رسولخدا نے فرمایا۔ کہ میرے پاس سے دُور ہو۔ میرے حضور میں تنازعہ جائز نہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ مصیبت اور کیسی عظیم مصیبت تھی جو ہمارے اور رسول خدا کے تحریر کے درمیان حائل ہو گئی۔ رافضی لوگ اس واقعہ کی وجہ سے حضرت عمر پر طعن کرتے ہیں۔ صاحب ملل و نحل لکھتے ہیں کہ پہلا اختلاف اِسلام میں یہ تھا۔

اِس تحریر سے اچھی طرح ثابت ہُوا کہ فقرہ جو آنحضرتؐ کی شان میں کہا گیا تھا ان الرجل لیھجر اور اس کے کہنے والے حضرت عمر تھے۔ حمیدی اپنی کتاب جمع بین الصحیحین میں حدیث قرطاس کے متعلق لکھتے ہیں: فقالوا ما شانہ فقال ان الرجل لیھجر۔ (ترجمہ) لوگوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کی کیا شان ہے یعنی حالت ہے تو حضرت عمر نے کہا کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔

علّامہ عکبری جو ثقات علمائے اہلِ سُنّت سے ہیں۔ بتیان شرح دیوان متنبّی میں اِس امر کے قائل ہیں کہ یہ فقرہ ان الرجل لیھجر حضرت عمر نے آنحضرتؐ کی نسبت اپنی زبان فیض الترجمان سے فرمایا تھا اور حتماً وجزماً اس کو کلام عمر کہتے ہیں چنانچہ اس شعر

اَاَنطِقُ فِیْکَ ھُجْراً بَعْدَ عِلْمِیْ بِاَنَّکَ خَیْرُ مَنْ تَحْتَ السَّمَآءِ

کی شرح میں لکھتے ہیں :-

الھجر القبیح من الکلام والفحش وھجر اذا ھذی وھو ما یقول المحموم عند الحمی ومنہ قول عمر بن الخطاب عند مرض رسول اللہ ان الرجل لیھجر علی عادۃ العرب۔

ترجمہ :- الھجر بمعنی کلام قبیح وفحش ھجر ہذیان بکا۔ اور وُہ کلام جو بخار کا مریض حالتِ بخار میں کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب کا قول دوران مرض رسول میں تھا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے اور اس طرح گفتگو کرنا عرب کی عادت و دستور کے مطابق تھا۔

حضرت عمر کا یہ قبیح فقرہ آنحضرتؐ کے حق میں کہنا ہر ایک کے دل میں کھٹکتا ہے اور ان کے علماء اپنی اپنی عقل کے مطابق اس کی توجیہ کرتے ہیں۔ علّامہ عکبری حضرت عمر کو اس وجہ سے معذور سمجھتے ہیں کہ یہ عرب کی عادت تھی۔ وہ اسی طرح گفتگو کیا کرتے تھے۔ عربوں کی یہ عادت ہو گی آپس میں۔ سوال تو یہ ہے کہ جو شخص جناب رسول خدا کی عظمت وشان و رفعت کی معرفت حاصل کر چکا ہے اور واقعی ان کی رسالت پر دل سے ایمان لے آیا ہے کیا وُہ بھی اس ہی حقارت

کے ساتھ آنحضرتؐ کا ذکر کرے گا۔ عربوں کی تو اور بھی بہت سی عادتیں تھیں۔ آپس میں گالیاں بکتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ لڑکیاں زندہ قبر میں دفن کرتے تھے۔ اگر عربوں کی عادت ہی عذر معقول سمجھا جانے لگا تو بس قصہ ختم ہے۔ جب حشر میں سوال کیا جائے گا کہ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ تو جواب دیں گے عَلٰی عَادَۃِ الْعَرَبْ۔ اور اگر عادت عرب ہی پر اصرار ہے تو اس سے بھی ہمارے اِس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ ان بزرگوں میں سے سابقہ کفر کی نشانیاں آخر تک باقی رہیں کبھی ان کو صحیح معرفت رسول حاصل نہیں ہوئی۔ رسولؐ خدا کو معمولی شخص ہی سمجھتے رہے۔ پرانی عرب کی عادتیں ان میں برابر جاری وساری رہیں۔ آنحضرتؐ کی تعلیم وصحبت بھی ان کو انسان نہ بنا سکی ٭

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری میں حافظ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی المولود ۷۱۷ھ نے خطابی سے نقل کیا ہے۔ ھذا یتاول علی وجھین احدھما انہ اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیودھیم ذلک الی الضلال۔ ترجمہ۔ اِس کی دو طرح سے تاویل ہو سکتی ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا ارادہ تھا کہ خلیفہ کا نام لکھ دیں۔ تاکہ لوگوں میں اختلاف نہ ہو اور یہ اختلاف ضلالت کی طرف نہ لے جائے ٭

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ابن حجر عسقلانی قول اکتب لکم کتابا کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ھو تعیین الخلیفہ بعدہ۔ (ترجمہ) آنحضرتؐ کا مقصد تھا کہ اپنے بعد کے خلیفہ کا تعین اِس تحریر سے کر دیں۔ ابن حجر عسقلانی:۔ فتح الباری، الجزء الثامن باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ ص۱۰۱ ٭

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔ اراد ان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ حتی لا یقع بینھم الاختلاف (ترجمہ) آنحضرتؐ نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے بعد کے

خلفاء کے نام مقرر کردیں اور تحریر کرادیں تاکہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔ فتح الباری الجزء الاول ص ۱۸۶ باب کتابۃ العلم۔

شرح صحیح مسلم میں علامہ نووی لکھتے ہیں :۔ قد اختلف العلماء فی الکتاب الذی ھم النبی فقیل اراد ان ینص علی الخلافۃ فی انسان معین لئلا یقع نزاع وفتن۔ (ترجمہ) علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آنحضرتؐ کیا لکھنا چاہتے تھے۔ اغلب یہ ہے کہ آپ کا ارادہ تھا کہ خلافت کے لئے ایک آدمی مقرر کردیں تاکہ تنازعہ وفتنہ نہ ہو۔

شہاب الدین خفاجی شارح شفاء قاضی عیاض، فصل فان قلت فقد تقررت عصمتہ فی اقوالہ فما معنی الحدیث فی وصیتہ من الباب الثانی من القسم الثالث کے تحت میں لکھتے ہیں :۔ قال سفیان اراد ان یبین امر الخلافۃ بعدہ حتی لا یختلفوا فیھا۔ (ترجمہ) سفیان کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا کا ارادہ تھا کہ آپ امر خلافت کو ظاہر کردیں تاکہ لوگ اس میں اختلاف نہ کریں۔

سیاق کلام اور واقعات بھی یہی بتا رہے ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے خلیفہ کا تعین کرنا چاہتے تھے اور ان کا نام تحریر کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عمر بھی سمجھ گئے اور فوراً مانع ہوئے۔ ورنہ اگر یہ نہ سمجھتے اور ان کو یہ نہ خیال ہوتا کہ آنحضرتؐ کیا لکھائیں گے تو کتابت صحیفہ کے بعد رائے قائم کرتے اور دیکھتے کہ جو رسولؐ نے لکھا یا ہے وہ ہذیان معلوم ہوتا ہے یا آپ کی ساری تبلیغ رسالت کے مطابق ہے۔ یہ سخت مکروہ فقرہ کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے خود بتاتا ہے کہ کہنے والے نے محض روکنے کی خاطر حالتِ اضطراب میں جلدی سے کہہ دیا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر سمجھ گئے تھے کہ حضرت علی ہی کا نام لکھوائیں گے۔ غدیر خم کا نقشہ فوراً ان کی آنکھوں میں پھر گیا۔ لہٰذا آپ مانع ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس کو مصیبت عظمیٰ اسی وجہ سے کہا کہ آنحضرتؐ اسم خلیفہ کو تحریر نہ کرسکے۔ اور اس عدم تحریر کی وجہ سے وہ وہ فتنے و فساد پیدا ہوئے جو عبداللہ ابن عباس نے آنحضرتؐ کے بعد ملاحظہ کئے اور ان ہی مشاہدات کی بنا پر آپ کو

عمر بھر آنحضرتؐ کے صحیفہ نہ لکھنے کا قلق رہا۔

دُور کیوں جائیں۔ اِن سارے تنازعات کا فیصلہ خود حضرت عمر کے قول سے ہوا جاتا ہے۔ آپ اکثر اِن امور پر حضرت عبداللہ ابن عباس سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مکالمہ کے دوران میں حضرت عمر نے عبداللہ ابن عباس سے حضرت علی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

لقد کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی امرہ ذرو من قول لا یثبت حجۃ ولا یقطع عذرا ولقد کان یربع فی امرہ وقتا ما ولقد اراد فی مرضہ ان یصرح باسمہ فمنعت من ذلک اشفاقا وحیطۃ علی الاسلام لا ورب ھذا البیت لا تجتمع علیہ قریش ابدا ولو ولیھا لا نتقضت علیہ العرب من اقطارھا فعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ انی علمت ما فی نفسہ فامسک ۔ دیکھو علامہ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الثالث ص۹۷

ترجمہ:۔ بے شک جناب رسول خدا سے علی کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حُجّت (عدم استخلاف) ثابت نہیں ہوتی تھی اور نہ (عدم استخلاف کا) عُذر قطعی ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات تو جناب رسولؐ خدا علی کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علی کے نام کی تصریح خلافت کے بارے میں کرنی چاہی۔ مگر مَیں نے اُن کو اس سے روک دیا جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے رَبّ کی قسم علی کے بارے میں کبھی قریش کا اجماع نہ ہوگا۔ اور اگر وُہ خلیفہ ہوگئے تو ہر طرف سے عرب اُن پر یورش کریں گے۔ بس رسولؐ اللہ سمجھ گئے کہ مَیں نے اُن کے دِل کی بات تاڑ لی اور وُہ رُک گئے۔

جو امور ہم ثابت کر رہے تھے وہ تو اِس قول سے ثابت ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت عمر کو جناب رسولؐ خدا سے زیادہ اِسلام کی محبت اور اُس سے ہمدردی تھی تو اِس کا فیصلہ ناظرین خود کر لیں۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو اعراب نے تو کسی طرف سے یورش نہ کی۔ ہاں حضرت عمر کے خانہ زاد شاگرد رشید

جناب معاویہ ضرور اُن کے مخالف رہتے۔ اور شام کے جاہلوں کے لشکر کے ساتھ یورش کی اگر شروع سے حضرت علی خلیفہ ہوجاتے تو جناب معاویہ کو یہ موقعہ ہی نہ ملتا ❖

لیکن اگرچہ تحریر سے حضرت عمر مانع ہوئے پھر بھی آپ نے زبانی وصیت فرما ہی دی۔ اِن روایات صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے اِس رویّہ کے بعد آپ نے تین وصیّتیں فرمائیں۔ یہ روایات مختلف اسانید کے ساتھ بیان کی گئی ہیں لیکن تعجب ہے کہ ان سب کے حضرات رواۃ وہ تیسری وصیّت بھول گئے یہ بھولنا بھی معنی خیز ہے۔ مُلاحظہ ہو۔ صحیح بخاری :۔ کتاب الجهاد والسیر باب هل يستشفع الى اهل الذمة ومعاملتهم وكتاب الخمس باب اخراج اليهود من جزيرة العرب وباب مرض النبي صلى الله عليه وسلّم۔

معارج النبوۃ میں ہے۔ وصیّت سوم وے را فراموش شُدہ بود یا در اظہار آں مصلحت ندید۔ رُکن چہارم۔ باب چہاردہم۔ فصل سوم ص۲۲۹ ❖

یعنی تیسری وصیّت راوی بھول گیا۔ یا اس نے اس کے اظہار میں مصلحت نہ دیکھی ❖ امر واقعہ یہی ہے کہ اس نے مصلحت نہ دیکھی۔ جس بات کو حضرت عمر روکیں اس کے بیان کرنے سے بیشمار تکالیف کا اندیشہ تھا لہٰذا اس کے بیان نہ کرنے ہی میں مصلحت تھی ❖

علّامہ غزالی سر العالمین میں لکھتے ہیں :۔

لما مات رسول الله قال قبل وفاته ائتونی بدواة وبیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لها بعدی قال عمر رضی الله دعوا الرجل کانه لیهجر وقیل یهذو

سر العالمین مطبوعہ مصر۔ ص ۱۰ ❖

جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو اپنی وفات سے پہلے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس دوات و کاغذ لاؤ۔ تاکہ میں امر خلافت کے متعلق تمہارے شبہات دور کردوں اور بیان کردوں کہ میرے بعد کون خلافت کا مستحق ہے لیکن حضرت عمر یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ یہ شخص بکواس کررہا ہے یا یہ کہا کہ ہذیان بک رہا ہے ❖

یہ صریح الفاظ میں ہم تک پہنچا ہے کہ وُہ تیسری وصیّت کیا تھی۔

فی روایة انه صلعم قال فی

روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے اپنے مرض موت

آنحضرتؐ نے زبانی وصیّت حضرت علیؑ کے حق میں فرمائی

مرض مو ته ایها الناس یوشك	میں فرمایا کہ اے لوگو! غالباً میں بہت جلد رحلت کر جاؤں
ان اقبض قبضاً سریعاً	اور خدا کا فرستادہ مجھ کو بلا لے جائیگا۔ پہلے بھی میں تم سے کہہ چکا
فینطلق بی وقد مت الیکم	ہوں اور اب پھر کہتا ہوں تاکہ تمہیں کوئی عذر باقی نہ رہے
القول معذرة الیکم الا انی	خبردار میں تمہارے درمیان میں کتاب خدا اور اپنی
مخلف فیکم کتاب ربی وعترتی	عترت چھوڑے جاتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی کا
اهل بیتی ثم اخذ بید علی	ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا۔ یہ علی قرآن کے ساتھ
فرفعها فقال هذا علی مع القرآن	ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک
والقرآن مع علی لا یفترقان	دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس
حتیٰ یردا علی الحوض فاسئلوهما	حوض کوثر پر وارد ہوں۔ پس ان دونوں ہی سے
ما خلفت فیهما۔	پوچھتے رہنا کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے ۔

ابن حجر مکی:۔ صواعق محرقہ۔ الباب التاسع فصل الثانی ص ۷۵ ۔

اب تو ناظرین کے دل میں غالباً کوئی شک باقی نہ رہا ہوگا کہ آنحضرتؐ اس صحیفہ میں حضرت علی کی خلافت و جانشینی تعین فرمانا چاہتے تھے لیکن جب حضرت عمر تحریر میں مانع ہوئے تو آپ نے زبانی ہی فرما دیا۔ یہ خیال تو پہلے ہی سے تھا اب یقین ہو گیا کہ یہ جماعت مخالفین جس کے سردار حضرت عمر تھے حضرت علی کے خلیفہ ہونے میں بہت سی رکاوٹیں ڈالیں گے اور ان کو خلیفہ نہ ہونے دیں گے لہذا آپ نے حضرت علی کو بلا کر صبر کی تلقین کی۔ یہ اُس نصیحت و تلقین ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علیؑ نے اپنا حق ضائع ہوتا ہوا دیکھا اور تلوار نہ اُٹھائی ۔

غور کیجئے اُس پر جواب ہم کہتے ہیں۔ علّامہ شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں میں تسلیم کرتے ہیں کہ اُمّت اسلامیہ کے پہلے دو تفرقے اور اختلافات۔ قضیۂ قرطاس و تخلف عن جیش اسامہ کے تھے۔ اس سے پہلے اُمّت اسلامیہ واحدہ تھی۔ کوئی اس میں اختلاف نہ تھا۔ امر واقعہ کو مان گئے۔ انکار کیسے کر سکتے تھے لیکن کہتے ہیں کہ یہ اور دیگر اختلافات اُمّت اسلامیہ جو انہوں نے گنوائے ہیں اختلافات

اجتہادیہ تھے اور ان سے غرض اقامۃ مراسم شرع و ادامت مناہج دین تھی مسلمانو! غور کرو۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ دُنیا کی زندگی بہت قلیل ہے ہمیشہ ساتھ رہنے والا ہمارا دین ہی ہے۔ اس کے اُوپر ہی نجات و عذاب کا انحصار ہے۔ یہ کیا غضب ہو رہا ہے۔ اپنے رسول کو کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ اس کی بات ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور سمجھا جاتا ہے کہ اقامت شرع و دین کے لئے رسولؐ کو پاگل بنا رہے ہیں۔ رسولؐ خدا کہتے ہیں کہ لعنت ہے اُس شخص پر جو جیش اُسامہ سے تخلف کرے۔ یہ اپنے حکام کی محبت میں کہہ رہے ہیں کہ جن پر رسولؐ لعنت کر رہا ہے جو رسول کی زبان پر ملعون خدا ہیں، وُہ در اصل اقامت شرع و دین میں کوشاں ہیں۔ حضرت عمر نے قیاس ظنی کو ایسا اجتہادی جامہ پہنایا کہ ہر ایک معصیت چادر اجتہاد کے اندر آن کر باعث ثواب بن گئی۔ قبلۂ عالم اختلاف اجتہادیہ باہم اُنہیوں میں بعد رسول ہو سکتا ہے تم خود اپنے عقائد کی کتابیں دیکھ لو۔ اُن میں لکھا ہے کہ نص صریح کے خلاف کوئی اجتہاد نہیں۔ مثلاً رسول خدا نے حکم دیا کہ پانچ وقت نماز پڑھا کرو۔ تو اب تم اپنے اجتہاد سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب دُنیا کی مشغولیتیں بڑھ گئی ہیں ہم دن میں پانچ وقت نماز پڑھا کریں گے تو دُنیاوی کاموں میں بڑا ہرج ہوگا۔ بعض ایسے مشغول کار ممالک ہیں کہ جہاں پانچ منٹ میں پانچ لاکھ روپیوں کا وارا نیارا ہو جاتا ہے۔ ہم تو صرف ایک دفعہ نماز پڑھا کریں گے دُوسرا شخص اجتہاد کرے کہ رکعتی نماز تو قرآن شریف میں نہیں لکھی۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ دل میں خدا کو یاد کر لو بس نماز ہو گئی۔ اِس طرح اجتہاد کو اگر نص صریح کے خلاف راہ دو گے تو سارا دین ہی برباد ہو جائے گا۔ شارع دین

۲ؔ۵ کتاب الملل والنحل شہرستانی برحاشیہ کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ابن حزم مطبوعہ بمصر در ۱۳۱۷ھ ہجری ص ۱۹ ؎

کے خلاف کوئی اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر نے بھی تو اجتہاد کی یہی شرط لگائی تھی کہ جہاں تم واضح و صریح حکمِ خدا و رسول نہ پاؤ وہاں اپنے قیاس و اجتہاد سے کام لو۔ انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ صریح حکم رسول کے خلاف اجتہاد کرتے جاؤ[۱۱۳]

یہ دونوں اختلافات خود جناب رسولؐ خدا کے خلاف تھے۔ اُن کے صریح احکام کے خلاف تھے لہذا ناجائز تھے۔ جس طرح ابلیس کا یہ اجتہاد ناجائز تھا کہ لم اسجد الا لك یعنی میں سوائے تیرے اور کسی کو سجدہ نہ کروں گا۔ بظاہر تو کیسا اچھا فلسفہ ہے۔ کیسی اچھی توحید ہے۔ خدا کو خوش ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ یہ حکم صریح کے خلاف تھا لہذا ابلیس ملعون ہو گیا۔ علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ ابلیس ہی کی تتبع میں تمام اُمتوں کے منافقین و نافرمان لوگوں نے اپنا طرزِ عمل مقرر کیا تھا۔ علامہ شبلی نے حضرت عمر کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت ازالۃ الخفاء سے اپنے الفاروق میں تحسین و توثیق کے ساتھ نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے :-

> معہذا بعد عزم خلیفہ ہر چہ سے مجال مخالفت نبود۔ در جمیع ایں امور شذر و ندر نمی رفتند و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نمی ساختند۔ لہذا دریں عصر اختلاف مذاہب و تشتت آراء واقع نشد[۱۱۴] یعنی جب حضرت عمر کسی امر کا ارادہ کر لیتے تھے تو پھر کسی کو اُن سے مخالفت کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ اور پھر ایسے امور میں جن کے متعلق حضرت عمر حکم دے دیتے تھے کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا تھا۔ اور بغیر حضرت عمر کی رائے کے کسی امر کا لوگ خود مصمم ارادہ نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں اختلاف مذاہب و تفرقہ رائے نہ ہوا ۔

---

۱۱۳ علامہ شبلی۔ الفاروق حصہ دوم ص ۲۴۱ ۔
تاریخ فقہ اسلامی مترجمہ عبدالسلام ندوی ص ۱۶۹، ۱۷۰ ۔

۱۱۴ الفاروق حصہ دوم ص ۱۳۹ ۔

پھر ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ غور کریں ۔ جو حق حضرت عمر نے اپنے لئے رکھا تھا وُہ جناب رسولؐ خدا کو نہ دیا۔ حضرت عمر کسی امر کا ارادہ کریں یا حکم دے دیں تو اس میں تو کسی کو مجال مخالفت اور یارائے چون و چرا نہ تھا۔ لیکن اگر جناب رسولؐ خدا کوئی حکم دیں تو یہی نہیں کہ لوگ اس کی مخالفت کرسکتے تھے بلکہ وُہ مخالفت باعث استقامت شرع و قوت دین سمجھی جاتی تھی۔ کیسی بیّن اور نمایاں نظیر ہے اس عربی مقولہ کی کہ حبُ الشیٔ یعمی ویصم یعنی کسی شے کی محبّت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ وُہ ظاہر امر دیکھ نہیں سکتا، صریح حق کی بات سُن نہیں سکتا۔ دیکھئے اِس بات سے ہمارا دُوسرا مدّعا بھی ثابت ہُوا حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کی اس بے چون و چرا اطاعت ہی کی وجہ سے اختلاف مذاہب نہ ہوا۔ گویا نبی برحق یا خلیفہ کے حکم کو نہ ماننے کی وجہ سے اختلاف مذاہب ہوجاتا ہے۔ حضرت عمر نے اپنے نبی برحق کا حکم نہ مانا لہٰذا اختلاف مذاہب ہوگیا۔ لہٰذا اسلام میں اختلاف و تفرقہ پیدا کرنے والے کون ہوئے؟ حضرت عمر۔

پانچویں تدبیر۔ روساء جماعت کا طرزِ عمل بوقت رحلت رسولؐ

بوقتِ رحلت رسول اکرمؐ حضرت ابوبکر مدینہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر آبادی سُنخ میں اپنی نئی دُلہن کے پاس تھے۔ وُہ تراکیب و تجاویز جو رحلت رسول اکرمؐ کے فوراً بعد ہی عمل میں لائی قرار پائی تھیں۔ ان میں حضرت ابوبکر کا موجود ہونا ضروری تھا۔ اور وُہ موجود نہ تھے۔ حضرت عمر کو بہت دقّت درپیش آئی۔ لیکن اُن کی ذہانت و ذکاوت و سیاست موقع کی اہمیت کے برابر اُتری۔ انہوں نے وُہ ترکیب کی جو ایسے موقعوں پر بادشاہوں کی مَیت کے اکثر عمل میں لائی جاتی ہے۔ یعنی مَوت کا چُھپا دینا۔ یہاں بالکل چُھپنا تو ناممکن تھا اِس ترکیب کو ترمیم کرکے ایک نئی تجویز بنا لی۔ علّامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں حضرت عائشہ کی زبانی لکھتے ہیں:-

پانچویں تدبیر روساء جماعت کا طرزِ عمل بوقت رحلت رسولؐ

ونادی النعی فی الناس بموته وابوبکر غائب فی اهله بالسنح وعمر حاضر فقام فی الناس وقال ان رجالا من المنافقین تزعمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مات وانه لم یمت وانه ذهب الی ربه کما ذهب موسی ولیرجعن بها فیقطعن ایدی رجال وارجلهم واقبل ابوبکر حین بلغه الخبر فدخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فکشف عن وجهه وقبّله وقال بابی انت وامّی قد ذقت الموت التی کتب الله علیک ولن یصیبک بعدها موتته ابدا وخرج الی عمر۔ بقیة الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعه بولاق ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ۔ ص ۶۲ ؛	آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر لوگوں میں پھیل گئی اُسوقت ابو بکر اپنی زوجہ کے پاس سنح میں تھے حضرت عمر موجود تھے۔ پس حضرت عمر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ جناب رسولؐ خدا فوت ہو گئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وُہ فوت نہیں ہوئے بلکہ خداوند تعالیٰ کی میقات کے لئے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ گئے تھے۔ وُہ ضرور واپس آئیں گے اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر ابو بکر کو جو ملی تو وُہ فوراً واپس آئے اور آنحضرتؐ کے حجرہ میں داخل ہو کر آپؐ کے مُنہ سے چادر ہٹائی، بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں آپ نے اِس مَوت کا ذائقہ چکھا جو خداوند تعالیٰ نے آپ کے لئے لکھی تھی اور اب آپ دُوسری مَوت نہ دیکھیں گے یہ کہکر حضرت ابو بکر باہر آئے اور وہاں پہنچے جہاں عمر بول رہے تھے ؛

یہ واقعات اسی طرح دیگر کتُب احادیث و تواریخ میں درج ہیں۔ ابن خلدون نے ذرا اختصار کر دیا۔ وُہ ان معاملات میں اختصار پسند ہیں۔ کئی روایات میں ہے کہ حضرت عمر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جو یہ کہے گا کہ محمدؐ مر گئے تو میں اسکا سر قلم کر دونگا اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی بھی تشبیہ دی تھی[۵۱۵] سیاسی ضرورتیں بھی انسان کو

[۵۱۵] مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی:۔ قصص القرآن حصہ چہارم ص ۴۸۹ ؛
ابن ہشام سیرۃ النبی الجزء الرابع ص ۳۲۴ ؛ (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۶)

کتنا مجبور کر دیتی ہیں۔ یہی محمدؐ اور یہی رسول تھے کہ جن کی نسبت ایک دن پہلے کہا تھا اور حضرت عمر ہی نے کہا تھا کہ بخار کی حرارت دماغ پر غالب آگئی ہے لہٰذا یہ ہذیان بکنے لگے ہیں۔ اس وقت تو ذرا سی بخار کی حرارت ہی دماغ پر غالب ہوگئی اور اب وہی محمدؐ اور وہی رسول ہیں کہ اُن پر موت بھی غالب نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت تو وُہ معمولی انسان سے بھی کم تھے۔ کیونکہ اکثر خُدا کے بندے ہیں جن کے دماغ کو خُدا نے یہ قابلیّت دی ہے کہ کِتنا ہی بُخار تیز ہو اُن کا دماغ کبھی مغلوب نہیں ہو گا۔ ہذیان نہیں بکیں گے۔ اگر کمزوری و حرارت نے غلبہ کیا تو بے ہوش ہو جائیں گے یعنی دماغی کام کرنا ملتوی کر دے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ اُلٹا کام کرنے لگے اور وُہ ہذیان بکنے لگیں۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بُخار میں ہذیان بکنے لگتے ہیں۔ اُس وقت تو جناب رسولؐ خدا کو اس نیچے درجہ کے آدمیوں میں رکھا گیا اور اب موت کا اخفا مناسب وقت تھا تو ان کو انسانوں سے بھی بڑھا دیا۔ کیا حضرت عمر قرآن سے ایسے جاہل تھے کہ قرآن کی ایسی مشہور آیت بھی یاد نہ رہی۔ جب جنگ اُحد میں شیاطین کُفّار نے مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ شہید ہوگئے اور آنحضرتؐ کا لوگوں کو پتہ بھی نہ تھا کہ کہاں ہیں۔ اُس وقت حضرت عمر کو کیوں نہ خیال آیا کہ نہیں وُہ شہید نہیں ہو سکتے۔ ان کو ہر جگہ تلاش کرتے اور اگر نہ ملتے تو فرماتے کہ کُفّار کے نرغے سے محفُوظ رکھنے کے لئے آسمان پر بُلا لئے گئے ہیں۔ اُس وقت اگر حضرت عمر یہ اعلان

صفحہ ۱۱۵ کا بقیہ۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۵۴ ٭

مسند امام احمد حنبل الجزء الاوّل ص ۳۲۴ ٭

نسیم الریاض شرح شفائی قاضی عیاض الجلد الاوّل ص ۳۴۴ ٭

ابن تیمیہ منہاج السنتہ الجزء الثالث ص ۱۱۹ ٭

شاہ ولی اللہؒ۔ قرۃ العینین ص ۲۰۸ ٭

صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ٭

کرتے تو مفید بھی ہوتا اور بہت کچھ حضرت عیسٰےؑ کی مشابہت بھی پوری ہو جاتی۔ مسلمانوں کی ڈھارس بندھتی اور بھاگے ہوئے لوگ واپس آجاتے۔ اور حضرت عمر پر جہالتِ قرآن کا الزام بھی عائد نہ ہوتا۔ کیونکہ اُس وقت تک وُہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی جس کی تلاوت کر کے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو آنحضرتؐ کے اِنتقال کا یقین دلایا تھا۔ اُس وقت تو آپ نے جناب رسولؐ خدا کو مُردہ سمجھ کر تلاش کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور واپس جانے کا ارادہ کر لیا ؛

ہم حیران ہیں کہ حضرت عیسٰےؑ و حضرت موسٰیؑ کی مشابہت میں وجہِ تشبیہ کیا تھی۔ حضرت موسٰی و حضرت عیسٰے کا اُس وقت جسم تو لوگوں کے سامنے نہ تھا۔ یہاں تو آنحضرتؐ کا مُردہ جسم ان کی آنکھوں کے سامنے پڑا ہُوا تھا۔ معرفت نبوّت کے کیا اچھے مظاہرے ہیں۔ کبھی نبوّت سے ہذیان صادر ہونا جائز ہے کبھی نبوّت موت سے بالاتر ہوتی ہے۔ کون زبان پکڑتا ہے۔ مطلب نکالنے سے کام جیسا موقع دیکھا ویسا کہہ دیا ؛

جماعت اہلِ حکومت کا خیال ہے کہ حضرت عمر کے جوشِ محبّت نے اُن کو آپے سے باہر کر دیا۔ اور یہ آیت یاد نہ رہی۔ جن لوگوں کو واقعات پر غور و خوض کرنے کی عادت نہیں ہے وُہ شاید ان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا دیں ورنہ صاحبان غور و فکر جانتے ہیں کہ اظہار محبّت و جوشِ عشق کے یہ طریقے نہیں ہُوا کرتے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں آنحضرتؐ نے وصیّت لکھوانی چاہی وُہ تو لکھنے نہ دی اور فرما دیا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ کیا محبّت آمیز فقرہ ہے اور قوماً عنی اس محبّت کا جواب ہے۔ رنج کی علامت یہ ہے کہ آدمی آہ و زاری کرتا ہے۔ سر پیٹتا ہے، بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اگر محبّت نے رنج پیدا کر دیا تھا تو آپ فوراً بے ہوش ہو جاتے، رونے لگتے، سر پر خاک ڈالتے۔ گریبان چاک کر کے میّت کے پاس بیٹھ جاتے۔ رنج کی علامت تو ایک بھی ظاہر نہ ہوئی۔ خود تو محبوب کے ساتھ مرنے کا جذبہ پیدا نہ ہُوا۔ لوگوں کو مارنے کا خیال آ گیا۔ جب ذرا حد

لوگوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی خبر مشہور کر دی تو پھر آپ کی محبت کی دیگ میں اُبال کیوں نہ آیا۔ وہاں تو موقع تھا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ جو کہے گا کہ رسولؐ نے وفات پائی تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اچھا اسوقت تو مدہوش رنج و غم تھے اور عقل گم ہو گئی تھی۔ جب حضرت ابو بکر کے ساتھ وہ عقل واپس آئی تو پھر حضرت عمر نے کیا کیا۔ اِس مسئلہ عشق کے معمہ کو حل کرنے کے لئے یہ بہت مفید نکتہ ہے۔ اگر محبت کا جوش تھا تو جب حضرت ابو بکر کے آنے پر ہوش آیا تو اُس وقت اظہار رنج و غم فرماتے۔ میت کے پاس تشریف لے جاتے آخری نظارہ رُخ محبوب کا کرتے۔ اسوقت تو جسدِ اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے روانہ ہو گئے۔ گویا بقول شبلی نعمانی کوئی حادثہ ہی پیش نہ آیا تھا۔ یہ تھا وہ جوشِ عشق جس کا یہ حشر ہوا۔ غرضکہ اس جنون میں بھی رنگ مقصد نہاں تھا۔ پہچاننے والے پہچانتے ہیں۔ کہ اِس جنون میں کیا راز پنہاں تھا۔ چُنانچہ مولوی شبلی صاحب حضرت عمر کے انکار رحلت رسول کے واقعہ کو تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا۔ اِس لئے حضرت عمر نے مصلحتاً اِس خبر کو پھیلنے سے روکا ہوگا۔" الفاروق حصہ اوّل ص ۶۵

خُدا کا شکر ہے جو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے وُہ خود ان کی زبان پر جاری ہو گیا۔ مولوی شبلی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے مصلحت وقت کی وجہ سے آنحضرتؐ کی خبر موت کو پھیلنے سے روکا۔ اور اس کو روکنے کے لئے یہ ڈھنگ اختیار کیا۔ منافقین کی بجائے مخالفین رسول کہتے تو بالکل مطابق واقعہ ہوتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ صاحبان فہم و ذکاء کے لئے حضرت عمر کے اس طرز عمل کی کوئی اور وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ مولوی شبلی نے یہاں تک تو مان لیا کہ حضرت عمر کا انکار موتِ رسولؐ جھوٹ پر مبنی تھا۔ حضرت عمر دل سے جانتے تھے کہ آنحضرتؐ

وفات پائی۔ لیکن ظاہرا جھوٹ کو فروغ دینے کے لئے تلوار نکالے ہوئے تھے کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی میں سر قلم کر دوں گا۔ محبت و عشق و بیخودی وغیرہ کے عذرات سب ختم ہوئے۔ مان لیا گیا کہ یہ حکمت عملی تھی، مصلحت تھی۔
اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں کیا گیا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ منافقین کے ڈر سے ایسا کیا گیا کہ کہیں وہ یہ خبر پا کر فتنہ و فساد نہ پیدا کر دیں یہ تو فرمایئے کہ ۲ منٹ کے اندر جب ابو بکر آ گئے، ابھی حضرت عمر خطبہ دے ہی رہے تھے کہ ابو بکر آ گئے۔ اب وہ ڈر کیوں نہ رہا۔ کونسی مصلحت تھی جو پوری ہو گئی۔ کیا منافقین ان دو چار منٹوں ہی میں فتنہ پیدا کر سکتے تھے۔ اس کے بعد نہیں کر سکتے تھے۔ اب غور کرو کہ حضرت ابو بکر کے آنے کے بعد کونسا فتنہ کھڑا ہوا۔ اور کس نے کھڑا کیا۔ جس نے یہ فتنہ کھڑا کیا اور جو فتنہ کھڑا ہوا اس کے ہی فائدہ کے لئے یہ مصلحت اور یہ حکمت عملی بھی ہو گی۔ تاریخ بتا رہی ہے کہ سوائے سقیفہ بنی ساعدہ کے اور کوئی فتنہ ہی سب سے پہلے کھڑا نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ نتیجہ صحیح ہے کہ حضرت عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کے مفاد کے لئے یہ حکمت عملی برتی۔ اور اس نتیجہ کی صحت اس وجہ سے اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر خود اس میں شامل تھے اور اس فتنہ سے فائدہ اٹھایا۔
اگر مولوی شبلی یہ کہتے ہیں کہ یہ فتنہ منافقین ہی نے اٹھایا تھا اور حضرات شیخین تو مجبوراً وہاں گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع انصار کا تھا لہٰذا آپ کی رائے میں تمام انصار منافقین ہوئے۔ اور جب آپ نے یہ مان لیا کہ یہ فتنہ تھا تو معاملہ صاف ہے۔ انصار سے پہلے تو یہ فتنہ حضرت ابو بکر کھڑا کر چکے تھے جب انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ آؤ چلیں اپنے میں سے خلیفہ مقرر کریں۔ یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرات شیخین کا سقیفہ میں طرز عمل کیا تھا۔ اگر وہ اس کو وہ فتنہ تصور کرتے تھے جس کی پیش بندی کے لئے انکارِ موتِ رسول کی حکمتِ عملی اختیار کی گئی تھی تو وہاں جا کر اس فتنہ کو

فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نہ کہ اس سے فائدہ اُٹھا کر خود خلیفہ بن گئے۔ کہتے کہ اس طرح خاموشی سے اُمّتِ اسلامیہ کا خلیفہ منتخب نہیں ہُوا کرتا۔ ابھی بنو ہاشم دفن و کفن رسول میں مشغول ہیں۔ مہاجرین کی ساری جماعت غیر حاضر ہے۔ آؤ چلیں۔ رسول اکرمؐ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہولیں تو خلیفہ مقرّر کریں۔ غرضکہ آپ کوئی بحث اختیار کریں۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ انکارِ موتِ رسول ایک حکمتِ عملی اور مصلحت تھی اور اس وجہ سے اختیار کی گئی تھی کہ حضرت ابو بکر غیر حاضر تھے اور اُن منصوبوں کی تعمیل کے لئے جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد زیر عمل آنے تھے اُن کا موجود ہونا ضروری تھا۔

اب ہم حضرت ابو بکر کے خطبے پر غور کرتے ہیں۔ اس سے بھی ہمارے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ کارکنانِ سقیفہ کا مقصد اوّل یہ تھا کہ اُمّتِ محمدیہ میں تفرقہ پڑے اور اس میں سے ایک جماعت ٹوٹ کر ہماری طرف آئے اُن کا ہر قول، ہر فعل اس تقسیم و تفریق پر منتج ہوتا تھا۔ حضرت ابو بکر وہاں آئے جہاں حضرت عمر تھے۔ ان کو اشارہ کیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ اب حضرت ابو بکر نے خطبہ دیا۔ علّامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں :-

ثم ان ابو بکر خطیباً کما سیاتی فقال ایھا الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت لا بد لھذا الامر ممن یقوم به فانظروا وھاتوا اراءکم فقالوا صدقت ننظر فیه۔

علّامہ ابن حجر مکی :- صواعق محرقہ المقدمۃ الثانیہ ص ۵

حضرت ابو بکر خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا اُسے جاننا چاہیئے کہ محمدؐ مر گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ معلوم کرے کہ خدا زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ اس امر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی حاکم مقرّر کیا جائے پس آؤ اور اپنی رائیں دو۔ لوگوں نے کہا کہ تم نے یہ درست کہا۔ ہم اس میں غور کرتے ہیں۔

دیکھئے حضرت ابوبکر نے بھی اُمّتِ محمدیہ کی تقسیم کر دی ایک گروہ وُہ جو جناب رسولِ خدا کی موت پر رنج کر رہا تھا اور مشغول گریہ و بکا تھا۔ دُوسرا فرقہ وُہ جو ان بزرگواروں کے ہمراہ تکمیلِ مقصد میں شریک کار تھا۔ رونے اور گریہ کرنے والوں سے علیحدہ تھا۔ اُس کا انہماک ہی دُوسری طرف تھا۔ یہ فرقہ تو خدا کا عبادت کرنے والا قرار دیا گیا۔ کیونکہ اپنا تھا۔ دُوسرے گروہ کو محمد صلعم کا پرستش کرنے والا قرار دیا گیا تا کہ لوگوں کو اودھر شامل ہونے میں تامّل ہو جائے۔ اس میں ایک راز مضمر تھا۔ فطرتِ انسانی ہے کہ مرنے والے کے ساتھ محبّت و ہمدردی ہو جاتی ہے اور وُہ محبّت و ہمدردی اس کی اولاد و قریب ترین رشتہ داروں کی طرف عُود کر جاتی ہے۔ اُمّت میں رحلتِ رسول نے ایک کہرام پیدا کر دیا ہے لوگ اپنے محسن کے احسانات یاد کر کے رو رہے ہیں۔ بڑا نازک وقت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ محبّت و ہمدردی کے جذبات مرنے والے کی اولاد و اہلبیت و عترت کی طرف منتقل ہو جائیں حضرت ابوبکر نے فوراً محبّت رسول کو عبادت سے تعبیر کر کے اُسے مکروہ بنانے کی کوشش کی اور اس کی کراہیت میں اضافہ اس طرح کیا کہ اِس کو عبادتِ الٰہی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ مرنے والے حبیب کو سب رویا کرتے ہیں۔ ابھی ابھی وہ حبیب جُدا ہُوا ہے۔ کئی دن یا مہینے تو نہیں گزرے۔ اِس محبّت میں مہینوں سے تو انہماک نہیں ہے۔ کیا اپنے پیارے رسول محسن کو چند گھنٹہ رونا بھی ناگوار ہے۔ بھلا اِس رونے کو پرستش و عبادت سے کیا تعلّق۔ اب جو لوگ اپنے مرنے والوں کو روتے ہیں تو کیا وُہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی خواہش کے مطابق جو زنانِ مدینہ حضرت حمزہ پر آن کر روئیں تو کیا انہوں نے حضرت حمزہ کی پرستش کی اور کیا آنحضرتؐ نے معاذ اللہ اُن سے حضرت حمزہ کی پرستش کرائی۔ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کو فوراً دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ جتنا ہم زیادہ غور کریں گے اُتنا ہی زیادہ واضح ہوتا جائے گا کہ شروع ہی سے ان بزرگواروں کی یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح اُمّتِ اسلامیہ کے اتحاد کو منقطع کر کے ان

میں سے ایک جماعت اپنی ہم خیال نکالی جاوے تاکہ ہم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو سکیں ⁂

چھٹی تدبیر - ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ

اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں اُس واقعہ تک پہنچ گئے ہیں جس نے اسلام کی تفریق و تقسیم کو مستحکم، مُستقل اور دائمی بنا دیا۔ جو مُخرج اور منبع ہو گیا اُس خونریزی اور باہمی نزاع کا جس نے مسلمانوں میں انحطاط و کمزوری پیدا کر کے اُن کو اس حالت تک پُہنچا دیا جس میں کہ وُہ اب ہیں۔ وُہ جماعت جو دُنیا کی رہنما بننے کی اہلیت رکھتی تھی۔ اب مضحکۂ عالم بن گئی ہے۔ اِسلام پر اتنی سخت مصیبت کبھی نہیں پڑی جتنی سقیفہ بنی ساعدہ والے دِن اُس پر نازل ہوئی ⁂

قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہُوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیکھیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کیسی جگہ تھی، اور مسجد نبوی شا آبادی مہاجرین کو چھوڑ کر وہاں یہ خلیفہ سازی کا اجلاس کیوں ہُوا۔ غیاث اللغات اور منتخب اللغات میں اِس سقیفہ کا ذِکر اس طرح کیا گیا ہے :-

> "سقیفش این است کہ سقیفہ ایوانے بود پنہاں کہ عرب برائے مشورہ ہائے باطل در آں جمع می شدند و مجاز امشورہ و سُخن بیہودہ را گویند" ⁂

غیاث اللغات کے حاشیہ پر چراغ ہدایت مؤلفہ سراج الدین علی خاں آرزو میں سقیفہ سازی کے معنی دروغ بستن لکھے ہیں۔ سُبحان اللہ قضا و قدر نے خاموش واقعات کی زبانی کس طرح حق کی کہانی سُنائی ہے۔ اِس خلافت کی حقیقت اور اس خلیفہ کی حقانیت ظاہر ہے جو مسجد نبوی و خانہ نبوت کو چھوڑ کر ایسی جگہ اپنی ہست و بود کا انتظام کرے جو باطل اور بیہودہ مشوروں کیلئے مخصوص کِس خاموشی کے ساتھ قُدرت نے ثابت کیا ہے کہ وُہ ایک باطل کے فروغ دینے سازش تھی جہاں سُخنانِ بیہودہ و مشورہ ہائے باطل کے بعد امر باطل کی بُنیا

چھٹی تدبیر - ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ

رکھی گئی۔ اگر امر واقعی یہی تھا جواب اہل حکومت نے گھڑا ہے کہ وہ وقت ایسا نازک تھا کہ حاکم و سرنداری قوم کا فوراً منتخب ہونا ضروری تھا، تو پھر تمام مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع ہو جانا چاہیئے تھا۔ وہاں مشورہ بھی ہوتا رہتا اور غسل و دفن رسول میں بھی تمام صحابۂ رسول کی شرکت جاری رہتی، تمام سردارانِ قریش اور ناموران اسلام فوراً جمع ہو جاتے۔ اور ایک قطعی فیصلہ ہو جاتا۔ اگر نیک نیتی سے ان کا خیال تھا کہ جناب رسولخداؐ نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا تو پھر اس سے بہتر و موزوں کوئی اور طریقہ اور کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا تھا، تمام اہم امور اس سے پہلے اور اس کے بعد مسجد نبویؐ میں طے ہُوا کرتے تھے۔ لیکن محض اس کے لئے بجائے مسجد نبویؐ کے ایک ایسا مقام پسند کیا جاتا ہے کہ جہاں دُنیا کی نظروں سے پنہاں مشورہ ہائے باطل ہُوا کرتے تھے، اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک سازش تھی جس کو منظر عام پر لانا انھوں نے مناسب نہ سمجھا۔ بقول حضرت شبلی نعمانی تمام مورخین اسلام سُنّی ہی ہوئے ہیں۔ لہذا ان سے امید رکھنی کہ وُہ کھُلی کھُلی باتیں لکھ دیں گے۔ اور اس سازش کو سازش کہیں گے، فطرتِ انسانی کے اُوپر بہت زیادہ بوجھ ڈالتا ہے جو وہ سنبھال نہیں سکتی۔ لیکن سقیفہ کے کارکنان کا طرزِ عمل اور یہ خاموش واقعات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ اس تجویز کی پہلے ہی سے پُختہ ہو چکی تھی جس تفرقے کا ہم ذکر کر رہے تھے اس کی یہ بھی ایک کڑی ہے۔ تمام مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر، جُدا ہو کر، تفرقہ پیدا کر کے خلیفہ کا انتخاب ہوتا ہے۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ حضرات شیخین تو مجبوراً سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے اور اُمّت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے گئے۔ پہل تو دراصل انصار نے کی تھی۔ اور انہوں نے اپنے نزدیک کی جگہ اختیار کر لی۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم تو مخالفین علی کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس میں انصار یا شیخین کی تخصیص نہیں۔ دُوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات پر جو خطبہ حضرت ابو بکر نے دیا اور جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں وُہ صاف ظاہر کر رہا ہے

کہ پہل حضرت ابو بکر نے کی۔ اُس وقت تک ابھی انصار سقیفہ میں جمع نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس انتظام کی وجہ سے جو حضرت عمر نے کر لیا تھا ابھی تو انہیں آنحضرتؐ کی رحلت کی اطلاع بھی نہ پہنچی ہوگی کہ ابو بکر آ گئے اور لوگوں کو خلیفہ سازی کی طرف دعوت دی۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انصار کے دل میں بھی یہ خیال موجزن تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد اس حکومت کا والی و وارث کون ہو گا۔ انصار جانتے تھے اور قضیۂ قرطاس والے واقعات نے اُن کو یقین دلا دیا تھا کہ اگرچہ آنحضرتؐ نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر دیا ہے۔ لیکن مہاجرین کی ایک مضبوط جماعت اِس امر پر تُلی ہوئی ہے کہ حضرت علی کو خلیفہ نہ ہونے دیں اب حضرت ابو بکر کے اس خطبہ نے انہیں اور پکّا کر دیا۔ اِس صورت میں اُنہیں اپنا ڈر ہوا۔ وُہ جانتے تھے کہ اگر مہاجرین میں سے حضرت علیؑ کے سوا کوئی اور خلیفہ ہُوا تو مہاجرین ہمیں کچل ڈالیں گے۔ اپنے اِس خوف کا ذکر انہوں نے جناب رسولِ خدا سے بھی کیا تھا اور آنحضرتؐ نے ان کو بھی وُہ ہی مشورہ دیا جو حضرت علی کو ہدایت کی تھی کہ صبر کرنا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کی بحث کے دوران میں بھی جناب ابن المنذر نے انصار کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے بچے مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگ رہے ہیں اور انہیں بھیک نہیں ملتی۔ جب حضرت عمر کو انصار کے سقیفہ میں جمع ہونے کی خبر پہنچی تو اُس میں یہ بھی تھا کہ انصار کہہ رہے ہیں کہ منا امیرٌ و منکم امیرٌ۔ یہ وُہ استدعا ہے جو جماعت مغلوبہ کیا کرتی ہے۔ سارا تو ہم لے نہیں سکتے آدھا تو دو۔ حضرت عمر کا جواب وُہ تھا جو جماعت غالب کا ہُوا کرتا ہے۔ نہیں ہم سارا لیں گے۔ اگر انصار کو یقین ہو جاتا کہ آنحضرتؐ کے بعد بغیر کسی رکاوٹ کے حضرت علی کو حکومت مِل جائے گی تو پھر وُہ مطمئن ہو جاتے۔ یہ امر قطعاً کہا جا سکتا ہے کہ اگر مہاجرین کی طرف سے حضرت علی کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے۔ اور سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس کی نوبت نہ آتی۔ لیکن جب علی کی مخالفت

شروع ہو گئی تو پھر بہت سے انصار اُدھر چلے گئے۔ ہمارے اِس دعوے کی تصدیق کہ "اگر مہاجرین کی اس جماعت کی طرف سے حضرت علی کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار اس کی ابتدا نہ کرتے" بہت سے واقعات سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ انہیں حضرت علی سے کوئی وجہ عناد نہ تھی۔ حضرت علیؑ سے دعوئے ہمسری و رقابت نہ تھا۔ قبیلانہ رشک و حسد جو ایک شہر کے مختلف قبیلوں میں اُس زمانہ میں ہُوا کرتا تھا، وُہ ان میں حضرت علی و بنو ہاشم کے خلاف نہ تھا۔ جنگہائے بدر و اُحد وغیرہ میں حضرت علی نے ان کے قبیلے کے آدمیوں کو قتل نہیں کیا تھا۔ وُہ حضرت علی کے اعلےٰ صفات اور خدماتِ اسلامی سے واقف تھے اُن میں کوئی شخص اپنے تئیں علی کا مدِّ مقابل، یا رقیب نہیں سمجھتا تھا، ان میں کوئی شخص حضرت عمرؓ جیسی جُرأت وہمت والا موجُود نہ تھا جو باوجود جناب رسولؐ خدا کے صریح احکام کے حضرت علی کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں حضرت علی کی غیر حاضری میں بھی بہت سے انصار نے کہہ دیا کہ ہم سوائے علی کے اور کسی کو خلیفہ نہ مانیں گے ؛

وبایع الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لانبایع الا علیا	جب حضرت ابوبکر کی بیعت لوگ کرنے لگے تو انصار نے یا اُن میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے ؛

تاریخ طبری:۔ الجزء الثالث ص ۱۹۸ ؛

ابن الاثیر: تاریخ الکامل الجزء ثانی ص ۱۲۴ ؛

سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوگا کہ اگر انصار میں سے وُہ لوگ جنہیں حضرت عمر نے پہلے سے اپنی طرف بُلا لیا تھا۔ دورانِ بحث ہی میں حضرت ابوبکر کی بیعت کر کے بحث کو ختم نہ کر دیتے تو حضرت علی کا ذکر آچلا تھا۔ معاملہ بگڑ جاتا اور حضرت ابوبکر کو مُشکل ہو جاتی ؛

حضرت عمر انصار کی اِس دوستی و طرفداری علی سے واقف تھے اور اس ہی وجہ سے ان سے ناراض تھے۔ جب حضرت عمر زخمی ہوئے اور انہیں اپنی موت کا یقین

ہوگیا اور لوگوں نے ان سے التجا کی کہ آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں تو انہوں نے چند رفتگان کے نام لئے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ مقرر کرتا - اُن میں سے کوئی انصار نہ تھا - پھر جب آپ نے چھ اُمیدواران خلافت شوریٰ کے لئے نامزد کئے تو اُن میں سے بھی کسی انصار کو نہ رکھا بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے - شوریٰ مقرر کرتے وقت آپ نے لوگوں کو یا معشر المہاجرین کہہ کر خطاب کیا - انصار کو مطلقاً نظر انداز کر دیا اور فرمایا احضروا معکم من شیوخ الانصار ولیس لھم من امرکم شیئ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ص ۲۲) یعنی دوران مشاورت خلافت سازی میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو تو بلا لینا مگر تمہارے امر میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہے - خلافت کو آپ نے تمہارا امر یعنی مہاجرین کا معاملہ بنایا - انصار اس قابل بھی نہ تھے کہ اُن کی طرف اضافت بادنیٰ ملابست بھی ہو سکتی - حضرت عمر کے عمال کی فہرست پر نظر ڈالو - بنو اُمیہ اور دُشمنان علی ابن ابی طالب کی کثرت ہے - سوائے ایک کے اور کوئی انصار نظر نہیں آتا - اور وہ ایک وہ ہے جس نے اپنے بھائیوں سے غداری کر کے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر کی بیعت کی تھی مسلمانو! غور کرو - انصاف بھی کوئی شے ہے - آخر انصار سے یہ دُشمنی کیوں ہے - ان کا حصہ خلافت میں کیوں نہیں - اُمتِ اسلامیہ کو دو حصوں میں کیوں تقسیم کیا جا رہا ہے - یہ وہ انصار ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ کو پناہ دی تھی - یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے گھروں میں مہاجرین کو بسایا تھا - یہ وہ انصار ہیں جنہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر مہاجرین کو کھلائے - اس جماعت اکثریت کا یہ طرز عمل انصار کے ساتھ احسان فراموشی کی نہایت بڑی مثال ہے - اپنے محسنِ اعظم کے احسانوں کو بھول گئے - اُن کے جسدِ اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر حکومت حاصل کرنے چلے گئے - اور اُن کی آل کے ساتھ یہ دُشمنی کی - اُن کے انصار سے بے رُخی برت رہے ہیں کیا احسان فراموشی کی اس سے بدتر مثال مل سکتی ہے ؟

بہرصورت یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر مخالفتِ علی کی وجہ سے اِس احسان فراموشی کا طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اور ان کے پیروان اِس کو سُنّت شیخین سمجھ کر اس طرزِ عمل کے اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُمّتِ اسلامیہ کی اکثریت میں یہ خصلتِ رذیلہ یعنی احسان فراموشی محض مخالفتِ علیؑ کے جُرم میں رائج ہوئی ہے۔ اس کتاب کو آگے پڑھتے جائیے۔ آپ کو معلوم ہوتا جائے گا کہ مخالفتِ علی کرنے کی وجہ سے یہ بزرگوار کیا کیا گناہ کرنے پر مجبور رہے ہیں۔ یہ تفرقہ اور یہ تحریف تو اس کا براہِ راست نتیجہ ہے ؛

خیر یہ ذرا سا جملۂ معترضہ آ گیا۔ ہم کہہ رہے تھے کہ انصار کو مہاجرین کی اکثریت کے طرزِ عمل نے سقیفہ سازی کرنے پر مجبور کیا۔ اور حضرت عمر نے بھی انتظام کر لیا کہ انہیں انصار کی ہر وقت کی خبریں پہنچیں ؛

عن عائشہ قالت وکان عمر بن الخطاب اخیٰ رجلا من الانصار لا یسمع شیئًا الا اخبرہ بہ ولا یسمع عمر شیئاً الا حدثہ۔

محمد بن سعد:۔ طبقات الکبریٰ الجزء الثامن من النساء زیرِ عنوان ذکر المراتین اللتین تظاہرا علی رسول اللہ صلعم ذخیرہ نساء ص ۱۳۱ بصفحہ ۱۳۶ ؛

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب عمر خطاب نے انصار میں سے ایک شخص کو بھائی بنا یا ہُوا تھا یہاں تک کہ وُہ انصاری کوئی امر نہیں سُنتا تھا لیکن یہ کہ عمر کو اس کی اطّلاع دیتا تھا اور عمر کوئی بات نہیں سُنتے تھے مگر یہ کہ اس انصاری کو اس کی اطّلاع دیتے تھے ؛

سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات میں آپ معلوم کریں گے کہ وہاں حضرت ابوبکر کی بیعت کا سب سے بڑا باعث اُن چند انصار کا حسد تھا جو وُہ سعد ابن عبادہ سے رکھتے تھے۔ اور اپنے انصار بھائیوں سے غدّاری کر رہے تھے۔ انصار میں سے حضرت عمر کے بہت بڑے معاون بشیر ابن سعد اور زید ابن ثابت تھے جن کا نام نمایاں طور سے اُس جلسہ میں آتا ہے یہ زید ابن ثابت وُہی نوجوان بزرگ ہیں جو بعد میں جمع قرآن کی کمیٹی کے پریذیڈنٹ بنائے گئے تھے۔ یہ قیاس

بالکل مطابق واقعات کے ہے کہ یہ لوگ حضرت عمر کو خبریں پہنچاتے ہوں گے چونکہ سقیفہ والے دن یہ لوگ اس جلسے کو چھوڑ کر خبریں دینے کے لئے نہیں آسکتے تھے لہذا حضرت عمر نے اس کام کے لئے ایک خاص آدمی سقیفہ میں بٹھا دیا جس نے صرف حضرت عمر ہی کو آن کر اس بات کی خبر دی کہ اب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے لگے ہیں ۔

اس کے ثبوت میں ہم وُہ عبارت درج کرتے ہیں جس کو مولوی شبلی نے الفاروق میں اِن الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے :۔" ہم نہایت مُستند کتاب مسند ابو یعلی کی عبارت نقل کرتے ہیں" الفاروق حصہ اوّل ص ۶۶ ۔

بینما نحن فی منزل رسول الله صلے الله علیه وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الیّ یا ابن الخطاب فقلت الیك عنی فانا عنك مشاغیل یعنی بامر رسول الله صلے الله علیه وسلم فقال له قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفه بنی ساعدہ فادرکواهم ان یحدثوا امرا یکون فیه حرب فقلت لا بی بکر انطلق۔

حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتہً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اُٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اس وقت میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو ۔

یہ ترجمہ بھی مولوی شبلی ہی کا ہے ۔ یہ عبارت انہوں نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا۔ نہ وُہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے ۔ یہ تو ہم کیونکر کہیں کہ مولوی شبلی کو تاریخی واقعات سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی اہلیت نہ تھی ۔ یہی کہنا پڑے گا کہ وُہ اپنے عقائد کو واقعات سے مقدم رکھتے تھے اور اپنے عقائد کی بناء پر واقعات کو توڑنے مروڑنے

کی عادت پیدا کر لی تھی۔ یہاں تو اُنہیں واقعات کو توڑنا مروڑنا ہی نہیں پڑا بلکہ صحیح نتائج سے اعراض و اغماض کر کے اپنے اعتقاد کے مطابق نتیجے پر بغیر اِدھر اُدھر دیکھے ہوئے پہنچ گئے۔ اُن کے سارے استدلال کی بناء حضرت عمر کا یہ فقرہ ہے "چلو ہٹو ہم رسول اللہ کے امر میں مشغول ہیں" جو اُنہوں نے محض دکھاوے کی خاطر کہا تھا۔ لوگ ماتم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دفن و کفن کی تجویز ہو رہی تھی۔ وہاں سے آنے میں کچھ تو تکلّف کا اظہار کرتے۔ جناب رسولؐ خدا کے جسد اطہر کو ایسے موقع پر چھوڑ کر جانے میں کچھ تو ظاہر داری برتتے۔ اس دفع الوقتی کے فقرہ پر مولوی شبلی نے بحث کا کتنا بڑا قصر تیار کیا ہے۔ جن صریح واقعات کی طرف سے مولوی موصوف نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) تمام اُمّتِ اسلامیہ کا معاملہ تھا۔ اگر وہ شخص خاص طور سے حضرت عمر کا مقرر کیا ہوا جاسوس نہیں تھا تو دیوار کے پیچھے سے کیوں آواز دی۔ سب کے سامنے آن کر تمام مجلس کو اِس امر سے کیوں نہ آگاہ کیا۔

(۲) صرف حضرت عمر ہی کو کیوں بلایا۔ اُن میں کیا خصوصیت تھی۔ اگر اس شخص کے علم میں حضرت عمر اِس حکومت کے ادھیڑ بن میں نہیں رہا کرتے تھے تو پھر اس کو چاہیئے تھا کہ تمام مہاجرین کو اس سے مطلع کرتا۔

(۳) حضرت عمر کو بھی دیکھئے۔ صرف حضرت ابوبکر کو کیوں ساتھ لیا۔ باقی اور آدمیوں کو کیوں نہ مطلع کیا اور کیوں نہ ساتھ لیا۔ ایسی ہنگامہ آرائیوں میں تو فریق مخالف کو مرعوب کرنے کے لئے جتنے زیادہ ممکن ہوتا ہے آدمی لے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر صرف ابوبکر کو ساتھ لیتے ہیں۔ کس طرح واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کا انکارِ موتِ رسول محض سیاسی دھندا تھا۔ دراصل حضرت ابوبکر کے آنے کا انتظار تھا۔ جب وہ آ گئے تو سب کچھ بھول گئے۔ ساری قوم کا معاملہ۔ اسلام کا معاملہ۔ اور یہ سب سے چھپ کر جاتے ہیں۔ آخر بات کیا ہے۔

(۴) معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اس کا پہلے سے انتظام کر لیا تھا اور اس کے لئے تیار تھے جب ہی تو محض ابوبکر کو ساتھ لیا اور چل کھڑے ہوئے۔

(۵) اس واقعہ سے ایک نہایت عمدہ اور زبردست امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس مجمع میں کسی کو اس سقیفہ سازی کا علم ہی نہ تھا۔ حضرت عمر کو علم تھا یا بقول شبلی حاصل ہوا تو انہوں نے بھی کسی کو مطلع نہ کیا۔ صرف حضرت ابو بکر کو ہمراہ لے کر چلے گئے۔ لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ میں اُمت کی نمائندگی نہ تھی اور صحیح انتخاب نہیں ہُوا یہ انتخاب کیا تھا۔ بلکہ ایک گہری سازش تھی ؛

یہ دونوں بزرگوار چلتے ہیں۔ راستہ میں ابو عبیدہ بن الجراح ملتے ہیں اُن کو بھی ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد راستہ میں دو آدمی سقیفہ سے آتے ہوئے ملتے ہیں انہوں نے سقیفہ کے حالات سُنائے اور چلے گئے۔ چلے گئے یُوں کہ وُہ مہاجرین میں سے تو تھے نہیں وُہ انصار تھے۔ اور باقی انصار سے ٹوٹ کر حضرت عمر کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ لہٰذا وُہ اُن کے ساتھ مجمع انصار میں اِس طرح علانیہ نہیں جا سکتے تھے۔ اگر اس طرح جاتے تو انصار پر ان کی بے وفائی ظاہر ہو جاتی وُہ دو بزرگ عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ تھے۔ جن کو حضرت عمر دو مردان صالح کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ اِس پر تبصرہ ہم بعد میں کریں گے ذرا طبری کی عبارت نقل کئے دیتے ہیں :-

فمضینا مسرعین نحوهم فلقینا ابا عبیدة بن الجراح فتماشنوا الیهم ثلاثتهم فلقیهم عاصم بن عدی وعویم بن ساعدة فقالا لهما ارجعوا فانه لا یکون ما تریدون فقالوا لا نفعل فجاؤا وهم مجتمعون۔

وُہ دونوں (حضرات ابو بکر و عمر) نہایت تیزی کے ساتھ انصار کی طرف چلے (دیکھئے رسولؐ کے غم نے ٹانگوں میں کتنی تیزی پیدا کر دی) اِن دونوں کو ابو عبیدہ بن الجراح ملے اور اب یہ تینوں مل کر ادھر چلے۔ راستہ میں عاصم بن عدی عویم بن ساعدہ ملے اور ان دونوں نے اُن تینوں سے کہا کہ واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ جو تم چاہتے ہو وُہ نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم واپس نہیں جائیں گے۔ پس یہ لوگ سقیفہ میں پہنچے جہاں وُہ جمع تھے۔

تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۰۸ ؛

جمال الدین ابو الفرج بن الجوزی: تاریخ عمر بن الخطاب الباب السادس والعشرون ص ۳۴، ۳۵ ❖

دیکھئے کیسی پُر معنی عبارت ہے۔ آپس میں کیسی اشاروں ہی میں باتیں ہو رہی ہیں جو تم چاہتے ہو وُہ ممکن نہیں ہو گا۔ یہ کیا چاہتے تھے۔ عاصم و عویم کو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ یہ قیاس بالکل قرین واقعہ ہے کہ عاصم و عویم کو انصار میں ان کی خبریں لانے کے لئے مقرر کیا ہُوا تھا۔ اِس عبارت سے اور پہلے کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں صرف یہی تین مہاجر موجود تھے اور کوئی نہ تھا۔ اگر اب بھی شُبہ رہ گیا تو ہم اور ثبوت پیش کرتے ہیں ❖

ولم یحضر معہ فی سقیفۃ من قریش غیر عمر و ابی عبیدۃ

حضرت ابو بکر کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش میں سے سوائے عمر و ابو عبیدہ کے اور کوئی نہ تھا ❖

محب الدین طبری: ریاض النضرۃ الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثالث عشر فی خلافۃ ابی بکر ص ۱۶۵ ❖

ہم ابھی بتاتے ہیں اور انہی بزرگوں کی زبانی بتاتے ہیں کہ سقیفہ میں اُس دن حضرت عمر کسی اور کو اپنے ساتھ کیوں نہ لے گئے۔ پہلے یہ دیکھ لیں کہ سقیفہ میں کیا ہُوا۔

فقال عمر بن الخطاب اتیناھم وقد کنت زویت کلاما اردت ان اقوم بہ فیھم فلما ان دفعت الیھم ذھبت لابتدئ المنطق فقال لی ابو بکر رویدا حتی اتکلم ثم انطق بعد بما احببت فنطق فقال عمر فما شیء کنت اردت ان اقولہ الا وقد اتی بہ او زاد علیہ فقال عبد اللہ بن عبد الرحمٰن فبدأ ابو بکر...... فحمد اللہ المھاجرین

عمر سے مروی ہے کہ ہم انصار کے پاس پہنچے۔ اثناء راہ میں اس موقع کے لئے میں نے اپنے دل میں ایک تقریر کا مضمون سوچا تھا کہ انصار کے سامنے اسے بیان کرونگا۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے چاہا کہ تقریر کروں مگر ابو بکر نے مجھ سے کہا ذرا صبر کرو پہلے میں کہہ لوں اس کے بعد جو تمہارا جی چاہے بیان کرنا۔ مگر جو تقریر ابو بکر نے کی وُہ ایسی تھی کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا اُس سے بھی زیادہ اُس میں ابو بکر نے کہہ دیا۔ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سے مروی ہے کہ ابو بکر نے شروع کیا اور کہا۔۔ اللہ نے رسولِ خدا

الاولین من قومہ بتصدیقہ والایمان
بہ والمواساۃ لہ والصبر معہ علی
شدۃ اذی قومھم لھم وتکذیبھم
ایاھم وکل الناس لھم مخالف
زار علیھم فلم یستوحشوا لقلۃ
عددھم وشنف الناس لھم و
اجماع قومھم علیھم فھم اول
من عبد اللہ فی الارض وامن
باللہ وبالرسول وھم اولیاؤہ
وعشیرتہ واحق الناس بھذا
الامر من بعدہ ولا ینازعھم
ذلک الا ظالم وانتم یا معشر
الانصار من لا ینکر فضلھم فی
الدین ولا سابقتھم العظیمۃ فی
الاسلام رضیکم اللہ انصار الدینہ
ورسولہ وجعل الیکم ھجرتہ وفیکم
جلۃ ازواجہ واصحابہ فلیس
بعد المھاجرین الاولین عندنا
بمنزلتکم فنحن الامراء وانتم
الوزراء لا تفتاتون بمشورۃ
ولا نقضی دونکم الامور قال
فقام الحباب بن المنذر بن
الجموح فقال یا معشر الانصار

کی تصدیق کے لئے مہاجرین اولین کو مخصوص فرمایا
کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ
ہر حال میں رہنے کے لئے شرکت کی اور باوجود
اپنی قوم کے ایذا رسانی اور تکذیب کے انہوں نے
رسول صلعم کا ساتھ دیا حالانکہ تمام لوگ ان کے مخالف
تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے مگر وہ باوجود تمام لوگوں کے
ظلم اور ان کے خلاف جتھابندی کے اپنی قلت
سے کبھی متاثر اور خائف نہیں ہوئے اس طرح
وہ پہلے ہیں جنہوں نے اس زمین میں اللہ کی
عبادت کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
لائے وہ رسول اللہ صلعم کے ولی اور خاندان والے
ہیں اور اُن کے بعد اس منصب امارت کے
اور سب کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہیں اور
ان کے اس حق میں سوائے ظالم کے اور
کوئی ان سے تنازعہ نہیں کرے گا۔ اب رہے
تم انصار کوئی شخص دین میں تمہاری فضیلت
اور ابتدائی شرکت اور خدمت کا منکر نہ ہو
اللہ نے اپنے دین اور رسول کی حمایت کے
لئے تم کو اختیار کیا۔ اور اسی لئے وہ تمہارے
پاس ہجرت کر کے آئے۔ اسوقت بھی ان کی اکثر
ازواج اور اصحاب تمہارے یہاں رہتے ہیں
بے شک پہلے مہاجرین کے بعد تمہارے مقابلے
میں ہماری نظر میں کسی اور کی منزلت نہیں

املکوا علیکم امرکم فان الناس
فی فیئکم و فی ظلکم ولن یجتری
مجتری علی خلافکم ولن یصدر
الناس الا عن رایکم انتم اهل
العز والثروة واولوا العدد والمنعة
والتجربة ذووا البأس والنجدة
وانما ینظر الناس الی ما تصنعون
ولا تختلفوا فیفسد علیکم رایکم
وینتقض علیکم امرکم ابی
هؤلاء الا ما سمعتم فمنا امیر
ومنهم امیر فقال عمر هیهات
لا یجتمع اثنان فی قرن واللہ لا
ترضی العرب ان یؤمروکم ونبیها
من غیرکم ولکن العرب لا تمتنع
ان تولی امرها من کانت النبوة
فیهم وولی امورهم منهم ولنا
بذلک علی من ابی من العرب
الحجة الظاهرة والسلطان المبین
من ذا ینازعنا سلطان محمد و
امارته ونحن اولیاؤه وعشیرته
الا مدل بباطل او متجانف لاثم
او متورط فی هلکة فقام الحباب
بن المنذر فقال یا معشر الانصار

لہٰذا مناسب ہوگا کہ امیر ہم ہوں اور تم وزیر۔ ہر
معاملہ میں تم سے مشورہ لیا جائے گا اور بغیر تمہارے
اتفاق رائے کے ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔
اس کے جواب میں حباب بن المنذر نے کہا کہ
اے گروہ انصار تم اس معاملے میں کسی کی بات نہ
سُنو۔ خود عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو تمام
لوگ تمہارے زیر سایہ ہیں۔ کسی کو تمہاری
مخالفت کی جرأت نہ ہوگی۔ اور کوئی شخص تمہاری
رائے سے سرتابی نہیں کرے گا۔ تم عزت والے
دولت والے طاقت و شوکت والے تجربہ کار دلیر
اور بہادر ہو۔ لوگوں کی نظریں تمہاری طرف
اُٹھی ہوئی ہیں۔ تم اس بات میں اب اختلاف نہ
کرو ورنہ معاملہ خراب ہوجائے گا اور بات
بگڑ جائے گی۔ تم نے سُنا ہم نے جو تجویز پیش کی
ایک امیر ہمارا ہو اور ایک امیر تمہارا ہو اسے بھی
انہوں نے نہ مانا۔ عمر نے کہا یہ ناممکن ہے دو تلواریں
ایک نیام میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ بخدا عرب اس
بات کو نہیں مانیں گے کہ تم ان پر حکومت کرو جبکہ
اُن کے نبی تمہارے علاوہ دوسرے قبیلہ کے
ہوں۔ ہاں البتہ عربوں کو اس قبیلے کی حکومت
تسلیم کرنے میں تامّل نہ ہوگا جس میں نبوت تھی
اور اُسی میں سے ان کے امیر ہونے چاہئیں
اور اس شکل میں اگر عربوں میں سے کوئی اسکی

املکوا علی ایدیکم و لا تسمعوا
مقالة هذا واصحابه فیذهبوا
بنصیبکم من هذا الامر
فان ابوا علیکم ما سألتموه
فاجلوهم عن هذه البلاد
وتولوا علیهم هذه الامور
فانتم والله احق بهذا الامر
منهم فانه باسیافکم دان
لهذا الدین من دان ممن
لم یکن یدین انا جذیلها
المحکك وعذیقها المرجّب
اما والله لئن شئتم لنعیدنها
جذعة فقال عمر اذا یقتلك
الله قال بل ایاك یقتل
فقال ابوعبیدة یا معشر الانصار
انکم اول من نصر وآزر فلا تکونوا
اول من بدل وغیر فقام بشیر
بن سعد ابوالنعمان بن بشیر
فقال یا معشر الانصار انا والله
لئن کنا اولی فضیلة فی جهاد
المشرکین وسابقة فی هذا الدین
ما اردنا به الا رضی ربنا
وطاعة نبینا والکدح لانفسنا

امارت ماننے سے انکار کرے گا تو اس کے مقابلے
میں ہمارے پاس کھلی ہوئی دلیل اور رکھا ہوا
حق ہو گا۔ محمدؐ کی حکومت اور امارت میں کون
ہم سے تنازعہ کر سکتا ہے۔ اُن کے بعد اب، ہم
اُن کے ولی اور خاندان والے اس کے مستحق ہیں۔
صرف جو گمراہ ہو گا۔ گنہگار ہو گا یا ورطۂ ہلاکت میں
گرفتار ہو گا وہی اِس تجویز کی مخالفت کریگا
اور کوئی نہیں کر سکتا۔ حباب ابن المنذر نے
کہا اے گروہ انصار تم اس معاملہ کا خود تصفیہ
کر لو اور ہرگز اس شخص کی اور اس کے ہمراہیوں کی
بات نہ مانو یہ تمہارا حصہ بھی ہضم کرنا چاہتے
ہیں اور اگر یہ لوگ ہماری تجویز نہ مانیں تو ان سب
کو اپنے ان علاقوں سے خارج البلد کر دو اور
تمام امور کی باگ ان کے علی الرغم اپنے ہاتھ
میں لے لو کیونکہ بخدا اس امارت کے سب سے زیادہ تم
ہی مستحق اور اہل ہو۔ تمہاری تلواروں نے ان تمام
لوگوں کو اس دین کا مطیع بنایا ہے جو کبھی مطیع ہونے
والے نہ تھے میں اس تمام کارروائی کے تصفیہ کی
ذمہ داری اپنے سر لیتا ہوں کیونکہ میں اسکا پورا تجربہ
رکھتا ہوں اور اسکا اہل ہوں۔ بخدا اگر تم چاہو تو
میں ابھی کاٹ چھانٹ کر اسکا فیصلہ کر دیتا ہوں
عمر نے کہا کہ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تمہیں ہلاک کر دیگا
حباب نے کہا بلکہ تم مارے جاؤ گے۔ ابوعبیدہ نے کہا

فما ينبغي لنا ان نستطيل على
الناس بذلك ولا نبتغي به
من الدنيا عرضا فان الله
ولى المنة علينا بذلك الا
ان محمدا صلى الله عليه وسلم
من قريش وقومه احق به واولى
وايم الله لا يراني الله انازعهم
هذا الامر ابدا فاتقوا الله و
لا تخالفوهم ولا تنازعوهم
فقال ابوبكر هذا عمر وهذا
ابوعبيدة فايهما شئتم
فبايعوا فقالا لا والله لا نتولى
هذا الامر عليك فانك افضل
المهاجرين وثاني اثنين
اذ هما في الغار وخليفة رسول
الله على الصلوة والصلوة
افضل دين المسلمين فمن
ذا ينبغي له ان يتقدمك او
يتولى هذا الامر عليك ابسط
يدك نبايعك فلما ذهبا
ليبايعاه سبقهما اليه بشير
بن سعد فبايعه فناداه الحباب
بن المنذر يا بشير بن سعد

اے گروہ انصار تم وہ ہو جنہوں نے سب سے پہلے
دین کی حمایت اور نصرت کی ہے۔ اب یہ نہ ہونا
چاہیئے کہ سب سے اوّل تم ہی اس میں تغیر و تبدّل
کرو۔ بشیر ابن سعد ابو النعمان بن بشیر نے کہا
اے گروہ انصار مشرکین سے جہاد اور دین اسلام کی
ابتداء میں خدمت کی جو سعادت ہمیں حاصل
ہوئی اس سے ہمارا مقصد صرف اپنے پروردگار
کی رضامندی اور اپنے نبی کی اطاعت تھی۔
ہم اس سے دُنیاوی فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے
تھے۔ تو اللہ کا ہم پر ہر طرح کا فضل و احسان ہے
سُن لو۔ بیشک محمد صلعم قریش تھے۔ لہذا ان کی قوم
اِس امارت کی زیادہ مُستحق اور اہل ہے اور میں خُدا
کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اُن سے اِس معاملے
میں کبھی تنازعہ نہیں کرونگا۔ اللہ سے ڈرو۔ ان کی
مخالفت نہ کرو۔ اور نہ اس معاملہ میں ان سے تنازعہ
کرو۔ ابوبکر نے کہا یہ عمر اور ابو عبیدہ موجود ہیں
ان میں جسے چاہو امیر بنالو مگر ان دونوں نے کہا کہ
تمہاری موجودگی میں ہم ہرگز اس منصب کو قبول نہ
کریں گے کیونکہ تم مہاجرین میں سب سے بزرگ ہو
غار میں رسول اللہ صلعم کے رفیق رہے ہو اور
نماز کی امامت کے لئے رسول اللہ صلعم کے جانشین
بن چکے ہو اور نماز ہمارے دین کا سب سے بڑا
رُکن ہے اِس لئے تمہارے ہوتے ہوئے کس کو

عققت عقاق ما احوجك الى
ما صنعت انفست على ابن
عمك الامارة فقال لا والله
ولكنى كرهت ان انازع قوما
حقا جعله الله لهم ولما رات
الاوس ما صنع بشير ابن سعد
وما تدعوا اليه قريش وما
تطلب الخزرج من تامير
سعد بن عبادة قال بعضهم
لبعض وفيهم اسيد بن حضير
وكان احد النقباء والله لئن
وليتها الخزرج عليكم مرة
لا زالت لهم عليكم بذلك
الفضيلة لا جعلوا لكم معهم
فيها نصيبا ابدا فقوموا فبايعوا
ابابكر فقاموا اليه فبايعوه فانكسر
على سعد بن عبادة وعلى الخزرج
ما كانوا اجمعوا له من امرهم
قال هشام قال ابو مخنف
فحدثنى ابو بكر بن محمد الخزاعى
ان اسلم اقبلت بجما عتها حتى
تضايق بهم السكك فبايعوا
ابابكر فكان عمر يقول ما هو الا

یہ بات زیبا ہے کہ وہ اس کے لئے تقدیم کرے اور
امارت قبول کرے۔ تم اپنا ہاتھ بیعت کے لئے لاؤ۔
چنانچہ جب عمر اور ابو عبیدہ ان کے ہاتھ پر بیعت
کرنے چلے تو بشیر ابن سعد نے ان سے سبقت کی
اور سب سے پہلے انہوں نے ابو بکر کی بیعت کی
حباب بن المنذر نے للکارا اے بشیر ابن سعد تم نے
اپنی جماعت کی مخالفت میں یہ حرکت کیوں کی
کیا تم کو اپنے عزیز سعد کی امارت پر حسد ہوا
بشیر نے کہا بخدا ہرگز یہ بات نہیں ہے بلکہ میں نے
اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ میں ان لوگوں سے
اس معاملہ میں تنازعہ کروں جس کا اللہ نے ہر طرح
سے ان کو مستحق بنایا ہے۔ جب قبیلۂ اوس نے
دیکھا کہ بشیر ابن سعد نے ابو بکر کی بیعت کر لی
اور وہ اس معاملہ میں قریش کے حامی ہیں اور
خزرج سعد بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں
انہوں نے ایک دوسرے سے کہا جن میں اسید
حضیر اُن کے ایک نقیب بھی تھے۔ کہ اگر
ایک مرتبہ کے لئے بھی خزرج کو امارت مل گئی
تو اس وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے تم سے مرتبہ میں
بڑھ جائیں گے اور وہ پھر کبھی حکومت میں
حصّہ نہ دیں گے۔ لہٰذا ہمارے لئے بہتر یہ ہے
ہم سب ابو بکر کی بیعت کر لیں چنانچہ ان سب نے
کھڑے ہو کر ابو بکر کی بیعت کر لی۔ اس

ان رایت اسلم فأیقنت	سعد بن عبادہ اور خزرج کے تمام منصوبے جو حکومت حاصل
بالنصر قال هشام عن ابی	کرنے کیلئے تھے خاک میں مل گئے۔ ابوبکر بن محمد الخزاعی سے
مخنف قال عبد الله بن	مروی ہے کہ اسکے بعد تمام بنو اسلم جماعت کے ساتھ کہ ان کی
عبد الرحمن فاقبل الناس	کثرت کی وجہ سے راستے پر ہو گئے وہاں آ گئے اور
من کل جانب یبایعون ابابکر	انہوں نے ابوبکر کی بیعت کی عمر کہا کرتے تھے کہ جب
وکادوا یطؤن سعد بن عبادہ	میں نے اسلم کو آتا ہوا دیکھا تو مجھے کامیابی کا یقین ہو گیا
فقال ناس من اصحاب سعد	سابقہ روایت کے سلسلہ سے عبداللہ بن عبدالرحمن سے مروی ہے
اتقوا سعدا لا تطؤه فقال عمر	کہ اب ہر طرف سے لوگ آ آ کر ابوبکر کی بیعت کرنے لگے قریب تھا
اقتلوه قتله الله ثم قام علی	کہ وہ سعد کو روند ڈالتے اس پر سعد کے کسی آدمی نے کہا کہ سعد کو
راسه فقال لقد هممت ان	بچاؤ ان کو نہ روندو۔ عمر نے کہا کہ اللہ اسے ہلاک کرے اسے
اطأك حتی تندر عضوك	قتل کر دو اور خود ان کے سر پر آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا میں چاہتا
فاخذ سعد بلحیة عمر......	ہوں کہ تمہیں روند کر ہلاک کر دوں۔ سعد نے عمر کی داڑھی پکڑ لی...
لما قام الحباب بن المنذر انتضی	جب حباب بن المنذر کھڑے ہوئے تھے تو انہوں نے تلوار
سیفه وقال انا جذیلها المحكك	نکال لی اور کہا کہ میں ابھی اس کا تصفیہ کر دیتا ہوں۔
وعذیقها المرجب انا ابو شبل	میں شیر ہوں اور شیر کی کھوہ میں ہوں اور شیر کا بیٹا ہوں
فی عرینة الاسد یعزی الی	عمر نے اس پر حملہ کیا اور اس کے ہاتھ پر وار کیا تلوار
الاسد فحامله عمر فضرب یده	گر پڑی۔ عمر نے اسے اٹھا لیا اور پھر سعد پر جھپٹے
فندر السیف فاخذه ثم وثب	اور لوگ بھی سعد پر جھپٹے ..... اس وقت
علی سعد ووثبوا علی سعد	عہد جاہلیت کا سا منظر پیش آیا اور تو تو میں میں
وكانت فلتة كفلتات الجاهلية	ہونے لگی۔

تاریخ طبری الجزء ثالث ص ۲۰۰ تا ۲۱۰۔

اردو ترجمہ تاریخ طبری۔ مترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم ایم۔ اے جلد اول حصہ چہارم ص ۳ لغایتہ ۵۔ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔

اس کے بعد علّامہ طبری لکھتے ہیں کہ سعد ابن عبادہ نے نہ ابو بکر کی بیعت کی، نہ نما
جماعت میں شرکت کرتے تھے اور نہ اُن سے بات چیت کی۔ یہ واقعات اِسی طرح
تمام کُتب تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ علّامہ ابن خلدون بھی یہی لکھتے ہیں کہ مہاجرین
میں سے صرف تین آدمی یعنی ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح ہی اُس دن سقیفہ بنی ساع
میں موجود تھے۔ حالات سقیفہ میں عمر و حباب بن المنذر کے تنازعات کو اس طرح لکھ
ہیں۔ ثم بلاحاۃ بین عمر وابن المنذر وابو عبیدۃ یخفضھما۔ یعنی اِس پر عم
اور حباب بن المنذر میں ہاتھا پائی شروع ہوگئی اور ایک دوسرے کو مارنے لگے اور ابو عبی
بن الجراح ان دونوں کو چھڑاتے جاتے تھے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ عمر کی مسند نشینی پر سع
ابن عبادہ شام کی طرف چلے گئے اور وہاں انہیں دو جنوں نے مار ڈالا۔ دیکھو نق
الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبعہ مصر ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ ص ۶۳۔

امام الفقیہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۰ھ ہجری نے اپنی کتاب
السیاست والامامت میں واقعات کو اِسی طرح تحریر کیا ہے۔ انہوں نے بھی
تحریر کیا ہے کہ مہاجرین میں سے صرف ابو بکر، عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح ہی سقیفہ
ہنگامہ میں شامل تھے۔ بشیر ابن سعد انصاری کی جگہ غلطی طباعت سے وہاں قیس
سعد لکھا گیا ہے۔ قیس ابن سعد تو سعد ابن عبادہ کے لڑکے تھے یہ محض تو کتابت
غلطی ہے جیسا ہم نے اپنی کتاب "البلاغ المبین" میں تفصیل سے لکھا ہے۔ بشیر ابن سع
کی غدّاری کی نسبت وہ لکھتے ہیں:-

قال وان بشیر الما رای ما اتفق علیہ قومہ من تامیر سعد بن
عبادۃ قام حسد السعد وکان بشیر من سادات الخزرج۔

یعنی راوی کہتا ہے کہ جب بشیر نے دیکھا کہ تمام قوم سعد بن عبادہ کو امیر بنانے پر متفق ہے
وُہ حسد کی وجہ سے سعد ابن عبادہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور بشیر سرداران خزرج میں سے تھا۔

حضرت زید بن ثابت انصاری بھی اپنے انصار بھائیوں کی طرف سے ٹوٹ کر حضر
عمر کی طرف آ گئے تھے اور انہوں نے سقیفہ کی بحث میں حضرت ابو بکر و حضر

عمر کا ساتھ دیا تھا۔ دیکھو۔ ریاض النضرۃ محب الدین الطبری الجزء الاول ص ۶۶ +

اِن واقعات پر ہم ابھی تبصرہ کرتے ہیں۔ مگر یہ تبصرہ نامکمل ہوگا اگر ہم یہ نہ بتائیں کہ خود وُہ شخص جس کی تدبیر و سیاست کی وجہ سے یہ اجتماع واقعات ہوا تھا حضرت ابو بکر کی بیعت کو کیسا سمجھتا تھا اور یہ ہم اُس کی اپنی زبانی بتاتے ہیں۔ حضرت عمر کو ڈر ہُوا کہ کہیں سقیفہ بنی ساعدہ کی نظیر قائم کرکے لوگ اُس شخص کی بیعت نہ کرلیں جس کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے انہوں نے اب تک اِتنی کوشش کی تھی۔ لہٰذا انہوں نے لوگوں کو ان الفاظ میں روکا۔

انه بلغنی ان قائلاً منکم یقول واللّٰه لومات عمر بایعت فلانا فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتة وتمت الا وانها قد کانت کذلك ولکن اللّٰه وقی شرها ولیس منکم تقطع الاعناق الیه مثل ابی بکر۔ من بایع رجلا من غیر مشورة من المسلمین فلا یبایع هو ولا الذی تابعه تغرة ان یقتلا۔	مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے ایک کہنے والا کہتا ہے کہ بخدا اگر عمر مر جائیگا تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا۔ کسی شخص کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ ابو بکر کی بیعت تو ایک ناگہانی اچانک آفت تھی لیکن وُہ پوری ہوگئی۔ خبردار بیشک ابو بکر کی بیعت ناگہانی آفت تھی لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے شر سے جو اس کا لازمی نتیجہ ہونا چاہئے تھا مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اسی طرح اُٹھتی ہوں جس طرح ابو بکر کی طرف اُٹھتی تھیں آئندہ جو کوئی شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کرلے تو نہ تو اس کی بیعت کی جائے جس کی بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے اور نہ اس بیعت کرنے والے کی پیروی کی جائے ؛

صحیح بخاری باب رجم الحبلی اذا احصنت

تاریخ طبری۔ الجزء الثالث ص ۲۰۰، ۲۱۰ +

ابن حجر مکی: صواعق محرقہ باب الاوّل فصل الاوّل صفحہ ۵

ابن کثیر شامی :۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الخامس ص ۲۴۵ +

ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۲۴ +

امام احمد حنبل : مسند الجزء الاوّل ص ۵۵ ۔

محب الدین الطبری : ریاض النضرۃ الجزء الثانی الفصل الثالث ص ۱۶۴ ۔

ابن ہشام : سیرۃ النبی ۔ الجزء الرابع ص ۳۳۰ ۔

روایت فلتتہ لکھنے کے بعد محب الدین الطبری لفظ فلتتہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں :-

الفلتتہ ۔ ما وقع عاجلاً من غیر تردد ولا تدبیر فی الامر ولا اجتیال فیہ وکذلک کانت بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ کانھم استعجلوا خوف الفتنۃ وانما قال عمر ذلک لان مثلھا من الوقائع العظیمۃ التی لا ینبغی للعقلاء التردی فی عقدھا لعظم المتعلق بھا فلا تبرم فلتۃ من غیر اجتماع اھل العقد والحل من کل قاص ودان لتطیب الانفس ولا تحمل من لم یدع الیھا نفسہ علی المخالفۃ والمنازعۃ وارادۃ الفتنۃ لاسیما اشراف الناس وسادات العرب فلما وقعت بیعۃ ابی بکر علی خلاف ذلک قال عمر ما قال ثم ان اللہ وقی شرھا فان المعھود فی وقوع مثلھا فی الوجود کثرۃ الفتن ووقوع العداوۃ والاحن فلذلک قال عمر وقی اللہ شرھا ۔ محب الدین الطبری : ریاض النضرۃ الجزء الاوّل الفصل الثالث عشر فی خلافۃ ابی بکر ص ۱۶۴

فلتتہ ۔ اس واقعہ کو کہتے ہیں کہ جو بغیر غور و تردد کے یک لخت ہو جائے اور ایسی ہی بیعت ابوبکر کی تھی ۔ کیونکہ ان لوگوں نے فتنہ کے خیال سے جلدی کی تھی اور حضرت عمر نے یہ بات اسی وجہ سے کہی کہ بیعت ابوبکر کی طرح کے واقعات صاحبان عقل و فہم کے لئے جائز نہیں کیونکہ ان کے بہت سے بُرے نتائج نکلتے ہیں ۔ گویا فلتتہ اس کو کہتے ہیں کہ بغیر صاحبان حل و عقد کے اجتماع کے کسی امر کو اس طرح طے کر لیا جائے کہ مخالفت نہ ہو اور اپنی خواہش پوری ہو جائے ۔ پس جب بیعت ابوبکر صاحبان حل و عقد کے مجمع و اجتماع و اجماع کے بغیر ہو گئی تو اسی ہی وجہ سے عمر نے کہا جو کہا اور خدا نے اس کی شر سے بچا لیا ۔ کیونکہ اس طرح بیعت ہونے سے بہت سے فتنوں اور عداوتوں کے پیدا ہونے کا امکان تھا اسی وجہ سے عمر نے کہا کہ خدا نے اس کے شر سے یعنی اس کے بُرے نتیجوں سے بچا لیا ۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے کتاب الشافی میں اِس روایت فلتتہ سے بہت سے نکات غریبہ نکالے ہیں اور نہایت صحیح روایات و واقعات سے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت عمر اپنے ساتھی حضرت ابوبکر کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ان کو احسد القریش یعنی قریش میں سب سے بڑا حاسد کہا کرتے تھے۔ اور سید مرتضیٰؒ کے اس کلام کو علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغۃ الجزء الاوّل ص ۱۲۴، ۱۲۵ پر نقل کیا ہے لیکن ان تمام روایات و واقعات کو علامہ ابن ابی الحدید نے محض اِس وجہ سے ماننے سے انکار کیا ہے کہ حضرت عمر سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کو ایسا سمجھیں۔ یہ بزرگوار تو محض اپنے قیاس سے جو اُن کے عقائد پر مبنی ہوتا ہے۔ واقعات سے انکار یا اُن کی کتر بیونت کرتے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد علامہ ابن ابی الحدید اس روایت فلتتہ کے معنی یہ نکالتے ہیں :-

وانما اراد باللفظ محض حقیقتھا فی اللغۃ ذکر صاحب الصحاح ان الفلتۃ الامر الذی یعمل فجاءۃ من غیر تردد ولا تدبر وھکذا کانت بیعۃ ابی بکر لان الامر لم یکن فیھا شوریٰ بین المسلمین وانما وقع بغتۃ لم تمخض فیھا الآراء ولم یتناظر فیھا الرجال وکانت کالشئی المستلب المنتھب و کان عمر یخاف ان یموت من غیر وصیۃ او یقتل فتلا فیما اجمع احد من المسلمین بغتۃ کبیعۃ ابی بکر شرح نہج البلاغۃ الجزء الاوّل ص ۱۲۷

حضرت عمر نے لفظ فلتتہ سے محض اُس کے لغوی معنی مُراد لئے تھے۔ صاحب صحاح کہتے ہیں کہ فلتتہ وہ امر ہوتا ہے جو اچانک واقع ہو جائے جس کے لئے تردد و تدبیر نہ کی جائے اسی طرح بیعت ابی بکر تھی کیونکہ اُس میں مسلمانوں کے درمیان آپس میں صلاح مشورہ نہیں ہُوا۔ وہ اچانک واقع ہو گئی۔ اُس میں نہ تو لوگوں کی رائیں لی گئیں اور نہ ہی اُس امر میں لوگوں نے غور و فکر کیا۔ حضرت ابوبکر کی بیعت مثل اُس شے کے تھی جو زبردستی سے لُوٹ مار کر کے لے لی گئی ہو۔ حضرت عمر کو ڈر ہُوا کہ انکی موت آ جائے یا وہ اچانک قتل کر دیئے جائیں اور وصیت نہ کر سکیں تو ایسا نہ ہو کہ لوگ کسی سے حضرت ابوبکر کی سی بیعت کر لیں۔

بہت کچھ تاویلیں کیں۔ بہت کچھ سید مرتضےٰ علم الہدیٰ کی بحث کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن بات وہاں کی وہیں آگئی کیونکہ یہ امر واقعہ تھا اس کو کیا کرتے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ایک ناگہانی مصیبت تھی۔ مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر ہوئی تھی مثل اس شے کے تھی جو زبردستی کرکے لوٹ مار میں حاصل ہوتی ہے۔ ایسی بری شے تھی کہ پھر اگر دوبارہ کوئی کرتا تو دونوں واجب القتل ہوتے۔ بیعت کرنے والا بھی اور وہ بھی جس کی بیعت کی جائے۔ کیا حکومتِ الٰہیہ ایسی ہی ہوتی ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ کیا وہ حکومتِ الٰہیہ ہے جو لوٹ مار کی طرح حاصل کی جاوے۔ حضرت عمر کو تو بہت خوف تھا کہ کہیں وصیت کئے بغیر نہ مر جائیں اور پھر ابتری پھیل جائے اور کسی نااہل کی بیعت ہو جائے۔ لیکن جناب رسولؐ خدا کو آپ کی رائے میں یہ خیال نہ تھا۔ جب ہی تو باوجود وقت اور موقعہ اور مہلت ہونے کے خلافت کے متعلق وصیت نہ کی۔ اور اگر جناب رسول خدا بستر مرگ پر یہ وصیت کرنا چاہتے تھے تو حضرت عمر نے بوجہ ہمدردیٔ اسلام آنحضرتؐ کو یہ وصیت کرنے سے باز رکھ کر اسلام کی خدمتِ عظیم کی۔ غالباً حضرت عمر کو ڈر ہوا کہ کسی نااہل کے حق میں وصیت کردیں گے اور پھر اسلام برباد ہو جائے گا غور تو کیجئے آپ کے اعتقادات آپ کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ آپ کے اعتقادات صحیح واقعات پر مبنی نہیں ہیں۔ لہٰذا اعتقادات کی درستی کیجئے۔ واقعات کو توڑنے موڑنے سے کیا فائدہ ؟

جب حضرت ابوبکر کی بیعت فلتۃ ہوئی۔ اور فلتۃ کے یہ معنی ہوئے جو اوپر بیان کئے گئے تو پھر اجماع کہاں رہا جس کا اتنا راگ گایا جاتا ہے۔ یہ بیعت اجماع سے نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ تفرقہ واختلاف کی پیدائش تھی۔ حضرت ابوبکر کی بیعت سے جملہ بنوہاشم، ابوسفیان وجماعتِ کثیر بنوامیہ، زبیر، عتبہ بن ابی لہب، خالد بن سعید بن العاص، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر، عمار یاسر، براء بن عازب، ابی بن کعب، جماعتِ کثیر انصار نے تخلف کیا۔ ابوالفداء نے

ان لوگوں کی نسبت لکھا ہے کہ مالوا مع علی بن ابی طالب یعنی یہ لوگ حضرت علی کی طرف تھے۔ بنو ہاشم کی نسبت مورخ مسعودی اور علامہ طبری نے لکھا ہے لم یبایعہ احد من بنی ہاشم حتی ماتت فاطمہ رضی اللہ عنہا یعنی جناب فاطمہ کی وفات تک کسی بنو ہاشم نے بیعت نہیں کی۔ دیکھو۔ مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب الجزء الثانی ص ۲۲۱۔ تاریخ الطبری الجزء الثالث ص ۲۰۲۔ تاریخ ابی الفداء الجزء الاوّل ص ۱۵۶، شرح نہج البلاغہ الجزء الاوّل ص ۱۳۴،

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں :-

روز دیگر بیعت عام بوقوع پیوست امامقتضائے ایں بیت ؎

زمشرق تابہ مغرب گرامام ست علی و آل او مارا تمام ست

فرقۂ اہل اسلام بآں مہم رضا ندادند۔ گفتند ما باہیچ کس بیعت نہ نمائیم مگر بعلی بن ابی طالبؑ و بنو ہاشم، سلمان فارسی، عمار بن یاسر، مقداد بن الاسود، خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین و ابوذر غفاری و ابوایوب انصاری، جابر بن عبداللہ، ابو سعید الخدری، بریدہ بن اسلمی۔ ازآں جملہ بودند۔ حبیب السیر الجزء الاوّل جلد چہارم ص ۲،

سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات کو نہایت غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے مسلمانوں کے موجودہ تنزّل و ذلّت کے اسباب اور اُن کے تمام سیاسی و قومی عوارض کی جڑ آپ کو اس میں ہی ملے گی۔ ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس کا انعقاد ایک فوری جوش کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ اس معاملہ کی پُخت و پز جو اس جگہ انجام پذیر ہوا سالوں پہلے سے ہو رہی تھی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس مخالف جماعت اور اُس کی کارکردگیوں کا علم اچھی طرح ہو گیا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک آنحضرتؐ یہ کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح ان کی اُمّت کی خواہشات نفسانیہ کی رَو اُسے ظلمت اور ظلم کی طرف نہ لے جائے۔ لیکن آپ کی آخری تجویز کی ناکامیابی اور اس مخالف جماعت کی علانیہ سرکشی نے آپ کو قبل رحلت یقین دلا دیا

کہ یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ اب آخری کام جو آپ نے کیا اور کر سکتے تھے وہ یہ تھا اُمّت کی موجودہ نسل کی حالت تو معلوم ہو گئی۔ لیکن آپ محض اس ہی نسل کے لئے تو مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ آنے والی نسلوں کی ہدایت کا بھی آپ کو خیال تھا یعنی اِس مخالف جماعت کو قوموا عنی کہہ کر اپنی حضوری سے نکال دیا اور آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ یہ جماعت میری جماعت نہیں ہے۔ میں نے اِس کو نکال دیا ہے تم کو چاہیئے کہ ان کے افعال و اقوال کی تقلید و پیروی نہ کرو۔ اور حضرت علی کو صبر کی ہدایت کی کہ یہ لوگ تو اپنی حرکات سے باز نہ آئیں گے اگر تم نے تلوار اُٹھائی تو انہوں نے اِتنی قوت حاصل کر لی ہے کہ فتنہ و فساد عظیم برپا کر دیں گے۔ اب تمہاری ولایت سے انکار کرتے ہیں۔ پھر میری نبوّت سے بھی انکار کرنے لگیں گے اور اِس طرح کی رو پھیلائیں گے جو اسلام کے لئے خطرۂ عظیم کا باعث ہوگی۔ مخالف جماعت اور اُس کے سرداران بھی غافل نہ تھے۔ انہوں نے کوشش کی کہ جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے وقت اُن کی جماعت پوری طاقت کے ساتھ مدینہ میں رہے۔ بیماری کے سنبھالے کو حضرت ابوبکر افاقہ کی کیفیت سمجھ کر اپنی نئی عروس کے پاس محلّہ سُنح میں تشریف لے گئے تھے۔ وہ ابھی وہیں تھے کہ جناب رسولؐ خدا کا اِنتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے اِتنے عرصہ تک لوگوں کو جناب رسولِ خدا کی موت و حیات کے شبہ میں ڈال کر مشغول رکھا کہ حضرت ابوبکر آ گئے واقعات و حالات کا مطالعہ فرمایا۔ اور لوگوں کو آلِ رسولؐ کی محبت و اُلفت کی طرف جانے سے یہ کہہ کر روکا کہ وہ لوگ جو محمدؐ کے لئے رو رہے ہیں اور اُن کے غم میں مبتلا ہیں در اصل اُن کی پرستش کر رہے ہیں۔ اور ان کو ایک ایسے امر کی طرف دعوت دی جو اُن کے لئے نہایت دلچسپ، مرغوب اور اُمید تھا۔ یعنی اپنے میں سے حاکم کا انتخاب۔ اِس اعلان نے جو آنحضرتؐ کے اعلانات سے بہت مختلف بلکہ متضاد تھا اُن کی جماعت کے لوگوں کے دلوں میں خوشی کی دو لہریں دوڑا دیں۔ قبیلۂ بنو ہاشم کی حکومت کے اختتام کا امکان اور اُن

اپنی ہی حکومت کے قیام کی اُمید۔ حضرت عمر نے چاروں طرف کا انتظام کر لیا تھا
اُن کا انصاری دوست انصار کی حرکات و سکنات کی دم دم کی خبریں ان کو پہنچاتا
تھا۔ اُن خبروں نے ان کو یقین دلا دیا تھا کہ انصار کا ہم پر اعتبار نہیں ہے۔
انصار کو علم ہو گیا ہے کہ ہم جانشینِ رسول کا انتظام کر رہے ہیں۔ لہٰذا انصار بھی اس
فکر میں ہیں کہ اپنے میں سے حاکم مقرر کریں۔ لہٰذا حضرت عمر نے رحلتِ رسول کے دن
اپنا خاص جاسوس انصار میں بٹھا دیا جس نے آن کر خاص طور سے محض حضرت عمر کو
اپنے پاس دیوار کی اوٹ میں بُلا کر اطلاع دی کہ اب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں
جمع ہو رہے ہیں۔ یہ حضرت عمر کی انتہائی عقلمندی و دانائی اور سیاسی قابلیت کا
ثبوت ہے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ بجائے اس کے کہ ہم اپنا علیحدہ حاکم
مقرر کریں اور اس طرح انصار کو موقعہ دیں کہ وُہ اپنا حاکم مقرر کریں یہ بہتر ہو گا کہ
ہم خود ان میں جا کر اُن کو اپنے امیدوار کی سیادت قبول کرنے پر آمادہ کریں۔
اس کے لئے ضروری تھا کہ جماعت انصار میں سے چند آدمیوں کو وُہ توڑ کر اپنے
میں ملاتے اور اس کے لئے اُنہیں مصالحہ ڈھونڈھنے کے لئے دُور نہیں جانا پڑا۔
وُہ ہی اوس و خزرج کی پُرانی رقابت۔ اس کو تازہ کرنا کونسی بڑی بات تھی چنانچہ
وُہ بہت سُرعت سے تیز ہو گئی۔ وُہ مُخبر جس نے حضرت عمر کو انصار کی خبر لا کر
دی تھی معن بن عدی انصاری قبیلۂ اوس سے تھا۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید
الجزء الثانی ص ۳۔ راستہ میں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے ہوئے جو دو
اشخاص ملے وُہ عویم بن ساعدہ اور عاصم بن عدی برادر معن بن عدی تھے اور
یہ دونوں قبیلۂ اوس سے تھے۔ علّامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ عویم بن ساعدہ اور
معن بن عدی نے حضرات شیخین کو اُن کے کام میں بہت مدد دی۔ اس کی وجہ یہ
لکھی ہے کہ اُن دونوں کو زمانہ آنحضرتؐ ہی سے حضرت ابو بکر سے بہت محبّت تھی
اور اس کے ساتھ ہی سعد بن عبادہ کا حسد اُن کے دل میں بھرا ہُوا تھا۔ جب
انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد کو لائے کہ ان کی بیعت کریں تو عویم بن ساعدہ

کھڑے ہوئے اور انصار کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ حق قریش کا ہے۔ اور قریش میں حضرت ابو بکر اس کے مستحق ہیں کیونکہ اُن کو آنحضرتؐ نے نماز کے لئے کھڑا کیا تھا۔ یہ سُن کر انصار نے اوس کو نکال دیا اور وُہ دوڑا ہُوا آیا۔ اور راستہ میں ابو بکر و عمر سے ملا۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ الجزء الثانی ص ۷، ۸۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر کی بیعت ہوگئی تو لوگ مسجدِ رسول کی طرف آئے اور شام کو انصار و مہاجرین جمع ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ تو عبدالرحمن بن عوف نے انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ اے معشر انصار اگرچہ تم صاحبانِ فضیلت ہو لیکن تم میں کوئی ابو بکر و عمر، علی و ابو عبیدۃ الجراح کی برابر فضیلت میں نہیں ہے۔ زید بن ارقم نے جواب میں اپنے بہت سے اشخاص صاحبانِ فضیلت کا ذکر کیا اور کہا کہ وانا لنعلم ان ممآ سمیت من قریش من لو طلب ھذا الامر لم ینازعہ فیہ احد علی بن ابی طالبؑ۔

ترجمہ:۔ قریش میں سے جن کا تم نے نام لیا ہے اگر علی بن ابی طالب حکومت کو طلب کرتے تو کوئی علی کی تردید نہ کرتا۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۷ و ۸۔

دیکھئے حق کس طرح آشکارا ہو جاتا ہے۔ یہ وُہ ہی بات ہے جو ہم ابھی کہہ رہے تھے کہ اگر حضرات شیخین کی جماعت حضرت علی کی مخالفت نہ کرتی تو انصار علی کی خلافت سے راضی تھے۔ آگے چل کر ابن ابی الحدید کہتے ہیں:۔

روی الزبیر بن بکار قال روی محمد بن اسحاق ان ابابکر لما بویع افتخرت تیم بن مرۃ قال وکان عامۃ المھاجرین وجل الانصار لا یشکون ان علیا ھو صاحب الامر بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ	محمد بن اسحٰق سے زبیر بن بکار نے روایت کی ہے کہ جب ابو بکر کی بیعت ہوئی تو بنو تیم فخر کرنے لگے۔ راوی کہتا ہے کہ عام مہاجرین اور بڑے بڑے انصار کو مطلقاً اس بات میں شک نہ تھا کہ جناب رسول خدا کے بعد علی والئِ حکومت ہیں۔

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۸۔

دیکھئے۔ حق کس طرح سر چڑھ کر بولا۔ یہ ساری سقیفہ سازی باوجود اس علم و یقین کے کی گئی تھی کہ جناب رسول خدا کے جانشین برحق اور والیِ حکومت حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

آگے چلئے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے چہرۂ سقیفہ سے اچھی نقاب کشائی کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

قال الزبیر و حدثنا محمد بن موسی الانصاری المعروف بابن مخرمہ قال حدثنی ابراھیم بن سعد بن ابراھیم بن عبد الرحمٰن بن عوف الزھری قال لما بویع ابوبکر واستقر امرہ ندم قوم کثیر من الانصار علی بیعتہ ولام بعضھم بعضاً وذکروا علی بن ابی طالب وھتفوا باسمہ وانہ فی دارہ لم یخرج الیھم وجزع لذلک المھاجرون وکثر فی ذلک الکلام وکان اشد قریش علی الانصار نفر منھم وھم سھیل بن عمرو احد بنی عامر بن لوی والحرث بن ھشام وعکرمہ بن ابی جھل المخزومیان و ھولاء اشراف قریش الذین حاربوا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ثم دخلوا فی الاسلام وکلھم موتور

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوگئی اور ان کا کام قرار پکڑ گیا تو انصار میں سے ایک اکثریت ابوبکر کی بیعت کرنے پر نادم ہوئی اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور علی بن ابی طالب کا خیال آیا کہ یہ تو ان کا حق تھا۔ اور ان کے فضائل کا ذکر کرنے لگے اور اس کا افسوس کیا کہ علی اُس وقت وہاں کیوں نہ موجود ہوئے۔ مہاجرین کو انصار کے اِس طرزِ عمل سے غصّہ آیا اور بات بڑھ گئی سب سے زیادہ قریش میں سے چند آدمی انصار کے خلاف تھے۔ یہ سہیل بن عمرو، حرث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے جناب رسولِ خدا کے خلاف جنگ کی تھی اور پھر اسلام میں داخل ہوئے تھے اور یہ سب وہ تھے جن کو انصار سے اذیت پہنچی تھی۔ سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مالک بن وخشم نے قیدی بنایا تھا۔ حرث بن ہشام

قد وترہ الانصار اما سھیل بن عمرو
وفاسرہ مالک بن الدخشم یوم
بدر واما الحرث بن ھشام فضربہ
بہ عروۃ بن عمرو فجرحہ یوم
بدر وھو فار عن اخیہ واما
عکرمہ بن ابی جھل فقتل اباہ
ابناء عفراہ وسلبہ درعہ یوم بدر
زیاد بن لبید وفی انفسھم ذلک
فلما اعتزلت الانصار تجمع ھولاء
فقام سھیل بن عمرو فقال
یا معشر قریش ان ھولاء القوم
قد سماھم اللہ الانصار واثنی
علیھم فی القران فلھم بذلک
حظ عظیم وشان غالب وقد
دعوا الی انفسھم والی علی بن
ابیطالب وعلی فی بیتہ لو شاء
لردھم فادعوھم الی صاحبکم
والی تجدید بیعتہ فان اجابوکم
والا قاتلوھم ...... ثم قام الحرث
بن ھشام فقال..... لیس بیننا
وبینھم معاتبۃ الا السیف....
ثم قام عکرمہ ابن ابی جھل فقال
واللہ لولا قول رسول اللہ صلے

کو جنگ بدر میں عروۃ بن عمرو نے
مجروح کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل کے
باپ کو عفرہ کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا تھا
زیاد بن لبید نے اس کی زرہ اُتار لی تھی
اُن لوگوں کے دلوں میں ان باتوں کا کینہ
بُغض تھا۔ پس جب انصار علیحدہ ہو گئے تو
قریش جمع ہوئے۔ پس سہیل بن عمرو کھڑا ہوا
اور کہا کہ اے قریش بتحقیق خدا نے ان لوگوں کا
نام انصار رکھا ہے اور قرآن میں ان کی
تعریف ہے اسوجہ سے ان کو فضیلت بہت
حاصل ہے اور ان کی قدر و منزلت ہم پر غالب
ہے۔ اس بزرگی سے فائدہ اُٹھا کر یہ لوگوں کو
اپنی طرف اور علی بن ابی طالب کی مدد پر
اُبھارتے ہیں۔ علی اپنے گھر میں ہی بیٹھے رہے اگر
چاہتے تو وہ ان کو واپس بھیجتے (یا ان کی
تردید کر دیتے) لہٰذا اب تم ان کو اپنے ساتھی
ابوبکر کی تجدید بیعت کی دعوت دو۔ اگر وہ
مان لیں تو خیر ورنہ ان سے جنگ کرو....
پھر حرث بن ہشام کھڑا ہوا اور اس نے کہا....
ہمارے اور انصار کے درمیان میں حرف تلوار ہی
سے فیصلہ ہوگا.... پھر عکرمہ بن ابی جہل
کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ واللہ اگر رسولؐ اکرم
یہ قول نہ ہوتا کہ خلافت قریش کا حق ہے

اللہ علیہ وآلہ الائمۃ من قریش ما انکرنا امرۃ الانصار ولکانوا لھا اھلا ولکنہ قول لا شک فیہ ولا خیار .... اعذروا الی القوم فان ابوا فقاتلوھم۔	تو ہم انصار سے انکار نہ کرتے کیونکہ وہ خلافت کے اہل ہیں لیکن رسولؐ خدا کا یہ قول صحیح ہے اس میں شک نہیں اور نہ اب کسی کو اختیار باقی رہا۔ پس انصار سے عذر کرو اور اگر نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو ۔

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ۔ الجزء الثانی ص ۱۰۹ ۔

غور سے اس عبارت کو پڑھیئے۔ جناب رسولؐ خدا سے لڑائیوں کی وجہ سے ان لوگوں کے دِلوں میں کینہ و بُغض باقی رہ گیا تھا۔ حضرت علی کی طرف سے یہ کینہ و بُغض زیادہ ہوگا جو قریش کی شکست کے باعث ہی تھے۔ جنہوں نے ہر ایک قبیلہ کے بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ باوجود ان لوگوں کے اسلام لانے کے وُہ کینہ باقی رہا۔ جس سے فائدہ اُٹھا کر جماعت مخالف نے انہیں حضرت علی کی طرف سے بھڑکا یا اور آخر کار خود حکومت حاصل کر لی۔ دُوسری بات جو عیاں ہے وُہ یہ ہے کہ اِس امر کے اعتراف کے بموجب کہ انصار ان سے افضل ہیں مہاجرین حکومت میں اُن کو حصّہ نہیں دیتے۔ اُن کی مخالفت کرتے ہیں۔ بوقت شوریٰ حضرت عمر نے صاف کہہ دیا کہ انصار کا حصّہ خلافت میں نہیں ہے۔ کیوں۔ یہ جمہوریت کیسی۔ کیا انصار مسلمان نہ تھے۔ وجہ اس عبارت سے ظاہر ہے۔ انصار علی کی طرف تھے اور لوگوں کو علی کی مدد کے لئے اُبھارتے تھے۔ تیسری بات جو نمایاں ہے وُہ یہ ہے کہ مہاجرین کا طرز عمل تفرقہ و فتنہ و فساد کا باعث ہُوا۔ آگے چل کر علاّمہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ جب انصار نے مہاجرین کی یہ باتیں سُنیں تو انہیں بہت بُرا لگا اور انصار کے شعرائے نے مہاجرین کی ہجو کی اور مہاجرین کے شعراء نے اس ہجو کا جواب ہجو میں دیا۔ دیکھیئے عداوت اور تفرقہ بڑھتا جا رہا ہے آگے چل کر لکھتے ہیں۔ قال الزبیر لما اجتمع جمھور الناس لابی بکر اکرمت قریش معن بن عدی وعویم بن ساعدہ وکان لھما فضل قدیم فی الاسلام

فاجتمعت الانصار لهما فى مجلس ودعوهما فلما احضرا اقبلت الانصار عليهما فعيروهما بانطلاقهما الى المهاجرين واكبروا فعلهما فى ذلك

یعنی زبیر کہتا ہے کہ جب لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تو قریش نے معن بن عدی اور عویم بن ساعدہ پر بہت مہربانیاں کیں اور ان کو بزرگی دی۔ یوں بھی اسلام میں ان کو فضیلت تھی۔ پس انصار نے اُن دونوں کے لئے اپنی ایک مجلس قائم کی۔ اُن دونوں کو بھی بلایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انصار نے اُن پر بہت لعن طعن کی۔ مہاجرین کی طرف ٹوٹ کر چلے جانے پر عار دلایا اور اُن کے اس فعل کو بہت ہی بُرا و معیوب سمجھا۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص۱

اب فرقہ بندی شروع ہو گئی۔ مہاجرین میں سے جو حضرت ابو بکر کے دوست تھے وہ خطبے دیتے تھے۔ انصار کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ انصار اس کا جواب دیتے تھے حضرت ابو بکر کی طرف سے ان کے بڑے حامی خالد ابن ولید تھے جو حضرت علی کے دشمن قدیم تھے۔ قال الزبير كان خالد بن الوليد شيعة لابى بكر ومن المنحرفين عن على یعنی زبیر کہتے ہیں کہ خالد بن ولید حضرت ابو بکر کے دوست تھے اور حضرت علی کے دشمنوں میں سے تھے۔ یہ انصار کی حب علی کی وجہ سے بہت مذمت کرتے تھے۔ شرح نہج البلاغہ۔ الجزء الاوّل ص ۹۔ اُن لوگوں کو جو دل سے اسلام کے دشمن تھے لیکن بظاہر اسلام لے آئے تھے بڑا موقعہ ملا۔ وہ دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے سے بھڑکاتے تھے۔ ایک اُن میں سے عمرو بن العاص تھے چنانچہ خالد بن سعید بن العاص نے اُن کے یہ کرتوت دیکھ کر قریش سے کہا:۔

يا معشر قريش ان عمرا دخل فى الاسلام حين لم يجد يدا من الدخول فيه فلما لم يستطع ان يكيده بيده كاده بلسانه وان من كيده الاسلام تفريقه وقطعه بين المهاجرين والانصار۔

اے جماعت قریش عمرو بن العاص اُس وقت اسلام میں داخل ہُوا تھا کہ جب اُس کو سوائے اسکے کوئی چارہ ہی نظر نہ آیا۔ اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد جب اسنے دیکھا کہ اپنے ہاتھ سے اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو اب زبان سے نقصان پہنچانے لگا اور اسلام کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ وہ مہاجرین و انصار

شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی-ص ۱۳- میں تفریق کرا رہا ہے۔

یہ خالد بن سعید بن العاص وُہ تھے جنہوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی تھی اور کہتے تھے کہ لا ابایع الا علیا یعنی مَیں علی کے سوائے کسی اور کی بیعت نہیں کرونگا۔

شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی ص۱۳- پھر علّامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:-

قال الزبیر ثم ان رجالا من سفهاء قریش ومشیری الفتن منهم اجتمعوا الی عمرو بن العاص فقالوا له انك لسان قریش ورجلها فی الجاهلیة والاسلام فلا تدع الانصار وما قالت فاكثروا علیه من ذلك فراح الی المسجد وفیه ناس من قریش وغیرهم فتكلم و قال ان الانصار تری لنفسها ما لیس لها...... ثم التفت فرای الفضل بن العباس بن عبد المطلب وندم علی قوله للخؤلة التی بین ولد عبد المطلب وبین الانصار لان الانصار كانت تعظم علیا وتهتف باسمه حینئذ فقال الفضل یا عمرو انه لیس لنا ان نكتم ما سمعنا منك ولیس لنا ان نجیبك وابو الحسن شاهد بالمدینة الا ان یامرنا فنفعل ثم

زبیر کہتا ہے کہ قریش میں سے چند مُفسد اور ذلیل لوگوں نے عمرو بن العاص کو بھڑکایا اور کہا کہ تُم تو قریش کی زبان اور رہبر ہو جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی۔ تم کو چاہیئے کہ اب انصار کو نہ چھوڑو۔ انہوں نے عمرو بن العاص سے اصرار کیا اور اس سے بھی زیادہ کہا۔ وُہ سب مسجد میں آئے۔ وہاں لوگ جمع تھے۔ عمرو نے کہا۔ (یہاں اس کا خطبہ انصار کے خلاف درج ہے) پھر عمرو بن العاص کی نظر فضل بن العباس پر پڑی تو نادم ہوا کیونکہ انصار اور اولاد عبد المطلب کے درمیان دوستی تھی اور انصار علی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ان کی فضیلت کے مقر تھے۔ پس فضل بن عباس نے عمرو سے کہا کہ اے عمرو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ جو تُو نے کہا ہے اس کو ہم چُھپائیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہم تجھ کو جواب دیں در آنحالیکہ علی مدینہ میں ہوں جب تک وُہ ہمیں حُکم نہ دیں پھر فضل حضرت علی کے پاس گئے اور

رجع الفضل الی علی فحدثہ فغضب وشتم عمراً وقال اذی اللہ ورسولہ ثم قام فاتی المسجد فاجتمع الیہ کثیر من قریش وتکلم مغضبا فقال یا معشر قریش ....

(جب یہ معاملہ سنایا۔ حضرت علی بہت غضبناک ہوئے اور عمرو کو برا بھلا کہا اور فرمایا۔ کہ اس نے خدا و رسول کو ایذا دی۔ پھر آپ مسجد میں آئے اور وہاں غصّہ کی حالت میں لوگوں کو مخاطب کر کے خطبہ ادا کیا (اس کے آگے وُہ خطبہ درج ہے جس میں انصار کی تعریف ہے)

شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۴

علاّمہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے فضل بن عباس سے کہا کہ انصار کی تعریف میں اشعار لکھو۔ انہوں نے اشعار لکھے۔ جب یہ امور انصار کو معلوم ہوئے تو وُہ بہت خوش ہوئے۔ حسان بن ثابت کو انہوں نے مجبور کیا کہ حضرت علی کی تعریف میں قصیدہ لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عمدہ قصیدہ لکھا۔ جس میں حضرت علی کی سبقت اسلامی و دیگر فضائل کا ذکر نہایت عمدگی سے کیا۔ انصار نے یہ قصیدہ حضرت علی کی خدمت میں بھجوایا آپ بہت خوش ہوئے اور پھر مسجد میں تشریف لا کر قریش کو ایک طویل خطبہ میں انصار کی خدمات اسلامی یاد دلا کر ٹھنڈا کرنا چاہا۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۴، ۱۵

قال ابوبکر وحدثنی ابوالحسن علی ابن سلیمان النوفلی قال سمعت ابیا یقول ذکر سعد ابن عبادہ یوما بعد یوم السقیفۃ فذکر امرا من امرہ لسیہ ابوالحسن یوجب ولایتہ فقال لہ ابنہ قیس بن سعد انت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ یقول ہذا

ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری ابوالحسن علی بن سلیمان نوفلی سے روایت کرتے ہیں وُہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سُنا کہ یوم سقیفہ کے بعد ایک دن سعد ابن عبادہ نے حضرت علی کا ذکر کیا اور ان کے ایسے فضائل بیان کئے کہ جن سے ثابت ہوتا تھا کہ خلافت ان کا حق ہے۔ اس پر اس کے بیٹے قیس نے کہا کہ جب تم نے جناب رسول خدا

الکلام فی علی بن ابی طالب ثم
تطلب الخلافة ویقول اصحابك
منا امیر و منکم امیر لا کلمتك
واللہ من راسی بعد ھذا کلمة
ابدا قال ابوبکر وحدثنی ابوالحسن
علی بن سلیمان النوفلی قال حدثنی
ابی قال حدثنی شریك
بن عبداللہ عن اسمعیل بن
خالد عن زید بن علی بن الحسین
عن ابیه عن جدہ قال قال علی
کنت مع الانصار لرسول اللہ
صلی اللہ علیه وآله علی السمع
والطاعة لہ فی المحبوب والمکرہ و
فلما عز الاسلام وکثر اھلہ قال
یا علی زد فیها علی ان تمنعوا رسول
اللہ واھل بیته مما تمنعون منه
انفسکم وذراریکم قال فحملها
علی ظھر القوم فوفی بها من وفی
وھلك من ھلك قلت ھذا
یطابق ما رواہ ابوالفرج الاصفھانی
فی کتاب مقاتل الطالبین۔

شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۸۔

حضرت علی کے متعلق یہ باتیں بیان کرتے ہوئے
سُنا تھا تو پھر تم نے خلافت کیوں طلب کی۔
اور تمہارے ساتھی کیوں کہتے تھے کہ ایک
امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ قسم
بخدا اب میں کبھی تم سے کلام نہ کروں گا۔
اور ابوبکر جوہری نے ایک اور روایت
ابوالحسن علی بن سلیمان نوفلی سے بیان کی
ہے۔ کہتا ہے کہ میرے باپ نے شریک
بن عبداللہ کو حضرت علی سے بسلسلہ اُن کی
اولاد کے یہ روایت کی کہ حضرت علی کہتے ہیں
کہ انصار کو جناب رسول خدا نے حکم
دیا تھا کہ جس کو میں محبوب سمجھوں اُس کو
تم محبوب سمجھو اور جس کو میں بُرا سمجھوں اُس کو تم
بُرا سمجھو۔ جب اسلام کو قوت ہوگئی تو آنحضرتؐ
نے حضرت علی سے فرمایا کہ یا علی اس پر یہ حکم
اور زیادہ کردو کہ وہ رسول اللہ اور ان کے
اہلبیت کی اسی طرح حفاظت کریں اور ان سے
مکروہ باتوں کو اسی طرح دور رکھیں جس طرح
وہ اپنے نفسوں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت
کرتے ہیں اور مکروہ باتوں کو دور رکھتے ہیں۔
چنانچہ ان سے یہ وعدہ لیا گیا۔ پس اس وعدہ
کو پورا کیا اُس نے جس نے پورا کیا اور ہلاک
ہوا وہ جو ہلاک ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت مطابق ہے اُس کے جو ابوالفرج الاصفہانی نے

کتاب مقاتل الطالبین میں لکھا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ سقیفہ والے دن تو بہت سے انصار وجاہت دُنیاوی اور تقلید مہاجرین کی وجہ سے راہ مستقیم سے ڈگمگا گئے۔ اور چند اُن میں سے جماعت مخالفین مہاجرین کی کوششوں سے اور اپنے خانگی حسد وعناد کی وجہ سے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد اُن کی اکثریت ہمیشہ اپنے اِس فعل پر نادم رہی۔ خود سعد ابن عبادہ کے گھر والے سمجھ گئے کہ ہم غلطی پر تھے۔ اگرچہ انصار کے بڑے بڑے آدمیوں کو حکومت نے انعام واکرام اور طرح طرح کے لالچ دے کر اپنی طرف کر لیا۔ اور عرب کی فطرت ہے کہ اپنے سرداروں بغیر کچھ نہیں کرتے۔ لہٰذا معاملہ وہیں رہا جہاں کہ سقیفہ میں قائم ہو گیا۔ حضرت علی کی کوششوں سے مہاجرین وانصار میں ایک گونہ مصالحت ہو گئی لیکن جماعت مخالفین جو اب برسر حکومت آگئی تھی کبھی نہ بھولی کہ انصار نے حضرت ابوبکر کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکایا تھا اور یہ کہ وہ حضرت علی کے طرفدار اور اُن کے مدّاح تھے۔ یہ حضرت علی کی محبّت ہی کا جُرم تھا کہ جس نے انہیں مجلس شوریٰ میں نامزد نہ ہونے دیا اور جس کی وجہ سے حضرت عمر نے کھلے بندوں کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا کوئی حق نہیں ہے۔ سوائے حُبّ علیؑ کے جُرم کے ان کا کیا قصور تھا۔ کیا وہ مسلمان نہ تھے۔ کیا وہ جمہوریت اسلامیہ کے ممبر نہ تھے۔ پھر کیوں خلافت سے اِس طرح نکال دیئے گئے۔ ماسوائے حضرت علی کے سب ممبران شوریٰ سرمایہ داروں کی جماعت میں سے تھے جیسا ہم ذکر شوریٰ میں بیان کریں گے۔ لیکن یہ دولت وثروت صرف مہاجرین میں محدود تھی۔ انصار کو اس سے بہت کم حصّہ دیا گیا تھا اور عمداً ان کو دبا کر رکھا تھا۔ اُس زمانہ کے امراء کی جماعت میں سے کوئی انصار نہیں ہے۔ دیکھو اُردو ترجمہ تمدّنِ اسلام جرجی زیدان حصّہ اوّل ص ۸۵، ۸۶۔ حضرات شیخین کی اس پالیسی پر ان کی جانشین سلطنتوں نے نہایت اچھی طرح عمل کیا۔

ان النعمان بن بشیر الانصاری جاء فی جماعة من الانصار الی معاویه فشکوا الیه فقرهم وقالوا لقد صدق رسول الله صلی الله علیه واله فی قوله لنا ستلقون بعدی اثرة فقد لقیناها قال معاویه فما ذا قال لکم قال لنا فاصبروا حتی تردوا علی الحوض قال فافعلوا ما امرکم به عسا کم تلاقونه غدا عند الحوض کما اخبرکم وحرمهم ولم یعطهم شیئًا۔	نعمان بن بشیر انصار کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت معاویہ کے پاس آئے اور اپنی غربت کی شکایت کی اور کہا کہ جناب رسولخدا نے سچ فرمایا تھا کہ تم میرے بعد بہت مصیبت دیکھو گے۔ پس ہم پر وہ مصیبت آ گئی۔ معاویہ نے پوچھا کہ پھر آنحضرت نے کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ آنحضرت نے کہا کہ تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم محشر کے دن میرے پاس آؤ۔ معاویہ نے طنزاً جواب دیا کہ بس پھر تم صبر کرو تا کہ آنحضرت سے حوض پر ملاقات کرو۔ ان کو محروم واپس کر دیا۔ اور کچھ نہ دیا ۔
شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی صفحہ ۱۳	

دیکھئے انصار سے بے رُخی اور عناد وُہ ہی سُنّت شیخین کی پیروی ہے حباب ابن المنذر نے سقیفہ والے دِن اپنی بحث میں سچ کہا تھا کہ میں دیکھتا ہوں اے انصار تمہارے بچّے ان مہاجروں کے گھروں پر بھیک مانگتے جائیں گے اور بھیک بھی نہیں ملے گی۔ کتاب الامامت والسیاستہ ابن قتیبہ الجزء الاوّل صفحہ ۱ ۔

یہ تھے وُہ جائز جانشین رسول جن کو حضرات شیخین کی پالیسی منصۂ شہود پر لائی تھی۔ حضرت معاویہ نے کس طرح آنحضرت کی پیشین گوئی کی تحقیر و تذلیل کی ہے۔ انصارِ رسول کی یہ قدر رہ گئی تھی ۔

انصار تو جانتے ہی تھے۔ مہاجرین بھی اچھی طرح سے واقف تھے کہ خلافت جناب امیر علیہ السلام کا حق ہے۔ لیکن وجاہت دُنیا نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ باوجود یہ جاننے کے حضرت علی کا حق لینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ جس نہج پر سقیفہ بنی ساعدہ کی ساری کارروائی مرتب کی گئی تھی اُس سے

واضح ہے کہ کارکنان سقیفہ کو حضرت علی کے حق کا علم تھا اور ان کو علیحدہ رکھنے کی غرض بنو ہاشم سے دور عین اس وقت کہ جب وُہ مشغول تھے اور وہاں نہیں آسکتے تھے نہایت عجلت میں کہ اس پر فلتتہ کا لفظ عائد ہوتا ہے۔ یہ کارروائی کی گئی۔ جو مکالمہ ہم نے حضرتِ عمر کا حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس امر خلافت پر لکھا ہے۔ اس میں حضرت عمر نے صاف تسلیم کیا ہے کہ یہ خلافت علی کا حق تھا اور وُہ مظلوم ہیں ٭

ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ سقیفہ سے پہلے سقیفہ سازی کا انتظام کس طرح کیا گیا۔ اور اوس و خزرج کی رقابت سے فائدہ اُٹھا کر ان کو کس طرح توڑ کر اپنی طرف کیا گیا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سقیفہ کی بیعت اسلام کے لئے ایک ناگہانی مصیبت تھی۔ اور جب انصار نے اس پر غور و فکر کیا تو وُہ اپنے کئے پر بہت نادم ہوئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ سقیفہ کے اندر کیا ہوا۔ اور کس طرح یہ بیعت اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ تھی۔ وہاں کے واقعات تو ہم لکھ چکے ہیں۔ اب تو فقط اُن پر غور کرنا باقی ہے۔ صاحبان حکومت کا خیال ہے کہ حضرات شیخین نے اپنے محسن و پیغمبر اعظم کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر خود حکومت حاصل کر کے اسلام کو تفرقہ کی مصیبت سے بچا لیا۔ اور یہ جو کچھ کیا وُہ محض اسلام کی ہمدردی کے لئے کیا۔ ان حضرات نے چند علوم متعارفہ و اصول موضوعہ قائم کر لئے ہیں جن کو مدنظر رکھ کر یہ واقعات کی تاویل کیا کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک اصل موضوعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ اسلام میں جناب رسولِ خدا اور اہل بیتِ رسول سے نہایت اعلیٰ و ارفع تھا اور جتنی ہمدردی اسلام کی حضرت عمر کو تھی اُتنی ہمدردی جناب رسولؐ خدا و علی مرتضیٰ کو نہیں تھی۔ خود حضرت عمر نے کہا تھا کہ جناب رسول خدا تو علی کی محبت میں صراط مستقیم سے علیحدہ ہو کر اُن کے حق میں وصیت لکھوانا چاہتے تھے۔ مَیں نے اسلام کی ہمدردی کی وجہ سے اُن کو روک دیا

جب خود حضرت عمر کا یہ خیال ہو تو اُن کے مقلدین کیوں نہ اُن کی تائید کریں۔ چنانچہ وُہ کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا کو اسلام کی ہمدردی اتنی بھی نہ تھی کہ فتنہ و فساد روکنے کی خاطر اپنا جانشین مقرر کر جاتے۔ لیکن حضرت عمر بوجہ اُس ہمدردی کے جو اُن کو اسلام سے تھی ہمیشہ اپنے جانشین کے خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے۔ تخلف عن جیش اسامہ، قضیۂ قرطاس، مقدمہ فدک، انکار موت رسول ان سب کو بڑے بڑے علماء نے اختلافات لکھا ہے اور کہا ہے کہ ان سے اُمت میں تفرقہ پڑا۔ جیسا کہ ہم آئندہ چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ اختلاف حضرات شیخین نے بوجہ ہمدردیٔ اسلام کیا۔ مقدمہ فدک میں حضرات شیخین کی غلطی کو مانتے ہوئے علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرات شیخین نے جو کچھ کیا وُہ اسلام کے فائدہ کے لئے کیا اور ان کی نیت نیک تھی۔ دیکھو۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۲۰۔ یہ اختلاف کس سے تھا۔ جناب رسولؐ خدا، علی مرتضیٰ اور جناب فاطمہ وحسنین علیہم السلام سے۔ بدیہی نتیجہ نکلا، اس میں کسی باریک منطق کی ضرورت نہیں ہے، کہ جن سے جناب عمر کو اختلاف تھا یعنی جناب رسولخدا اور علی مرتضیٰ و جناب فاطمہ وحسنین علیہم السلام اُن سب میں اسلام کی ہمدردی اتنی نہ تھی جتنی حضرت عمر میں تھی۔ اختلاف تھا بوجہ زیادتی ہمدردی کے۔ اگر درجہ ہمدردی ایک ہوتا تو اختلاف کہاں سے ہوتا۔ جب ہم تحریف اسلام کی بحث کریں گے تو ثابت کریں گے کہ حضرت عمر بتدریج جناب رسولؐ خدا کے اصول اسلام و فقہ کو اپنے ایجاد کردہ اصول و فقہ سے بدلتے رہے یہاں تک کہ اکثریت اُمت میں جو اسلام پھیلا وُہ وُہ اسلام تھا جس کو ترمیم و تنسیخ کر کے حضرت عمر نے مرتب کیا۔ اور اُن کے پیروان حضرت عمر کے فقہ کو جناب رسول خدا کے فقہ سے بدرجہا بہتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بقول علامہ شبلی حضرت عمر کے فقہ میں ترقی زمانہ کے دوش بدوش چلنے کی قابلیت ہے۔ اور جناب رسولؐ خدا کے فقہ میں یہ قابلیت

نہیں تھی۔ غرضکہ یہ لوگ حضرت عمر کو بہتر و افضل سمجھ کر حضرت عمر کے ہر فعل کو اسلام کے لئے مفید ہونے کے قیاس پر اپنی بحث کو قائم کرتے ہیں۔ اور اس ہی اصول کی بناء پر یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر حضرات شیخین اس طرح حکومت خود نہ حاصل کر لیتے تو اسلام برباد ہو جاتا اور اس میں تفرقہ پڑ جاتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا یہ قیاس کہاں تک واقعات کے مطابق ہے۔ واقعات سقیفہ پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:-

(۱) اس مخالف جماعت کا ایک ایک قدم اختلاف، فساد اور تفرقہ پر مبنی تھا۔ مسجد نبوی کو چھوڑا۔ آنحضرتؐ کی جائے رہائش کو چھوڑا۔ علیحدہ سقیفہ میں بیٹھ کر یہ خلیفہ سازی بلکہ سقیفہ سازی شروع کر دی۔ اصلی جماعت رسولؐ جو تھی اس کو تو ایسے وقت میں جناب رسولؐ خدا کے جسد اطہر کے پاس ہونا چاہئیے تھا اور وہ جماعت وہاں تھی۔ یہ جماعت متخلفین، تفرقہ پیدا کرنے والی جماعت، توہم اعنی والی جماعت اپنے منصوبوں کے جوڑ توڑ میں سقیفہ میں علیحدہ بیٹھی ہے۔ تفرقہ ڈالنے والا کون ہوا۔ یہ جماعت ہی ہوئی۔ سقیفہ کیسی جگہ تھی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ وہ مشورہ ہائے باطل کی جگہ تھی۔ کس خاموشی کے ساتھ قدرت نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک باطل کے فروغ دینے کی سازش تھی جس میں سخنان بیہودہ و مشورہ ہائے باطل کے بعد امر باطل کی بنیاد رکھی گئی اور امّت میں تفرقہ پیدا کیا گیا۔

(۲) سقیفہ بنی ساعدہ کی حکومت امّت اسلامیہ کے تفرقہ و تفریق و تقسیم پر مبنی تھی۔ یہ تفرقہ عمداً پیدا کیا گیا تا کہ یہ حکومت قائم کی جاوے۔ اگر یہ تفرقہ پیدا نہ کیا جاتا تو جناب رسولؐ خدا کا مجوزہ نظام تمام امّت اسلامیہ کے لئے ایک نظام ہوتا۔ اور یہ جماعت مخالفین کو منظور نہ تھا لہذا اس اتحاد کو بستر مرگ رسولؐ پر توڑ دیا اور حسبُنا کتاب اللہ اور انّ الرجل لیہجر کہہ کر اس متحدہ جماعت میں سے ایک حصّہ توڑ لیا۔ جناب رسولؐ خدا نے بھی فوراً قوموا عنی کہہ کر

اُس جماعت کی علیحدگی کو روزِ قیامت تک نمایاں کر دیا۔ آگے چلئے سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہُوا۔ اُمّتِ اسلامیہ سے علیحدہ کٹ کر یہاں آئے اور یہاں فوراً تفرقہ و تفریق کی بُنیاد پر اپنی عمارت بنانی شروع کر دی۔ مخالفین علی نے فوراً اُمّتِ اسلامیہ کو دو جماعتوں اور فرقوں پر تقسیم کر دیا۔ مہاجرین اور انصار۔ اور بحث کا رُخ فوراً اِس طرف کر دیا کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہو یا انصار میں سے۔ اگر ان کا وہ مدعا نہ ہوتا جو ہم نے بیان کیا ہے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی نہایت عمدہ اور عاقلانہ عادلانہ تقریر یہ ہوتی کہ اُمّتِ اسلامیہ کو دو گروہوں میں تقسیم نہ کیا جائے دو گروہ تصوّر کرنے سے آئندہ کے لئے موجب فساد و باعثِ تفرقہ باقی رہ جائیگا اُمّتِ اسلامیہ متحدّہ جماعت ہے۔ اس میں کا بہترین اور افضل ترین شخص خلیفہ مقرّر کر لو۔ خواہ مہاجرین میں ہو۔ خواہ انصار میں۔ خواہ کسی قبیلہ میں ہو لیکن چونکہ اِس معیار پر حضرت علیؑ کے سوا کوئی اور پُورا نہ اُترتا اور یہ منظور نہ تھا لہٰذا اُمّتِ اسلامیہ کے دو ٹکڑے کر دئے۔ اور اب چونکہ مہاجرین میں سے یہاں سوائے ان تین کے اور کوئی موجود نہ تھا اس لئے ان میں ہی کا ایک مقرّر ہونا تھا اور وُہ ہُوا ۔

(۳) چونکہ انکی ہستی کا دار و مدار تفرقہ پر تھا لہٰذا جماعتِ مخالفین نے خود بنو ہاشم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ والی بیعت بوجہ عدم موجودگی صاحبان حل و عقد خصوصاً بنو ہاشم ناقص و مہمل ہے تو انہوں نے ایک سیاسی چال چلی جو ان کو مغیرہ ابن شعبہ نے بتائی تھی۔ ذیل کی عبارت ترجمہ ہے اُس اصل عربی عبارت کا جو کتُب تواریخ میں موجود ہے:۔

پھر مغیرہ بن شعبہ حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو بکر یہ بہتر ہوگا کہ تم عباس سے ملو اور اس کو اس امر خلافت میں حصہ دینا کر لو جو اُس کے اور اُس کی اولاد کے لئے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دونوں (ابو بکر و عمر) کو علی و بنو ہاشم پر حُجّت ہو جائے گی۔ جب عباس تمہارے ساتھ محکم ہونگے

پس (وہ تینوں حصہ داران خلافت) ابو بکر، عمر، وابو عبیدۃ بن الجراح مل کر عباس کے پاس آئے۔ حضرت ابو بکر نے بعد حمدِ الہٰی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلعم کو نبی اور مومنین کے لئے حاکم مقرر کیا۔ پس خداوند تعالیٰ نے اُن پر نعمتیں نازل کیں۔ یہاں تک کہ اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا پس آنحضرتؐ نے اس امر خلافت کو لوگوں کے لئے چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے لئے اختیار کریں جو قرین مصلحت ہو (گویا رسولؐ خدا تو اس مصلحت سے واقف ہی نہ تھے) اور آپس میں متفق رہیں اور اختلاف نہ کریں۔ (اگر جناب رسولؐ خدا مقرر کر دیتے تو اصحاب کے لئے اختلاف کرنا ضروری تھا) پس ان لوگوں نے مجھ کو اپنا حاکم و راعی مقرر کر لیا۔ ہمیشہ مجھے خبریں پہنچتی ہیں کہ چند طعنہ زن اس امر کے خلاف باتیں کرتے ہیں جس پر عام مسلمانوں کا اجتماع ہو گیا ہے۔ اور یہ طعنہ کرنے والے تم لوگوں (بنو ہاشم) کو اپنی آڑ بنا لیتے ہیں۔ پس تم اس میں زیادتی کرنے سے ڈرو۔ یا تو تم اس امر میں شامل ہو جاؤ جس میں عام مسلمان شامل ہوئے ہیں یا طعنہ زن لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دو۔ بہ تحقیق ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارا ارادہ ہے کہ تمہارے لئے اِس امر خلافت میں سے کچھ حصہ دیدیں جو صرف تمہارے لئے اور تمہارے بعد تمہاری اولاد کے لئے ہو۔ کیونکہ تم رسولِ خدا کے چچا ہو۔ اور اگرچہ لوگ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی منزلت سے واقف ہیں پھر بھی یہ امر خلافت اُنھوں نے تم کو نہ دیا۔ کیونکہ رسولِ خدا تم میں سے ہیں اور ہم میں سے ہیں (اس کے بعد حضرت عمر نے اس طرح سیاسی چھپکا مارا) خدا کی قسم ہم تمہارے پاس اس لئے نہیں آئے کہ ہمیں تم سے کوئی حاجت ہے بلکہ ہم کو یہ بُرا معلوم ہوا کہ لوگ تم پر طعنہ کریں اُس امر کے متعلق کہ جس میں تمام مسلمان شامل ہو گئے ہیں پس تم اپنی اور اپنے عام لوگوں کی بھلائی پر نظر رکھو۔

عباس صاحب فراست تھے اس چال کو تاڑ گئے اور مندرجہ ذیل دنداں شکن جواب دیا:۔

اگر تم نے رسول خدا کے ذریعہ توسّل کی وجہ سے خلافت لی ہے تو ہمارا حق غصب کیا ہے۔ اور اگر مومنین کی وجہ سے خلافت حاصل کی ہے تو ہم مومنین میں سب سے زیادہ مقدم ہیں۔ اگر تمہارا دعوےٰ ہے کہ یہ امر خلافت مومنین کی وجہ سے تمہارے لئے جائز ہوا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہم اس سے راضی نہیں۔ اور یہ جو خلافت کا حصہ آپ ہمیں بخشنا چاہتے ہیں تو بات یہ ہے کہ اگر یہ تمہارا حق ہے تو اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور اگر یہ مومنین کا حق ہے تو تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم اس کو اس طرح تقسیم کرتے پھرو۔ اور اگر یہ ہمارا حق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ خلافت کا فقط ایک ہی حصہ لیں۔ ساری خلافت ہمارا حق ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ رسولؐ خدا ہم میں سے بھی ہیں اور تم میں سے بھی تو امر واقعہ یہ ہے کہ رسولؐ خدا اُس درخت میں سے ہیں جس کی ہم تو شاخیں ہیں اور تم فقط نزدیک کی اُگی ہوئی چراگاہ ہو۔

ابن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست الجزء الاوّل ص ۱۵۔

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الاوّل ص ۷۴، ۱۳۲۔

حُکّام سقیفہ کی وجہ ہست و بود ہی تفرقہ وافتراق تھا۔ بنو ہاشم میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش اِس طرح کی تھی۔ عام مسلمانوں کو جناب رسولؐ خدا کی جماعت میں سے توڑ کر اپنی طرف ملانے کے لئے رشوت کا ایک نہایت طویل جال پھیلا دیا۔ ملاحظہ ہو:۔

فلما اجتمع الناس علی ابی بکر قسم بین الناس قسماً فبعث الی عجوز من بنی عدی بن النجار بقسمها مع زید ابن ثابت فقالت ما هذا	جب لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تو ابو بکر نے لوگوں میں مال تقسیم کرنا شروع کیا۔ زید بن ثابت کے ہاتھ بنی عدی بن النجار کی ایک ضعیفہ کے پاس اسکا حصّہ بھجوا دیا۔ اُس

فقال قسم قسمہ ابو بکر للنساء	عورت نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ زید ابن ثابت
فقالت اتراشونی عن دینی	نے کہا کہ ابو بکر نے عورتوں میں مال تقسیم کیا ہے
قالت لا اخذ منہ شیئاً ابدا۔	اور یہ تیرا حصّہ دے کر مجھے بھیجا ہے۔ اُس ضعیفہ نے
ابن سعد: طبقات الکبریٰ ق اج ۳ ص ۱۲۹۔	کہا کہ کیا تم مجھ کو رشوت دے کر میرے دین
ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ	سے ہٹاتے ہو..... قسم بخدا میں قیامت تک
الجزء الاوّل ص ۱۳۳ +	ذرا سا بھی نہ لوں گی +

(۴) دُوسرا امر جو نہایت صاف اور واضح طور پر نمایاں ہے وُہ یہ ہے کہ باوجود اِس کوشش بسیار کے اس جماعتِ مخالفین کی کامیابی کا باعث محض انصار کا آپس کا عناد و حسد ہوا۔ انصاری جاسُوسوں کی مدد سے جماعت مخالفین علی نے اپنی تجویزوں اور کوششوں کی تشکیل و تنظیم کی اور اُنہوں ہی نے عین وقت پر آن کر اطّلاع دی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع شروع ہو گیا ہے۔ سب سے بڑی خدمت جو اپنی جماعت سے ٹُوٹتے ہوئے انصار نے مدعیان خلافت کی کی وُہ یہ تھی کہ ابھی بحث جاری ہی تھی کہ کس جماعت میں سے خلیفہ ہو انہوں نے جھٹ دوڑ کر ہاتھ حضرت ابو بکر کا پکڑ لیا۔ اِس ایک فعل نے ساری بحثوں کو ختم کر دیا۔ اور جاننے والوں نے فوراً کہہ دیا کہ بشیر ابن سعد نے یہ فعل حسد کی وجہ سے کیا۔ گویا اس حکومتِ سقیفہ کے دو پیر جن پر یہ کھڑی ہوئی افتراق و حسد تھے +

(۵) لیکن جور کے لئے جبر کی ضرورت ہے اور ظُلم کے لئے طاقت کی۔ جماعت مخالفین علی نے اِس ضرورت کو بھی پُورا کر لیا۔ اور ایک مسلّح جماعت اپنے حامیوں کی سقیفہ میں عین وقت پر بُلا لی +

ولما رأت الاوس ما صنع بشیر	جب اوس نے دیکھا کہ بشیر ابن سعد نے ابو بکر
ابن سعد وما تدعوا الیہ قریش	کی بیعت کر لی اور یہ دیکھا کہ قریش جو وہاں
وما تطلب الخزرج من تامیر سعد	موجود تھے یہی چاہتے تھے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ

ابن عبادہ قال بعضھم لبعض و	خزرج سعد ابن عبادہ کو امیر بنانے کی کوشش
فیھم اسید بن حضیر و کان	کر رہے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے
احد النقباء و اللہ لئن ولیتھا	اور ان کہنے والوں میں اسید بن حضیر ایک
الخزرج علیکم مرۃ لا زالت	تھا جو انصار کے نقباء میں سے تھا کہ قسم بخدا اگر
لھم علیکم بذالک الفضیلۃ و	خزرج کو ایک دفعہ تم پر حکومت مل گئی تو
لا جعلوا لکم معھم فیھا نصیباً	وہ ہمیشہ تم پر حاکم رہیں گے۔ تمہیں اس میں
ابداً فقوموا فبایعوا ابابکر فقاموا	سے ذرا سا بھی حصہ نہ دیں گے۔ پس اٹھو
الیہ فبایعوہ فانکسر علی سعد بن	اور ابو بکر کی بیعت کر لو۔ پس وہ اٹھے اور
عبادہ و علی الخزرج ما کانوا	ابو بکر کی بیعت کر لی تو جو کچھ خزرج اور
اجمعوا لہ من امرھم قال	سعد بن عبادہ نے کیا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا
ھشام قال ابو مخنف فحدثنی	ہشام ابو مخنف سے روایت بیان کرتا ہے
ابوبکر بن محمد الخزاعی ان اسلم	کہ اس وقت بنو اسلم اتنی کثیر تعداد
اقبلت بجماعتھا حتی تضایق	میں سقیفہ میں آ گئے کہ گلی کوچوں کی
بھم السکک فبایعوا ابابکر فکان	راہیں بند ہو گئیں اور انہوں نے ابو بکر کی
عمر یقول ما ھو الا ان رایت	بیعت کر لی۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے
اسلم فایقنت بالنصر۔	کہ جب بنو اسلم آ گئے تو مجھے اپنی فتح کا
تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۰۹/۲۱۰ ؎	یقین ہو گیا ؎

(۶) یہ نہایت عاقلانہ اور زیرکانہ تجویز تھی کہ حضرت عمر صرف امیدواران خلافت ہی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بحث تو فرقہ وارانہ تھی۔ مہاجرین یہ فقط تین ہی موجود تھے۔ جس کو یہ پیش کریں گے وہ ہی خلیفہ ہو جائے گا۔ اگر زیادہ آدمی مہاجرین میں سے ہوتے تو کوئی کچھ بولتا۔ کوئی کچھ کہتا۔ کوئی دیگر نام پیش کرتا۔ فضیلت کے اوپر بحث چھڑ جاتی تو پھر کہیں نہ تھے۔ ممکن ہے ان کو آمادہ دیکھ کر کوئی اور سربرآوردہ مہاجرین میں سے آمادہ ہو جاتا۔

ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص یہ ایسے لوگ تھے کہ اس وقت تو بنی تیم میں خلافت نہ جانے دیتے۔ اور کسی اور آدمی کا نام پیش کرتے۔ یہ ساری باتیں مشکل پیدا کرنے والی تھیں۔ اور بہت ممکن تھا کہ اپنا آدمی نہ ہوتا۔ یہ فقط ہماری رائے نہیں ہے۔ جماعت حکومت کے محدثین و علماء بھی یہی کہتے ہیں ؛

ولم یحضر معہ فی السقیفۃ من قریش غیر عمر وابی عبیدۃ فلذلک دل علیھما ولم یمکنہ ذکر غیرھما ممن کان غائبا خشیۃ ان ینفرقوا عن ذلک المجلس من غیر ابرام امر واحکامہ فیفوت المقصود ولو وعدوا بالطاعۃ لمن غاب منھم حینئذ ما امنھم علی تسویل انفسھم الی الرجوع عن ذلک فکان من النظر السدید والامر الرشید مبادرۃ عقد البیعۃ والتوثق منھم فیھا حالۃ الراھنۃ۔

ریاض النضرۃ محب الدین الطبری الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثالث عشر فی خلافت ابی بکر ص ۱۶۵ ؛

حضرت ابوبکر کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش میں سے سوائے عمر و ابو عبیدہ کے اور کوئی نہ تھا اور اس ہی وجہ سے ابوبکر نے بیعت کے لئے صرف ان دونوں ہی کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کا بھی ذکر کرتے جو وہاں موجود نہ تھا۔ ڈر یہ تھا کہ اگر لوگ اس مجلس سے بغیر کسی کی بیعت کئے ہوئے متفرق ہو گئے تو اپنا مقصد فوت ہو جائیگا۔ اور اگر وہ کسی غائب شخص کی بیعت کا اقرار بھی کر لیتے تو بہت ممکن تھا کہ بعد میں وہ اس سے پھر جاتے لہذا صائب رائے اور امر نیک یہی تھا کہ اس میں جلدی کی جائے اور فوراً بیعت لے لیجائے اور ان کے وعدہ کی توثیق اسی وقت موقعہ پر کر لی جاوے ؛

محب الدین طبری کی یہ بحث اس امر کی معذرت پیش کرتی ہے کہ حضرت علی کا نام باوجود اُن کے افضل اور خلافت کے بہترین حق دار ہونے کے وہاں حضرت ابوبکر نے خلافت کے واسطے کیوں نہ پیش کیا۔ لائق مؤلف کی بحث ہے

کہ وُہ تینوں حضرات جو محض ایک دُوسرے کو خلافت کے لئے پیش کر رہے تھے
اُن کی کسی خاص فضیلت کی وجہ سے نہ تھا ۔ بلکہ موقعہ کی نازک حالت کی وجہ سے
تھا ۔ اپنا خاص مقصد و مطلب پُورا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تھا ۔ بیعت ابوبکر
عجلت میں نازک حالات کے اندر ہوگئی ۔ لوگوں کو موقعہ نہ ملا کہ اپنی عقل و رائے
کو کام میں لاتے اور مستحق خلافت کو منتخب کرکے اُس کو رائے دیتے ۔ یہ عُذر
ہماری بہت سی بحثوں کی تائید کرتا ہے ورنہ بذات خود کچھ معقول نہیں اگر
نیّت صاف تھی تو حضرت علی کو کیوں نہ ساتھ لے گئے ۔ اُن کو اطّلاع تو دیتے
وُہ اگر خود نہ جا سکتے تو اپنی طرف سے کسی کو بھیج دیتے وُہ ہی اُن کی طرف سے
بیعت لے لیتا ۔ خیر اس کو جانے دیجئے ۔ اِس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے
کہ حالات ایسے تھے کہ مہاجرین میں سے جو حضرات وہاں موجود تھے صرف اُن کا
ہی ذِکر آسکتا تھا ۔ چُونکہ یہ تین وہاں تھے لہٰذا چوتھے کا ذکر نہیں آسکتا تھا ۔
اس سے ہمارے دُو دعووں کی تائید ہوتی ہے ۔ ایک تو یہ کہ حضرت علی کے
ذِکر کو وہاں آنے سے روکنے کے لئے ہی ان واقعات کو اِس طرح مرتب کیا
گیا تھا ۔ دُوسرے یہ کہ عمداً صرف تین ہی آدمی وہاں گئے جو اُمیدواران خلافت
تھے ۔ تاکہ مہاجرین میں سے کسی اور کے ذِکر آنے کا امکان نہ باقی رہے ؛

(۷) سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر نے جو آخری بحث کی تھی اُس میں
انصار سے صاف وصریح وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری صلاح ومشورہ کے بغیر
کوئی کام نہ کریں گے اور تم ہمارے وزیر ہوگے ۔ تاریخ جاننے والے حضرات
بتائیں تو سہی کہ حضرت ابوبکر نے یہ وعدہ پُورا کیا ۔ ہرگز نہیں ۔ اُن کے
وزیر و مشیر و صلاح کار تو حضرت عمر تھے اور حضرت عمر ایسے خود سر تھے
کہ اُنھیں کسی مشیر کی ضرورت ہی نہ تھی ۔ ہاں جب ناواقفیت کی وجہ سے مجبور
ہو جاتے تھے تو پھر صاحبانِ علم کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ۔ لیکن انتظامی
معاملات میں مشورہ کا کام کیا ۔ اپنے وعدوں کو پُورا نہ کرنے والوں کا ذِکر

قرآن شریف میں اس طرح کیا گیا ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْن۔ کَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْن۔ ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ خدا کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہ کرو۔ جب یہ آیات نازل ہوئی تھیں تو کیا خبر تھی کہ یہ اُن پر حادی ہونگی جو حکومتِ الٰہیہ کی سرداری کے دعویدار ہونگے

غرضکہ صاف عیاں ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کامیابی محض افتراق و تفرقہ پر مبنی تھی اور اُس سے جو نتائج نکلے انہوں نے اس تفرقہ کو اور زیادہ گہرا اور کئی شاخوں میں تقسیم کر دیا ۔

ساتویں تدبیر۔ حضرت علیؑ سے بیعت لینے کی کوشش کرنا اور قصدِ احراق بیتِ فاطمہ

جماعتِ مخالفین کی سیاست کا لب لباب یہ تھا کہ آلِ رسول کو اس قدر لوگوں کی نظروں میں گرایا جائے کہ پھر کبھی کسی کو خیال بھی نہ آوے کہ ان میں سے کسی کو حاکم بنائیں۔ اور آل رسول کو اتنا کمزور کیا جاوے کہ ان میں اُٹھنے کی طاقت نہ رہے۔ سعد ابن عبادہ ان کے براہِ راست حریف تھے اور انہوں نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ میں کبھی تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ لیکن بشیر ابن سعد کی صلاح پر انہیں چھوڑ دیا گیا اور ان سے تعرض نہ کیا اور نہ انہوں نے بیعت کی۔ برخلاف اس کے حضرت علی نے تو ابھی تک مُنہ در مُنہ مخالفت بھی نہیں کی تھی۔ صرف اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ لیکن اس پر بھی اُن کو چین سے نہ بیٹھے رہنے دیا۔ اور اُن سے جبراً بیعت لینے کی کوشش کی گئی۔ غور کرنے کی بات ہے۔ سعد ابن عبادہ اور حضرت علیؑ سے ایسا مختلف رویہ کیوں اختیار کیا گیا۔ وجہ ظاہر ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ جانشین مقرر کر دیا تھا لہٰذا وہ لوگ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں برسرِ اقتدار آئے

ساتویں تدبیر حضرت علی سے بیعت لینے کی کوشش کرنا اور قصد احراق بیت فاطمہ

۱۶ ابن قتیبہ:۔ کتاب الامامت والسیاست ۔

تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۱۰ ۔

حضرت علی کی طرف سے زیادہ خطرہ محسوس کرتے تھے۔ یہ مختلف طرز عمل ہی نہایت
زبردہ ثبوت ہے اِس بات کا کہ حضرت علی آنحضرتؐ کے مقرّر شُدہ خلیفہ تھے۔ ورنہ
اب تک بظاہر تو زیادہ مخالفت سعد ابن عبادہ کی طرف سے ظاہر ہوئی تھی۔
اگر حضرت علی آنحضرتؐ کے مقرّر شُدہ خلیفہ نہ تھے اور وُہ حضرت ابو بکر کو مستحق
خلافت سمجھتے تھے جیسا کہ اب بیان کیا جاتا ہے تو حضرت علی سے اس اصرار
اور سختی سے کیوں بیعت لی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم ابن قتیبہ کی کتاب الامامت
والسیاست کی عربی عبارت کا اُردو ترجمہ نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ
حضرت علی سے کس طرح بیعت لینے کی کوشش کی گئی۔ یہ لکھنے کے بعد کہ تمام
بنو ہاشم حضرت علی کے گرد جمع ہو گئے اور حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی یہ تمام
اور دیگر متخلفین مسجدِ رسولؐ میں جمع ہو گئے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں :-

"جب یہ سب متخلفین مسجد میں جمع ہوئے تو ابو بکر، عمر و ابو عبیدۃ بن الجراح
ان کے پاس آئے جبکہ ابو بکر کی بیعت ہو چکی تھی۔ عمر نے ان سے کہا کہ میں
تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں۔ اُٹھو اور ابو بکر کی بیعت کرو۔ میں نے اور
انصار نے اُس کی بیعت کر لی ہے۔ اس پر عثمان بن عفان اور تمام بنو امیہ نے
اُس کی بیعت کر لی۔ اور پھر سعد و عبد الرحمٰن اور ان کے ساتھی اُٹھے
اور اُنہوں نے بھی بیعت کر لی۔ لیکن حضرت علی و عباس اور جو بنو ہاشم
اُن کے ساتھ تھے وُہ بغیر بیعت کئے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اُن کے
ساتھ زبیر بن العوام بھی چلے گئے۔ پس اُن کی طرف حضرت عمر معہ ایک
جماعت کے جن میں اسید بن حضیر اور سلمہ بن اشیم تھے گئے اور کہا کہ چلو
ابو بکر کی بیعت کرو۔ انہوں نے انکار کیا۔ زبیر بن العوام تلوار لے کر نکلے حضرت
عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی کو پکڑ لو۔ پس ان لوگوں نے زبیر کو پکڑ لیا
سلمہ بن اشیم نے اُچھل کر تلوار چھین لی اور دیوار سے دے مارا اور زبیر کو پکڑ کر لے گئے
اس حالت میں اُس نے بیعت کر لی اور اسی طرح بنو ہاشم نے بھی ماسوائے

علی کے بیعت کر لی۔ پھر حضرت علی کو پکڑ کر حضرت ابو بکر کے پاس لائے
حضرت علی کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ ہوں اور رسول کا بھائی
ہوں۔ اُن سے کہا گیا کہ ابو بکر کی بیعت کرو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ
بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تم سے ہرگز بیعت نہ کروں گا
تم کو چاہیئے کہ مجھ سے بیعت کر لو۔ تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل و
حجت کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول خدا سے قرابت ہے جو انصار کو حاصل نہ
تھی اور اب ہم اہل بیت سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو۔ کیا
تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے اُن کی نسبت
زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد تم میں سے تھے۔ اس دلیل کو مان کر انہوں نے
یہ امر تمہاری سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دیدی۔ اب میں تم پر وہی
حجت قائم کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسول خدا
کے ان کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم محمد اور اسلام
پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر
کر رہے ہو۔ عمر نے کہا کہ ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے جب تک تم بیعت نہ
کر لو گے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ وہ نفع تو حاصل کرلے جس میں تیرا
ہی حصہ ہے۔ آج ابو بکر کے لئے تو شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ اسکو تیری
طرف واپس کر دے۔ اے عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہ کروں گا۔ اور
ابو بکر کی بیعت نہیں کروں گا۔ ابو بکر نے کہا کہ اگر تم میری بیعت نہیں
کرتے تو میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔ ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا کہ اے ابن عم
تم عمر میں چھوٹے ہو اور یہ لوگ عمر میں بڑے ہیں۔ تمہارا تجربہ ان امور کا
ان کے برابر نہیں ہے۔ اور امور سیاسیہ کی واقفیت جو ان کو ہے وہ
تم کو نہیں ہے۔ اور میں ابو بکر کو اس امر کے لئے تم سے قوی تر پاتا ہوں
لہذا تم کو چاہیئے کہ تم ان کی بیعت کر لو اور اگر تمہاری زندگی باقی رہی

تو پھر تم اس امر خلافت کے لئے موزوں ہو۔ اور یہ تمہارا حق ہے بسبب تمہارے علم و فضل و قوت دینی کے اور بسبب سبقت اسلامی اور دامادی رسول کے۔ اس پر حضرت علی نے کہا کہ اے گروہ مہاجرین محمد (صلعم) کی ریاست و حکومت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں کی طرف نہ لے جاؤ۔ اور آنحضرتؐ کے اہلبیت کو اُن کے مقام عزت سے نہ ہٹاؤ۔ قسم بخدا اے گروہ مہاجرین ہم تم سب سے اس امر خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں کیونکہ ہم اہلبیت رسول ہیں۔ اگر کوئی علم قرآن جاننے والا، فقیہہ دین خدا، عالم سُنّتِ رسول۔ صاحب اطّلاعِ امورِ رعایا، عادل و منصف، رعایا سے ان کی تکالیف کا دُور کرنے والا ہے تو ہم ہیں۔ پس تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ گمراہ ہوجاؤ گے اور حق سے بعید ہوجاؤ گے۔ بشیر ابن سعد انصاری نے کہا کہ یا علی اگر انصار تم سے یہ کلام ابو بکر سے بیعت کرنے سے پہلے سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے۔ حضرت علی بغیر بیعت کئے اس مجمع سے واپس آگئے۔ [۱۷]

حضرت عمر کا قصدِ احراقِ بیتِ فاطمہ۔ حضرت علی سے بیعت لینے میں اتنی سختی کی گئی کہ حضرت عمر آگ لے کر جناب فاطمہ علیہا السلام کے دردولت کو جلانے کے لئے تشریف لائے۔ اور آگ لگانے کی دھمکی دی۔ ذیل میں ہم پھر ابن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست کا اُردو ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ جس کو اصل عبارت دیکھنی ہو وہ ہماری کتاب البلاغ المبین، کتاب دوم صفحات ۱۰۲۷ تا ۱۰۳۳ دیکھے۔

حضرت عمر کا قصد احراق بیت فاطمہ

---

[۱۷] ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست الجزء الاوّل ص ۱۱، ۱۲۔
تاریخ حبیب السیر جلد اوّل جزو چہارم ص ۲۔

راوی کہتا ہے کہ ابوبکر نے اُن لوگوں کو جنھوں نے ان کی بیعت سے تخلف کیا تھا تلاش کرنا شروع کیا تو ان کو حضرت علی کے گرد پایا۔ پس ان کی طرف حضرت عمر کو بھیجا۔ عمر نے حضرت علی کے گھر پر آواز دی۔ ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر (خدا ان سے بہت بہت خوش ہو رضی اللہ عنہ کا ترجمہ) نے جلانے والی لکڑیاں منگائیں اور کہا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے تم لوگ باہر نکل آؤ۔ ورنہ میں اِس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ اور وُہ لوگ جو اس میں ہیں سب جل جائیں گے۔ لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اِس گھر میں تو فاطمہ بنتِ رسولؐ ہیں حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے اس پر وُہ سب لوگ سوائے حضرت علی کے باہر نکل آئے۔ اور بیعت کر لی حضرت علی نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا۔ گھر سے باہر نہ نکلوں گا اور نہ اپنے کندھے پر ردا ڈالوں گا۔ حضرت فاطمہ اپنے گھر کے دروازے پر آن کر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا کہ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی ہے۔ تم رسول خداؐ کے جنازے کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے اور اس امر کا خود ہی فیصلہ کر لیا اور ہم کو پوچھا تک نہیں اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا پس حضرت عمر واپس آئے۔ اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم اس متخلف سے کیوں بیعت نہیں لیتے۔ اِس پر ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت علی کے پاس بھیجا اور کہا کہ انہیں بُلا لاؤ۔ قنفذ حضرت علی کے پاس گیا اور کہا کہ آپ کو خلیفۂ رسول اللہ بُلاتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ کتنی جلدی تم نے رسولؐ خدا پر بُہتان باندھا ہے۔ قنفذ واپس آیا اور یہی جواب ابوبکر کو لا کر پہنچایا۔ ابوبکر دیر تک روتے رہے۔ عمر نے پھر کہا کہ اس متخلف کو نہ چھوڑو۔ پھر حضرت ابوبکر نے قنفذ سے کہا کہ علی سے جا کر کہو

کہ تم کو امیرالمومنین بلاتے ہیں کہ تم آن کر اُن کی بیعت کر لو۔ قنفذ آیا اور اسی طرح حضرت علی سے پیغام ادا کیا۔ حضرت علی نے آواز بلند کر کے کہا کہ سُبحان اللہ وہ شخص اُس چیز کا دعوےٰ کرتا ہے۔ جو اس کی نہیں۔ قنفذ واپس آیا اور یہی جواب لا کر ابو بکر کو دیا۔ پس حضرت ابو بکر یہ سُن کر بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور ایک جماعت کو لے کر حضرت فاطمہ کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہ نے اُن کی آواز سُنی تو آواز بلند کر کے فریاد کی کہ ائے الدبزرگوار اے رسولِ خدا ہم کو آپ کے بعد ابن الخطاب ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصیبتیں دیکھنی نصیب ہوئی ہیں۔ جب اس جماعت نے حضرت فاطمہ کی آواز سُنی اور گریہ وزاری مُلاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ صرف حضرت عمر ایک قلیل جماعت کے ہمراہ باقی رہ گئے اور انہوں نے زبردستی حضرت علی کو حضرت فاطمہ کے گھر سے نکال لیا اور ان کو لے کر حضرت ابو بکر کے پاس آئے۔ وہاں اُن سے کہا کہ تم ابو بکر کی بیعت کرو۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ اس پر اُن لوگوں نے کہا کہ قسم ہے اُس خدا کی جس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے کہ ہم تمہاری گردن جُدا کر دیں گے۔ حضرت علی نے کہا کہ کیا تم عبدِ خُدا اور برادرِ رسول کو قتل کر دو گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ عبدِ خدا تو تم ضرور ہو لیکن برادر رسول ہونا تسلیم نہیں۔ ابو بکر بالکل خاموش رہے اور کچھ نہ بولے۔ حضرت عمر نے کہا کہ تم کیوں ان کو بیعت کا حکم نہیں دیتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہ ان کے پہلو میں ہیں میں کچھ نہ کہوں گا۔ وہاں سے حضرت علی قبر رسول پر آئے اور فریاد و نالہ بلند کیا اور رو رو کر حضرت ہارون کی طرح فریاد کرنے لگے کہ اے بھائی قوم نے مجھے کمزور کر دیا۔ اور قریب تھا کہ قتل کرتے اس کے

بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ چلو فاطمہ کے پاس چلیں۔ ہم نے ان کو غضب ناک کر دیا ہے۔ پس ان دونوں نے حضرت فاطمہ کے دروازہ پر آن کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ نے ان کو اجازت نہ دی تو وُہ دونوں مشکل کُشا کے پاس آئے پس حضرت علی اُن کو اندر لے گئے۔ جب وُہ دونوں حضرت فاطمہ کے پاس آن کر کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہ نے اُن کی طرف سے مُنہ موڑ کر دیوار کی طرف رُخ کر لیا ان دونوں نے آپ پر سلام کیا تو حضرت فاطمہ نے جواب سلام نہ دیا حضرت ابو بکر نے کہا کہ اے رسول کی پیاری بیٹی قسم بخدا مجھے رسول اللہ کے قرابت دار ۔۔۔۔۔ حضرت فاطمہ نے بات کاٹ کر کہا کہ کیا تم دونوں چاہتے ہو کہ مَیں تمہیں جناب رسولؐ خدا کی ایسی حدیث سناؤں جو تم جانتے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ ضرور آپ وُہ حدیث سنائیں۔ حضرت فاطمہ نے کہا کہ مَیں تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے جناب رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ فاطمہ کی خوشنودی میری خوشنودی ہے۔ اور فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے پس جس نے میری دُختر فاطمہ سے محبّت کی اس نے مجھ سے محبّت کی اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو غضب دلایا اور آزُردہ کیا اُس نے مجھے غضب ناک اور آزردہ کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ حدیث جناب رسول خدا سے اسی طرح سُنی ہے اس پر جناب فاطمہ نے فرمایا کہ مَیں خُدا اور اُس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے آزُردہ کیا اور غضب دلایا اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ اور جب مَیں رسول خدا سے مُلاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت اُن سے کروں گی حضرت ابو بکر بہت روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ جانِ نازنین بدن سے مفارقت کر جائے۔

لیکن حضرت فاطمہ کہتی جاتی تھیں کہ قسم بخدا ہر ایک نماز میں جو
پڑھوں گی تیرے لئے بد دعا کروں گی[۱۸]

حضرت ابو بکر کا حضرت عمر کو بھیجنا۔ حضرت عمر کا اپنے ہوا خواہوں کی جماعت کو خانۂ فاطمہ پر چڑھا کر لانا۔ حضرت عمر کا حضرت فاطمہ کے گھر کو جلانے کے لئے آگ و لکڑیاں جمع کرنا۔ اور دھمکیاں دے کر حضرت علی کے دوستوں کو بیعت کے لئے لے جانے کا ذکر بہت سے مورخین نے کیا ہے[۱۹]

ممکن ہے کہ جماعتِ حکومت کے وکلاء کہیں کہ سیاست کے مذہب میں یہ سختی بالکل جائز تھی۔ حضرت ابو بکر کی خلافت سے جو لوگ ناراض تھے اُن کو بیعت کے لئے مجبور کرنا ہی ضروری تھا۔ اگر ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو ممکن ہے کسی زمانہ میں طاقت پا کر وہ تکلیف دیتے۔ بہرصورت مخالفین کو دبا کر رکھنا استحکام اور استقلالِ حکومت کے لئے واجب تھا۔ اگر یہ بحث کرتے ہو تو اسی پر جم جاؤ۔ تمہاری اِس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت میں اور حضرت علی میں مخالفت شدید تھی۔ حضرت علی، حضرت ابو بکر کو جائز

---

۱۸ کتاب الامامت والسیاست الجزء الاوّل ص ۱۳، ۱۴ ۔

۱۹ تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۹۸ ۔

امام شہاب الدین احمد المعروف بابن عبدربہ اندلسی متوفی ۳۲۸ھ: عقد الفرید جلد ۲ ص ۱۷۹ ۔

ملک المؤید عماد الدین اسمٰعیل ابو الفداء المتوفی ۷۳۲ھ: تاریخ المختصر فی اخبار البشر الجزء الاوّل ص ۱۵۶ ۔

ابو الولید محمد بن شحنۃ المتوفی ۸۱۵ھ: روضۃ المناظر برحاشیہ جلد یازدہم تاریخ الکامل ص ۱۱۲ ۔

مروج الذہب مسعودی مطبوعہ مصر الجلد الثالث ص ۲۴ ۔

اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء مقصد دوم مآثر ابو بکر ص ۲۲۶ ۔

ابن عبد البر: الاستیعاب الجزء الاوّل ص ۳۴۵ ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ ابو بکر ۔

مولوی عبدالعزیز: تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ نولکشور ص ۲۹۲ ۔

خلیفۂ رسول نہیں جانتے تھے۔ یہ حکومتِ الٰہیہ نہ تھی بلکہ فرعونیہ تھی جس کی بناء غضب و ظلم و جور پر تھی۔ آنحضرتؐ کا ارشاد تھا کہ حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے۔ لہٰذا علی کے مخالفین حق کے مخالف ہوئے۔ آنحضرت صلعم فرماتے تھے کہ علی اور قرآن قیامت تک ساتھ رہیں گے۔ لہٰذا مخالفینِ علی مخالفین قرآن ہوئے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد تھا کہ علی کی رضا میری رضا ہے جو علی کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔ لہٰذا مخالفین علی مخالفین رسول ہوئے۔ آنحضرت کا قول تھا کہ جس نے اپنے وقت کے امام کو نہ پہچانا وہ کافر مرا۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ حضرت علی اور حضرت ابوبکر ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ یا ابوبکر جائز امام نہ تھے۔ یا معاذ اللہ حضرت ابوبکر کو نہ پہچان کر حضرت علی نے کفر کیا۔ اگر آپ یہ سیاسی بحث کریں گے تو آپ کے مذہب کی ساری بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔ یہ بحث تو آپ موجودہ یورپین مورخین ہی کے لئے رہنے دیں جن کے کان نبی، خدا اور حکومت الٰہیہ سے بالکل نا آشنا ہیں۔ آپ کے تو مذہب کی بناء ہی یہ ہے کہ یہ چاروں خلیفہ ایک جان اور چار قالب تھے۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے۔ ان میں رشک حسد نام کو نہ تھا۔ حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کو جائز خلیفہ خدا اپنے سے افضل جانتے تھے۔ ان عقائد کے ہوتے ہوئے یہ سیاسی تجاویز مخالفت و استحکام سب ناروا ہیں۔

ان واقعات نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ جماعت مخالفین علی نے علی و آلِ رسول کی مخالفت شدید کر کے امتِ اسلامیہ کو دو جماعتوں میں قیامت تک کے لئے تقسیم کر دیا۔ آنے والی حکومتیں حکومت سقیفہ ہی کی جانشین اور اس کی سیاست کی پیرو تھیں۔ ان کا طرزِ عمل، ان کا رویہ، ان کا تخیل ان کے افعال اور ان کی تجاویز اُن حکومتوں کے لئے نظائر تھے جن کی پیروی کرنی ان پر لازم تھی۔ جبراً بیعت لینا نہ کسی مذہب میں جائز ہو سکتا ہے

نہ کسی اخلاقی ضابطہ کے موافق ہے اور نہ کوئی ضابطہ قانون اس کو رائج کر سکتا ہے لیکن حکومت سقیفہ نے جبری بیعت کی ایک نظیر قائم کر دی۔ اب اس کو سامنے رکھ کر یزید بھی امام حسینؑ سے جبراً بیعت لے سکتا ہے اور حجاج ابن یوسف بھی اپنی حکومت کے مخالفین کو ہر قسم کے جور و ظلم و قتل کے ذرائع سے دبائے رکھنے کو ایک فعلِ مستحسن کہہ سکتا ہے جس کی نظیر خلافتِ راشدہ میں موجود تھی۔ حکومتِ سقیفہ نے آلِ رسول کی مخالفت و تحقیر و تذلیل کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کو اُس کی خواہش و نیت کے مطابق اُس کی جانشین حکومتوں نے آخر وقت تک جائز و قائم رکھا اور اب مذہب میں داخل ہو کر جمہور مسلمین کے مجموعہ عقائد کا ایک جزو بن گیا۔ اِس طرزِ عمل نے تاریخ انسانیت کے ورقوں کو ایسا سیاہ کیا کہ ان کو بارانِ دائمی بھی سفید نہیں کر سکتی۔ اسلام میں احسان فراموشی کی ایسی نظیر قائم ہوئی کہ جس کو دیکھ کر اسلام خود سر بگریباں ہے۔ کُفر خندہ زن ہو سکتا ہے کہ دیکھو مجھ میں رامچندر جی جیسے انسان موجود ہیں جنہوں نے سوتیلی ماں کی اتنی عزت کی کہ اُس کے اشارے پر حکومت کو لات مار کے جنگل میں چلے گئے۔ اور تمہارے اسلام کے مہرِ ماہ نے اِس دُنیاوی حکومت و وجاہت کے حصول کے لئے وُہ وُہ کیا جس سے انسانیت سر بگریباں ہے اور احسان فراموشی جیسی بدترین اور مذموم ترین عمل کے مرتکب ہوئے۔ جب ارض و سما کتاب کے ورقوں کی طرح اُلٹ دئے جائیں گے اور کتاب عمل ختم ہو جائے گی تو اُس مخلوق کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا جو خلافتِ خداوندی کی دعوے دار رہی ہے۔ اُس وقت ابلیس ان بداعمالیوں کا جادول بغل میں دبا کر میدانِ حشر میں آئے گا اور کہے گا کہ خداوندا۔ دیکھ یہ اُس مخلوق کے اعمال کا نقشہ ہے جس کو تُو نے مجھ سے سجدہ کرنے کو کہا تھا۔ اگر اس نقشہ کو باطل کرنے اور انسانیت کے جوہر نمایاں کرنے کے لئے حضرت فاطمہؑ کی مظلومانہ فریاد حضرت علیؑ کا صبر اور امام حسینؑ کی شہادت نہ ہوتی تو شیطان پر خداوند تعالےٰ کی حُجّت

قائم نہ ہوتی۔ جب ہی تو ان ہادیان طریقت کو حجۃ اللہ کہتے ہیں ؛

آٹھویں تجویز۔ مقدمۂ فدک۔

اہلِ بیتِ رسول میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ عورت ہو یا مرد اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقہ سے اس طرح دین حقہ کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور ہمیں یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آیہ وافی ہدایہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے مقصود یہی ہیں۔ اہلِ بیتِ رسول میں سے پہلی شہیدۂ ظلم جناب فاطمہ ہیں۔ جو طریقۂ جہاد کہ اُن کے لئے موزوں تھا اور جو طریقۂ تبلیغ کہ ان کی شان کے لائق تھا اُس کو انہوں نے نہایت احسن شکل میں پورا کیا۔ آپ کا یہ کام اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسے بستر مرگ پر جناب رسولِ خدا کا تحریر وصیتِ خلافت کے لئے قلم دوات و کاغذ طلب کرنا۔ اِن دونوں موقعوں پر حضرت عمر جیسا ذہین، اور صاحبِ سیاست شخص چکرا گیا۔ پہلے موقعہ پر بھی بات نہ بن سکی اور نہایت بھونڈا فقرہ ان الرجل لیھجر کہنا ہی پڑا جس نے دُنیا کے سامنے اُن کے دِل کی اندرونی حالت کو عُریاں کرکے رکھ دیا۔ اِسی طرح جناب فاطمہ نے براہ راست دعویٔ فدک کرکے فریق مخالف کے اصلی مدّعا اور مقصد کو ایسا بے نقاب کیا کہ اس کو حضرت عمر بھی نہ چُھپا سکے۔ حضرت فاطمہ نے خود دربارِ خلافتِ سقیفہ میں اپنا دعوےٰ اصالتاً پیش کرکے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اُن گواہوں کو پیش کرکے جن کی شہادت تصدیقِ رسالت خُداوند تعالےٰ نے کفّار کے سامنے اپنے رسول سے پیش کرائی تھی۔ حکومتِ سقیفہ کے بچاؤ کے سارے راستے بند کر دئے۔ اب تو صرف ایک سوال رہ گیا تھا۔ بتاؤ تم مجھ کو، علی کو اور حسنینؑ کو جھوٹا قرار دیتے ہو۔ یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔ دربارِ خلافت سے فیصلہ صادر ہُوا کہ تم اور تمہارے سب گواہان کاذب ہیں۔ اِس فیصلہ نے منافقت کے چہرے سے آخری پردہ اُٹھا دیا

آٹھویں تجویز۔ مقدمۂ فدک

دیکھنے والی آنکھ، غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیئے خود بخود صحیح نتیجے نکلتے چلے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ تبلیغ کا اس صورتِ حالات کے اندر اور کوئی نہ تھا۔ اُس نے اُس فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا۔ جس کے اُوپر فریق مخالف نے اپنی بحث کو قائم کیا تھا اور خود ہی اس فقرہ کی تردید اور کتاب اللہ کی مخالفت کرنے لگے۔ کتاب اللہ کے احکامِ وراثت کو نظر انداز کرنے کے لئے ایک حدیث وضع کرنی پڑی حالانکہ کہہ چکے تھے کہ ہمیں اب تمہاری کسی ہدایت کی ضرورت نہیں رہی ہمارے لئے محض کتاب اللہ کافی ہے۔ اِس مقدّمہ کے فیصلے میں مُشکل سے پانچ منٹ لگے ہوں گے لیکن اس قلیل عرصہ میں روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔ علامہ شبلی اپنے المامون میں لکھتے ہیں: "مامون کو پیغمبر صلعم کے ساتھ نہایت پُرجوش اور محبّت آمیز عقیدت تھی اس کا لازمی اثر تھا کہ خاندان نبوّت کے ساتھ بھی اس کو دِلی اخلاص ہو"۔[۲۰]

مولوی شبلی نے اچھا اصول قائم کیا۔ ہم اُس کو اب زیر عمل لاتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ پیغمبر صلعم کے ساتھ پُرجوش اور محبّت آمیز عقیدت کا لازمی نتیجہ و اثر خاندانِ نبوّت کے ساتھ دِلی خلوص ہوتا ہے۔ واقعاتِ فدک و قصد احراق بیت فاطمہ و ناراضگی حضرت زہرا ثابت کرتے ہیں کہ حضرات شیخین کو خاندان نبوّت کے ساتھ دِلی خلوص نہ تھا۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ حضراتِ شیخین کو پیغمبر صلعم کے ساتھ پُرجوش اور محبّت آمیز اخلاص نہ تھا جس کی تائید دیگر واقعات بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آنحضرتؐ کے جنازہ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر حصول حکومت کے لئے چلا جانا۔ اِنّ الرجل لیہجر کہنا۔

نویں تجویز۔ ارتداد کا الزام لگا کر اپنے مخالفین کو قتل کرنا۔

حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کو جناب رسولؐ خدا گمراہی و ضلالت کا لقب دے چکے تھے۔ آنے والے واقعات نے کس خوبی سے آنحضرتؐ کے

۲۰؎ المامون حصّہ دوم ص ۱۷۰۔

اس ارشاد او ر پیشین گوئی کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ ناظرین رسالہ ہذا پر اُس
ایک ایک سطر کے مطالعہ سے یہ امر منکشف ہوتا جائے گا اگر وہ اس کا مطا
اُس غور و فکر دا معان نظر سے کریں گے جو اس نہایت اہم مضمون کا حق
حضرت ابو بکر کی خلافت کی خبر سُن کر بہت سے قبائل نے انہیں جائز جانشین
رسول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور انہیں زکوٰۃ دینا اپنا فرض نہ سمجھا۔ مخالف
علی نے حضرت ابو بکر کو سُجھایا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ حضرت علی سے مل جائیں اور اُن
خلیفہ بنانے کی کوشش کریں۔ چُنانچہ آپ نے اُن کے استیصال کا تہیہ کر لیا
ان کے قتل کے لئے ایسے شخص کو مامور کیا جو جناب امیر کا قطعی دُشمن تھا یعنی خالد
ابن ولید۔ بہت سے صحابہ نے اِس نکتہ کو نہ سمجھا اور مانعین زکوٰۃ کی جنگ سے
یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ان سے لڑنا جائز نہیں یہاں تک کہ حضرت
عمر بھی اُن انکار کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ جب حضرت ابو بکر نے دیکھا
کہ ان کے دستِ راست ہی خلاف ہیں تو اُن سے خلوت میں باتیں کیں اور
اب حضرت عمر کا بھی شرح صدر ہو گیا اور ان سب نے مل کر یہ مشہور کر دیا کہ مانعین
زکوٰۃ دراصل مرتد ہیں اور مُرتدوں سے لڑنا جائز ہے۔ لیجئے فتویٰ بھی مل گیا
کام بھی بن گیا۔ اِسلام میں بادشاہ کا اپنی مرضی کے مطابق اہل فقہ سے فتویٰ حاصل
کرنے کی یہ دُوسری مثال ہے۔ پہلی مثال وُہ تھی جب حدیث لا وارث کے لئے
معاملہ فدک میں اہل فقہ کو حضرت ابو بکر نے اپنے ساتھ ملایا تھا۔ دیکھئے حکّام سقیفہ
حضرت علی کی مخالفت میں کیسے خطرناک اور مُضر نظائر آئندہ کی سلطنتوں کے لئے
قائم کر رہے ہیں۔ ان ہی نظائر سابقہ کی پیروی میں حضرت یزید نے جس نے حضرت
عمر کی طرح بذریعہ استخلاف حکومت حاصل کی تھی اہل فقہ کا فتویٰ لے کر جناب
امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا اور حضرت ولید نے فتویٰ لے کر
اپنی لڑکی سے زنا کیا تھا۔ اگرچہ ان دونوں نے فتویٰ بازی کے اِس استعمال کو
درجۂ کمال پر پہنچایا۔ لیکن فضیلت تو پہلے لوگوں ہی کی قائم رہے گی جنہوں نے

ومت کی طاقت کے اس استعمال کو ایجاد کیا کیونکہ الفضل للمتقدمین
فع الوقتی کے لئے تو حضرت عمرؓ کا شرح صادر ہو گیا۔ لیکن دل سے یہی سمجھتے رہے
ہم نے مسلمانوں کو قتل کرا کر گناہ عظیم اپنے سر مول لیا۔ چنانچہ اپنے عہد حکومت
ں ان مانعین زکوٰۃ کی تمام لونڈیوں اور قیدیوں کو واپس کر دیا اور جو مال غنیمت
ن سے لیا تھا وہ واپس کر دیا گویا آپ نے تسلیم کر لیا کہ وہ لوگ مرتد نہ تھے بلکہ
سلمان تھے۔ اور ہماری جنگ اُن سے ناجائز تھی۔ ہزارہا آدمی قتل ہوئے وہ مسلمان
تھے۔ ایک مسلمان کے لئے حکم قرآنی ہے ومن قتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم
تنے مسلمانوں کے قتل کا کیا نتیجہ ہو گا۔ حساب لگالیں ۔

جعلت وفود العرب تقدم المدينة
يقرؤن بالصّلوٰة ويمتنعون من
اداء الزكوٰة، ومنهم من امتنع
من دفعها الى الصديق، وذكران
منهم من احتج بقوله تعالے
خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً
تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ
قالوا: فلسنا ندفع زكاتنا الا الى
من صلاته سكن لنا وانشد بعضهم
اطعنا رسول الله اذ كان بيننا
فوا عجبا ما بال ملك ابى بكر
وقالا تكلم الصحابة مع الصديق
فى ان يتركهم وما هم عليه من
منع الزكوٰة ويتألفهم حتى يتمكن

اہل عرب نے اپنے وفود مدینہ بھیجے۔ وہ نماز پڑھتے تھے
لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے تھے۔ کچھ تو اُن
میں سے ایسے تھے جو کہتے تھے کہ ابو بکر جائز خلیفہ نہیں
ہیں ہم ان کو زکوٰۃ نہ دیں گے۔ کچھ ایسے تھے جو
قرآن شریف کی اس آیت پر احتجاج کرتے تھے
(اُنکے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو کہ اس سے تم اُن کو
پاک اور پاکیزہ کرتے ہو۔ اور اُنکے حق میں دُعائے خیر کرو کہ
تمہاری دُعا اُن کے لئے موجب تسکین ہے) وہ
کہتے تھے ہم تو زکوٰۃ اُسکو دینگے جس کی دُعا ایسی ہی
موثر ہو۔ اُن میں سے بعض نے یہ شعر انشا کیا تھا
جب تک رسول خدا ہم میں تھے ہم نے ان کی اطاعت کی
لیکن ابو بکر کو اس حکومت کا حق کیا ہے۔ بہت
سے صحابہ نے ابو بکر کو صلاح دی کہ اُن کو
اور زکوٰۃ کے معاملہ کو چھوڑ دو اور ان کی تالیف
کرو یہاں تک کہ ان کے دل میں ایمان راسخ

الایمان فی قلوبھم ثم ھم بعد ذلك یزکون فامتنع الصدیق من ذلك واباه وقد روی الجماعة فی کتبھم سوی ابن ماجه عن ابی ھریرة ان عمر بن الخطاب قال لابی بکر علام تقاتل الناس؟ وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا اله الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فاذا قالوا ها عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحقھا فقال ابوبکر واللہ لومنعونی عناقا وفی روایة عقالا کانوا یودونه الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لاقاتلنھم علی منعھا ان الزکوٰة حق المال واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰة والزکوٰة، قال عمر فما ھو الا ان رایت اللہ قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق۔[۲۱]

ہو جائے اور پھر وہ زکوٰۃ دینے لگیں گے۔ لیکن ابوبکر نے اس صلاح کے ماننے سے انکار کر دیا۔ تمام محدثین و مورخین نے ماسوا ابن ماجہ کے ابوہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ عمر بن الخطاب نے ابوبکر سے کہا کہ اے ابوبکر تم اُن سے کس بات پر لڑو گے حالانکہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے صرف اُس وقت تک لڑوں کہ جب تک وُہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ و انّ محمداً رسول اللہ نہ پڑھیں اور جب انہوں نے یہ اقرار کر لیا تو اُن کا مال اور جان مجھ سے محفوظ ہے لیکن ابوبکر نے کہا کہ اگر وُہ لوگ ایک تنکا یا ایک روایت میں ہے کہ اُونٹ کے پیر باندھنے والی رسّی بھی مجھے نہ دیں گے جو وُہ رسولِ خدا کو دیتے تھے تو بَس اُن سے لڑوں گا قسم بخدا مَیں اُس سے لڑوں گا جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ پس مَیں نے معلوم کر لیا کہ خدا نے اُن کا شرح صدر کر دیا ہے مَیں نے بھی سمجھ لیا کہ وُہ حق بات ہے

---

[۲۱] ابن کثیر شامی:۔ البدایة والنہایة فی التاریخ الجزء السادس ص ۳۱۱، ۳۱۲ ٭ نیز ملاحظہ ہو۔ مسند احمد حنبل الجزء الاوّل ص ۱۹

(بقیہ بر صفحہ ۱۸۱)

اس عبارت پر نہایت اچھی طرح غور کرنا چاہیئے۔ دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں کو اہل ردہ میں شامل کر کے اُن کا قتل عام کیا گیا وُہ مسلمان تھے۔ خدا کو ایک اور محمد (صلعم) کو اُس کا رسول جانتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے۔ زکوٰۃ کے وجوب سے اُنہیں انکار نہ تھا بلکہ یہ کہتے تھے کہ حضرت ابوبکر اُس کے لینے کے اہل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان میں وُہ صفات نہیں ہیں جو جانشینِ رسول میں ہونی چاہئیں اور نہ یہ جائز جانشین رسول ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو سعد ابن عبادہ کہتے تھے۔ حضرت علی کہتے تھے۔ اور بہت سے صحابہ کرام کہتے تھے۔ جنہوں نے بیعت ابی بکر سے تخلف کیا تھا۔ چنانچہ اس امر نے صحابہ میں تفرقہ ڈال دیا۔ ایک جماعت کثیر یہ کہتی تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ان سے لڑنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر بھی اُن میں ہی سے تھے۔ لیکن جب حضرت ابوبکر نے انہیں سیاسی نیچ اُونچ دکھائی تو ان کا شرح صدر ہو گیا۔ غالباً اسی طرح اُن سب لوگوں کا شرح صدر ہو گیا جن کو حضرت علی کی طرف سے ضیق نفس تھا لیکن پھر بھی حضرت عمر کو یہ بات چبھتی رہی اور اپنے عہد حکومت میں حضرت ابوبکر کی غلطی تسلیم کر کے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کی۔ علامہ

(صفحہ ۱۸۰ کا بقیہ نوٹ)

عبدالحق:۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص ۱۲ / ۱۳ ÷

تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۲۳ ÷

شاہ ولی اللہ: قرۃ العینین۔ ص ۶۲ ÷

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع ص ۱۷۱ ÷

تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی ص ۵۱ ÷

حسین دیار بکری:۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۲۴ ÷

کتاب الامامت والسیاست الجزء الاوّل ص ۲۹ ÷

صحیح مسلم الجزء الاوّل ص ۳۸ ÷

عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں تحریر کرتے ہیں :-

الخلاف السابع فی قتال مانعی الزکوٰۃ فقال قوم لا نقاتلھم قتال الکفرۃ و قال قوم بل نقاتلھم حتٰی قال ابو بکر لو منعونی عقالا مما اعطوا رسول اللہ لقاتلتھم علیہ و مضی بنفسہ الی قتالھم ووافقہ الصحابۃ باسرھم وقد ادی اجتہاد عمر فی ایام خلافتہ الی رد السبایا والاموال الیھم و اطلاق المحبوسین منھم ۲۲ھ -

ساتواں باعث تفرقہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے متعلق تھا۔ ایک فریق تو یہ کہتا تھا کہ وہ مسلمان ہیں لہٰذا کافروں کی طرح ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے دوسرا فریق کہتا تھا کہ نہیں ہم لڑیں گے حضرت ابو بکر کہتے تھے کہ اگر اس میں جو یہ لوگ رسولؐ خدا کو دیتے تھے ایک رسّی بھی نہ دیں گے جس سے اونٹ کا پیر باندھتے ہیں تو میں اُن سے لڑوں گا۔ یہاں تک کہ ایک ایسا موقع ہوا کہ ابو بکر تن تنہا خود جہاد کے لئے نکلے اس کو دیکھ کر اور صحابہ بھی ساتھ ہو لئے لیکن حضرت عمر کے اجتہاد نے اس کو ناجائز قرار دیا اور انہوں نے ان لوگوں کے آدمیوں کو جو لونڈی و غلام بنا لئے گئے تھے واپس بھیج دیا۔ اُن کا مال بھی واپس کر دیا۔ اور قیدی چھوڑ دئے ÷

اب دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کے اس غلط حکم سے کیا کیا ظلم ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ کی جنگ میں لاکھوں مسلمان قتل ہو گئے۔ خون کے دریا بہہ گئے ہزاروں یتیم و بیوہ ہو گئے۔ یہ اصلی مُرتدین مسیلمہ یا طلیحہ یا اسود کے ساتھی نہ تھے بلکہ مخالفین ابی بکر تھے۔ دیکھو واقعات قبیلۂ عک۔ مترجم تاریخ طبری نے ان کی لڑائی کو حکومت سے بغاوت کا نام دیا ہے۔ اور جہاں اُن کا ذکر کیا ہے باغیوں کے نام سے کیا ہے ۲۳ھ

۲۲ھ کتاب الملل والنحل برحاشیہ کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ابن حزم الجزء الاول ص۲۳

۲۳ھ تاریخ الطبری الجزء الثالث ص ۲۶۵ ÷

اردو ترجمہ تاریخ طبری مترجم مولوی محمد ابراہیم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن ص ۱۱۴ ، ۱۱۵

اس سے زیادہ عبرتناک واقعہ مالک بن نویرہ کے قتل کا ہے ہم تاریخ ابوالفداء سے اصلی عبارت نقل کرتے ہیں:۔

فی ایام ابی بکر منعت بنو یربوع الزکوٰۃ وکان کبیرھم مالک بن نویرہ وکان ملکا فارسا مطاعا شاعرا قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واسلم فولاہ صدقۃ قومہ فلما منع الزکوٰۃ ارسل ابوبکر الی مالک المذکور خالد ابن الولید فی مانعی الزکوٰۃ فقال انا اٰتی بالصلوٰۃ دون الزکوٰۃ فقال خالد اما علمت ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ معا لا تقبل واحدۃ دون الاخرے فقال مالک قد کان صاحبکم یقول ذلک قال خالد اوما تراہ لک صاحبا واللہ لقد هممت ان اضرب عنقک ثم تجادلا فی الکلام فقال لہ خالد انی قاتلک فقال لہ او بذلک امرک صاحبک قال وھذہ بعد تلک وکان عبد اللہ ابن عمر وابوقتادۃ الانصاری حاضرین فکلما خالد انی امرہ فکرہ کلامھما

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بنو یربوع نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا سردار مالک بن نویرہ تھا اور وہ شاہسوار بادشاہ شاعر تھا۔ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا تھا آنحضرتؐ نے اُس کو اُس کی قوم پر صدقہ یعنی زکوٰۃ کا والی مقرر کر دیا تھا۔ جب اُس نے ابوبکر کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تب ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے لئے خالد بن الولید کو بھیجا تو مالک کی طرف خالد آئے۔ مالک نے کہا کہ میں مسلمان ہوں نماز پڑھتا ہوں ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دونگا خالد نے کہا کہ کیا تجھے معلوم نہیں نماز و زکوٰۃ ساتھ ساتھ ہیں ایک بغیر دوسرے کے قبول نہیں کی جا سکتی۔ مالک نے کہا کہ تمہارے ساتھی یعنی ابوبکر نے یہی کہہ کر بھیجا ہوگا۔ خالد نے کہا کہ کیا وہ تیرا ساتھی نہیں ہے قسم بخدا میں تیری گردن مارونگا۔ آپس میں سخت کلامی ہونے لگی۔ خالد نے کہا کہ میں تجھ سے جنگ کرونگا۔ مالک نے کہا کہ کیا تمہارے ساتھی (یعنی ابوبکر) نے یہ حکم دیا ہے خالد نے کہا ان باتوں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے عبداللہ ابن عمر و ابوقتادہ انصاری بھی وہاں موجود تھے۔ ان دونوں نے مالک کے بارہ میں خالد کو نصیحت کی اور اس کو حق بجانب ٹھہرایا۔ لیکن

فقال مالك يا خالد ابعثنا الى ابي بكر فيكون هو الذي يحكم فينا فقال خالد لا اقالني الله ان اقلتك وتقدم الى ضرار بن الازور بضرب عنقه فالتفت مالك الى زوجته وقال لخالد هذه التي قتلتني وكانت في غاية الجمال فقال خالد بل الله قتلك برجوعك عن الاسلام فقال مالك انا على الاسلام فقال خالد يا ضرار اضرب عنقه فضرب عنقه وجعل راسه اثفية لقدر وكان من اكثر الناس شعرا وقبض خالد امرأته قيل انه اشتراها من الفئ وتزوج بها وقال لابن عمر ولابي قتادة احضرا النكاح فابيا وقال له ابن عمر نكتب الى ابي بكر ونخبره بامرها وتتزوج بها فابى وتزوجها وفي ذلك يقول ابو غير السعدي:

الا قل لحي اوطئوا بالسنابك
تطاول هذا الليل من بعد مالك

خالد نے ان دونوں کی باتوں کو بُرا سمجھا۔ اس [...]
مالک نے کہا کہ اے خالد ہم کو ابو بکر کے پاس بھیجد[و]
اور وُہ ہمارے درمیان میں فیصلہ کر دیگا۔ خالد نے
کہا کہ یہ بھی نہ ہوگا خُدا مجھے نہ بخشے اگر میں تجھ کو
چھوڑ دوں اور یہ کہہ کر خالد نے ضرار بن الازور کو
حُکم دیا کہ مالک کی گردن مار دو۔ مالک نے اپنی حسین
زوجہ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس کے سبب
مَیں قتل کیا جا رہا ہوں۔ اُس کی زوجہ بہت [...]
صاحب جمال تھی۔ خالد نے کہا بلکہ تیرا اسلام
سے خارج ہونا تجھ کو قتل کرا رہا ہے۔ مالک نے
کہ نہیں مَیں مذہب اسلام پر قائم ہوں خالد نے
ضرار ابن الازور سے چلا کر کہا کہ اسکی گردن مار[دو]
بس ضرار نے مالک کو قتل کر ڈالا۔ اُس کے [...]
دیگ کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے سر پر بہت با[ل]
اور خالد نے فوراً اُسکی زوجہ پر قبضہ کر لیا۔ کہتے
کہ اس نے غنیمت میں سے اُسے خرید لیا تھا [...]
اس سے نکاح کر لیا۔ خالد نے عبداللہ ابن عمر و ابو قتادہ کو
نکاح میں شریک ہونے کو کہا ان دونوں نے انکار کر[دیا]
عبداللہ ابن عمر نے کہا کہ ہم ابو بکر کو لکھیں گے اور
مالک کے امور کی درستی اسکے ساتھ نکاح کرنے کی اطلا[ع]
دینگے لیکن خالد نے انکی نصیحت ماننے سے انکار [...]
اور زوجۂ مالک سے نکاح کر لیا۔ ابونمیر سعدی نے اس
متعلق چند اشعار کہے دان میں سے تین کا ترجمہ ذیل میں دیا جا[تا ہے]

فقضی خالد بغیا علیه بعرسه
وکان له فیها هوی قبل ذلك
فأمضی هواه خالد غیر عاطف
عنان الهوی عنها ولا متمالك
ولما بلغ ذلك ابابكر وعمر قال عمر لابی
بكر ان خالد اقد زنی فارجمه
قال ماكنت ارجمه فانه تأول
فاخطأ قال فانه قد قتل
مسلما فاقتله قال ماكنت
اقتله فانه تأول فاخطأ قال
فاعزله قال ماكنت اغمد سیفا
سله الله علیهم ۵۲

قبیلۂ والوں سے کہدو کہ تم کو نیزہ و سناں کے پھل ڈالا گیا ہے۔ وہ مالک کے بعد رات بہت طویل ہوگئی۔ خالد نے خدا سے بغاوت کر کے مالک کی زوجہ سے اپنی خواہش پوری کی۔ خالد کو مالک کی زوجہ سے پہلے ہی سے عشق تھا۔ خالد نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اُس عورت سے اپنی خواہش پوری کر لی۔ جب یہ خبر ابو بکر و عمر کو پہنچی تو عمر نے خالد سے کہا کہ خالد نے زنا کیا ہے اُسے رجم کرو۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ میں اُسے رجم نہ کرونگا کیونکہ یہ زنا اجتہادی غلطی کی وجہ سے ہوا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا اُس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اُسے قتل کرو۔ ابو بکر نے کہا کہ میں قتل بھی نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ قتل بھی خالد نے اپنی اجتہادی غلطی کی وجہ سے کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا اُس کو معزول کردو۔ حضرت ابو بکر نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ میں اُس تلوار کو نیام میں نہ کرونگا جس کو خدا نے کھینچا ہوا ہے۔

ابو نمیر السعدی کے اشعار پر غور کرو۔ یہ اُس زمانہ میں کہے گئے تھے کہ جب وہ لوگ موجود تھے جن کے کارناموں کا ان اشعار میں ذکر ہے۔ اُن میں سے کسی نے اُن کی تردید کی جرأت نہیں کی۔ بلکہ اُن کے صحیح ہونے کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ خالد ابن الولید اس قبیلۂ مالک ابن نویرہ کی طرف محض اپنے پرانے عشق کی

۵۲؎ ملک المؤید عماد الدین اسماعیل ابوالفداء: کتاب المختصر فی اخبار البشر، الجزء الاوّل ص ۱۵۷، ۱۵۸۔
یہ واقعات اسی طرح دیگر کتب تواریخ میں بھی لکھے ہیں۔ دیکھو:-
اُردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون الجلد الثالث ص ۳۰۰، ۳۰۱۔
تاریخ طبری عربی الجزء الثالث ص ۲۴۲، ۲۴۳۔

وجہ سے آئے تھے۔ ادھر ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جب انہوں نے ادھر کا رخ کیا تو انصار نے جو اُن کے ساتھ تھے اُدھر چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اُدھر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابو بکر نے یہی کہا تھا کہ جب تم بزاخہ سے فارغ ہو جاؤ تو تا حکم ثانی وہیں قیام کرنا۔ لہٰذا ہم یہاں سے مالک ابن نویرہ کے قبیلہ کی طرف نہیں جانے لیکن خالد نہ مانے اور کہا کہ ہم ضرور جائیں گے تم نہیں چلتے تو نہ چلو۔ میں مہاجرین کے ساتھ جاؤں گا۔ اب پھر وہی حسد نے آن کر عظمت سقیفہ کی مدد کی۔ انصار نے خیال کیا کہ خالد، مہاجرین کامیاب ہو گئے تو شہرت اُن کی ہوگی۔ غنیمت اُنہیں ملے گی اور ہم محروم رہیں گے۔ اور اگر وہ ناکامیاب رہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ شکست ہماری وجہ سے ہوئی اور ابو بکر ہم سے ناراض ہوں گے یہ خیال کر کے وہ بھی ساتھ ہو لئے [25]

آپ نے اراکین حکومت الٰہیہ کے کارنامے ملاحظہ کئے جو حضرت علی کی مخالفت میں جناب رسولؐ خدا کی وفات کے بعد قائم ہوئی تھی۔ پہلے تو حضرت خالدبن الولید جن کو حضرت علی اسد اللہ کے مقابلہ میں سیف اللہ کا خطاب دیا گیا ہے ایک شوہر والی عورت سے عشق قائم کرتے ہیں اور پھر ایک مذہبی بہانہ بنا کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی میں مالک کو جو مرتے دم تک مسلمان تھا۔ جس کی اذان اور نماز پڑھنے کی گواہی صحابہ نے دی تھی محض اس وجہ سے قتل کراتے ہیں کہ اُس کی زوجہ پر قبضہ کر لیں۔ بغیر عدت کا زمانہ گزرے اسی رات کو اُس سے نکاح کر لیتے ہیں اور صحبت بھی کرتے ہیں۔ غالباً کسی اہل فقہ نے کوئی فتویٰ دے دیا ہو گا کہ کافر کی بیوی اِس طرح حلال ہے۔ صحابہ نصیحت کرتے ہیں تو مانتے نہیں اب مقدمہ حاکم حکومتِ الٰہیہ کے پاس جاتا ہے تو وہ خالد کے گناہوں کو تسلیم کرتے ہوئے اجتہادی غلطی کے فقہ کا پردہ اُس کے اعمال پر ڈال کر اُس کی بریت کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خالد کو سیف اللہ کا خطاب دیتے ہیں

[25] تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۴۱ +

عجیب خدا کی تلوار ہے کہ مسلمانوں ہی کے سر پر کھنچی ہوتی ہے ۔ اِس فقرۂ بکری پر ہم تحریفِ دین کے سلسلے میں بحث کریں گے۔ یہاں ہم ناظرین کی توجہ اِس امر کی طرف دلاتے ہیں کہ حضرت علی کی مخالفت میں جو تدبیر اپنے استحکام و استقلال کی حکومت سقیفہ نے اختیار کی وُہ تفرقہ پیدا کرنے والی تھی ۔ دیکھیئے حکومت سقیفہ اس معاملے میں کتنے گناہانِ عظیم کی مُرتکب ہوئی۔ اور یہ فقط مخالفت علی کی وجہ سے ۔ جناب رسولؐ خدا نے سچ کہا تھا کہ جو علی کی مخالفت کرے گا وُہ گمراہ ہو گا ؛

اِن واقعات کے ہوتے ہوئے جو ہم نے اُوپر بیان کئے ہیں یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں غلطی پر تھے ۔ ایک بڑی جماعت صحابہ کی جس میں حضرت عمر بھی شامل تھے اُنہیں غلطی پر سمجھتی تھی ۔ یہاں تک کہ وُہ اپنی رائے میں تنہا رہ گئے ۔ لیکن ضد پر اڑے رہے اور اکیلے ہی جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے ۔ اب صحابہ نے شرما شرمی اور ان کو خوش کرنے کی غرض سے شامل ہونے کی رضامندی دیدی ۔ حضرت عمر کا اگرچہ اُس وقت سیاسی مقصد کے زیرِ نظر شرح صدر ہو گیا ۔ لیکن جب سیاسی ضرورت نہ رہی تو پھر انہوں نے اس غلطی کا اعتراف کر لیا اور قیدی و مال واپس کر دئے۔ خالد ابن ولید کی حمایت کر کے مالک ابن نویرہ کے قتل میں حضرت ابوبکر نے عمداً شرکت کی ۔ یہ ان کی دُوسری غلطی تھی ۔ اندریں صورت اب ہمیں یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہی کہ حضرت ابوبکر غلطی پر تھے ۔ ہم اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ زکوٰۃ کے وجوب یا احکام قرآنی کے مُنکر نہ تھے ۔ اُن کا تو صرف یہ کہنا تھا کہ ابوبکر جائز جانشینِ رسول نہیں لہٰذا زکوٰۃ کے وصول کرنے کے مجاز نہیں ۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کے نہ ماننے والے مسلمان تھے ۔ سعد ابن عبادہ نے مرتے دم تک بیعت نہیں کی ۔ بقول آپ کے حضرت علی نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی ۔ تو یہ کیا معاذ اللہ اتنے عرصہ مُرتد رہے ؛

اسلام میں لفظ زکوٰۃ دو قسم کی خیرات کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو مسلمان خود اپنی مرضی سے بغیر قید زمانہ و مقدار کے غریبوں اور مستحقین کو دیتا ہے۔ اور دوسری وہ جس کا نصاب مقرر ہے۔ یہ بھی مقرر ہے کہ کس مال میں سے دی جاوے اور کس کو دی جاوے۔ اس کو مسلمان خود خرچ نہیں کر سکتا بلکہ حاکم شرع کو دیتا ہے۔ اور وہ غرباء و فقراء مسلمین میں خرچ کرتا ہے۔

قرآن شریف میں یہ لفظ ان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بلکہ قسم اوّل کے لئے بکثرت تاکید کی گئی ہے۔ قسم دوم یعنی زکوٰۃ عرفی کے لئے ان الفاظ میں حکم ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پارہ ۱۱ سورۃ توبہ ع ۱۳)

یعنی اے رسول اُن کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو کہ اس سے تم اُن کو پاک اور پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو۔ تمہاری دعا اُن کے لئے باعث راحت ہے۔

اس پر اچھی طرح غور کرو۔ دو صورتیں ہیں (۱) یا تو یہ حکم صرف رسول کے لئے اور اُن کی ہی زندگی تک تھا۔ (۲) یا اُن کے جانشین کے لئے بھی۔ ساتھ ہی آپ اپنے اس عقیدہ کو بھی زیر نظر رکھیں کہ نہ تو رسول نے اور نہ خدا نے آنحضرتؐ کا جانشین مقرر کیا۔ اور نہ ہی اس کے تقرر کے لئے کوئی ہدایت کی۔ پھر تو معاملہ ہی ختم ہو گیا۔ جانشین رسول کا تخیّل ہی موجود نہ تھا۔ زکوٰۃ کا حکم اور دیگر احکام جو رسول خدا کو مخاطب کر کے دئے گئے۔ سب آپ کے ساتھ ختم ہو گئے۔ لیکن کوئی مسلمان اس کو تسلیم نہ کرے گا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عقیدہ عدم استخلاف غلط ہے۔ اور اس عقیدہ کی غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب ہم زکوٰۃ کے حکم مزید پر غور کرتے ہیں۔ ادائگی زکوٰۃ مشروط ہے دعائے رسول کے ساتھ۔ فرض ادائگی زکوٰۃ کے ساتھ جو حق ہے اُس کو صریح الفاظ میں بتا بھی دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسولؐ خدا زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعائے خیر کریں۔ دوسرے کی دعا ہمارے لئے اگر موثر نہیں تو

بے فائدہ ہے - چنانچہ اس ہی آیت میں بتا دیا گیا کہ وہ اثر رکھتی ہے - اثر یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں وہ دعا کی جاتی ہے اُن کے لئے باعثِ راحت ہوتی ہے لہٰذا نتیجہ نکلا کہ وہی شخص زکوٰۃ وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس کا بدل یعنی موثر دعا بھی دے سکے۔ چونکہ یہ قاعدہ اور قانون خدا کا مقرر کیا ہوا ہے لہٰذا وہ ایسا ہی زکوٰۃ لینے والا مقرر کرے گا جس کی دعا میں وہ اثر بھی دے سکے۔ جو ظالم، گناہگار ہوگا اس کی دعا میں وہ یقینی اثر نہیں ہو سکتا جو معصوم کی دعا میں ہوتا ہے۔ نتیجہ نکلا کہ رسولؐ خدا کا جانشین جو زکوٰۃ لینے کا اہل ہو یعنی جس کی دعا میں یقینی اثر ہو خدا ہی مقرر کر سکتا ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کی دھینگا مشتی سے تیار نہیں ہو سکتا لہٰذا نتیجہ نکلا کہ حضرت ابو بکر چونکہ خداوند تعالےٰ کے منتخب و مقرر کردہ نہ تھے زکوٰۃ لینے کے اہل نہ تھے۔ نہ اُن سے خداوند تعالیٰ نے کہا کہ تم زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعا مانگو۔ اور نہ ہی انہوں نے دعا مانگی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عقیدۂ عدم استخلاف غلط ہے اور محض عدم ادائگی زکوٰۃ سے مسلمان مرتد اور واجب القتل نہیں ہوتا۔

دسویں تجویز۔ وضع احادیث

اسلام میں محرک عمل صرف دو ہیں۔ قرآن عظیم و احادیث رسولؐ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں :- بعد از قرآن عظیم اصل دین و سرمایۂ یقین علم حدیث است[126] حکومتِ سقیفہ کو اس ہی طرف سے بہت ڈر تھا۔ اِس امرِ واقعہ سے وہ واقف تھے کہ احادیث رسول فضائل علی و آل نبی سے مملو ہیں لہٰذا اُن پر قبضہ کرنا اُن کا پہلا فرض ہُوا۔ اور دیکھئے وہ کس طرح بتدریج کیا ہے۔ پہلے تو حکم دے دیا کہ کوئی احادیث رسول بیان ہی نہ کرے۔ پھر دیکھا کہ بغیر اس کے چارہ ہی نہیں۔ مختلف قسم کے واقعات و مقدمات درپیش آئے۔ اصحاب رسول میں سے کسی میں اتنی استعداد و اہلیت و قابلیت نہ تھی کہ قرآن شریف میں سے

---

[126] قرۃ العینین ص ۵۵ +

مختلف واقعات و حالات کے مناسب اخذ اصول و قواعد و استنباطِ مسائل کرتے
آلِ رسول کی طرف رجوع کرنا ان کے اصولِ سیاست کے منافی تھا۔ لہٰذا مجبوراً
حکم دیا کہ محض مقدمات فیصل کرنے اور اصول فقہ معلوم کرنے کے لئے اگر قرآن
شریف میں تمہیں کچھ نظر نہ آئے، اُس قرآن شریف میں جس کی نسبت حسبنا
کتاب اللہ ایک خاص وقت کے لئے کہہ چکے تھے، تو پھر احادیث رسولؐ
میں دیکھو اور اُن کی پیروی کرو۔ اگر اُن میں بھی نہ ہو تو اپنی رائے و قیاس پر
عمل کرو۔ آگے چل کر جب حکومت زیادہ مستحکم و مستقل ہو گئی تو پھر صریحاً وہ حکم
دیا گیا جو اب تک دل میں پنہاں تھا اور خاص خاص معتقدین کے حلقہ میں زیر عمل
تھا کہ فضائل علی و آل نبی کی کوئی حدیث بیان نہ کرو۔ جو بیان کرے اس کو
سزا دو۔ جسمانی اور مالی۔ خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص مصاحبین کے حق میں
احادیث وضع کرکے خوب شائع کرو۔ جو ان احادیث کو وضع کرے یا بیان کرے
اُسے خوب انعام و اکرام دو تاکہ اور لوگوں کو ترغیب ہو۔ اس طرح حکومت نے
احادیث پر پورا قبضہ کر لیا۔

قبل اس کے کہ ہم اپنے اس بیان کی توثیق و تصدیق میں ثبوت پیش کریں
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ امرِ واقعہ واضح کر دیں کہ حکومتِ امویہ و حکومتِ
عباسیہ میں جو تشدد و جبر خاندانِ رسول پر ہوا وہ حکومتِ شیخین یعنی حضرت ابوبکر
حضرتِ عمر کی مقرر کردہ اصول و قواعد کی پیروی میں کیا گیا۔ حضرت عمر نے
اِس حکومت کے سیاسی اصول کی ابتداء کی، اُن کے بعد کے آنے والوں نے
ان کے مقصد کو سمجھا اور اپنی حکومت کو اس ہی مقصد کا مرہونِ منت پایا لہٰذا
ان ہی اصول و قواعد کی اپنے اپنے زمانہ کے حالات و واقعات کے مطابق
تشکیل کرکے حضرت عمر کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر ہی نہیں سمجھا۔ بلکہ اپنی
حیات کا باعث بھی پایا۔ حضرت ابوبکر کی حکومت کے روحِ رواں حضرت
عمر تھے۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ حضرت ابوبکر کی حکومت گویا حضرت عمر کی حکومت

تھی۔ اُس زمانہ کے لوگ حضرت عمرؓ ہی کو اصلی حاکم سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ بھی اپنی اِس مجبوری سے واقف تھے۔ اگر خلوت میں سیاسی پیچ اُونچ سمجھا کر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو اپنا ہمخیال نہ بنا لیتے تو مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کو کوئی اسلامی فوج نہ جاتی۔ خالد بن ولید کے معاملہ میں دونوں حضرات میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود حضرت عمرؓ کی مخالفت کے حضرت ابو بکرؓ اپنی رائے پر قائم رہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی خاموشی کا باعث حضرت ابو بکرؓ کا تحکم نہ تھا بلکہ اُن کے اپنے غور و فکر کا نتیجہ تھا۔ وُہ دونوں حضرات جانتے تھے کہ اُن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے خالد بن ولید کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں کیوں نہ خالد کو زنا و قتل کی سزا دی۔ جرائم کی سزا تو زائد المیعاد نہیں ہو جاتی۔ فوج کی سرداری سے معزول کر دیا۔ دُوسری سیاست کے ماتحت ہُوا۔ یہ زنا و قتل کی سزا نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ خالد بن ولید خُود رائے، صاحب عزم، جُراُت و ہمّت والا دلیر جنرل ہے۔ اور اُن کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اگر اس کا رسوخ و اقتدار بڑھتا رہا اور اسلامی عساکر پر اس کا مکمّل قبضہ ہو گیا تو وُہ خلافت کی طرف نظر دوڑائے گا۔ پھر کون ہوگا جس کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر سکیں۔ مسندِ خلافت چھوڑنی پڑے گی۔ گُربہ کُشتن روزِ اوّل بہ۔ حضرت عمرؓ کا یہ عمل ایسا ہی تھا جیسا کہ دیگر سلاطین کا ایسی حالت میں رہا ہے۔ زمانۂ قدیم میں روم کا سپہ سالار اعظم بیلی ساری[1] اس کتنا عظیم الشان سردار تھا جس نے اپنے شہنشاہ جسٹی نین[2] کے لئے افریقہ کو فتح کیا۔ ایران کی لڑائیاں سر کیں۔ اور تمام دُنیا میں روم کا ڈنکا بجا دیا۔ لیکن اُس کی بڑھتی ہوئی شہرت اُس کے بادشاہ کو اچھی نہ معلوم ہوئی اور آخر کار اُس کو اتنا ذلیل کیا کہ روما کی گلیوں میں وہ

1- Belisarias　　2. Justinian.

یہ کہتا ہوا بھیک مانگتا پھرتا تھا کہ کوئی ہے جو جنرل بیلی سیاریس کو ایک دینار دے۔ تاریخ عالم میں ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں برامکہ کا عروج و زوال اکبر اعظم کے زمانہ میں شاہزادہ سلیم کے اشارہ سے ابوالفضل کا قتل، انگلستان میں ہنری ہشتم کے زمانہ میں وزیر اعظم کارڈنل ولزی کا زوال مامون کے زمانہ میں ذوالریاستین کا قتل اس ہی حاسدانہ سیاست کی مثالیں ہیں۔ اگر یہ بات نہ تھی تو فرمائیے کہ خالد ابن ولید کے معزول کرنے کا باعث کیا تھا۔ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ مالک ابن نویرہ کے قتل کی سزا تھی۔ زنا کی سزا جاری نہیں کی گئی۔ قتل کی سزا قتل ہوتا۔ وہ نہ دی گئی۔ جدید جرم خالد نے کیا نہ تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسند خلافت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم جو صادر کیا وہ خالد ابن ولید کی معزولی کا تھا۔

خیر یہ بات میں بات نکل آئی۔ ہم کہہ رہے تھے کہ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں بھی حضرت عمر ہی کی سیاست کارفرما تھی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے منہ پر کہہ دیا حضرت ابو بکر نے زبرقان اور اقرع سے ایک معاہدہ کیا اور ایک عہد نامہ لکھ دیا۔ طلحہ بن عبید اللہ نے بیچ میں پڑھ کر یہ تصفیہ کرایا تھا۔ اس پر کئی آدمی گواہ بھی بنائے گئے تھے جن میں سے ایک عمر تھے۔ لیکن جب وہ تحریر حضرت عمر کے سامنے بغرض ثبت شہادت پیش ہوئی تو انہوں نے گواہی کرنے سے انکار کیا اور اس کو چاک کر دیا۔ طلحہ بن عبید اللہ کو غصہ آیا اور حضرت ابو بکر سے آن کر کہا أأنت الامیر ام عمر فقال عمر غیر ان الطاعة لی یعنی اے ابو بکر بتاؤ تو سہی تم حاکم ہو کہ عمر۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ حاکم تو عمر ہیں البتہ بیعت میری ہوئی ہے[۲۷]۔ حضرت فاطمہ کے دعویٰ فدک پر حضرت ابو بکر تحریر حضرت فاطمہ کے حق میں لکھ کر دی لیکن حضرت عمر نے وہ چاک کر دی

---

[۲۷] تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۴۰۔

خالد ابن سعید کو جناب رسولؐ خدا نے یمن میں امیر بنا کر بھیجا تھا۔ آنحضرتؐ کی رحلت کے ایک ماہ بعد وُہ یمن سے مدینہ آئے تو حضرت ابو بکر کو مسندِ خلافت پر متمکن دیکھا۔ اُنہوں نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور کئی مہینہ بیعت نہ کی۔ حضرت ابو بکر نے غالباً تالیفِ قلوب کے لئے خالد بن سعید کو علم دے کر افواج شام پر امیر بنایا۔ لیکن ابھی وُہ روانہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہیں معزول کر دیا۔ مورخ طبری لکھتے ہیں کہ معزول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے یمن سے واپسی پر دو مہینہ تک حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی تھی اور آتے ہی فوراً حضرت علی کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ خلافت آپ کے غیر میں کیوں چلی گئی۔ تم سے زیادہ اِس کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ ابو بکر نے اُنہیں شام کے عساکر پر امیر نامزد تو کر دیا۔ لیکن عمر نے اِس کو ناپسند کیا اور ابو بکر سے کہا کہ آپ ایسے شخص کو امیر بناتے ہیں جس کے یہ اقوال اور افعال ہیں اور اس پر ابو بکر کو بار بار ٹوکتے رہے۔ آخرکار ابو بکر نے خالد بن سعید کو معزول کر کے یزید بن ابی سفیان کو امیر مقرر کر دیا۔[۲۸] یہ حضرت عمر کی طبیعت کے مطابق تھا۔ کیونکہ بنو ہاشم کے مقابلہ میں بنو امیہ کو بڑھانا اُن کی سیاست کا ایک گُر تھا۔

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ اخفاء فضائل علی و وضع احادیث حکومتِ معاویہ کے کارنامے ہیں۔ کیونکہ تدوین احادیث اُن کے ہی زمانے میں شروع ہوئی تھی۔ اُن کو حکومتِ صدرِ اوّل کے سر چیپکنا ظلم محض ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ خلافت صدرِ اوّل، سلطنت امویہ اور حکومتِ عباسیہ ایک مسلسل واقعات کی زنجیر میں منسلک ہیں۔ اور ان سب کی جڑ اور وجہ ہست و بود ایک ہی ہے اور وُہ مخالفتِ علی ہے۔ خلفاء ثلاثہ اوّلین کا مقابلہ حضرت علی سے تھا۔ جن کی

---

۲۸ اردو ترجمہ تاریخ طبری مترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد جلد اوّل حصہ چہارم ص ۱۸۸، ۱۸۹۔
تاریخ طبری عربی مطبوعہ مصر الجزء الرابع ص ۲۰۔

بجائے اور جن کے احتجاج کے باوجود اُنہوں نے مسندِ خلافت پر قبضہ کر لیا تھا حضرت معاویہ کی حکومت حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی سیاست کی مرہونِ منت تھی۔ یہ درخت اُنہیں حضرات کا لگایا ہُوا تھا۔ اکثر لوگوں نے حضرت معاویہ و حضرت عمر کو تنہائی میں سیاستِ مُلکی پر بحث کرتے ہوئے پایا۔ ایک دفعہ جناب امام حسینؑ کو کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑا کیونکہ حضرت معاویہ حضرت عمر سے خلوت میں راز کی باتیں کر رہے تھے۔ بنوامیہ کو خلافت ملنی خاص حضرت عمر کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ اس کی تفصیل حالاتِ شورے میں ملے گی۔ واقعات یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ مخالفتِ خاندانِ نبوّت کا نام سیرتِ شیخین رکھا گیا۔ اور وہ ایک ایسی مُستقل و مُستحکم شئے سیرتِ رسولؐ سے علیحدہ قرار پائی گئی کہ مجلسِ شورے میں اس کو خلافت کے حصول کے لئے شرطِ واحد قرار دیا گیا۔ قُدرتی طور سے حضرت علی نے اس کو منظور نہ کیا۔ حضرتِ عثمان نے منظور کر لیا کہ مَیں سیرتِ شیخین پر عمل کروں گا لہٰذا حکومت اُن کو مل گئی۔ وُہ حکومت الٰہیہ کے افسرِ اعلےٰ تھے۔ کہتے ہیں کہ صاحبان امر میں آتے ہیں۔ ہم کیونکر جُرأت کریں اور یہ کہیں کہ اُنہوں نے اپنا وعدہ پُورا نہیں کیا۔ اور بدعہدی کی۔ یقیناً اُنہوں نے سیرتِ شیخین پر عمل کیا۔ بنو اُمیّہ کو بنو ہاشم پر ترجیح دینا سیرتِ شیخین کا اصلی جُزو تھا۔ وُہ ہی اُنہوں نے کیا۔ ذرا طریقہ کار میں فرق ہو گیا۔ حضراتِ شیخین اپنے دِل کی حالت کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ فدک چھین بھی لیتے تھے اور روتے بھی جاتے تھے۔ حکومت خود سنبھال لی لیکن کہتے رہے کہ علی ہمارا مولا ہے۔ حضرت عثمان کو یہ باتیں نہیں آتی تھیں لہٰذا مارے گئے۔ لیکن سیرتِ شیخین پر عمل کرنے والی اکثریّت دِل سے اُن کی ان تمام کارکردگیوں کو بنظرِ استحسان دیکھتی رہی اور علی کو چَین سے ہی نہ بیٹھنے دیا اور آخر کار خلافت کا رُخ اُدھر ہی کر دیا جدھر سیرتِ شیخین کا منشاء تھا۔ غرضکہ حضرتِ عثمان کی حکومت جس سے حکومت امویہ کی بُنیاد شروع ہوتی ہے سیرتِ شیخین پر مبنی اور اُس کا نتیجہ ہوئی۔ امیر معاویہ کی حکومت وُہ ہی اموی

حکومت تھی جس کے سیاست و مقصد میں حضرات شیخین اور حضرت عثمان کی مقصد سیاست کے ساتھ پوری ہم آہنگی تھی لہذا کوئی تصادم نہ ہوا، مگر چونکہ حضرت علی کی حکومت الٰہیہ اور حاکم شام کی سیاست میں جو اپنے متقدمین کی سیاست پر مبنی تھی زمین و آسمان کا فرق تھا لہذا تصادم ناگزیر تھا اور رہا۔ مخالفت علی اور اصلی اسلام سے دوری میں حکومت عباسیہ سلطنت امویہ کی پوری جانشین تھی۔ سیّد ابوالحسن ندوی اپنی کتاب سیرت سید احمد شہید میں لکھتے ہیں:-

"عباسی سلطنت اموی سلطنت کی پوری جانشین تھی۔ حکومت کی روح اور دستور میں اس سے متفق۔ تمدن کے مظاہر میں اس سے ترقی یافتہ صرف عربیت کی جگہ عجمیت تھی۔ قومی زندگی کے شعبے (سیاست کے علاوہ) حکومت سے کُلیتہً آزاد تھے! اخلاقی ابتری پہلے سے بڑھ گئی بغداد اور اسلامی سلطنت کے اہم مرکز عیش و عشرت کا گہوارہ بن گئے تفصیلات کے لئے اغانی اور کتاب الحیوان کا مطالعہ کیجئے۔" [29]

اُس پرانی وجۂ مخالفت کے علاوہ جو حکومت عباسیہ نے حکومت امویہ سے ورثہ میں پائی تھی۔ اولادِ علی سے حکومت عباسیہ کی دشمنی میں بہت زیادہ اضافہ اُس دھوکہ کی وجہ سے ہو گیا۔ جو اُن کی حصول حکومت کا ایک جزو تھا۔ یہ دھوکہ ہر ایک تاریخ کی کتاب میں درج ہے۔ غرضکہ جو قتل عام علویین کا حکومتِ عباسیہ کے زمانہ میں ہوا وہ اظہر من الشمس ہے اور ہمارے اس دعوے کی مکمل دلیل ہے کہ حکومت عباسیہ کی وجہ ہست و بود مثل اپنے پیش رو حکومتوں کے مخالفت اولادِ علی پر مبنی تھی۔ غرضکہ حکومت امویہ اور سلطنت عباسیہ نے ایک ایک کرکے اُن تمام بنیادی سیاسی اصولوں پر عمل کیا جو حضرت عمر نے قائم کر دیئے تھے۔ اگر کہیں جزئیات میں فرق نظر آتا ہے تو وہ حالات و واقعات کے فرق کی وجہ سے ہے۔ مثلاً حضرت عمر اپنے حالات و واقعات کی وجہ سے مجبور رہتے کہ

---

[29] سیرۃ سید احمد شہید ص ۳۶ ÷

حضرتِ علی کے قتل کی تجویز شوریٰ کی پیچیدہ کارروائیوں کے ذریعہ سے کریں لیکن یزید کے زمانہ تک وُہ حالات بدل چکے تھے۔ وُہ علانیہ و براہ راست حسینؑ کے قتل کا حکم دے سکتا تھا لہذا دیا۔ یہی حالت احادیث کی تھی۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں لوگوں کی حالتیں اور عادات بدل چکے تھے۔ وُہ علانیہ حکم دے سکتا تھا کہ حضرت علی کے فضائل کی احادیث بیان نہ کی جائیں اور حضرات شیخین و حضرتِ عثمان کے حق میں احادیث وضع کی جاویں۔ حضرت عمر اِس وضاحت سے حکم نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن وُہ اصول جس کی بناء پر امیر معاویہ نے اپنا حکم صادر کیا حضرت عمر ہی کا قائم کردہ تھا اور وُہ یہ تھا کہ حکومت کو چاہئے کہ احادیثِ رسول کو اپنے قبضہ میں کرلے اور محض اُن احادیث کی اشاعت کی اجازت دے جو حکومت کے حق میں مضر نہ ہوں اپنی مخالف حدیث کو ہر ممکن طریقے سے روکے۔

اِس منزل کو چار مراحل سے طے کیا ہے۔ اوّل تو یہ حکم دیا گیا کہ احادیثِ رسول کی اشاعت یک قلم بند کر دی جاوے۔ لیکن مقدمات کے فیصل کرنے کے لئے احادیثِ رسول ضروری تھیں اور ان پر قبضہ کرنے کے بعد یہ اچھی آلۂ کار بن سکتی ہیں لہذا دُوسرے مرحلہ پر یہ حکم صادر ہُوا کہ امور فقہ و دیگر مسائل معلوم کرنے کے لئے احادیثِ رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ محض فضائل علی کی احادیث اشاعت سے روکی جائیں اور چوتھا اور آخری مرحلہ یہ تھا کہ فضائل علی کی احادیث کے بجائے فضائل شیخین میں احادیث وضع کرکے اُن کی خوب اشاعت کی جائے۔ اب ہم ان چاروں مرحلوں کا ذکر یکے بعد دیگرے کرتے ہیں:-

مرحلہ اوّل۔ احادیث رسول کی اشاعت بند۔

مرحلہ اوّل احادیث رسول کی اشاعت بند

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکر کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا کی وفات کے بعد جناب ابوبکر نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا

کہ تم لوگ جناب رسولؐ خدا سے احادیث بیان کرتے ہو۔ ایسا نہ کیا کرو! احادیث میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے بعد جو لوگ آئیں گے اُن کا اختلاف احادیث میں بہت زیادہ ہوگا۔ پس خبردار دیکھو جناب رسولؐ خدا کی احادیث نہ بیان کیا کرو۔ اگر کوئی تم سے پُوچھے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ کافی ہے اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام جانو۔ ۳۰ھ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میرے والد ابو بکر نے جناب رسولؐ خدا کی پانچ صد ۵۰۰ احادیث جمع کی تھیں۔ لیکن ایک دن اپنے زمانۂ خلافت میں اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹی جناب رسولؐ خدا کی جو احادیث تمہارے پاس ہیں وہ تو لاؤ۔ میں لے آئی تو حضرت ابو بکر نے اُن کو جلا دیا۔ ۳۱ھ

حضرت عمر بن الخطاب کے حالات میں علامہ ذہبی اپنی تذکرۃ الحفاظ میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے لوگوں کو حکم دیا کہ تم جناب رسولؐ خدا کی احادیث نہ بیان کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ احادیث میں مشغول ہو کر قرآن شریف کو چھوڑ دیں ۳۲ھ ۔

لوگوں نے ابو ہریرہ سے پُوچھا کہ کیا تم حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسی طرح آنحضرتؐ کی احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر عمر کے زمانہ میں میں احادیث بیان کرتا تو وہ دُرّہ سے میری چمڑی اُدھیڑ دیتے۔ ۳۳ھ

قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے افواج کو عراق کی طرف بھیجا

۳۰ھ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاوّل ص ۳ ۔
۳۱ھ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاوّل ص ۵ ۔
الفاروق حصّہ دوم ص ۲۲۵ ۔
۳۲ھ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاوّل ص ۷ ۔
۳۳ھ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاوّل ص ۷ ۔

نیز ملاحظہ ہو۔ تاریخ التشریع الاسلامی مولفہ علامہ محمد الخضری جس کا اُردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی مترجمہ عبدالسلام ندوی ہے ص ۱۶۲، ۱۶۱ یہ صفحات اُردو ترجمہ کے ہیں ۔

تو وُہ خود بھی ہماری مشایعت کے لئے کچھ دُور چلے۔ مَیں ان افواج میں تھا۔ حضرت عمر نے ہم سے پُوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ مَیں نے کیوں تمہاری مشایعت کی۔ ہم نے جواب دیا کہ ہماری عزّت افزائی کے لئے۔ حضرت عمر نے کہا کہ خیر یہ تو ہے۔ اس کے ساتھ ہی اصلی وجہ یہ ہے کہ اب تم ایسے مُلک کی طرف جا رہے ہو جہاں قرآن شریف کو شہد کی مکھیوں کی طرح گنگنا کر پڑھتے ہیں۔ احادیث کی روایت کر کے ان کی تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا۔ قرآن مجید پر بس کرو اور رسولؐ خُدا کی احادیث بیان کرنے سے پرہیز کرو۔ اس میں مَیں بھی تمہارا شریک ہُوں۔ چنانچہ جب قرظہ عراق پہنچے تو لوگوں نے روایتِ حدیث کی خواہش کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمر نے ہم کو اس کی ممانعت کر دی ہے۔[۳۴]

آپ نے دیکھا۔ کیسی گہری اور دُور اندیشی پر مبنی یہ پالیسی ہے۔ ممالک قریب و بعید میں مسلمان پھیل رہے ہیں۔ لشکرِ اسلامی آگے جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فضائل علی کی احادیث لوگوں میں پھیل جائیں۔ اور لوگوں کو ان پر غور کرنے کا موقعہ ملے۔ حضرت عمر نے تین اشخاص یعنی ابن مسعود، ابوالدرداء اور ابو مسعود انصاری کو اس وجہ سے قید کر دیا کہ انہوں نے جنابِ رسولِ خدا کی احادیث کثرت سے بیان کر دیں۔[۳۵] کیا عبداللہ ابن مسعود جیسے عظیم الشان صحابی رسولؐ خدا پر بہتان باندھتے۔ اور اگر اس معاملے میں کذب کے مُرتکب ہوتے تو آپ کی حدیثِ نجوم کہاں گئی۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ زیادہ تر فضائل علی کی احادیث عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہیں۔ اس کی سزا اُن کو قید سے ملی۔ بالکل یہی طرزِ عمل معاویہ نے اختیار کیا۔ جس کا ذکر ہم ابھی کرتے ہیں اور ہمارا یہ دعویٰ ثابت ہو گیا کہ حضرت امیر معاویہ کا سارا طرزِ عمل حضرت عمر کی پالیسی پر مبنی تھا۔

---

[۳۴] تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاوّل ص ۷۔   الفاروق حصّہ دوم ص ۲۲۳ ٭

[۳۵] تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاوّل ص ۷۔ اور تاریخ فقہ اسلامی مترجمہ عبدالسلام ندوی ص ۱۶۱-۱۶۲

ہم ذیل کی عبارت تاریخ فقہ اسلامی سے نقل کرتے ہیں :-

ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امیر معاویہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عمر کے زمانہ میں جاری تھا۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرنے کے متعلّق لوگوں کو دھمکیاں دی تھیں ۰

سیوطی نے تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک میں ایک روایت میں جس کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیر تک منتہی ہوتا ہے یہ نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے احادیث کو لکھوانا چاہا اور اس بارے میں اصحاب رسولؐ اللہ سے مشورہ کیا تو عام صحابہ نے اس کا مشورہ دیا لیکن وہ ایک مہینہ تک خود غیر متیقن طور پر اس معاملے میں استخارہ کرتے رہے، اس کے بعد ایک دن انہوں نے یقینی رائے قائم کر لی اور فرمایا کہ میں نے جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے تم سے تحریر احادیث کا ذکر کیا تھا۔ پھر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تم سے پہلے اہل کتاب میں سے بہت لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہی کتابوں میں مشغول ہو گئے اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ اِس بناء پر خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کرونگا اس لئے انہوں نے تحریر احادیث کا کام چھوڑ دیا ۰

ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔ [۳۶]

اِن عبارات کو غور سے پڑھو۔ اوّل تو ہمارا یہ دعویٰ ثابت ہوا کہ احادیث کے متعلّق جو حضرت عمر کا رویّہ تھا اُس کو امیر معاویہ نے پسند کیا اور اس پر ہی عمل کیا

[۳۶] تاریخ فقہ اسلامی عبدالسلام ندوی ص ۱۶۳ ۰

لہٰذا اب ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں حق بجانب ہیں کہ جناب امیر معاویہ نے جو فضائل علیؑ کی احادیث کو مٹانے اور حضرات ثلاثہ کے حق میں احادیث وضع کرانے کا رویہ اختیار کیا تھا وہ انہوں نے حضرت عمر سے سیکھا تھا۔ اِس جگہ معترض تین اعتراض اُٹھا سکتا ہے۔ (۱) اوّل تو یہ کہ حضرت عمر کا منشاء تھا کہ آنحضرتؐ کی طرف منسوب کرکے لوگ غلط احادیث شائع نہ کریں۔ مولوی شبلی نے الفاروق میں یہی کہا ہے (۲) دوم یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے محض حضرت علی کے فضائل کی جو احادیث تھیں اُن کو ہی بیان کرنے سے روکا۔ اور (۳) تیسرے یہ کہ حضرت عمر کے اِس عذر کو کیوں نہ قبول کر لیا جاوے کہ مثل امم سابقہ کے مسلمان بھی کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع کر جاتے۔ ہم ہر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں ؛

اعتراضِ اوّل - اگر محض غلطی کا ڈر تھا تو اس کا تدارک تو بہت اچھی طرح ہو جاتا ابھی تو جناب رسولِ خداؐ کا انتقال ہوا تھا۔ وہ سب صحابہ موجود تھے جنہوں نے خود آنحضرتؐ سے احادیث سُنی تھیں۔ وہ تمام اہلبیت موجود تھے جن کے ساتھ رات دِن آنحضرتؐ رہا کرتے تھے۔ صاحبانِ آیۂ تطہیر موجود تھے۔ ایک جماعت صحابہ کی حضرت علی کی سرکردگی میں مقرر کر دیتے اور اُن کے ذمہ آنحضرتؐ کی صحیح احادیث کے جمع کرنے کا کام ہوتا۔ کیسے عمدہ طریقے سے نہایت صحیح احادیث جمع ہو جاتیں۔ وہ کام جو دو صد سال کے بعد شروع ہوا اُسی وقت شروع ہو جاتا اور اُس سے بہتر طریقے سے شروع ہوتا۔ آئندہ آنے والے لوگوں کی کتنی تکالیف بچ جاتیں۔ علم رجال کتنا مختصر اور آسان ہو جاتا۔ اور بہت صحیح ہوتا۔ خود راویان اوّل کے مُنہ سے جمع کی جاتیں اور اُن پر مُہر خلافت لگ جاتی۔ تفرقے کم ہو جاتے آخر قرآن شریف بھی تو لوگوں کے سینوں ہی میں سے نکال کر جمع کیا تھا اِسی طرح تدوین حدیث ہو جاتی۔ اور وہ نہایت مُفید ہوتی۔ تاریخ فقہ اسلامی کی منقولہ بالا عبارت مُلاحظہ ہو۔ تمام اُمّت کا اجماع اِس پر تھا کہ آنحضرتؐ کی

اعتراض اوّل

احادیث کو جمع کیا جاوے۔ لیکن محض حضرت عمر کی رائے بوجوہات چند در چند جن کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اس کے خلاف تھی۔ اب فرمائیے اِس اجماع اُمّت کی قدوسیت کہاں گئی جس کا تذکرہ کتُب عُلماء حکومت میں اِس شدومد کے ساتھ مِلتا ہے۔ یہ اجماع تو وُہ چیز ہے جس کو محض ایک آدمی ٹھکرا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت پر تو ایسا مکمّل اجماع بھی نہ تھا جیسا اس تدوین حدیث کے مسئلہ پر تھا۔ اِس نامکمّل اجماع میں تو یہ قدوسیت تھی کہ اُس نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا اور ایک لفظ اس کے خلاف کہنے سے اِنسان دائرۂ اِسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور یہ مکمّل اجماع ایسا تھا کہ اِس کو ایک آدمی نے ٹھکرا دیا اور سب خاموش رہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ حضرت عمر حاکم تھے لہٰذا اُن کو یہ اختیار حاصل تھا تو یہ بھی غلط کیونکہ بقول حضرت عمر شریعت کا منصب علیٰحدہ ہے۔ حکومت کا دائرہ الگ ہے۔ امور حکومت میں تو حاکم کا حکم غالب رہے گا۔ لیکن امور حدیث تو شریعت میں آتے ہیں اور شریعت میں بقول آپ کے اجماع اُمّت غالب رہتا ہے۔ ایک آدمی کی رائے کچھ نہیں اور اگر اپنے اس مقام کو چھوڑ کر حاکم کے عُہدے پر زور دیتے ہو تو پھر حضرت عمر کو ڈکٹیٹر کہو۔ جمہوریت کا خلیفہ کیوں کہتے ہو +

اعتراض دوم

اعتراضِ دوم۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے حدیث کے متعلق یہ رویہ محض احادیث فضائل علی کو روکنے کے لئے اختیار کیا تھا ورنہ ہم یہ الزام اُن دونوں پر کیونکر لگا سکتے ہیں کہ وُہ سُنّتِ رسول کی اہمیت سے واقف نہ تھے۔ کیا قرآن شریف میں یہ آیت اُنہوں نے نہیں پڑھی تھی کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ان دونوں بزرگواروں کے مقدّمات فیصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اگر قرآن شریف میں مسئلہ زیرغور کا جواب نہ پاتے تو پھر احادیث رسول کی طرف رجوع کرتے اور لوگوں سے مسئلہ زیربحث کے متعلق جناب رسولؐ خدا کی حدیث دریافت کرتے تھے[۱۳۷]

[۱۳۷] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۲ ص ۱۰۹ + تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۶۹

علّامہ شبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :۔

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے (حدیث کے) استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا حضرت عمر کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وُسعت اور نومسلمین کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تا کہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے ؟ تکبیر جنازہ، غسلِ جنابت، جزیۂ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت عمر نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبویؐ کا پتہ لگایا۔[ھ۳۸]

دیکھئے۔ مقدمات کے فیصلہ کرنے میں علم فرائض و فقہ کی ضرورت ہوتی ہے اُس کے متعلق احادیث کو چُن چُن کے جمع کیا جاتا ہے۔ ذمیوں، نومسلموں، خراج جزیہ وغیرہ کے متعلق احادیث دریافت کی جاتی ہیں۔ اب غور تو کریں کس قسم کی احادیث باقی رہ گئیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب حضرت عمر کو ضرب کاری لگی اور اپنا جانشین مقرر کرنے کا خیال آیا تو معاذ بن جبل و خالد بن ولید و ابو عبیدہ بن الجراح، سالم مولیٰ آنحضرتؐ کے فضائل آنحضرتؐ کی احادیث سے استنباط کرتے تھے کہ آنحضرتؐ نے فلاں کو امینِ اُمت، فلاں کو سیف اللہ فلاں کو عالم کہا تھا۔ احادیث فضائل بھی آ گئیں۔ اب کونسی احادیث رہ گئیں

ھ۳۸ الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۷ +

صرف حضرت علی و اہل بیت کے فضائل کی احادیث۔ یہ تھیں وُہ احادیث جن کی اشاعت مطلوب نہ تھی اور جن کو چُھپانا چاہتے تھے۔ دیکھو اس طرف خود حضرت عمر نے صحابہ کے فضائل کی احادیث کا ذکر کرتے وقت بھی حضرت علی کے فضائل کی احادیث کا ذکر نہ کیا۔ یہ فضائل علی کی احادیث کا عمداً اخفاء نہیں تو اور کیا ہے۔ خارجیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالسلام ندوی تحریر کرتے ہیں:-

> یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے اور حدیثوں میں صرف انہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت ان لوگوں نے کی تھی جن کو یہ لوگ دوست رکھتے تھے چنانچہ ان کی قابل اعتماد حدیثیں صرف وُہ تھیں جن کی روایت شیخین حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں کی گئی تھی۔[۵۳۹]

ساری حقیقت کا انکشاف ہو گیا۔ حضرات شیخین کے احکام امتناعی فقط فضائل علی و اہل بیتِ رسالت کی احادیث کے متعلّق تھے ورنہ یُوں تو اپنے معتمدوں میں احادیث کا رواج جاری کر رکھا تھا۔ کیوں نہ ہوتا۔ ان سے تو بہت بڑا سیاسی کام لینا تھا۔ لیکن ان کی جاری کردہ احادیث میں فضائل علی کی احادیث نہ تھیں اس کو ہم دُو اور دُو چار کی طرح ثابت کرتے ہیں۔ یہ مُسلّمہ امر ہے کہ خارجی لوگ جناب امیرؑ کے سخت ترین دُشمن تھے۔ وُہ اُن کو خلیفۂ رسول تو کیا مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اور یہ خارجی صرف اُن تمام احادیث کو قبول کرتے تھے جو حضرات شیخین کے زمانہ میں مُروّج تھیں۔ لہٰذا ثابت ہُوا حضرات شیخین کی جاری کردہ احادیث میں فضائل علی کی احادیث نہ تھیں۔ اور ذرا اس سنہ متناسبہ پر بھی غور کیجئے ✢

---

۵۳۹ تاریخ فقہ اسلامی ص ۲۳۹ ✢

ا۔ خارجی صرف اُن احادیث کو قبول کرتے تھے جن کو وہ لوگ بیان کرتے تھے جو خارجیوں کے دوست تھے ؎

ب۔ خارجی لوگ حضرات شیخین کی جاری کردہ احادیث کو قبول کرتے تھے ؎

ج۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خارجی لوگ حضرات شیخین کو دوست رکھتے تھے ؎

د۔ خارجی حضرت علی کے سخت ترین دشمن تھے ؎

ھ۔ دشمن کا دوست کبھی اپنا دوست نہیں ہوا کرتا ؎

و۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرات شیخین حضرت علی کے دوست نہ تھے ؎

اعتراض سوم۔ حضرت عمر کا یہ عُذر کچھ حضرت عمر والوں ہی کو پسند آسکتا ہے ہمیں تو اس میں کچھ اصلیت نظر نہیں آتی۔ حضرت عمر نے کسی ایسی اُمّت کا نام نہ لیا جس نے اپنے پیغمبر کے اقوال کے مقابلہ میں اپنی آسمانی کتاب کو چھوڑ دیا ہو۔ اور نہ ہمیں کسی ایسی اُمّت اور ایسی کتاب کا پتہ ہے۔ اگر کوئی صاحب پتہ دیں تو ہم ممنون ہونگے۔ قرآن شریف میں تو اُس اُمّت کا ذکر نہیں۔ ہاں تحریف زبور و انجیل تو مُسلّمہ ہے۔ وہ تحریف تاویل کے ذریعہ سے بھی ہوئی اور الفاظ کے ذریعہ سے بھی۔ یہ کبھی سُننے میں نہیں آیا کہ وہ تحریف حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰےؑ کے مُسلّمہ جمع شدہ اقوال کے ذریعہ سے ہوئی۔ یا اُن کے جمع شدہ مُسلّمہ اقوال کے مقابلہ میں زبور و انجیل کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ خبر نہیں حضرت عمر کے تخیّل میں وہ کونسا پیغمبر ہوگا۔ وہ عجیب ہی پیغمبر ہوگا جس کے اقوال خود اُس کی لائی ہوئی کتاب کی تردید کرتے ہوں گے۔ اور اُمّت کے لئے یہ مُشکل حالت پیدا کر دی ہوگی کہ یا تو آسمانی کتاب کو مانیں یا اُس کے اقوال کو مانیں۔ دونوں کو ایک ساتھ نہیں مان سکتے۔ ہمارے رسولؐ خدا تو فرما رہے ہیں کہ اگر تمہیں شک ہو کہ کوئی حدیث میری ہے یا وضعی ہے تو اُس کو قرآن سے مقابلہ کرکے دیکھ لو۔ اگر قرآن کے مطابق ہے تو میری ہے ورنہ نہیں۔ جناب رسولؐ خدا کی احادیث تو قرآن شریف کی صحیح تاویل و تشریح کرتی ہیں۔ یہ تو جناب رسولؐ خدا پر ایک مزید

اتہام ہُوا کہ اُن کی احادیث ایسی ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے سے قرآن شریف کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اگر جناب عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ محبّتِ رسول کی وجہ سے وُہ لوگ احادیث رسول ہی کو پڑھتے اور قرآن شریف کو چھوڑ دیتے اور اُس کی طرف رجوع نہ کرتے تو اگرچہ انہوں نے پہلی امم کا ذکر تو کیا ہے۔ کسی خاص اُمّت کا نام نہیں لیا جس نے ایسا کیا ہو۔ علاوہ اس کے ان احادیث سے تمسّک کرنے کے کیا معنی تھے۔ یہی تھے کہ اُن پر عمل کیا جاوے۔ احادیث تو یہ کہہ رہی ہیں کہ قرآن سے تمسّک رکھو۔ اور وُہ لوگ قرآن کو چھوڑ دیتے تو یہ کیا عمل ہوا۔ اب دیکھ لو کیا ہوا۔ احادیث رسول جمع بھی ہوئیں لوگوں نے احادیث کی صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب باری بھی کہا۔ اُس کو صحیح احادیث رسول کا مجموعہ مانتے بھی ہیں۔ تو کیا انہوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ عُذر کیا تھا۔ یُوں ہی دفع الوقتی تھی۔

مرحلہ دوم۔ چند قسم کی احادیثِ رسول پر انحصار۔

دورِ اوّل میں اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے علاّمہ محمد الخضری لکھتے ہیں :۔
(ہم ان کی کتاب کے اُردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی مرتبہ مولوی عبدالسلام صاحب ندوی سے نقل کرتے ہیں)

یہ لوگ اپنے فتاویٰ میں صرف دو چیزوں پر اعتماد کرتے تھے۔

(۱) ایک تو قرآن، کیونکہ وہی دین و ملّت کی بُنیاد ہے۔ اور چونکہ وہ اُن ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا اس لئے وُہ اس کو نہایت واضح طور پر سمجھتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کو خصوصیّت کے ساتھ اسبابِ نزول کا علم تھا اور اس وقت عرب کے علاوہ اور کوئی شخص ان میں شامل نہیں ہوا تھا۔

(۲) دوسرے حدیث۔ چنانچہ جب کوئی حدیث مِل جاتی تھی تو وُہ لوگ بالاتّفاق اُس کا اتباع کرتے تھے اور جو شخص اس کی روایت کی تصدیق کرتا تھا اس پر اعتماد کرتے تھے۔ اس بناء پر جب حضرت ابوبکر کے سامنے کوئی

مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے اور اگر اس میں اس کا حکم مل جا
تو اُسی پر فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر کتاب اللہ میں وُہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر
دوڑاتے۔ اور اگر اُن کے پاس کوئی قابل فیصلہ حدیث ہوتی تو اُسی کے موافق
فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگوں سے دریافت
فرماتے کہ اس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلعم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے اس حالت
میں اکثر لوگ اُٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ میں یہ یہ فیصلہ کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن اگر ان کو وُہ مسئلہ
قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ
دریافت فرماتے۔[۴۰]

یہ بہت دلچسپ مضمون ہے۔ اس کی طرف ہم پھر اس کتاب کے حصہ
دوم یعنی کتاب التحریف میں رجوع کریں گے اور اس کو تفصیل سے بیان
کریں گے۔ کیونکہ اب حضرت عمر لوگوں کو اپنی رائے و قیاس پر عمل کرنے کا
حکم دیتے ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اور اس فقرۂ حسبنا کتاب اللہ کی
عملی تشریح خود اُس کے مصنف سے معلوم ہوگی۔ بہرصورت یہاں اتنا معلوم ہے
کہ مقدمات کے فیصلے کرنے میں اور دیگر مسائل تمدن و معیشت میں احادیث
رسول کی ان لوگوں کو تلاش رہتی تھی۔ ابھی ہم الفاروق کی عبارت سے معلوم
کر چکے ہیں کہ مسائل غسل جنابت، جزیہ مجوس، تکبیر جنازہ، حقوق ذمیان وغیرہ
میں حضرت عمر خاص طور سے احادیث کی تلاش کرتے تھے۔[۴۱]

اب جو باقی رہ گیا وُہ احادیث فضائل علی ہیں۔ اور اُنکی ہی نسبت یہ حکم امتناعی تھا۔

مراحل سوم و چہارم۔ فضائل علی کی احادیث کی ممانعت اور فضائل شیخین میں احادیث وضع کرنے کا حکم۔

یہ دونوں حکم یکے بعد دیگرے دئیے گئے۔ لیکن چونکہ اُن کی شہادت ایک

---

۴۰ تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰ ۔ ۴۱ الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۷ ۔

مراحل سوم و چہارم فضائل علی کی احادیث کی ممانعت اور فضائل شیخین میں احادیث وضع کرنے کا حکم

ہی ہے یعنی ملی جُلی ہے لہٰذا دونوں کو ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت شیخین کا زمانہ چُونکہ جناب رسولِ خدا کے زمانہ سے ملا ہُوا تھا لہٰذا یہ دونوں حُکم صریحاً اُسوقت نہیں دئے جاسکتے تھے۔ لیکن جو اصول اُنہوں نے قائم کر دئے تھے اور جو ہوا انہوں نے چلا دی تھی اُس کا یہ دونوں حُکم لازمی نتیجہ تھے۔ اپنی سیاست کی تکمیل کے لئے حضرت عمر نے بنو اُمیہ کو منتخب کر لیا تھا۔ چنانچہ اپنے بستر مرگ پر حکومت و خلافت کا رُخ اُدھر کر دیا۔ حضرت معاویہ سے آپ کی اکثر خلوت نشینیاں ہوا کرتی تھیں۔ اور واقعات نے ظاہر کر دیا کہ اُن خلوت کی گُفتگوؤں کا کیا موضوع ہوا کرتا تھا۔ ہم تذکرۃ الحفاظ ذہبی سے ابن علیہ کی یہ روایت نقل کر چکے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ حدیث کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کرو جو حضرت عمر کے زمانہ میں جاری تھا۔ وُہ کیا طرز عمل تھا۔ حضرت معاویہ خود اُس کی تشریح اپنے عمل سے کرتے ہیں۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغۃ میں شیخ ابو الحسن المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنفطویہ سے مندرجہ ذیل واقعات نقل کئے ہیں:۔

روی ابو الحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی فی کتاب الاحداث قال کتب معاویہ نسخۃ واحدۃ الی عمالہ بعد عام الجماعۃ ان برئت الذمۃ ممن روی شیئاً من فضل ابی تراب واھل بیتہ فقامت الخطباء فی کل کورۃ وعلی کل منبر یلعنون علیاً و

ابو الحسن علی بن محمد ابی سیف المدائنی نے کتاب الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے مضمون واحد کے حکم نامے امام حسن سے صُلح کے بعد اپنے تمام عمال کے پاس بھیجے جن میں اس نے تحریر کیا کہ تُو بری الذمہ ہوجا اس شخص سے جو فضائل علی واولادِ علی بیان کرے۔ لہٰذا ہر طبقہ و سرزمین میں ہر منبر پر لکچرار کھڑے ہوگئے جو حضرت علی پر لعنت کرتے تھے۔ اُن

يبرؤن منه ويقعون فيه و
فى اهل بيته وكان اشد
الناس بلاء حينئذ اهل الكوفة
لكثرة من بها من شيعة على
عليه السلام فاستعمل عليهم
زياد بن سميه وضم اليه البصرة
فكان يتتبع الشيعة وهو بهم
عارف لانه كان منهم ايام على
عليه السلام فقتلهم تحت كل
حجر ومدر واخافهم وقطع
الايدى والارجل وسمل العيون
وصلبهم على جذوع النخل
وطردهم وشردهم عن العراق
فلم يبق بها معروف منهم
وكتب معاويه الى عماله فى جميع
الآفاق الايجيزوا لاحد من
شيعة على واهل بيته شهادة
وكتب اليهم ان انظروا من قبلكم
من شيعة عثمان ومحبيه واهل
ولايته والذين يروون فضائله
ومناقبه فادنوا مجالسهم وقربوهم
واكرموهم واكتبوا الى بكل ما
يروى كل رجل منهم واسمه و

سے بیزاری چاہتے تھے اور ان کی اولا
مذمت کرتے تھے۔ اس مصیبت میں سب
زیادہ اہل کوفہ گرفتار رہتے کیونکہ وہاں شیعیان علی
بہت تھے۔ لہذا معاویہ نے کوفہ پر زیاد ابن سم
حاکم مقرر کردیا اور بصرہ بھی اس کے ساتھ ملا
وہ شیعوں کو جہاں بھی وہ ہوتے تھے نکال لیتا
تھا کیونکہ وہ ان سے واقف تھا بہ سبب اس
کہ حضرت علی کے زمانہ میں ان ہی میں
تھا لہذا ہر ایک پتھر و کنکر کے نیچے سے شیعوں
تلاش کرکے اس نے قتل کیا ۔ دھمکیاں
انکے ہاتھ پیر کاٹے۔ آنکھیں نکال ڈالیں۔ درخ
کی شاخوں میں سولی دے کر لٹکادیا۔ اور بہتوں
عراق سے جلاوطن کردیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق
کوئی بھی شیعہ جس سے وہ واقف تھا نہ رہا اور معا
کل اطراف میں اپنے عاملوں کو لکھا کہ کسی شیعہ علی
اہلبیت علی کی گواہی کو جائز نہ رکھو اور
عاملوں کو لکھا کہ عثمان کے پیروان و دوستدار
اور اہل ولائیت پر مہربانی کرو اور ان پر
کرو جو عثمان کے فضائل و مناقب بیا
کرتے ہیں ان کی جائے نشست اپنے نزد
قرار دو۔ اور ان لوگوں کو اپنا مقرب بنا
ان کی بزرگی کرو۔ انکی بیان کردہ احادیث و
مجھے لکھو۔ اور بیان کرنے والے کا نام ا

اسم ابیه وعشیرته فقعلوا
ذلك حتی اکثروا فی فضائل
عثمان ومناقبه لما
کان یبعثه الیهم
معاویة من الصلات و
الکساء والحباء والقطائع
ویفیضه فی العرب منهم
والموالی فکثر ذلك فی کل
مصر وتنافسوا فی المنازل
والدنیا فلیس یجیئ احد
مردود من الناس عاملا
من عمال معاویة فیروی فی
عثمان فضیلة ومنقبة
الا کتب اسمه وقربه وشفعه
فلبثوا بذلك حینا ثم کتب
الی عماله ان الحدیث فی
عثمان قد کثروفشا فی کل مصر
فی کل وجه وناحیة فاذا
جاءکم کتابی هذا فادعوا
الناس الی الروایة فی فضائل
الصحابة والخلفاء الاولین
ولا تترکوا خبرا یرویه احد
من المسلمین فی ابی تراب

اس کے باپ وقبیلہ کا نام لکھیں عاملوں نے
ایسا ہی کیا۔ تااینکہ فضائل ومناقب عثمان کی
ان لوگوں نے کثرت کردی کیونکہ معاویہ
ان لوگوں کو صلہ بھیجتا تھا۔ از قسم باغات و
آراضیات وملبوسات اور ان احادیث کو عرب
میں شائع کرتا تھا اور وہ دستار ان عثمان کے پاس
بھیجتا تھا۔ پھر ہر شہر میں اس کی کثرت ہوئی۔
اور لوگ دنیا و وجاہت دنیا کی طرف مائل
ہوگئے پس مردود و رذیل لوگوں میں سے جو کوئی
کسی عامل معاویہ کے پاس آن کر فضائل ومناقب
عثمان بیان کرتا تھا تو وہ اس کا نام لکھ لیتا تھا
اور اسے مقرب بنا لیتا تھا اور اس کی
شفاعت کرتا تھا، پس اس
طرح ایک زمانہ گزر گیا معاویہ
نے اپنے عمال کو لکھا کہ یہ
تحقیق حق عثمان میں حدیثیں
بکثرت ہوگئی ہیں اور ہر شہر اور ہر طرف اور
ہر گوشہ میں پھیل گئی ہیں لہذا جس وقت یہ میرا
خط تم کو ملے فوراً تم لوگوں کو صحابہ وخلفاء
اولین کے فضائل بیان کرنے پر مائل کرو اور
اگر تم کوئی حدیث ابوتراب کے حق میں سنو
تو ویسی ہی اور اس کے مثل ونظیر دوسری
حدیث صحابہ کے حق میں بنا کر مجھے دو پس

الا وأتونی بمناقض له فی
الصحابة مفتعلة فان هذا
احب الی واقر لعینی وادحض
لحجة ابی تراب وشیعته
واشد الیهم من مناقب
عثمان وفضله فقرئت کتبه
علی الناس فرویت اخبار کثیرة
فی مناقب الصحابة مفتعلة لا
حقیقة لها وجد الناس فی
روایة ما یجری هذا المجری
حتی اشادوا بذکر ذلک علی
المنابر والقی الی معلمی الکتاتیب
فعلموا صبیانهم وغلمانهم من
ذلک الکثیر الواسع حتی رووه
وتعلموه کما یتعلمون القرآن
وحتی علموه بناتهم ونساءهم
وخدمهم وحشمهم فلبثوا بذلک
ما شاء الله ثم کتب الی عماله نسخة
واحدة الی جمیع البلدان انظروا
الی من اقامت علیه البینة انه
یحب علیا واهل بیته فامحوه من
الدیوان واسقطوا عطاءه ورزقه
وشفع ذلک بنسخة اخری من

بتحقیق یہ امر مجھے بہت محبوب تر ہے اور میری
آنکھوں کو خنک کرنے والا ہے اور ابوتراب اور
ان کے شیعوں کی دلیل کو بہت توڑنے والا
اور ان لوگوں کو فضائل عثمان سے سخت تر
معلوم ہونگے۔ معاویہ کے یہ خطوط لوگوں کو
پڑھ کر سنائے گئے۔ پس تعریف صحابہ میں
بہت سی جھوٹی احادیث بنائی ہوئی بیان کی
گئیں جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اور لوگوں
اس قسم کی خبروں کے بیان کرنے میں کوشش
یہاں تک کہ یہ سب موضوعہ احادیث منبروں
بیان اور مشتہر کی گئیں اور وہ موضوعہ احادیث
اُستادوں کو مکتبوں میں دی گئیں اور انہوں
اپنے شاگردوں اور طالب علموں اور لڑکوں
سکھایا اور تعلیم کیا جیسے کہ قرآن سیکھتے ہیں
تا اینکہ معلموں نے اپنی بیٹیوں اور عورتوں
اور نوکروں کو سکھایا۔ پس اس ہی حال سے
ان لوگوں نے بسر کی، پھر معاویہ نے ایک
مضمون کا پروانہ اپنے عاملوں کو سب شہروں
میں بایں مضمون لکھا کہ تم لوگ جس شخص کی
نسبت گواہی سے ثابت ہو کہ بتحقیق وہ شخص
علی اور اہل بیت علی کو دوست رکھتا ہے
پس اسکا نام دفتر سے مٹا دو اور اس کا رزق
بند کردو اور جو اس کو ملتا ہے وہ روک دو اور ا

اتہمتوہ بموالاۃ ہؤلاء القوم فنکلوا بہ واھدموا دارہ فلم یکن البلاء اشد ولا اکثر منہ بالعراق ولاسیما بالکوفۃ حتی ان الرجل من شیعۃ علی علیہ السلام لیاتیہ من یثق بہ فیدخل بیتہ فیلقی الیہ سرہ ویخاف من خادمہ ومملوکہ ولا یحدثہ حتی یاخذ علیہ الایمان الغلیظۃ لیکتمن علیہ فظہر حدیث کثیر موضوع وبہتان منتشر ومضی علی ذلک الفقہاء والقضاۃ والولاۃ وکان اعظم الناس فی ذلک بلیۃ القراء المراؤن والمستضعفون الذین یظہرون الخشوع والنسک فیفتعلون الاحادیث لیحظوا بذلک عند ولاتہم ویقربوا مجالسہم ویصیبوا بہ الاموال والضیاع والمنازل حتی انتقلت تلک الاخبار والاحادیث الی ایدی الدیانین الذین لا یستحلون الکذب والبہتان فقبلوھا

حکم کی تائید کے لئے پروانہ ثانی ہیں لکھا کہ جس شخص کے اُوپر محبِّ علی و اہلبیت علی کا اتہام تمہارے نزدیک ثابت ہو جائے تو اس کو اور اس کے گھر کو گرا دو اور اس قوم سے محبّت کرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک کرو۔ زیادہ تر یہ بلا عراق خصوصاً کوفہ میں تھی تا اینکہ اگر کوئی شخص شیعۂ علی اس شخص کے پاس آتا تھا جس پر وہ بھروسہ کرتا تھا تو داخل خانہ ہوتا اور اپنا راز اس سے کہتا تھا اور اس کے خادم اور غلام سے ڈرتا تھا۔ اور اس سے بھی کچھ بات نہیں کرتا تھا جب تک کہ غلیظ اور سخت قسمیں اس سے راز پوشیدہ رکھنے کے لئے نہیں لیتا تھا پس بہت سی گھڑی ہوئی موضوع احادیث حق صحابہ میں ظاہر ہوئیں اور بہت سی بُہتان پھیلانے والی احادیث (برخلاف حضرت علی) شائع ہوئیں اور اس ہی روش پر سب فقہاء اور قاضی حُکّام چلے۔ سب سے زیادہ اس روش پر چلنے والے قاریان وریاکنندگان اور مستضعفین تھے جو اظہار خشوع وخضوع وعبادت کرتے تھے پھر وہ جھوٹی احادیث بناتے تھے تاکہ ان کے سبب سے اپنے والیان مُلک کے نزدیک بہرہ مند ہوں اور پاس بیٹھنے سے قُرب حاصل کریں اور بسبب تقرب کے مال و جاگیر اور مکانات ان کو حاصل ہوں

ورووها وهم يظنون انها حق ولو علموا انها باطلة لما رووها ولا تدينوا بها فلم يزل الامر كذلك حتى مات الحسن بن علي عليه السلام فازداد البلاء والفتنة فلم يبق احد من هذا القبيل الا وهو خائف على دمه او طريد في الارض........

وقد روى ابن عرفة المعروف بنفطويه وهو من اكابر المحدثين واعلامهم في تاريخه ما يناسب هذا الخبر وقال ان اكثر الاحاديث الموضوعة في فضائل الصحابة افتعلت في ايام بني امية تقربا اليهم بما يظنون انهم يرغمون به انوف بني هاشم۔

ابن ابي الحديد۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثالث ص ۱۵ و ۱۶۔ تشریح خطبہ ان في ايدي الناس حقا وباطلا وصدقا وكذبا

یہاں تک کہ یہ خبریں اور احادیث ان دینداروں کے ہاتھ میں منتقل ہوئیں جو جھوٹ کو حلال نہیں جانتے تھے پس وہ لوگ ان احادیث کو سچا گمان کرتے تھے اور سچا گمان کر کے قبول کرتے تھے اور اگر وہ جانتے کہ یہ احادیث جھوٹی ہیں تو ان کو روایت نہ کرتے اور نہ اس راہ پر چلتے پس یہ امر اسی طرح پر رہا۔ تا اینکہ امام حسن ابن علی نے وفات پائی پھر یہ فساد اور زیادہ ہو گئے یہانتک کہ کوئی شخص اس قسم کا باقی نہیں رہا مگر یہ کہ ڈرتا تھا اپنے قتل سے یا جلا وطن ہونے سے (اسکے بعد فاضل مورخ لکھتے ہیں کہ یہ بلا امام حسینؑ کے قتل کے بعد زمانہ عبدالملک و حجاج ابن یوسف میں اور زیادہ ہو گئی)...... اور بتحقیق روایت کی ہے تاریخ میں ابن عرفہ نفطویہ نے جو بہت بڑے محدثین میں سے ہے وہ خبر جو اس ہی خبر کی تصدیق کرتی ہے کہا ابن عرفہ نے کہ بہت احادیث موضوعہ فضائل صحابہ و خلفاء ثلاثہ میں بنائی گئی ہیں زمانہ بنوامیہ میں تاکہ ان کے ذریعہ سے نزدیکی و تقرب حاصل کیا جائے کیونکہ بنی امیہ گمان کرتے تھے کہ وہ ان احادیث موضوعہ کے ذریعے سے بنوہاشم کی ناک مروڑ رہے ہیں۔

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ معتزلی ہے اور خلفائے ثلاثہ کا سچا اور پکا

دل سے حامی ہے، اس امر کو اس کی شرح نہج البلاغہ کا مطالعہ ہر ایک پر روز روشن کی طرح ظاہر کر دے گا، اس نے اپنا سارا زور بلاغت و فصاحت و استدلال خلافت ثلاثہ کی احقیت ثابت کرنے پر لگا دیا ہے اور شیعہ عالم علامہ حلّی کے اعتراضات کا جواب دینے کی بڑی کوشش کی ہے۔ کمال الدین عبد الرزاق بن احمد بن محمد بن ابی المغازلی الشیبانی نے اپنی کتاب مجمع الآداب فی معجم الالقاب میں ابن ابی الحدید کے علم و فقہ کی بہت تعریف کی ہے اور فضل ابن روزبہان ابن الحدید کے کلام سے سند لیتا ہے۔ اور یہ واقعات تو محض ابن الحدید نے دو کتابوں سے نقل کئے ہیں یعنی کتاب الاحداث ابی الحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنفطویہ علو مرتبت تو ان کتابوں کا دیکھنا ہے، ابن ابی الحدید پر تو اتنا ہی بھروسہ کرنا ہے کہ اس نے صحیح نقل کیا ہوگا، تو اس قدر تو بھروسہ قطعاً ہو سکتا ہے، وہ علم کا زمانہ تھا، ہر ایک شخص ان کتابوں سے واقف تھا، کسی میں غلط نقل کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، سو یہ دونوں بزرگوار یعنی ابوالحسن علی المدائنی اور ابن عرفہ نطفویہ اکابر محدثین اہل سنت و جماعت سے ہیں چنانچہ حافظ ابوسعید سمعانی نے اپنی کتاب الانساب میں لکھا ہے:-

ابوالحسن علی بن محمد بن عبد اللہ ابن ابی شعیب المدائنی مولی عبد الرحمن ابن سمرۃ القرشی وھو بصریؒ سکن المدائن ثم انتقل عنہا الی بغداد فلم یزل بہا الی حین وفاتہ وھو صاحب الکتب المصنفۃ سہ روی	ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ ابن ابی شعیب مدائنی مولی ہیں۔ عبد الرحمن بن سمر قرشی کے اور وہ بصرے کے رہنے والے تھے۔ سکونت مدائن کی اختیار کی۔ پھر وہاں سے نقل کر کے بغداد کی طرف چلے گئے اور تا وقت وفات وہیں رہے اور وہ بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں زبیر ابن بکاء

عنه الزبير بن البكار واحمد
ابن ابي خثيمه والحرث ابن
ابي اسامه قال يحيى بن معين
غير مرة اكتب عن المدائنى
كتبه وكان ابو العباس يقول
من اراد اخبار الاسلام
فعليه بكتب المدائنى ذكر
الحارث بن ابي اسامه ان
اباالحسن المدائنى سرد الصوم
قبل موته بثلاثين سنة
وانه كان قارب مائة
سنة فقيل له في مرضه
ما تشتهي فقال اشتهي ان
اعيش وكان مولده ومنشاه
بالبصره ثم صار الى المدائن
بعد حين ثم صار الى بغداد
فلم يزل بها حتى توفي بها
في ذي القعده سنة اربع
وعشرين ومائتين وكان
عالما بايام الناس واخبار
العرب وانسابهم عالما بالفتوح
والمغازي ورواية الشعر
صدوقا في ذلك ذكره غيره

واحمد بن ابی خثیمہ اور حرث ابن ابی
اُسامہ نے اُن سے روایت کی ہے۔ یحییٰ
بن معین نے کہا کہ مَیں مدائنی کی کتابوں
سے اخذ کرتا ہوں، ابوالعباس کہتے ہیں
کہ جو شخص تاریخ اسلام معلوم کرنے کی
خواہش رکھے اِس پر لازم ہے کہ وُہ مدائنی
کی کتابیں پڑھے، حارث بن اسامہ نے
ذکر کیا ہے کہ بتحقیق ابوالحسن مدائنی نے
اپنی مَوت سے تیس سال قبل سے پے درپے
روزے رکھے، ان کی عُمر تقریباً سَو برس
کی ہوئی تھی۔ حالت مرض میں ان سے
پُوچھا گیا کہ تم کو کون سی چیز کی خواہش
ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میری
خواہش ہے کہ مَیں اور زندہ رہوں۔
ان کی جائے ولادت ونشوونما بصرہ
تھی، پھر بعد ایک زمانہ کے وُہ مدائن
گئے۔ اس کے بعد بغداد گئے، اور برابر وہیں
رہے تا ایں کہ ماہ ذیقعد ۲۲۴ھ ہجری
میں وفات پائی۔ وُہ لوگوں کے
حالات، عرب کی خبروں اور ان کے
نسب سے واقف تھے۔ اور
حالات فتوحات وغزوات وروایت
شعراء کو جانتے تھے اور ان سب

انه مات فی سنة ۲۲۴۔　　باتوں میں بڑے سچے تھے۔

ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر السمعانی: کتاب الانساب باب المیم والالف ورق ۵۱۵

نوٹ:۔ یہ کتاب لاہور کی پبلک لائبریری میں ہے۔

ابن عرفہ کی تعریف علامہ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب بغیة الوعاة میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

ابراهیم بن محمد بن عرفه بن سلیمان بن المغیرة بن حبیب ابن مهلب ابن ابی صفرة العتکی الازدی الواسطی ابو عبد الله الملقب نفطویه لشبهه بها لنفط لدمامته وادمته وجعل علی مثال سیبویه لانتسابه فی النحو الیه..............

ابراہیم ابن محمد بن عرفہ بن سلیمان بن مغیرہ بن حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ عتکی ازدی الواسطی ابو عبداللہ ملقب بنفطویہ بسبب مشابہ ہونے کے بدصورتی اور گندمی رنگ میں ساتھ لفظ کے اور گروانا گیا نفطویہ مانند سیبویہ کے بسبب منسوب ہونے نفطویہ کے نحو میں طرف سیبویہ کے..........

الی ان قال یاقوت کان نفطویه عالما بالعربیه واللغته والحدیث اخذ عن ثعلب والمبرد وکان زاهدا الاخلاق حسن المجالسة صادقا فیما یرویه حافظا للقرآن فقیها علی مذهب داود الظاهری راسا فیه مسندا فی الحدیث حافظا للسیر وایام الناس والتواریخ والوفیات ذا مروة وظرف جلس للاقراء

یاقوت نے کہا کہ نفطویہ عالم علم عربی اور لغت و حدیث کا تھا، اور حدیث کا علم ثعلب و مبرد سے حاصل کیا، پاکیزہ اخلاق والا نیک صحبت اور سچا تھا اس چیز میں جو وہ روایت کرتا تھا، حافظ قرآن تھا، اور طریقہ داود الظاہری کا سردار اور فقیہ تھا حدیث میں مستند تھا۔ علم سیرة و وقائع مردم اور ازمنہ و تیادگی علماء و محدثین کا حافظ تھا، صاحب مروت اور ظریف تھا پچاس برس سے زیادہ درس دیا ہے

اکثر من خمسین سنۃ وکان یبتداء فی مجلسہ بالقرآن علی روایۃ عاصم ثم یقراء الکتب۔	اپنے درس کو حسبِ روایت عاصم پہلے قرآن شریف سے شروع کرتا تھا۔ پھر اور کتابیں پڑھاتا تھا۔

جلال الدین سیوطی:۔ کتاب بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۶ھ ہجری مطبوعہ مصر ص ۱۸۷۔

ابو عثمان جاحظ نے جو دشمنان علی بن ابی طالب کا راس و رئیس تھا ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب عثمانیہ ہے، اس میں اُس نے فضائل علی کے اخفاء کی بے حد کوشش کی ہے۔ اور ان کے مقابلے میں دیگر خلفاء و صحابہ کے فضائل میں بہت سی بناوٹی حدیثیں تحریر کی ہیں اس کا جواب خود سوادِ اعظم و جماعت حکومت کے ایک عالم معتبر ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں دیا ہے اس میں ایک جگہ ابو جعفر اسکافی تحریر کرتے ہیں:۔

لولا ما غلب علی الناس من الجھل وحب تقلید لم نحتج الی نقض ما احتججت بہ العثمانیہ فقد علم الناس کافۃ ان الدولۃ والسلطان لارباب مقالتھم وعرف کل احد اقدار شیوخھم وعلمائھم وامرائھم وظھور کلمتھم وقھر سلطانھم وارتفاع التقیۃ عنھم والکرامۃ والجائزۃ	اگر لوگوں کے اُوپر جہل اور اپنے سلف کی تقلید کرنے کے شوق کا غلبہ نہ ہوتا ہمیں ضرورت ہی نہ پڑتی کہ کتاب عثمانیہ کی رد میں بحث کریں، تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ دولت و غلبہ مصنف کتاب عثمانیہ جیسے لوگوں کا رہا ہے اور سب کو ان کے رؤساء و علماء و امراء کے اقتدار کا علم اور نیز جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات اچھی طرح مشتہر ہو جاتی ہے کیونکہ ان کا غلبہ ہے اور ان کو اپنے خیالات

لمن روی الاخبار والاحادیث	چھپانے کی ضرورت نہیں ، جو شخص
فی فضل ابی بکر وما کان	فضائل ابی بکر میں اخبار و احادیث
من تاکید بنی امیۃ	بیان کرتا تھا اس کو انعام و اکرام
لذلك وما ولدہ المحدثون	ملتا تھا۔ اور یہی بنو امیہ کی تاکید تھی
من الاحادیث طلبا لما	لہٰذا محدثین نے انعام حاصل کرنے
فی ایدیھم فکانوا لا یالون	کی غرض سے کوشش کی کہ اس قسم کی
جھداً فی طول ما ملکوا ان	احادیث وضع کریں اور ذکر علی و
یخملوا ذکر علی وولدہ ویطفؤ	اولاد علی سے باز رہیں اور ان کے نور
نورھم ویکتموا فضائلھم	کو بجھائیں ان کے فضائل و مناقب
ومناقبھم وسوابقھم	سوابقات کو چھپائیں ، لوگوں پر زبردستی
ویحملوا الناس علی شتمھم	کی گئی کہ منبروں پر علی و اولاد علی پر
وسبھم ولعنھم علی المنابر	لعنت کریں اور سب و شتم کریں حالانکہ
فلم یزل السیف یقطر	علویین قلیل تھے اور ان کے دشمن کثیر
من دمائھم مع قلۃ	تھے۔ پھر بھی ان کے دشمن کی تلواروں
عددھم وکثرۃ عدوھم	سے ہمیشہ ان کا خون ٹپکتا رہا ، ان کو
فکانوا بین قتیل واسیر و	قتل کرتے تھے ، قید کرتے تھے اور وہ
شرید وھارب ومستخف	بھاگے بھاگے پھرتے تھے ، ذلیل ہوتے
ذلیل وخائف مترقب حتی	تھے۔ خائف رہتے تھے ، فقیہ و محدث و
ان الفقیہ والمحدث والقاضی	مورخ و متکلم کو رشوت دی جاتی تھی اور
والمتکلم یتقدم الیہ و	ان کو نہایت شدید عذاب و سزا
یتوعد بغایۃ الایعاد	کی دھمکی سے ڈرایا جاتا تھا کہ وہ فضائل
واشد العقوبۃ ان لا	علی و اولاد علی میں سے ایک شمہ بھی بیان نہ
یذکروا شیئاً من فضائلھم	کریں اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ ان سے

ولا يرخصوا الاحداث ان يلطيف
بهم حتى بلغ من تقيتة
المحدث انه اذا ذكر
حدثنا عن علي كنى عن
ذكره فقال قال رجل
من قريش و فعل رجل من
قريش ولا يذكر عليا ولا
يتفوه باسمه رأينا جميع
المختلفين قد حاولوا نقض
فضائله ووجهوا الحيل و
التأويلات نحوها من
خارجي مارق وناصب
حنق وثابت مستبهم
وناشي معاند ومنافق
مكذب وعثماني حسود
يعارض فيها ويطعن و
معتزلي قد نقد في الكلام
وابصر علم الاختلاف
وعرف الشبه ومواضع
الطعن وضروب التاويل قد
التمس الحيل في ابطال
مناقبه وتأول مشهور
فضائله فمرة يتاولها بما

ملیں۔ محدثین کے خوف کی حد یہاں تک
ہو گئی کہ جب حضرت علی کے واسطے سے
کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو علی کا نام
نہیں لیتے تھے بلکہ اشارہ سے کہتے تھے
مثلاً قریش میں سے ایک شخص نے یہ کہا
ہے، قریش سے ایک شخص نے ایسا کیا تھا،
علی کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ نہ ان کا نام
لیتے تھے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ ہم نے یہ
دیکھا کہ تمام مختلف جماعتوں نے اس امر
پر ایک اجتماع کر لیا کہ علی کے فضائل کو
گھٹائیں اور ان کی تاویلات کریں۔
اس ہی وجہ سے عثمانی جماعت کو موقع ملا
کہ طعن و اعتراض کرے۔ لیکن جاننے
والے اصلی بات کو جانتے ہیں۔ فضائل علی
کے ابطال میں بہت سے حیلے کرتے ہیں
اور جو فضائل ایسے مشہور ہیں کہ ان کا انکار
نہیں ہو سکتا تو ان کی تاویل کرنے کی
کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ کہیں تو ایسی
تاویل کرتے ہیں جس کی مطلقاً گنجائش
نہیں ہوتی، اور کہیں ان فضائل کی قدر
گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن باوجود
ان تمام کوششوں کے فضائل علی قوت و
استحکام پکڑتے ہیں اور نور الٰہی کی طرح

لا یحتمل ومرۃ یقصد ان یضع من قدرھا بقیاس منتقص وتزداد مع ذالک الا قوۃ دافعۃ ووضوحاً واستنارۃ وقد علمت ان معاویۃ ویزید ومن کان بعدھما من بنی مروان ایام ملکھم وذالک نحو ثمانین سنۃ لم یدعوا جھداً فی حمل الناس علی شتمہ ولعنہ واخفاء فضائلہ وستر مناقبہ وسوابقہ............ وقد تعلمون ان بعض الملوک ربما احدثوا قولا او دینا لھوی فیحملون الناس علی ذلک حتی لا یعرفون غیرہ کنحو ما اخذ الناس الحجاج بن یوسف بقرأۃ عثمان وترک قرأۃ ابن مسعود و ابی بن کعب وتوعد علی ذلک بدون ما صنع ھو وجبابرۃ بنی امیۃ وطغاۃ بنی مروان بولد علی وشیعتہ وانما کان سلطانہ نحو عشرین سنۃ فما

خوب پھیلتے ہیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ معاویہ اور یزید اور ان کے بعد بنو مروان نے اپنے زمانۂ سلطنت میں جو تقریباً اسّی سال تھا۔ لوگوں کو زبردستی کرکے علیؑ و اولاد علیؑ پر لعن و سب و شتم کرنے اور ان کے فضائل و سوابق و مناقب کے چھپانے میں کوئی کوشش فرو گذاشت نہیں کی تم لوگ جانتے ہو کہ جب بادشاہوں میں سے کسی نے اپنی خواہش کی پیروی میں ایک نیا قول یا نیا دین ایجاد کیا تو لوگوں پر زبردستی و جبر کرکے کوشش کی ہے کہ لوگ سوائے ان کے قول و دین کے کچھ اور نہ جانیں مثال کے طور پر دیکھو حجاج ابن یوسف نے لوگوں کو مجبور کیا کہ حضرت عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کو اختیار کریں اور ابن مسعود اور ابی بن کعب کی قرأت کو ترک کر دیں اس نے اس امر پر لوگوں کو خوب دھمکی دی اور نیز ان امور پر جو اس نے اور سرکشان بنی مروان و بنی اُمیّہ نے حضرت علیؑ کی اولاد اور ان کے شیعوں کے ساتھ کئے تھے۔ اس کی سلطنت تقریباً بیس سال رہی اور وہ نہیں مرا یہاں تک کہ اہل عراق حضرت عثمان کے قرآن پر جمع ہوگئے، ان کی اولاد نے نشو و نما پائی، اور اب وہ سوائے

مات الحجاج حتی اجتمع اهل العراق علی قرأة عثمان ونشأ ابناؤهم ولا یعرفون غیرها لامساك الاباء عنها وكف المعلمین عن تعلیمها حتی لو قرأت علیهم قرأة عبد الله وابی ما عرفوها ولظنوا بتألیفها الاستكراه والاستهجان لالف العادة وطول الجهالة لانه اذا استولت علی الرعیة الغلبة وطالت علیهم ایام التسلط وشاعت فیهم المخافة وشملتهم التقیه اتفقوا علی التخاذل والتساكت فلا تزال الایام تأخذ من بصائرهم وتنقص من ضمائرهم وتنقض من مرائرهم حتی تصیر البدعة التی احدثوها غامرة للسنة التی كانوا یعرفونها ولقد كان الحجاج ومن ولاة كعبد الملك والولید ومن كان قبلها وبعدها من فراعنة بنی امیه علی اخفاء

قرآن عثمان کے اور کسی قرأت کو نہیں جانتے تھے کیونکہ ان کے باپ دادا نے اسی قرآن کو پکڑا تھا اور ان کے اُستادوں نے اس کی ہی تعلیم دی تھی یہاں تک کہ اگر اب ان کے سامنے عبد اللہ ابن مسعود و ابی کے طریقہ کے قرآن کو پڑھا جائے تو وہ اس سے بالکل ناواقف ہونگے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ انہیں اس قرآن سے اُلفت ہوگئی اور دوسرے کا علم ہی نہ تھا (اسی طرح اس امر ہیں) رعایا کے اُوپر استبداد غالب ہوگیا سلطنت کا زمانہ دراز ہوگیا اور ان کے دل میں تقیّہ اور ڈر نے گھیر کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ اس امر پر جمع ہوگئے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں حضرت علی کی وہ قدر و منزلت نہ رہی دلوں سے ان کی عزت جاتی رہی اور حضرت علی کے محاسن نہاں ہوگئے یہاں تک کہ یہ بدعت (سب وشتم علی) ان کے لئے سُنّت ہوگئی جو حجاج اور وہ لوگ جنہوں نے اس کو مقرر کیا تھا عبد الملک ولید اور نیز وہ فراعنہ بنی اُمیّہ جو ان سے پہلے تھے اور بعد میں ہوئے بہت شدّت جور کے ساتھ ان پر تلے ہوئے تھے کہ حضرت علی کے محاسن اور انکی ولاد اور شیعوں کے فضائل کو چھپائیں اور ان کے قتل و عزت کو محو کریں، اور اُن کی

محاسن علی وفضائله وفضائل
ولده وشیعته واسقاط اقدارهم
احرص منهم علی اسقاط قراءة
عبدالله وابی لان تلك القراءة
لاتکون سبب الزوال ملکهم
وفساد امرهم وانکشاف
حالهم وفی اشتهار فضل
علی علیه السلام وولده و
اظهار محاسنهم بوارهم
وتسلیط حکم الکتاب المنبوذ
علیهم فحرصوا واجتهدوا
فی اخفاء فضائله وحملوا
الناس علی کتمانها وسترها و
ابی الله ان یزید امره وامر
ولده الا استنارة واشراقاً
وحبهم الا شغفاً وشدة وذکرهم
الا انتشاراً وکثرة وحجتهم الا
وضوحاً وقوة وفضلهم الا
ظهوراً وشأنهم الا علواً واقدارهم
الا اعظاماً حتی اصبحوا
باهانتهم ایاهم اعزاءً و
باماتتهم ذکرهم احیاءً وما
ارادوا به وبهم من الشر تحول

یہ خواہش اس سے کہیں زیادہ تیز اور قوت والی تھی جو ان کو
عبداللہ والی قرأت کو محو کرنے کے لئے تھی کیونکہ ان
قرأتوں سے ان کے مُلک کو زوال نہیں آتا
تھا، فضائل علی و اولاد علی کے مشتہر ہونے میں
اور ان کے محاسن کے ظاہر ہونے میں ان
لوگوں کے مُلک سلطنت کی بربادی تھی، لہٰذا
انہوں نے فضائل علی کے اخفا میں بہت کوشش
کی اور جور و ظلم کے ساتھ لوگوں کو مجبور کیا کہ فضائل و
حقوق علی کو چھپائیں لیکن خداوند تعالیٰ نے چاہا
کہ حضرت علی اور ان کی اولاد کا نور چمکے اور
پھیلے ان کی محبت زیادہ ہو ان کا ذکر اطراف
عالم میں منتشر ہو۔ ان کے حقوق لوگوں پر ظاہر
ہوں ان کے فضائل و محاسن لوگوں پر آشکارا
ہوں ان کی شان بڑھے ان کی قدر و منزلت
زیادہ ہو یہاں تک کہ جوں جوں بنی امیہ نے ان کی
اہانت کی ان کی عزت زیادہ ہوئی جوں جوں
بنی امیہ نے ان کے ذکر کو چھپانا چاہا توں
توں وہ لوگوں میں پھیلا جس امر سے
بنو امیہ کا منشا انہیں بدی پہنچانے کا تھا وہ
ان کے لئے نیکی میں تبدیل ہو گیا اس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ علی اور اولاد علی کے فضائل اور محاسن
و سوابقات کا ذکر ہم تک پہنچا اور حضرت
علی کی یہ محاسن و صفات ایسی ہیں کہ جن میں

خیرا فانتھی الینا من ذکر فضائلہ وخصائصہ ومزایاہ وسوابقہ مالم یتقدمہ السابقون ولا ساواہ فیہ القاصدون ولا یلحقہ الطالبون ولولا انھا کانت کالقبلۃ المنصوبۃ فی الشھرۃ وکالسنن المحفوظۃ فی الکثرۃ لم یصل الینا منھا فی دھرنا حرف واحد وکان الامر کما وصفناہ۔

علی کی برابری نہ آگے بڑھنے والوں نے کی اور نہ ان کی حد تک طلب وتلاش کرنے والے پہنچ سکے ان کے اخفا ومُردہ کرنے کے لئے تو اتنے زبردست طریقے استعمال کئے گئے تھے کہ اگر یہ صفات ومحاسن بہت اعلیٰ درجہ کے نہ ہوتے اور ان کی شہرت رسولؐ کے وقت میں اتنی عام نہ ہوگئی ہوتی تو ہم تک ان کی ایک صفت بھی نہ پہنچتی۔

ابوجعفر اسکافی جماعت حکومت کے نہایت مشہور ومعروف متکلّمین ومحققین میں سے ہے ابوسعد عبدالکریم سمعانی نے کتاب الانساب (ورق ۱۵) میں لکھا ہے کہ محمد بن عبداللہ الاسکافی بغداد کے معتزلہ متکلّمین میں سے بہت مشہور ومعروف اور اس کی بہت تصانیف ہیں۔ ۲۴۰ھ میں اس نے وفات پائی یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھا ہے کہ محمد بن عبداللہ ابوجعفر الاسکافی بغداد کے معتزلہ متکلّمین میں سے بہت مشہور ومعروف تھا۔ اس کی مدح ابوالحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں بہت کی ہے اور عبدالجبّار معتزلی جس سے اہل سُنّت وجماعت طریقہ مناظرہ سیکھا ہے اس کی بہت تعریف کرتا ہے۔

علّامہ ابوبکر خوارزمی کے مکاتیب میں جو مصر میں چھپ چکے ہیں اور اس کا ایک نسخہ اس حقیر کے کتب خانہ میں خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے موجود ہے اس سے بھی زیادہ اس امر کی تفصیل کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

وکتب الی جماعۃ الشیعۃ بنیسابور لما قصدھم محمد بن ابراھیم والیھا سمعت ارشدکم اللہ سعیکم وجمع علی التقوی امرکم ما تکلم بہ

جب محمد بن ابراہیم والی نیشاپور نے وہاں شیعہ جماعت کا قصد کیا تو علّامہ خوارزمی نے اس جماعت کے پاس یہ خط بھیجا :- خدا تمہارا بھلا کرنے والے تمہاری کوششوں

السلطان الذی لا یتمائل الا علی
العدل ولا یمیل الا علی جانب
الفضل ولا یبالی بان یمزق دینه
ذا ما قادنیاه ولا یفکر فی ان لا
یقدم رضا الله اذا وجد رضاهم
انتم ونحن اصلحنا الله وایاکم
عصابة لم یرض الله لنا الدنیا
فذخرنا للدار الآخرة ورغب
بنا عن ثواب العاجل فاعد لنا
ثواب الآجل وقسمنا قسمین
قسما مات شهیدا وقسما عاش
شریدا فالحی یحسد المیت علی
ماصار الیه ولا یرغب بنفسه
عما جرى الیه قال امیرالمؤمنین
ویعسوب الدین علیه السلام
المحن الی شیعتنا اسرع الی
الحدود وهذه مقالة واضحة
علی المحن وولد اهلها فی طالع المحن
والفتن فحیاة اهلها نغص و
قلوبهم حشوها غصص والایام
علیهم متحاملة والدنیا عنهم
مائلة فاذا کنا شیعة ائمتنا فی
الفرائض والسنن ومتبعی آثارهم فی

تقویٰ کا حال اس بادشاہ سے سُنا ہے جو ہمیشہ
عدل کرتا ہے اور فضیلت کی طرف مائل ہوتا
ہے وُہ نہیں چاہتا کہ اس کے دین کو اس کی
دُنیا کے امور خراب کر دیں اور جب رضائے
الٰہی معلوم کر لیتا ہے تو اس کو سب پر مقدم
رکھتا ہے، ہم اور تم خدا بھلا کرے ایک جماعت
ہیں، خُدا اس بات پر راضی نہ ہو کہ ہمیں دُنیا
دیوے لہٰذا آخرت میں ہمارے ثواب کا
ذخیرہ جمع فرمایا۔ دُنیا کی دلفریبیاں اس نے
ہمارے لئے مناسب نہ سمجھیں، لہٰذا اس نے
ہمارے لئے آخرت کی خوبیاں جمع فرمائیں اور
ہمیں دو قسموں پر تقسیم کیا۔ پس ایک جماعت تو
شہید ہو گئی اور دوسری شہر بدر کی گئی پس
زندہ لوگ مُردوں پر حسد کرتے تھے بوجہ
ان تکالیف کے جو ان پر گزر رہی تھیں۔
جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے
کہ جس تیزی کے ساتھ پانی نشیب کی طرف
دوڑ کر جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تیزی کے
ساتھ مصائب و تکالیف ہمارے شیعوں کی
طرف دوڑ کر آتے ہیں، اس قول کی بُنیاد
ان مصائب پر ہے جن کی نسبت کہا گیا ہے
کہ وُہ لوگ فتنوں کے طالع کے اندر پیدا
ہوتے ہیں ان کی زندگی قبل اس کے کہ

كل قبيح وحسن فينبغي ان
نتبع آثارهم في المحن غصبت
سيدتنا فاطمة صلوٰة الله عليها
وعلى آبائها ميراث ابيها صلوٰة
الله عليه وعلى آله يوم السقيفة
واخر امير المومنين عن الخلافة
وسم الحسن عليه السلام سرًّا و
قتل اخوه عليه السلام جهرًا و
صلب زيد بن علي بالكناسة
وقطع راس زيد بن علي في
المعركة وقتل ابناه محمد و
ابراهيم على يد عيسى بن موسى
العباسي، ومات موسى بن جعفر
في حبس هارون وسم علي بن
موسى بيد المامون وهزم
ادريس بفخ حتى وقع الى الاندلس
فريدا ومات عيسى ابن زيد طريدا
شريدا وقتل يحيي بن عبد الله
بعد الامان والايمان وبعد
تاكيد العهود والضمان هذا غير
ما فعل يعقوب بن الليث بعلويه
طبرستان وغير قتل محمد بن زيد
والحسن بن القاسم الداعي على

پوری ہو ختم کر دی جاتی ہے، اور وہ اپنی
زندگی سے پھولتے پھلتے نہیں ان کے دل ا
سے غم واندوہ سے بھرے رہتے ہیں زما
ان پر سختی کرتا ہے اور دنیا ان سے دور ہو جاتی ہے
اور اگر ہم فرائض وسنن میں اپنے اماموں کی پیروی
کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم
چلنا چاہتے ہیں تو چاہیئے ہم مصائب تکالیف
بھی ان کے قدم بقدم چلیں بروز سقیفہ جناب
سیدہ فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا سے ان کے
باپ کی میراث چھین لی گئی اور جناب علی مرتضیٰ
خلافت اولیٰ سے محروم کیا گیا، جناب امام حسنؑ کو
پوشیدہ زہر دیا گیا، جناب امام حسینؑ کو علانیہ قتل
کیا گیا۔ زید بن علی کو کناسہ میں سولی دی، اور
زید ابن علی کا سر معرکہ میں کاٹا گیا۔ اور ان کے
دونوں بیٹوں محمد وابراہیم کو عیسیٰ بن موسیٰ عباسی
نے قتل کیا، حضرت موسیٰ بن جعفر ہارون کی قید
میں مر گئے۔ اور حضرت علی بن موسیٰ کو مامون نے
زہر سے شہید کیا، ادریس فخ کی طرف
بھاگ گئے اور پھر تن تنہا اندلس میں آ گئے
عیسیٰ بن زید جلاوطنی کی حالت میں مر گئے یحیی
بن عبداللہ کو امان اور حلف دینے کے باوجود
قتل کیا گیا، یہ سب اس کے علاوہ ہے جو
یعقوب بن اللیث نے طبرستان میں علویین کے

یدی آل ساسان وغیر ما صنعہ	ساتھ کیا، یہ اس کے علاوہ ہے کہ محمد بن زید
ابو الساج فی علویۃ المدینۃ	والحسن بن القاسم کو آل ساسان نے قتل کیا
حملھم بلا غطاء ولا وطاء من	اور نیز اس کے علاوہ ہے جو ابو الساج نے مدینہ
الحجاز الی سامرا وھذا بعد قتل	میں علوئین کے ساتھ کیا کہ ان پر یکایک حملہ
قتیبۃ بن مسلم الباھلی	کر دیا جب کہ وہ بالکل نہتے تھے اور ان کو سامرا
لابن عمر بن علی حین اخذہ	کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور یہ قتیبہ بن مسلم باہلی کے
بابویہ وقد ستر نفسہ ووارٰی	قتل کے بعد ہوا، کہ جب وہ عمر بن علی کی وجہ
شخصہ یصانع حیاتہ ویدافع	سے قتل کیا گیا تھا جس کو بابویہ نے پکڑ لیا تھا
وفاتہ ولا کما فعلہ الحسین	حسین بن اسمٰعیل المصیعی نے یحییٰ بن عمر الزیدی
بن اسمعیل المصیعی بیحیی بن	پر اور مزاحم بن خاقان نے کوفہ میں علوئین پر
عمر الزیدی خاصۃ وما فعلہ	بڑے بڑے ظلم و ستم کئے تھے، غرضکہ مملکت اسلامیہ
مزاحم بن خاقان بعلویۃ الکوفۃ	میں کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی
کافۃ وبحسبکم انہ لیست فی	علوی قتل نہ کیا گیا ہو۔ اور اس کے قتل میں
بیضۃ الاسلام بلدۃ الا	اموی و عباسی و عدنانی و قحطانی سب نے
وفیھا لقتیل طالبی تربۃ تشارک	شرکت نہ کی ہو ....
فی قتلۃ الاموی والعباسی واطبق	علوئین کو حمیت نے موت کی طرف کھینچا چونکہ
علیھم العدنانی والقحطانی	وہ ذلت کی زندگی گوارا نہیں کرتے تھے، لہذا
اشعار	وہ عزت کی موت مر گئے۔ چونکہ ان کا ایمان
قادتھم الحمیۃ الی المنیۃ وکرھوا	یقین نعمائے اخروی پر کامل تھا۔ لہذا
عیش الذلۃ فماتوا موت العزۃ	ان کے دل اس فانی دنیا سے بیزار ہو گئے۔ مگر
ووثقوا بما لھم فی الدار الباقیہ	انہوں نے کوئی موت کا کاسہ نہیں پیا۔ لیکن یہ
فسا بخت نفوسھم عن ھذہ الفانیہ	کہ ان کے ساتھ ان کے شیعوں اور
ثم لم یشربوا کاساً من الموت	دوستوں نے بھی اس کو اسی طرح

الا شربها سيحتهم واولياؤهم
ولاتاسوالونا من الشدائد الا
فاساءة انصارهم واتباعهم
راس عثمان بن عفان بطن عمار
بن ياسر بالمدينة ونفي
ابا ذر الغفاري الى الربذة
واشخص عامر بن عبد قيس
التميمي وغرب الاشتر النخعي
وعدي بن حاتم الطائي و
سير عمرو بن زرارة الى
الشام ونفي كميل بن زياد الى
العراق وجفا ابي بن كعب واقصاه
وعادى محمد بن حذيفة وناواه
وعمل في دم محمد بن سالم ما
عمل وفعل مع كعب ذي الحطبة
ما فعل واتبعه في سيرته بنو امية
يقتلون من حاربهم ويغدرون
بمن سالمهم لا يحفلون المهاجري
ولا يصونون الانصاري ولا يخافون
الله ولا يحتشمون الناس قد
اتخذوا عباد الله خولا ومال الله
ولايهدمون الكعبة ويستعبدون
الصحابة ويعطلون الصلوة

چکھا۔ عثمان بن عفان نے عمار یاسر کے پیٹ
پر لاتیں ماریں اور ابوذر کو ربذۃ کی طرف
جلاوطن کر دیا، اور عامر بن عبد قیس التیمی
کو شہر بدر کر دیا اور اُشتر النخعی وعدی بن
حاتم کو جلاوطن کر دیا، عمرابن زرارہ کو
شام کی طرف بھیج دیا، کمیل بن زیاد
کو عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ وابی
بن کعب و محمد بن حذیفہ پر ظلم کیا، اور
ان کو بھی شہر بدر کر دیا، محمد بن سالم کے
خون کے ساتھ اس نے وہ کیا جو کیا اور
کعب ذی الحطبۃ کے ساتھ، وہ کیا جو اس نے
کیا اسی طرح عثمان بن عفان کے نقش قدم
بنو اُمیہ چلے، جو ان سے لڑائی لڑتا تھا
تو اُسے قتل کر دیتے تھے اور جو اُن کے
ساتھ صُلح کر لیتا تھا تو اس سے دھوکہ
کرتے تھے۔ ان کے دست جور سے
مہاجرین بچے ہوئے تھے اور نہ انصاری
وہ نہ خدا سے ڈرتے تھے اور نہ انسان کا
کچھ خیال کرتے تھے۔ بندگان خدا کو اپنا
غلام سمجھتے تھے اور خدا کے مال کو اپنے
باپ کا مال خیال کرتے تھے، کعبہ کو
منہدم کرتے تھے۔ صحابیوں
سے اپنی عبادت کراتے تھے۔

الموقونه ويحتمون اعناق الاحرار ويسبون فى حرم المسلمين وسيرتهم فى حرم الكفار واذا فسق الاموى فلم يأت بالضلالة عن كلاله فتل معاويه حجر بن عدى الكندى وعمرو بن الحمق الخزاعى بعد الايمان المؤكده والمواثيق المغلظه وقتل زياد بن سميه الالوف من شيعة الكوفه وشيعة البصره صبرا واوسعهم حبسا واسرا حتى قبض الله معاويه على اسوء اعماله وختم عمره لشر احواله فاتبعه ابنه يجهز على جرحاه ويقتل ابناء قتلاه الى ان قتل هانى بن العروه المرادى..... فلما حلت البلاد لال مروان سلطوا الحجاج على الحجازين ثم على عراقين فتلعب بالهاشمين واخاف الفاطمين وقتل شيعة على ومحا آثار بيت النبى وجرى منه ماجرى على كميل بن زياد النخعى واتصل البلاء مدة ملك المروانيه الى الايام

دیا صحابیوں کو غلام بناتے تھے، نماز ہائے پنجگانہ کو ترک کر دیا تھا۔ آزاد لوگوں کو قید کرتے تھے حرم رسول کے ساتھ وہی سلوک کرتے تھے جو حرم کفار کے ساتھ کرتے تھے، بنو امیہ نے اتنا فسق و فجور کیا جو حد سے گزر گیا، معاویہ نے حجر بن الکندی و عمرو بن الخزاعی کو حلف کے ساتھ امان دینے کے بعد قتل کیا، زیاد ابن سمیہ نے بصرہ و کوفہ کے ہزاروں شیعوں کو قتل کر دیا اور بہت کو اسیر کر لیا، یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے معاویہ کو اس کی بداعمالیوں کی جواب دہی کے لئے بلایا اور اس کی عمر ختم ہو گئی اسکے برے انجام کے ساتھ اس کے بیٹے یزید نے اپنے باپ کی پیروی ان برے اعمالوں میں کی اور جن کو معاویہ نے قتل کر لیا تھا ان کے بیٹوں کو یزید نے قتل کیا یہاں تک کہ اس نے ہانی بن عروۃ المرادی کو بھی قتل کر دیا الخ۔ جب تمام ممالک آل مروان کے لئے آل علی سے خالی ہو گئے تو انہوں نے حجاز و عراقین پر حجاج بن یوسف کو مسلط کر دیا، پس وہ ہاشمیوں کی زندگی کے ساتھ کھیلا، فاطمین کو ڈرایا، شیعان علی کو قتل کیا، آل رسول کی نشانیوں کو مٹا دیا اس کی طرف سے کمیل ابن زیاد النخعی پر جو گزرا وہ گزرا اور یہ بلاء عظیم سلطنت مروانیہ

العبّاسیہ حتی اذا اراد اللّٰہ
ان یختم مدا تھم باکثر اثامھم
ویجعل اعظم دنوبھم فی اخرایامھم
بعث علی بقیۃ الحق المھمل والدین
المعطل زید بن علی فخذ لہ منا فقوا
اھل العراق وقتلہ احزاب اھل
الشام وقتل معہ من شیعتہ
نصر بن خزیمہ الاسدی ومعاویہ
بن اسحاق الانصاری وجماعۃ
من شایعہ وتابعہ وحتی من
زوجہ وادناہ وحتی من کلمہ وماشاہ
فلما انتھکوا ذلک الحریم واقترفوا
ذلک الاثم العظیم غضب اللّٰہ
علیھم وانتزع الملک منھم فبعث
علیھم ابا مجرم لا ابا مسلم فنظر
لا نظر اللّٰہ الیہ الی صلابۃ العلویۃ
والی لین العباسیۃ فترک تقاہ
واتبع ھواہ وباع اخرتہ بدنیاہ
وافتتح عملہ بقتل عبد اللّٰہ بن
معاویہ بن عبد اللّٰہ بن جعفر
بن ابی طالب وسلّط طواغیت
خراسان وخوارج سجستان
واکراد اصفہان علی آل ابی طالب

کے زمانہ میں عباسیوں کی حکومت تک رہی
یہاں تک کہ جب خداوند تعالےٰ نے ارادہ
کیا کہ ان کی مدت سلطنت کو عظیم الشان گناہوں کے
ساتھ ختم کرے اور ان کے سب سے بڑے
گناہ ان کے آخری زمانہ میں ہوں، تو زید
ابن علی کو اس رہے سہے معطل دین اسلام پر
کھڑا کیا، پس عراق کے منافقوں نے اس کو
چھوڑ دیا، اہل شام نے ان کو قتل کر دیا اور
ان کے ساتھ ان کے شیعوں میں سے نصر بن
خزیمہ الاسدی و معاویہ بن اسحاق الانصاری
قتل کئے گئے، اور وہ سب قتل کر دیئے گئے
جنہوں نے ان کی پیروی یا متابعت کی تھی
یہاں تک کہ وہ بھی قتل کر دئے گئے جنہوں نے
ان سے سلسلۂ ازدواج قائم کیا تھا ان کے نزدیک
آئے تھے یا ان سے کلام کیا تھا پس جب
بنی اُمیّہ نے یہاں تک ظلم عظیم کئے تو
خداوند تعالیٰ ان پر غضبناک ہوا اور ان سے
ملک چھین لیا اور ان کے اوپر ابو مسلم کو جسے
ابو مجرم کہنا چاہیئے مسلّط کیا پس ابو مسلم نے
مناسب سمجھا کہ علویّین پر سختی کرے اور عباسیوں
کی طرف جھکے اس نے تقویٰ چھوڑ دیا اور اپنی
ہوا و ہوس کی پیروی کی اور آخرت کو دنیا کے عوض
میں فروخت کر دیا اس نے اپنی بداعمالیاں عبد اللہ

بقتلهم تحت كل حجر ومدر ويطلبهم
في كل سهل وجبل حتى سلط
عليه احب الناس اليه فقتله
كما قتل الناس في طاعته واخذه
بما اخذ الناس في بيعته.......
وقد امتلأت سجونه باهل بيت
الرسالة ومعدن الطيب والطهارة
فان تتبع غائبهم وتلقط حاضرهم
حتى قتل عبد الله بن محمد بن
عبد الله الحسني بالسند.......
وهذا قليل في جنب ما
قتله هارون منهم و فعله
موسى قبله بهم..........
ويموت امام من ائمة الهدى
وسيد من سادات بيت المصطفى
فلا تتبع جنازة ولا تجصص
مقابرة ويموت ضراطهم او لاعب
او مسخرة او ضارب فتحضر
جنازة العدول والقضاة ويعمر
مسجد التعزية عند القواد
والولاة ويسلم فيهم من يعرفونه
دهريا او سوفسطائيا ولا يتعرضون
لمن يدرس كتابا فلسفيا ومانويا

بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے
قتل سے شروع کیں اور خراسان کے شیطانوں و
سجستان کے خارجیوں اور اصفہان کے کردوں کو
آل ابی طالب کے اوپر مسلط کر دیا وہ لوگ اولاد ابی طالب
کو ہر ایک پتھر و کنکر کے نیچے سے ڈھونڈھ کر قتل کرتے
تھے اور ان کو میدانوں اور پہاڑوں میں سے تلاش
کر کے نکالتے تھے یہ قدرت خداوندی تھی کہ ابو مسلم کے
اوپر وہ شخص مسلط ہو گیا جو سب سے زیادہ اسکا محبوب تھا
پس اس نے ابو مسلم کو اسی طرح قتل کیا جس طرح ابو
مسلم نے لوگوں کو اس کی اطاعت میں قتل کیا تھا...
شاہان عباسیہ کے قید خانے اہلبیت رسالت سے
بھر دیئے گئے ان کے غائب کو ڈھونڈ کر نکالا گیا اور
ان کے حاضر کو قتل کیا گیا یہاں تک کہ عبداللہ بن محمد
بن عبداللہ الحسینی ملک سندھ میں قتل کر دئے گئے...
اور یہ سب بہت کم تھا اس کے مقابلے میں جو ہارون
نے ان میں سے قتل کئے، اور جو کہ موسے نے اسکے قبل
ان کے ساتھ کیا..........
عباسیوں کی یہ حالت تھی کہ اگر خاندان رسالت میں سے
کوئی امام یا سید مرجاتا تھا تو کوئی اس کے جنازے کے
ساتھ نہ جاتا تھا اور نہ ان کی قبر میں مٹی ڈالتا تھا
اور اگر ان کے ظالموں میں سے کوئی مرتا تھا یا کوئی
مسخرہ یا لہو ولعب کا آدمی مرتا تھا تو اس کے جنازے
کے ساتھ حکام عدالت قاضی جاتے تھے اور تعزیت

ويقتلون من عرفوه شيعيا ويسفكون
دم من سمى ابنه عليا ....
وكفاهم ان شعراء قريش قالوا
في الجاهلية اشعارا يهجون بها
امير المومنين عليه السلام
ويعارضون فيها اشعار المسلمين
فحملت اشعارهم ودونت اخبارهم
ورواها الرواة مثل الواقدي
ووهب بن منبه التميمي ومثل
الكلبي والشرقي بن القطامي و
الهيثم بن عدي وداب بن
الكناني وان بعض شعراء الشيعة
يتكلم في ذكر مناقب الوصي،
بل في ذكر معجزات النبي
صلى الله عليه وآله وسلم
فيقطع لسانه ويمزق ديوانه كما
فعل بعبد الله بن عمار البرقي و
كما اريد بالكميت بن زيد
الاسدي وكما نبش قبر
منصور بن الزبرقان النمري
وكما دمر على دعبل بن علي الخزاعي
مع رفقتهم من مروان بن ابي
حفصة اليمامي ....

کرنے والوں سے جن میں والیان ملک بھی شامل ہوتے
تھے مسجد بھر جاتی تھی ان میں وہ لوگ صحیح و سالم
رہتے تھے اور خوشی کی زندگی بسر کرتے تھے جن کو
وہ جانتے تھے کہ یہ دہریئے یا فسطائی ہیں اور ان
سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا جو مدرسوں میں مانی کے
مذہب یا دہریت کی تعلیم دیتے تھے مگر جس شخص کو وہ
جانتے تھے کہ شیعہ علی ہے اس کا خون مباح کر دیتے تھے
اور اس کو قتل کرتے تھے اور جو شخص اپنے بیٹے کا نام
علی رکھتا تھا اس کو قتل کر دیتے تھے . . .
اور یہ کہنا ہی کافی ہے کہ شعراء قریش جو امیرالمومنین علی کی
ہجو میں اشعار کہتے تھے اور مسلمانوں کے اشعار کے
معارضہ کرتے تھے ان کے اشعار لوگوں میں فروغ پاتے
تھے اور ان کے سوانح حیات تحریر کئے جاتے تھے اور ان
اشعار کو واقدی اور وہب جیسے مورخ روایت کرتے تھے
مثلاً کلبی واشرقی بن القطامی وہیثم بن عدی اور
داب بن الکنانی اور وہ شعراء شیعہ جو وصی مصطفےٰ کی
مدح میں شعر کہتے تھے بلکہ جو صرف معجزات رسول خدا
بیان کرتے تھے ان کی زبان قطع کی جاتی تھی اور ان کے
دیوانوں کو چاک کیا جاتا تھا جیسا کہ عبداللہ بن عمار
البرقی کے ساتھ کیا گیا اور جس طرح کہ منصور بن الزبرقان کی
قبر اکھاڑی گئی اور جیسا کہ دعبل بن علی الخزاعی کے
اوپر ظلم کیا گیا حالانکہ وہ مروان بن ابی حفصہ الیمامی
کے رفقاء میں سے تھا . . . . . .

حتی ان هارون بن الخيزران و
جعفر المتوكل على الشيطان
لا على الرحمٰن كانا لا يعطيان
مالا ولا يبذلان نوالا الا
لمن شتم آل ابی طالب ونصر مذهب
النواصب مثل عبيد الله بن
المصعب الزبيري ووهب بن
وهب البختري ومن الشعراء
مثل مروان بن ابی حفصة الاموی
ومن الادباء مثل عبد الملك
بن قريب الاصمعي۔

یہاں تک کہ ہارون و جعفر متوکل کسی کو کچھ مال
نہیں عطا کرتے تھے اور نہ کسی پر مہربانی و
تلطف نہیں کرتے تھے جب تک کہ انہیں یہ
معلوم نہیں ہو جاتا تھا کہ یہ شخص آل
ابی طالب پر سب و شتم کرتا ہے اور
مذہب نواصب و خارجی رکھتا ہے۔
مثل عبداللہ بن مصعب الزبیری و وہب
بن وہب البختری کے، اور شاعروں
میں سے مثل مروان بن ابی حفصۃ الاموی
کے اور ادیبوں میں سے مثل عبدالملک
بن قریب الاصمعی کے۔

کتاب رسائل خوارزمی مطبوعہ مصر۔ ص ۷۶ +

غرض کہ بہت اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ حکومت نے فضائل صحابہ و خلفائے اولین کے حقوق کی تائید میں بہت سی جھوٹی احادیث وضع کیں اور کرائیں، اور جد و جہد بلیغ کی کہ فضائل علی اور وہ احادیث و اقوال رسول مقبول جن سے حضرت علی کا حق خلافت بلا فصل ثابت ہوتا ہو شائع نہ ہوں۔ ان ہی اصول کو مد نظر رکھ کر تالیف حدیث کی گئی۔ اور ان ہی اصول کی بناء پر تدوین صحاح ستہ ہوئی۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تدوین تاریخ و حدیث امیر معاویہ کے زمانہ میں شروع ہوئی اور بنو امیہ کے زمانہ تک بہت کچھ جمع ہو چکا تھا[۱۵۵] اندریں صورت تاریخ و حدیث کا یک طرفہ ہونا اور تصویر کا محض ایک رُخ یعنی حکومتی رُخ پیش کرنا ظاہر ہے معلّمین حدیث اکثر قاضی اور قاضی القضاۃ ہوا کرتے تھے اور خود حکومت کے مقرر کردہ ہوتے تھے۔ لہٰذا ان محدثوں پر وہی مقرر کئے

[۱۵۵] سیرۃ النبی شبلی تقطیع کلاں جلد اوّل حصہ اوّل ص ۱۳ +

جاتے تھے جو حکومت کے طرفدار ہوتے تھے۔ اور اپنے تئیں عہدوں پر برقرار رکھنے کے لئے اُنہیں ضروری تھا کہ اپنی اس طرفداری کو مرتے دم تک قائم رکھیں ؛

اس طرح حدیث پر قبضہ کر کے حکومت نے اپنی پارٹی کو مضبوط تو ضرور کر لیا لیکن فریق مخالف کو وُہ نیست و نابُود نہ کر سکی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اسلام میں تفرقہ و نفاق کی خلیج بڑھتی ہی گئی ؛

گیارھویں تجویز۔ جمع قرآن۔

خاندان رسالت میں سے حکومت کو نکالنے کے لئے پہلا قدم جو اُٹھایا گیا وُہ یہ تھا کہ آلِ رسول کے مقابلہ میں صحابہ کا ایک محاذ قائم کیا جاوے اور جب اُمّتِ محمّدیہ کو اس طرح دو فرقوں پر تقسیم کر لیا تو اب یہ کوشش جاری ہوئی کہ ہر ممکن طریقہ سے آل رسول کو کمزور کیا جاوے اور ان کو لوگوں کی نظروں سے گرایا جاوے۔ اور اُن کے مقابلہ میں صحابہ کے اقتدار میں ترقی کی جاوے۔ آلِ رسول کا امتیازی نشان علم تھا اور اُنہوں نے اپنے اعلمیت کو لوگوں کے اُوپر اچھی طرح ظاہر کیا تھا تاکہ اُمّت اپنے اصلی امام کی شناخت کر کے راہ راست پر آ جائے۔ حضرت علی کا اعلان سلونی اس ہی ضمن میں تھا آپ فرماتے تھے اور صحیح فرماتے تھے کہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے ہر ممکن علم نہ ہو۔ مَیں اُس کے شانِ نزول، وقت نزول اور مقام نزول سے تم سب سے زیادہ واقف ہُوں۔ کیوں نہ ہو۔ گھر والے ہی جانتے ہیں کہ ان کے گھر میں کیا ہے۔ دُوسرے آدمی کو کیا علم۔ ابھی آپ نے تاریخ فقہ اسلامی کی عبارت ملاحظہ کی کہ معرفت قرآن اُن لوگوں کو زیادہ تھی کیونکہ قرآن اُن کی زبان میں نازل ہُوا تھا اور وُہ اسباب نزول سے اچھی طرح واقف تھے۔ گویا معرفتِ قرآن کے لئے منجملہ دیگر علوم کے ان دو علموں کا ہونا ضروری ہے۔ علم زبان و علم اسباب نزول ؛

زبان کو لیجئے۔ یہ امر تو مسلّمہ ہے کہ اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے علاوہ حضرت

عثمان نے تمام قرآن جلا دئے۔ اُن کے مخالفین کہتے ہیں کہ چونکہ یہ قرآن اُن کے مرتب کئے ہوئے قرآن سے مختلف تھے لہذا حضرت عثمان نے ظلم و جور سے باقی قرآن جلا دیئے اُن کے حامی کہتے ہیں کہ نہیں۔ قرآن شریف کی سات قرأتیں ہو سکتی تھیں۔ حضرت عثمان نے قریش کی قرأت والے قرآن کو قائم رکھا۔ باقی قرآنوں کو جلا دیا۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ عبداللہ ابن مسعود اپنے قرآن کو رسول خدا کی قرأت کے علاوہ کسی اور قرأت پر جمع کرتے۔ اُن کا قرآن بھی زبردستی چھین کر جلا دیا گیا۔ بہر صورت قرأت کی باتیں تو قاری جانیں، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اگر قرأت بھی کوئی شئے تمیز کرنے والی تھی تو محمدؐ کی قرأت کو محمدؐ کا بھائی ہمیشہ ساتھ رہنے والا مددگار، صلائے سلونی دینے والا وارث، حاملِ علم نبی، مطلوب انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا بہتر جانتا تھا یا زید ابن ثابت انصاری جو قریش بھی نہ تھے اور ابھی اپنی ماں کی گود ہی میں تھے کہ قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا۔ اور ابھی مدینہ کی گلیوں میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہی پھرتے تھے کہ اُس کا نزول ختم ہو گیا۔ اُن کو قرأت کا علم دوسروں سے پوچھ کر ہو سکتا تھا۔ علی خود اُس قرأت میں پیدا ہوئے تھے ؂

اسباب نزول کی بھی یہی حالت ہے۔ زید ابن ثابت کو اسباب نزول لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہو سکتے تھے۔ علی کو اُن کا علم براہِ راست تھا۔ زید ابن ثابت کا علم ذاتی نہ تھا۔ بلکہ سنا سنایا ہوا تھا۔ اگر کوئی غلط کہہ دے تو اُن کے پاس کوئی ذریعہ اُس کے درست کرنے کا نہ تھا۔ علی کا علم ذاتی تھا جس میں غلطی کا امکان نہ تھا۔ ایسے شخص کو چھوڑ کر جمع قرآن کا کام ایک کمیٹی سے لیا جاتا ہے۔ جس کے ممبران سب نوجوان لڑکے تھے اور زید ابن ثابت جن کی عمر اُس وقت مشکل سے ۲۳ برس کی ہوگی اُس کمیٹی کے صدر تھے۔ کیوں علی کو چھوڑا گیا۔ عبداللہ ابن مسعود اور عمار یاسر و ابوذر و مقداد وغیرہم بزرگوں کو نظر انداز کر کے چند نوجوانوں کو اس کام پر لگایا گیا۔ یہ ایک ایسا امر واقعہ ہے جو صریحاً تشریح طلب ہے ؂

جب انسان راہِ راست چھوڑ دیتا ہے تو اُسے بہت نیچ اُونچ دیکھنا پڑتا ہے
جسدِ اطہر رسول اکرمؐ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں طلبِ مُلک و جاہ
کے لئے چلا جانا وُہ مذہبی گناہ اور اخلاقی لغزش اور سیاسی غلطی تھی جس سے خرابیاں
ہی پیدا ہوتی رہیں۔ اُس ایک جُرم کو چھُپانے کے لئے سینکڑوں جتن کئے اور
ہر جتن میں سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے پہلے جناب رسولؐ خدا پر
یہ تہمت رکھنی پڑی کہ آنحضرتؐ اپنے دین اور اپنے فرض سے ایسے لاپرواہ تھے کہ
اپنا کوئی جانشین ہی مقرر نہیں کیا حالانکہ اور لوگ ایسی حالت میں یہی نہیں کہ
اپنا جانشین مقرر کرتے ہیں بلکہ اُس ولیعہد کو اپنے سامنے تربیت و تعلیم دے کر
اپنا سا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُس ہی سلسلے میں اب دُوسرا الزام یہ لگانا
پڑا کہ جناب رسولؐ خدا نے قرآن شریف کی طرف سے بھی ایسی ہی لاپروائی برتی
آنحضرتؐ کی زندگی میں تو قرآن شریف جمع نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ آخر وقت
تک کسی نہ کسی آیت کے نازل ہونے کا امکان تھا۔ لیکن آنحضرت صلعم کو
یہ بھی نہ خیال آیا کہ اُس کے جمع کرنے کے لئے ہدایات دے جاتے اور کسی کو اس
امرِ صعب کے انجام دینے کے لئے مقرر کر جاتے۔ آنحضرتؐ کی اِس غفلت و لاپروائی
کے مقابلے میں حضرت عمرؓ کی ہوشیاری و ہمدردئ اسلام کو نہایت نمایاں
کر کے اِس طرح دکھایا جاتا ہے کہ موقعہ اوّل پر بھی حضرت عمرؓ ہی مدد کو آئے اور
رفتنہ و فساد بچانے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا لائے اور
اب اِس موقعہ ثانی پر بھی حضرت عمرؓ ہی کے ذہن رسا نے کام کیا۔ کہتے ہیں کہ
جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن قتل ہو گئے تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے
پاس گئے اور کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن قتل ہوتے جائیں گے تو سارا قرآن
ضائع ہو جائے گا لہٰذا تم کو چاہئیے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دو۔
حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں کیونکر وُہ کام کروں جو جناب رسولؐ خدا نے نہیں کیا۔ لیکن
حضرت عمرؓ اپنی بات پر اڑے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا شرح صدر ہو گیا

اور انہوں نے زید ابن ثابت کو اِس کام کے لئے بُلایا۔ اوّل تو زید ابن ثابت بھی یہ سُن کر حیران ہوئے اور جب حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ کام تم کو کرنا ہوگا تو بڑے پریشان ہوگئے۔ اوّل تو اپنا عُذر پیش کیا کہ مَیں اِس کام کے لائق نہیں ہوں۔ لیکن جب حضرت ابوبکر نے سمجھایا تو اُن کا بھی شرح صدر ہوگیا۔ اور یہ جمع کرنے پر تیار ہوگئے۔ انہوں نے قرآن شریف کو کھجور کی شاخوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں میں سے اکٹھا کرکے جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سُورۂ توبہ کا آخری حصّہ اُن کو ابو خزیمہ انصاری سے ملا۔ اس کے علاوہ اِس حصّہ کو زید ابن ثابت نے کہیں اور نہ پایا۔ یہ حصّہ لقدجاءکم رسول سے آخر سورۂ توبہ تک تھا۔ تادمِ وفات یہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس رہے اور اُن کے مرنے کے بعد حضرت عمر کے پاس رہے۔ اور وُہ مرتے وقت اُن کو اپنی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس چھوڑ گئے۔[۲۳]

جب زید ابن ثابت کو مجبوراً یہ پہاڑ اُٹھانا ہی پڑا تو سب سے پہلے اُنہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے اُن کے قرآن طلب کئے۔ دونوں نے یہ قرآن اپنے اپنے غُلاموں سے لکھوائے تھے۔[۲۴]

حضرتِ عثمان کے زمانہ میں قرآن شریف کو اس کی موجودہ شکل دی گئی اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کے ممبران زید ابن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعد بن العاص اور عبدالرحمٰن بن الحرث بن ہشام تھے۔ جنگہائے آرمینہ وآذربائیجان کے

۲۳؎ صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۱۵۰۔
حافظ ابوعمر یُوسف ابن عبدالبر۔ کتاب الاستیعاب ترجمہ زید ابن ثابت الجزء الاوّل ص ۱۹۴۔
جلال الدین سیوطی:۔ تاریخ الخلفاء حالات ابوبکر ذکر جمع قرآن۔
کتاب الاتقان الجزء الاوّل ص ۵۷۔
۲۴؎ صحیح مُسلم مطبوعہ مصر الجزء الثانی کتاب الصلوٰۃ باب الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الوسطیٰ ھی صلوٰۃ العصر ص ۱۱۲۔
کتاب الدرالمنثور الجزء الاوّل ص ۳۰۲۔

دوران میں حذیفہ بن الیمان کو قرآن شریف میں لوگوں کا اختلاف معلوم ہوا۔ وہ حضرت عثمان کے پاس آئے اور صلاح دی کہ ایک سرکاری قرآن مرتب کیا جاوے اور باقی اختلافات کو دور کیا جاوے۔ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کا قرآن شریف منگا کر اس کے نقل کرنے کا حکم دیا اور اس غرض کے لئے اشخاص متذکرہ بالا کی ایک جماعت مقرر کی اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگ آپس میں زید بن ثابت سے اختلاف کرو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھنا۔ کیونکہ قرآن شریف قریش کے لہجہ میں نازل ہوا ہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب نقلیں ختم ہوگئیں تو عثمان نے حضرت حفصہ کا قرآن شریف تو واپس کر دیا اور ان نقلوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر ملک میں بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے سوا اگر کچھ اور قرآن کا حصہ کہیں ملے تو اس کو جلا دو (وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق)

ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو زید بن ثابت کے لڑکے خارجہ نے بتایا کہ میں نے اپنے باپ زید کو کہتے سنا ہے کہ جب ہم قرآن لکھنے لگے تو احزاب کی ایک آیت ہم کو نہیں ملتی تھی جو جناب رسولؐ خدا پڑھا کرتے تھے۔ پس ہم نے اس کو تلاش کیا یہاں تک کہ خزیمہ بن ثابت کے پاس وہ مل گئی اور وہ آیت یہ تھی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ پس ہم نے اس کو سورۂ احزاب میں داخل کر دیا۔[۵۴]

حضرت ابوبکر نے حضرت عمر و زید ابن ثابت کو حکم دیا کہ تم دونوں مسجد کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ پس جو شخص کوئی آیت بیان کرے کہ یہ قرآن شریف کی ہے اور دو گواہ بھی لائے تو تم اس کو قرآن شریف میں لکھ لو۔

---

[۵۴] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن الجزء الثالث ص۔ ۱۵۰ ٭

جلال الدین سیوطی:۔ کتاب الاتقان فی علوم القرآن الجزء الاوّل ص ۵۹ ٭

تاریخ فقہ اسلامی ص: ۱۶۰ ٭

پس ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن ابو خزیمہ بن ثابت کے پاس ایک آیت ملی جو اور کسی کے پاس نہ تھی اور نہ ہی اُن کے پاس دو گواہ تھے۔ لیکن چونکہ رسولؐ خدا نے اُن کو ذوالشہادتین کہا تھا اُن کی ایک کی گواہی دو کے برابر سمجھی گئی اور وہ آیت قرآن شریف میں داخل کر لی گئی۔ زید ابن ثابت حضرت ابوبکر کے حکم سے لوگوں کے مکانوں پر جاتے تھے اور وہاں سے آیتیں جمع کرتے تھے۔ [۱۲۹]

مُلکی سیاست کی نیرنگیاں مُلاحظہ ہوں۔ حضرت فاطمہ کے دعویٰ فدک میں تو حضرت علی و امّ ایمن و حسنین علیہما السلام اور حضرت فاطمہ کی گواہیاں اِس بنا پر رد کی جاتی ہیں کہ علی تنہا ہیں ایک مرد اور ہو۔ اور امّ ایمن تنہا ہے ایک عورت اور ہو۔ لیکن قرآن شریف جیسی اہم شے میں صرف ایک آدمی کی گواہی کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ یہ وُہ ہی آل رسول بمقابلہ صحابہ والا تنازعہ ہے یا نہیں۔

اب ان واقعات پر غور کرو۔ اور سوچو کہ کیا کیا نتیجے نکلتے ہیں۔ کسی ایک صحابی یا صحابیہ کے پاس جن کی طرف رجوع کیا گیا مکمل قرآن شریف موجود نہ تھا۔ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ والے قرآن شریف بھی مکمل نہ تھے۔ اگر مکمل ہوتے تو مکان بمکان نہ جاتے، اور مسجد کے دروازے پر بھیک نہ مانگتے۔ خزیمہ بن ثابت کے پاس جو آیت ملی وہ کہیں اور نہیں پائی گئی۔ گواہان و شاہدان کی ضرورت ہوئی۔ ان دونوں مخدرات عصمت کے قرآن شریف غلاموں کے لکھے ہوئے تھے۔ جن کا علم ہرگز حضرت علیؑ، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس، عمار ابن یاسر، مقداد و ابوذر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اندریں صورت غلطی کا بہ ایک امکان تھا۔ ہم تو کچھ نہیں کہتے۔ یہ بزرگوار خود مانتے ہیں کہ غلطیاں رہ گئیں۔ کہتے

---

[۱۲۹] الاتقان فی علوم القرآن جلال الدین السیوطی الجزء الاول ص ۵۸

ہیں کہ آیت رجم قرآن شریف کا حصّہ ہے۔ لیکن موجودہ قرآن میں نہیں ملتا۔ ٤٧
سورۃ الخلع۔ سورۃ العفد موجودہ قرآن شریف میں نہیں ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں کا اعتقاد ہے کہ یہ دونوں صورتیں قرآن شریف کا جزو ہیں۔ اور خداوند تعالےٰ کا کلام ہیں۔ لیکن حضرت عثمان کو دستیاب نہ ہو سکیں۔ جلال الدین سیوطی نے تو ان دونوں سورتوں کو مکمل اپنی کتاب الدرالمنثور میں لکھا ہے اور اُن کی تفسیر بھی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ عبداللہ ابن مسعود و ابی بن کعب و ابن عباس کے قرآنوں میں موجود تھیں۔ اور حضرت علی نے یہ دونوں سورتیں عبداللہ غافقی کو تعلیم کی تھیں۔ ٤٨

اِس امر واقعہ کو یہ بزرگ خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں، حضرت علی کے بہت سے فضائل تھے اور بہت سے دیگر صحابہ کے مثالب و معائب تھے جو جامع قرآن کمیٹی نے خارج کر دئے۔ سورۃ توبہ کی نسبت یہ بات خاص طور سے کہی جاتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ سورۃ توبہ بہت طویل تھی اب تو اس کی چوتھائی بھی نہیں ہے۔ اِس بات کو حاکم و ابو شیبہ و طبرانی و ابوالشیخ و ابن مردویہ و ابن المنذر و ابو عوانہ و جلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے۔ ٤٩

---

٤٧ صحیح بخاری باب رجم الحبلی الجزء الرابع ص ۱۱۹ ۔
مسند امام احمد حنبل الجزء الاوّل ص ۲۳، ۴۰، ۵۵۔ جزء الخامس ص ۱۳۲، ۱۸۳ ۔
کتاب الدرالمنثور الجزء الخامس ص ۱۸۰۔ تفسیر اتقان الجزء الاوّل ص ۵۸ ۔
مؤطائی امام مالک و محاضرات امام راغب فتح الباری ابن حجر عسقلانی ۔
٤٨ جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدرالمنثور الجزء السادس ص ۴۲۰، ۴۲۱ ۔
اتقان الجزء الاوّل النوع التاسع فی عدد سورہ و آیاتہ ص ۶۵ ۔
٤٩ جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدرالمنثور الجزء الثالث ص ۲۰۸ ۔
کتاب الاتقان فی علوم القرآن الجزء الاوّل ص ۵۴، ۵۵ ۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آیۂ رجم اور آیۂ رضاع الکبیر نازل فرمائیں۔ یہ دونوں آیتیں لکھی ہوئی میرے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ ہم تو آنحضرتؐ کے مرض میں مشغول ہوئے اور ایک بکری آن کر کھا گئی۔ ۵۰[1]

اگر یہ موجودہ قرآن شریف ہی وہ ہے جس کی نسبت آیۂ وافی ھدایہ نازل ہوئی نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ نے اس آیت کی بہت اچھی تفسیر فرمائی۔

کہتے ہیں کہ اصلی سورۃ احزاب جو نازل ہوئی سورۃ البقر کے برابر طویل تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی۔ لیکن حضرت عثمان کو صرف اسی قدر مل سکی کہ جتنی اب قرآن شریف میں ہے۔ ۵۱

حضرت عمر کہتے ہیں کہ آیت رجم قرآن شریف کا حصّہ ہے۔ ہم آنحضرتؐ کے زمانہ میں اُس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ۵۲

بیان کیا جاتا ہے کہ آیہ تبلیغ اس طرح تھی۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ اس میں سے اِنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ نکال دیا گیا۔ ۵۳

۵۰ امام احمد حنبل مسند الجزء السادس ص ۲۶۹ ٭

امام راغب اصفہانی: محاضرات ٭

فخر الدین عثمان بن علی متوفی رمضان ۷۴۳ھ: تبیان الحقائق شرح کنز الدقائق ٭

۵۱ مسند ابی داؤد الطیالسی الجزء الثانی حدیث ۵۴۰ ص ۳ ۷ ٭

ابن ہشام: سیرۃ النبی الجزء الرابع ص ۳۳۷ ٭

۵۲ اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء حصّہ دوم ص ۴۳۵ ٭

۵۳ کتاب الدر المنثور الجزء الثانی ص ۲۹۸ ٭

حافظ ابو نعیم: حلیۃ الاولیاء تفسیر کبیر فخر الدین رازی ٭

[1] ۵۰ حالانکہ یہ بات اہل سنت کی کتابوں میں ہے مگر الزام شیعہ کو دیا جاتا ہے

آیہ وافی ہدایہ کفی اللہ المؤمنین القتال بعلی بن ابی طالب تھی اس میں سے بعلی بن ابی طالب نکال دیا گیا۔ [۵۴]

ابو وائل صحابی لکھتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن مسعود کے قرآن شریف میں یہ آیت اس طرح لکھی ہوئی دیکھی۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ وَاٰلَ مُحَمَّدٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ اس میں سے آل محمدؐ نکال دیا۔ [۵۵]

پتہ کی بات تو امام شعرانی نے اپنی کتاب الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر میں کہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :۔

قال ولو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ھو الذی تولّی بجمع القرآن لوقفنا وقلنا اٰھذا وحدہ ھو الذی نتلوہ یوم القیامۃ وقال لولا ما یسبق للقلوب الضعیفۃ ووضع الحکمۃ فی غیر اھلھا لبنیت جمیع ما سقط من مصحف عثمان واسا ما استقر فی مصحف فلم ینازع احد فیہ۔ برحاشیہ الیواقیت والجواھر مطبوعہ مصر ۱۴۳

کہا کہ اگر جناب رسولؐ خدا خود جمع قرآن کی نگرانی کرتے تو ہم ضرور توقف کرتے اور کہتے کہ یہی ہے وہ قرآن جس کی ہم روز قیامت تلاوت کریں گے اور شیخ الاکبر نے کہا کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ یہ ضعیف دلوں کے واسطے سبقت کرے گا (یعنی اُن کو شبہات پیدا ہونگے) اور اس کہنے سے نااہلوں میں حکمت کو ڈال دینا ہوگا (یعنی ایسا کہنے سے نااہل لوگوں کو حکمت کی بات بتا دینا ہوگا) تو ہر آئینہ میں ان تمام آیتوں کو ضرور بتا دیتا جو مصحفِ عثمان سے ساقط ہیں۔ لیکن جو کچھ اب باقی ہے مصحف عثمان میں اُس کی بابت ایک شخص نے بھی تنازعہ نہیں کیا ؎

---

[۵۴] جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص ۱۹۲ ؎
میرزا محمد بن معتمد خاں :۔ مفتاح النجاء ؎
[۵۵] تفسیر ثعلبی ؎

کتاب الدر المنثور میں علامہ جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں :-

اخرج ابو عبید و ابن الضریس و ابن الانباری فی المصاحف عن ابن عمر قال لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ ما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیر ولکن یقل قد اخذت ما ظہر منہ

جلال الدین سیوطی :- کتاب الدر المنثور

ابو عبید و ابن الضریس اور ابن الانباری نے المصاحف میں ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا کہ کوئی شخص تم میں سے یہ نہ کہے کہ میرے پاس مکمل قرآن ہے۔ اُسے کیا معلوم کہ مکمل قرآن کتنا تھا۔ قرآن شریف کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ ہاں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس اتنا قرآن ہے کہ جتنا اب ظاہر ہے۔

مسلمانو! غور کرو۔ خدا کو جان دینی ہے۔ کیوں اپنے رسول پر اتنے بڑے الزامات لگاتے ہو۔ جناب رسولؐ خدا جانتے تھے کہ میں دنیا میں خدا وند تعالے کا آخری نبی و رسول ہوں۔ میرا یہ دین قیامت تک رہے گا۔ لیکن پھر آپ کی رائے کے بموجب اُس سے یہ لاپروائی برتی کہ اپنے بعد کے ہادی و جانشین کو بھی مقرر نہ کیا۔ اور نہ کچھ اُس کے تقرر کا انتظام فرمایا۔ اگر حضرت ابو بکر و حضرت عمر نہ ہوتے تو یہ دین تو برباد ہو ہی گیا تھا۔ اُنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالا۔ اب یہ کہتے ہو کہ قرآن شریف کی طرف بھی کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرات شیخین و حضرت عثمان نے سنبھالا۔ جناب رسولؐ خدا تو اپنے طرزِ عمل سے قرآن کو کھو ہی چلے تھے۔ خود تو وہ قرآن شریف کو بکریوں اور غلاموں کے حوالے کر کے دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اگر جنگ یمامہ میں حفاظ قتل نہ ہوتے اور حضرت عمر کا خیال ادھر نہ جاتا تو بس سارا اسلام ہی رُخصت ہو گیا تھا۔ برخلاف اس کے کیا یہ اعتقاد قرین عقل و قیاس و مطابق واقعات کے نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے جمع قرآن کا کام اپنے وصی و جانشین حضرت علی کے ذمہ لگا دیا تھا۔ جب ہی تو اُنہوں نے سارے کام چھوڑ کر سب سے پہلے اس حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرتؐ کی زندگی ہی سے اُس کو جمع کرتے رہے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کتاب الاتقان فی علوم القرآن الجزء الاوّل ص ۵۷
میں کہتے ہیں۔ اُن کی عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

حضرت علی نے فرمایا کہ جب جناب رسولؐ خدا کا انتقال ہُوا تو مَیں نے قسم کھائی کہ مَیں اپنے کندھے پر ردا نہ ڈالوں گا سوائے نماز کے لئے یہاں تک کہ مَیں قرآن شریف کو جمع کر لوں۔ چنانچہ مَیں نے جمع کر لیا۔ حضرت علی کو جب بیعت کے لئے بُلایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مَیں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے نماز کے کبھی ردا اپنے کندھے پر نہ ڈالوں گا، جب تک قرآن شریف جمع نہ کر لوں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ بہتر۔ ایسا ہی کیجئے۔ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں کہ وُہ قرآن شریف تنزیل کے مطابق تھا اور اگر وُہ ہم تک پہنچ جاتا تو بہت فائدہ ہوتا۔ تاریخ حبیب السیر میں بھی یہی لکھا ہے۔[۵۶]

علامہ ابن الندیم متوفی ۳۸۵ھ اپنی الفہرست میں لکھتے ہیں:۔

قال ابن المنادی حدثنی الحسن بن العباس قال اخبرت عن عبد الرحمٰن ابن ابی حماد عن الحکم بن ظہیر السدوسی عن عبد خیر عن علی علیہ السلام انہ رای من الناس طیرۃ عند وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقسم انہ لا یضع عن ظہرہ رداءہ حتی یجمع القرآن فجلس فی بیتہ ثلاثۃ ایام حتی جمع القرآن فھو اول مصحف جمع فیہ القرآن من قلبہ۔[۵۷]

ترجمہ:۔ (اسمائے راویان عربی عبارت میں دیکھو) حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب رسولؐ خدا کی وفات پر لوگوں کے ایمان کو متزلزل پایا۔ لہٰذا انہوں نے قسم کھائی کہ اپنے کندھے پر ردا نہ ڈالیں گا۔ جب تک قرآن شریف جمع نہ کر لوں۔ چنانچہ تین دن متواتر اپنے

---

[۵۶] تاریخ حبیب السیر جلد اوّل جزو چہارم ص ۲۔

[۵۷] الفہرست لابن الندیم مطبوعہ المطبعۃ الرحمانیہ مصر ص ۴۱، ۴۲۔
(یہ کتاب مَیں نے خواجہ حسن نظامی مدظلہ العالی کے کتب خانہ میں دیکھی تھی)

گھر میں بیٹھ کر حضرت علی نے قرآن جمع کیا۔ پس وُہ پہلا قرآن ہے جو جمع ہُوا۔

اِس کے بعد لائق مولف لکھتے ہیں کہ یہ قرآن اولاد جعفر کے پاس تھا اور اُنھوں نے اس کو حمزۃ الحسینی کے پاس دیکھا۔ اس میں سُورتیں تنزیل کے مطابق تھیں۔

ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم ص ۲۷۳ پر حضرت علی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

نصیب اوازاحیاء علوم دینیہ آن است کہ جمع کرد قرآن را بحضور آنحضرتؐ ترتیب داده بود آں را لیکن تقدیر ساعد شیوع آن نشد۔

مولوی انشاء اللہ مالک اخبار وطن نے جو اُردو ترجمہ ازالۃ الخفاء کا کرایا ہے۔ اُس میں اس جُملہ کا ترجمہ اِس طرح کیا گیا ہے:۔ احیاء علوم دینیہ میں سے آپنے قرآن کو رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں جمع اور مُرتّب کرلیا تھا۔ لیکن تقدیر نے اُس کی اشاعت کا موقعہ نہ دیا۔[۵۵]

اصحاب بنام علی کے تنازعہ کا پہلا اصول یہ قائم کیا گیا تھا کہ حتیٰ المقدور حضرت علی کی کوئی فضیلت ایسی نہ ہو جس میں وُہ تنہا رہیں۔ ان کے ساتھ کسی نہ کسی صحابی کو ضرور شامل کر لینا چاہیئے۔ ہاں وُہ فضائل کہ جس میں کوئی شامل ہو بھی نہیں سکتا تھا وہاں تو مجبوری تھی مثلاً جیسا حضرت عمر کو اکثر افسوس رہا کہ ان فضائل میں ہی کوئی اور نہیں تو میں تو شامل ہو جاتا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ تین فضیلتیں مجھ میں بھی ہوتیں تو وُہ مجھے سُرخ چشم اُونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتیں، حدیث رایت، زوج بتول ہونا، مسجد میں دروازہ کا قائم رہنا۔

لہٰذا اب کہتے ہیں کہ حضرت علی و عبداللہ ابن مسعود دونوں نے قرآن شریف جمع کیا تھا۔ ہمیں اِس سے غرض نہیں۔ اچھا عبداللہ ابن مسعودؓ نے بھی جمع کیا تھا۔ تم نے ان کا ہی جمع کیا ہُوا قرآن لے لیا ہوتا۔ اُنھوں نے تو پٹیں

---

[۵۵] اُردو ترجمہ ازالۃ الخفاء حصّہ سوم ص ۳۳۷۔

بھی کیا۔ تم نے انکار کر دیا۔ اور اُن کو حکم دیا کہ وُہ بھی اپنا قرآن شریف جلا دیں جب انہوں نے نہ جلایا تو انہیں زد و کوب کیا گیا۔

پہلے ہم جامع قرآن کمیٹی جو حضرت عثمان نے مقرر کی تھی اُس کے ممبران پر نظر ڈالتے ہیں۔ زید ابن ثابت اُس کے صدر تھے۔ یہ وُہ بزرگوار تھے کہ جن کو حضرت ابوبکر نے بھی جمع قرآن کے کام پر مقرر کیا تھا۔ سلمہ ھ میں ان کی عمر گیارہ سال کی تھی[۵۹] حضرت ابوبکر نے ان کو جنگ یمامہ کے بعد ہی سلہ ھ میں جمع قرآن کا حکم دیا۔ گویا اُس وقت اُن کی عمر بائیس[۲۲] سال کی تھی۔ سقیفہ والے دن انصار میں حضرت ابوبکر سے بیعت کرنے والوں میں سب سے پہلے تھے۔ لیکن جب حضرت علی خلافت پہنچی تو انہوں نے حضرت علی کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کو عثمانی کہا کرتے تھے۔ حضرت عثمان کی کمیٹی کے دُوسرے ممبر عبداللہ ابن زبیر حضرت ابوبکر کے نواسے تھے۔ ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۵ھ میں جامع قرآن کمیٹی مقرر ہوئی۔ گویا جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی اور ان کے سن تمیز پہنچنے سے پہلے ہی نزولِ قرآن ختم ہو چکا تھا۔ قرآن شریف کا آدھے سے زیادہ حصّہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ ان کو قرآن شریف سے کچھ خاص لگاؤ نہ تھا۔ ان کی وجہ انتخاب سوائے عداوت علی کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان کی نسبت حضرت علی کہا کرتے تھے کہ زبیر ہم میں سے تھے جب تک کہ اُن کے بیٹے عبداللہ بڑے نہیں ہوئے۔ سن تمیز کو پہنچ کر انہوں نے اپنے باپ کو بھی حضرت علی کے مخالف کر دیا۔ جنگ جمل ان کی ہی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ یہ وہ ہی بزرگوار ہیں جنہوں نے حضرت علی کی مخالفت کے جوش میں چشمۂ حواب کے متعلق حضرت عائشہ کے رُوبرو خود بھی جھوٹی قسم کھائی اور اوروں سے بھی کہلوائی کہ یہ چشمۂ حواب نہیں ہے مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے

---

[۵۹] حافظ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب ترجمہ زید بن ثابت ص ۱۹۴

کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی قسم تھی۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس قرآن کو جمع کرنے کا ذمہ انہوں نے لیا تھا وہ بار بار تاکید سے کہتا ہے کہ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الْكَاذِبِيْنَ۔ تیسرے ممبر سعید بن العاص بنو امیہ میں سے تھے ساتھ ہیں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کو جنگ بدر میں حضرت علی نے قتل کیا تھا۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ (الاستیعاب الجزء الثانی ص ۵۵۵) عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ مخزومی تھے۔ بنو مخزوم حضرت علی کے خاص طور سے دشمن تھے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی بھی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ ان کے مقابلہ میں نظر انداز کن کو کیا گیا۔ حضرت علی، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن مسعود، عمار بن یاسر، مقداد، ابوذر وغیرہم کو۔ عشرہ بشرہ والی حدیث کہاں گئی۔ اس وقت تک تیار ہو چکی تھی یا نہیں۔ اگر تیار ہو چکی تھی تو ان میں کا تو ایک بھی ان میں نہیں پایا جاتا۔ اگر عشرہ بشرہ میں سے کسی کے پاس قرآن نہیں تھا۔ اور ان بچوں کے پاس خاص طور سے آ گیا تھا تو دسویں حضرت علی کے پاس تو تھا۔ وہ تو لوگوں کو قرآن سیکھنے کے لئے اپنی طرف بلا رہے تھے۔ جناب رسول خدا کہہ چکے تھے کہ قرآن و علی ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ اگر علم سیکھنا ہے تو علی کے پاس آؤ۔ جناب رسول خدا کے صریح حکم کی نافرمانی کی گئی۔ نوجوان ہر ایک قوم و ملک میں انقلاب پسند ہوتے ہیں۔ وجاہت ملکی سے ان کی آنکھیں جلدی خیرہ ہو جاتی ہیں۔ موت اور عاقبت کے خیالات کو اپنے پاس آنے نہیں دیتے۔ سن رسیدہ لوگ حکام کی مرضی کے مطابق قرآن جمع نہ کرتے۔ بلکہ حق کو دیکھتے۔ لہٰذا نظر انداز کئے گئے۔ ان بچوں میں خاص بزرگی وفضیلت نہ تھی۔ صرف عداوت علی ان میں مشترک تھی اور یہی باعث انتخاب ہوئی۔ اس معاملہ پر ذرا غور تو کیجئے۔ صاف ظاہر ہے۔ اور دو اور دو چار کی طرح ظاہر ہے کہ جمع قرآن ایک سیاسی تدبیر تھی، اس سے حمایت دین مطلوب نہ تھی۔ جانتے تھے کہ قرآن تو علی نے جمع کر لیا ہے اگر ہم نے حکومت

کی طرف سے قرآن جمع کر کے شائع نہ کیا تو علی کا قرآن شائع ہو جائیگا۔ لہذا علی کو نظر انداز کر کے علیحدہ قرآن جمع کرایا اور شائع کرایا۔ ان کی ہی کتابوں میں ہے کہ سُورۂ توبہ دراصل موجودہ ضخامت سے تگنی تھی اور بہت سے صحابیوں کے مثالب معائب اُس میں درج تھے۔ بہت سی آیات فضیلت میں علی کا نام درج تھا اب سب غائب ہیں۔

جو طریقہ قرآن کے جمع کرنے کا تھا وُہ کتنا ناقص تھا۔ دو آدمیوں کی گواہی پر آیات داخل اور خارج ہوتی تھیں۔ اگر کوئی صحیح آیت ہے لیکن گواہ نہیں ملتا تو خارج کوئی غلط آیت ہے لیکن دو آدمیوں نے اُسے غلط طریقہ سے یاد کیا ہے وُہ داخل۔ حضرت زید ابن ثابت سب کے پاس تو قرآن کے حصص تلاش کرنے کے لئے گئے۔ اور نہ گئے تو آل رسول کے پاس۔ اس کی وہی سیاسی وجہ ہے۔ اگر حمایت و نصرتِ دین مطلوب ہوتی تو صحیح قرآن کے لئے سب سے پہلے علی کے پاس آتے۔ علی کو قرآن کے معاملہ میں اسی طرح نظرانداز کیا جس طرح خلافت کے معاملے میں کیا تھا۔

یہ تلاش بھی بہت عام نہ تھی اور عرصہ تک جاری نہ رہی۔ فوراً ہی جب زید ابن ثابت نے قرآن اپنا پیش کیا تو حضرت عثمان نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ قرآن کا حصّہ جہاں کہیں ہو وُہ جلا دیا جائے۔ یہ فقرہ خاص طور سے غور کے قابل ہے۔ وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق یعنی اس سرکاری جمع شدہ قرآن کے علاوہ جہاں بھی قرآن کا حصّہ ہو وُہ جلا دیا جاوے۔

اِس امکان کو تو انہوں نے تسلیم کر لیا کہ قرآن شریف کے اور حصص کئی آدمیوں کے پاس ملیں گے۔ جس طریقہ سے قرآن شریف جمع کیا تھا اُس سے یہ امکان بہت قوی تھا۔ بصرہ اور کوفہ میں بہت سے صحابی رسول چلے گئے تھے وہاں تو کسی سے قرآن تلاش ہی نہیں کیا۔ ممکن ہے اُن میں سے کئی کے پاس قرآن شریف کی آیتیں ہوں اُن کے لئے حکم صادر ہُوا کہ سب

اور کچھ نہیں - ضرورت صرف ہے توسلی کی -

جلا دی جاویں۔ گویا اصلی قرآن اس طرح جلایا گیا کہ اب مفقود ہو گیا +

اصلی جانشین رسول کی شناخت یہ ہے کہ رسول کی کتاب اُس کے پاس ہو۔ حضرت علی کی نسبت خود رسولؐ خدا کہہ گئے تھے کہ قرآن علی کے پاس ہے۔ علی اور قرآن ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ خود حضرت علی بیانگِ دُہل کہہ رہے ہیں کہ میں مکمل قرآن کی ہر ایک آیت سے واقف ہوں۔ اُس کے شانِ نزول مقام نزول اور وقت نزول سے واقف ہوں۔ میرے پاس آؤ اور مجھ سے قرآن سیکھو۔ لیکن خلفائے سقیفہ کے پاس قرآن موجود نہیں ہے۔ لوگوں میں ایک ایک آیت تلاش کر رہے ہیں اور جو نہیں ملتی اس کے جلانے کا حکم دے رہے ہیں۔ یہ قرآن کا جلانا ہے نہ کہ اس کا جمع کرنا۔ ظاہر ہے کہ جناب رسول خدا نے کم سے کم حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کو قرآن شریف جمع کرنے کی ہدایت نہیں کی اور نہ ان کے ذمّہ یہ فرض لگایا تھا اور نہ ہی اُن کے پاس مکمل قرآن شریف موجود تھا۔ اب فرمائیے کہ اصلی جانشینِ رسول کون ہُوا +

آخر میں یہ بحث کی جا سکتی ہے کہ حضرت علی نے اپنے دورانِ حکومت میں اصلی قرآن شریف کو جو انہوں نے جمع کیا تھا کیوں نہ رائج کر دیا۔ کسی تاریخی گذشتہ زمانہ کے مسئلہ پر موجودہ مورخین اگر رائے دینا چاہیں تو اُن کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اُس زمانہ کے حالات کا بہت اچھی طرح مطالعہ کریں اور وُہ اُن حالات سے ایسے ہی واقف ہونے چاہئیں جیسے کہ گویا وُہ اس زمانہ میں موجود تھے جس حد تک وُہ یہ قابلیت اپنے میں پیدا کر لیں گے اُسی حد تک اور اُسی تناسب سے اُن کی رائے زنی صحیح ہوگی۔ سوال مندرجہ بالا کا صحیح جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں چاہیئے کہ اس زمانے کی تصویر اپنے ذہن کے سامنے کھینچ لیں جب حضرت علی نے حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ تین امور خاص طور سے مدنظر رکھنے ہوں گے +

(۱) جناب رسولِ خدا کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء ہوا

اور اُسی روز حضرت ابوبکر نے زمام حکومت سنبھالی۔ حضرت عثمان کا قتل ۲۴۔ محرم ۳۵ھ ہجری مطابق ۲۳۔ جون ۶۵۶ء ہجری ہُوا۔ حضرت علی نے تیسرے دن لوگوں کی بہت منت سماجت کے بعد مسندِ حکومت کو یہ کہہ کر زینت دی کہ الحمد للہ علی احسانہ رجع الحق الی مکانہ۔ یعنی خدا کا شکر ہے کہ حق اب اپنے مقام پر واپس ہُوا ہے۔ اِس ۲۴ سال کے عرصہ میں اُمتِ اسلامیہ کے ایک فریق نے جس نے اپنی حکمتِ عملی سے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا اِس حکومت کو مستقل بنانے کے لئے حضرات شیخین کی محبت و عزت اس قدر لوگوں کے دلوں میں راسخ کر دی تھی کہ سیرت شیخین بذاتِ خود بمنزلہ مذہب کے بن گئی تھی اور اسلام کے اصولوں کو توڑ مروڑ کے انہوں نے ایسے اصول قائم کر لئے تھے جن کے بموجب حضرات شیخین کی خلافت مذہب اسلام کا جُز بن گئی تھی۔ وُہ ایک ایسی راسخ شے ہوگئی تھی کہ حضرت عمر کے جانشین سے یہ وعدہ لینے کی ضرورت ہوئی کہ وُہ سیرت شیخین پر عمل کرے۔ سیرت رسول کے مقابلہ میں یہ سیرتِ شیخین کیسی؟ غور کا مقام ہے۔ یہ بتا رہا ہے کہ سیرتِ شیخین کا ایک علیحدہ مذہب قائم ہو چکا تھا۔ جب ہم تحریفِ اسلام کا ذکر کریں گے تو اِس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

(۴) ارکان حکومت سقیفہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خلافت کے لئے جناب رسول خدا نے حضرت علی کو نامزد کر دیا تھا۔ جب یہ حکومت و خلافت انہوں نے خاندان نبوت سے نکال لی تو اُنہوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جو بنو ہاشم کی تو دشمن ہو اور ہماری دست نگر ہو۔ یہ جماعت بنو امیہ سے بہتر اُن کو نہ مل سکی۔ دُشمنی پشتینی چلی آتی تھی۔ اُنہیں دست نگر اب حکومت کی مدد سے بنا لیا۔ بنو اُمیہ کا سردار خاندان ابو سفیان تھا۔ یہ لوگ کبھی دِل سے مُسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت ابو سفیان نے بصد اکراہ کلمہ شہادت اپنی قتل کی دھمکی سے زبان پر جاری کیا۔ حضرت امیر معاویہ کا رویہ بتا رہا ہے کہ وُہ اپنے

والد ماجد کے قدم بقدم چل رہے تھے اور جناب یزید نے تو سارے خاندان کی دلی حالت عریاں کر کے دکھا دی۔ حکام سقیفہ نے اس جماعت کو طاقتور اور بارسوخ بنانا شروع کیا۔ اوّل تو امیر معاویہ کو شام کی جاگیر کا استمراری پٹہ لکھ دیا اور پھر تدبیر شوریٰ سے حضرت عثمان کو خلافت ولا دی۔ اس دس گیارہ سال کے عرصے میں بنو امیہ کی جماعت بہت طاقتور اور بارسوخ ہو گئی اور چونکہ حکومت حاصل کر لی تھی قدرتی طور پر اُس کا نکلنا بہت ناگوار معلوم ہُوا۔ اور یہ کوشش شروع کر دی کہ پھر خلافت واپس آجاوے۔ چنانچہ اپنے دو ہتھیار یعنی روپیہ و زہر استعمال کر کے خلافت کو ہمیشہ کے لئے خاندان نبوت سے نکال لیا۔

(۳) حکومت سقیفہ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ حضرت علی کو اپنے دور حکومت میں ایک دن بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہُوا۔ آج طلحہ و زبیر نے بیعت کی۔ دوسرے دن بغاوت کر دی۔ اور وہ بغاوت جناب امیرؑ کے آخری لحہ حیات تک جاری رہی۔ اگرچہ باوجود اس حالت کے بھی جناب امیرؑ اپنے اصل فرض یعنی تعلیم صحیح اسلام کی طرف سے غافل نہیں ہوئے لیکن لوگوں کے دلوں میں مذہب سقیفہ جس کو دنیاوی وجاہت و امارت کی امید نے لوگوں کی نظروں میں بہت خوشنما بنا دیا تھا اس طرح راسخ ہو چکا تھا کہ جناب امیرؑ کے خشک پند و نصائح بہت کم اثر کر سکے۔

(۴) حضرت عثمان کے مخالفین میں محمد ابن ابی بکر ربیب جناب امیر کے ہونے نے اور نیز قتل عثمان پر جناب امیر کو خلافت ملنے نے مفسدہ پردازوں کے لئے ایک ایسی صورت حالات پیدا کر دی تھی جس سے انہوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اور مشہور کر دیا کہ حضرت عثمان کو تو علی نے قتل کرایا ہے۔ یہ خلافت حاصل کرنے کے لئے ایسے حریص تھے۔

(۵) اُس زمانہ کے لوگوں کی جہالت ان مفسدہ پردازوں کے لئے اور زیادہ ممد و معاون ہوئی۔ اُن کی جہالت کا نقشہ مورخ مسعودی نے بہت اچھی طرح کھینچا ہے۔

دوران محاربات صفین میں ایک شخص اپنے اونٹ پر دمشق آیا۔ وہاں ایک

دمشقی اُس سے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ یہ اُونٹنی تو میری ہے۔ صفین کی لڑائی میں مجھ
چھین لی گئی تھی۔ معاملہ امیر معاویہ تک پہنچا۔ دمشقی نے پچاس گواہ اِس امر کے گزا
کہ یہ اُونٹنی اُس کی ہے۔ معاویہ نے فیصلہ کیا کہ اُونٹنی دمشقی کی ہے اور کوفی کو حکم
کہ یہ دمشقی کو دیدے۔ اُس کوفی نے کہا کہ امیر خدا تیرا بھلا کرے۔ یہ پچاس گواہ تو
گئے۔ اُنہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ اُونٹ ہے یا اُونٹنی۔ یہ تو اُونٹ ہے اور
اُونٹنی کہتے ہیں۔ معاویہ نے جواب دیا کہ اب تو حکم صادر ہو گیا۔ کچھ نہیں ہو
پھر تخلیہ میں کوفی کو بلایا اور کہا کہ علی سے جا کر کہنا کہ میں اُن کے مقابلہ میں ایسے آدمی
جو اونٹ اور اُونٹنی میں فرق نہیں کر سکتے۔

اہل شام کے بڑے سرداروں اور عقلمند لوگوں میں سے ایک سے پُوچھا گیا کہ
ابُو تراب کون ہے جس پر تمہارا امام منبر پر بیٹھ کر لعنت کرتا ہے۔ اس نے جو
کہ راستہ کے رہزنوں میں سے ایک رہزن تھا (معاذ اللہ)

جاحظ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک حاجی کہتا تھا کہ خانہ کعبہ میں
بولتا تھا۔ ایک اور حاجی نے لوگوں کو درود پڑھتے ہوئے سُنا تو دریافت کیا
محمد کون ہے کیا یہ ہی ہمارا رب ہے۔

میرے دوستوں میں سے ایک نے بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنے ہمسایہ
شکایت کی کہ وُہ زندیق ہے۔ حاکم نے پُوچھا کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ اس شکایت
کنندہ نے کہا کہ وُہ مرجیہ، قدریہ، اباضیہ اور رافضی ہے۔ حاکم نے پُوچھا کہ اس
کیا ثبوت ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وُہ معاویہ بن الخطاب سے بُغض رکھتا ہے
معاویہ جو علی بن العاص سے لڑا تھا۔

عُلماء میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ہم چند اہل علم ابوبکر و عمر و
معاویہ کا ذکر کر رہے تھے۔ لوگوں کی ایک جماعت آئی اور ہماری یہ باتیں سُنیں
ایک دن اُن میں سے ایک نے جو اُن سب کا سردار سب سے زیادہ عقلمند تھا مجھ سے
کہ تم علی وغیرہ کے متعلق کیا کہہ رہے تھے۔ میں نے پُوچھا کہ تم کو اُن کی نسبت کیا معلوم

اس نے کہا کہ کس کے متعلق پوچھتے ہو۔ میں نے کہا کہ علی کے متعلق اُس نے کہا۔ کہ
علی باپ تھا فاطمہ کا (معاذ اللہ) میں نے کہا اور فاطمہ کون تھی ؟ کہا کہ نبیؐ کی بیوی
عائشہ کی بیٹی معاویہ کی بہن (معاذ اللہ)۔ میں نے کہا کہ علی کا کیا قصہ ہوا۔ اُس نے
کہا کہ وُہ تو جناب رسولؐ خدا کے ساتھ جنگ حنین میں مارے گئے ؛
جب عبداللہ ابن علی مروان کی تلاش میں شام میں آئے تو اُن کے پاس
شام کے شیوخ اور بڑے بڑے امراء آئے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم تو یہ
جانتے تھے کہ بنوامیہ کے علاوہ جناب رسولؐ خدا کا کوئی وارث ہی نہ تھا۔ دیکھو
مروج الذہب للمسعودی الجزء الثانی ص ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴ ؛
یہ تھا مسلمانوں کا مجمع جن سے جناب علی مُرتضےٰ کا مقابلہ تھا ؛
(۶) یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ موجودہ قرآن شریف اپنے احکام و فرائض
میں بالکل مکمل ہے۔ حرام و حلال میں بالکل صحیح ہے۔ جہاں تک مذہب
اسلام کا تعلق ہے وُہ کامل کتاب ہے۔ نہ اُس میں کمی ہے نہ بیشی ہم امامت
کو ارکان اسلام میں سے سمجھتے ہیں۔ اُس کے متعلق بھی موجودہ قرآن شریف میں
اہلِ نظر کے لئے بہت کچھ ہے ؛
اِن تمام امور پر غور کر کے اب سوچو کہ کیا جناب امیرؑ کے لئے یہ مناسب تھا
کہ اپنا ترتیب شدہ قرآن شریف لوگوں کے سامنے پیش کر کے کہتے کہ یہ موجودہ
قرآن کے نسخے تم سب دریا بُرد کردو۔ یا حضرت عثمان کی طرح حُکم دیتے کہ
جلادو۔ اور یہ کرتے تو اپنی حکومت کے کس سال یا کس مہینہ میں کرتے۔
بیعت ہونے ہی طلحہ و زبیر و حضرت عائشہ نے جنگ جمل شروع کر دی اور فوراً
ہی پھر جنگ صفین شروع ہو گئی۔ تیاری تو اُس کی پہلے ہی سے ہو رہی تھی۔ جنگ صفین کا
سلسلہ ختم نہیں ہُوا اور آپ افواج جمع کر رہے تھے کہ شہید کر دئے گئے۔ حضرات
شیخین اپنا ایک علیحدہ مذہب قائم کر گئے تھے وُہ مذہب عرب کی طبائع کے
لئے زیادہ دلچسپ تھا۔ کیونکہ اُس مذہب میں دُنیاوی وجاہت حاصل کرنا

انسان کا مقصد اولیٰ تھا۔ دُنیاوی ثروت اُس کے ذریعہ سے ملتی تھی۔ لہٰذا حضرات شیخین کی عزّت اور اُن کا مذہب لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔ اُس مذہب کی تصویر اگر کچھ کھینچی گئی ہے تو علّامہ مشرقی نے اپنے تذکرہ میں کھینچی ہے۔ اُن کی رائے ہے کہ جس کے پاس دُنیاوی وجاہت و ثروت ہے وُہ ہی مُسلمان ہے خواہ بُت پرست ہو خواہ نیچر پرست ہو۔ اُن کی رائے میں جاپانی، جرمنی، رُوسی انگریز سب مُسلمان ہیں۔ اور جس کے پاس دُنیاوی وجاہت و ثروت نہیں وُہ مُسلمان نہیں خواہ نماز پڑھتا ہو۔ روزے رکھتا ہو۔ ایسے آدمی کے سجدے کا نام علّامہ مشرقی نے اُوندھے پڑ کر غوں غوں کرنا رکھا ہے۔ یہ ہندوستان کے مولویوں کی گت بنائی گئی ہے جو علّامہ مشرقی کی رائے میں مُسلمان نہیں ہیں۔ دیکھو تذکرہ، دیباچہ صفحات ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲

یہ اِسلام، یہ مذہب براہِ راست نتیجہ ہے سقیفہ بنی ساعدہ کا اور سیرتِ شیخین کا۔ علّامہ مشرقی صحیح اور سچے پیرو ہیں سیرتِ شیخین کے۔ خیر۔ یہ جُملہ معترضہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اندریں صورت اگر حضرت علی اپنے مُرتّب شُدہ قرآن کو پیش کرتے تو لوگ یہ تو نہ باور کرتے کہ حضراتِ شیخین نے قرآن مُرتّب کرنے میں غلطی کی بلکہ یہ کہتے کہ علی حرص مملکت گیری میں اب قرآن بھی دُوسرا بنا رہے ہیں۔ جس میں اپنے فضائل اور صحابہ کے معائب اور مثالب اپنی طرف سے ایزاد کر کے ان کو بدنام کر رہے ہیں۔ وُہ کُفّار جو ظاہر تھے اور وُہ کُفّار بنو امیّہ جو پوشیدہ تھے سب کو ایک نہایت عُمدہ حربہ ہاتھ لگ جاتا۔ اور ببانگِ دُہل کہتے کہ نہ یہ قرآن خُدا کی طرف سے آیا۔ نہ پہلا قرآن خدا کی طرف سے تھا۔ یہ تو سب بنو ہاشم کی حرص حکومت کا کھیل تھا۔ ایک دفعہ پیش کر کے اُس پر اصرار کرنا ضروری تھا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک دفعہ پیش کر دیا اور پھر واپس لے لیتے۔ وُہ خُون خرابے ہوتے کہ اِسلام تو اس خُون کی ندی کے ساتھ بہ جاتا۔ معاویہ کو خُونِ عثمان کا بہانہ تو ملا ہی تھا۔ یہ وضع قرآن کا دُوسرا بہانہ ہو جاتا۔ اور یہ بہانہ پیروانِ شیخین کو بہت ہی

سچا معلوم ہوتا ۔ پھر تو جناب امیر کے لشکر میں معدودے چند ہی لوگ رہ جاتے اور آج کوئی بھی اہلبیت علیہم السلام کا نام نہ سُنتا۔ اب چوتھے درجہ کا خلیفہ مان کر اُن کی باتوں پر کان تو دھرتے ہیں۔ پھر نہ تو خلیفہ برحق مانتے اور نہ قابل اطاعت جانتے۔ اُن کی کتابوں میں اب جو فضائل اہل بیت پاتے ہو وُہ سب غائب ہو جاتے اسلام کو اس طرح خطرہ میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی جب قرآن شریف جو مُرتّب ہوا تھا واقعی قرآن شریف تھا۔ کلامِ الہٰی تھا۔ اوامر ونواہی حلال وحرام، فرائض واحکام سب اُسی طرح باقی تھے۔ صرف اپنے نام کے اظہار وصحابہ کے مثالب ومعائب کی اشاعت کے لئے اتنا بڑا اسلام کے لئے خطرہ کیوں مول لیا جاتا۔ یہ وُہ ہی تو علی مُرتضےٰ تھے جو فوراً کافر پہلوان کے سینہ سے اُتر آئے جب اُس نے آپ کے مُنہ پر تھُوک دیا ۔

اُمّت کو اصلی امام کی معرفت سے دُور رکھنے اور اُس میں تفریق عظیم پیدا کرنے کے لئے جمع قرآن کی تجویز کو بھی بہت دخل ہے۔ جو تفریق شروع ہوئی تھی اس طرح بڑھتی ہی گئی۔ اور ان نظائر کو دیکھ کر اور اُن سے سبق حاصل کر کے ایک فرقے کے بعد دُوسرا فرقہ پیدا ہوتا گیا ۔

بارھویں تجویز۔ استخلاف عمر۔

جب ایک جماعت میں تفریق ہو جائے اور فرقے پیدا ہو جائیں تو جو فعل اُن میں سے ایک فرقہ کو مضبوط کرتا ہے وُہ گویا اُس تفریق کو اور زیادہ گہرا اور ناقابل عبور بناتا ہے۔ جب لوگوں نے جناب رسولِ خدا کے نظام کو درہم وبرہم کرنا چاہا اور خلافت وحکومت کو خاندانِ نبوت میں سے نکالنے کی کوششیں شروع کیں اُسی وقت اُمت میں تفرقہ پڑ گیا۔ اور جس جماعت نے جناب رسول خدا کی خواہش وحکم کے خلاف عمل کرنا شروع کر دیا وہ ہی پہلا فرقہ ہوا جو اصلی جماعت سے جُدا ہو گیا۔ تمام آنے والی نسلوں سے جناب رسولِ خدا نے اس جماعت کا تعارف اپنے قوماً عنی کے جملہ سے کرا دیا اور بتا دیا کہ یہ جماعت ہے جو تفرقہ پیدا کر رہی ہے۔ یہ جماعت وُہ ہی مخالف جماعت رہی اگرچہ اس نے اپنی تعداد

بارھویں تجویز۔ استخلاف عمر

ہیں ہر ممکن طریقہ سے اضافہ کرکے حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اور اب جو فعل اس نے اپنی خاص جماعت کو تقویت پہنچانے کے لئے کیا وُہ اِس تفرقہ کے گہرا اور ناقابل عبور ہونے کا باعث ہُوا۔ استخلاف عمر تفرقہ پیدا کرنے والے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ ہم نے البلاغ المبین کتاب دوم میں اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ اس مخالف جماعت کا مقصدِ اولیٰ یہ تھا کہ حکومت کبھی خاندان رسالت میں نہ جائے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے جناب رسالت مآب صلعم کے پُشتینی دُشمن بنو اُمیّہ کو اُبھارنا اور تقویت پہنچانا شروع کیا۔ امیر معاویہ کو شام کا استمراری پٹہ لکھ دیا گیا۔ لیکن حضرت ابو بکر کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ اور ابھی امیر معاویہ اپنی جگہ میں پُورے مضبوط نہیں ہوئے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔ اوّل تو شروع ہی سے آپس میں معاہدہ ہو چکا تھا کہ تمہارے بعد مَیں خلیفہ ہوں گا اور حضرت عمر نے دوران زمانۂ خلافتِ ابو بکر میں اپنا وہی رویہ رکھا جو آئندہ کے حاکم کا ہوا کرتا ہے۔ تاہم اس وعدہ کی تکمیل کے لئے کچھ تدبیر تو کرنی ضروری تھی۔ جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے وقت تو یہ مشہور کرنا اپنے مقاصد کے لئے ضروری تھا کہ جناب رسولؐ خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ تاکہ خود خلیفہ مُنتخب کرنے کا موقع مل جائے۔ لیکن اب حالت اور تھی۔ اب اگر اس طرح لوگوں پر چھوڑتے ہیں تو ممکن ہے کہ علی خلیفہ ہو جائیں یا کم سے کم وہ شخص خلیفہ نہ ہو جس کو خلیفہ کرنا شروع سے قرار پا چکا تھا۔ لہذا بغیر اس بات کا خیال کئے ہوئے کہ دُنیا کیا کہے گی۔ ہم مشہور کر چکے ہیں کہ سُنّتِ رسول یہ ہے کہ خود خلیفہ مقرر نہ کیا جائے بلکہ اُمّت خلیفہ مقرر کرے۔ حضرت ابو بکر اپنے معتمد حضرت عثمان کو اپنی بیماری میں بلاتے ہیں۔ وصیّتِ خلافت لکھانا شروع کرتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ حضرت عمر کا نام لکھوائیں بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ حضرت عثمان خود حضرت عمر کا نام لکھ لیتے ہیں۔ آپس میں سارے حالات سے باخبر تھے۔ حضرت عمر کا نام لکھ لیا۔ حضرت ابو بکر ہوش میں آئے۔ پُوچھا کہ کیا لکھا۔ اُنہوں نے حضرت عمر کا

نام پڑھ کر سُنایا۔ حضرت ابو بکر نے بجائے اس کے کہ اس ناجائز فعل پر سرزنش کرتے اُنہیں دُعائے خیر دی۔ اور کہا کہ غالباً یہ تم نے اِس وجہ سے لکھا کہ اگر میں ہوش میں نہ آؤں اور مر جاؤں تو تم کہہ سکو کہ یہ ابو بکر نے لکھوایا تھا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ ہاں یہ ہی میرا انشاء تھا۔ یہ وثیقہ لکھ کر خود حضرت عمر کو دیتے ہیں وُہ لے جاتے ہیں۔ دُرہ ہاتھ میں ہے۔ حضرت ابو بکر کا غُلام ساتھ ہے۔ لوگوں سے کہتے ہیں کہ جو اس میں خلیفۂ رسول نے لکھا ہے۔ اُس کی اطاعت کرنے پر حلف اُٹھاؤ۔ مجھے نہیں معلوم اس میں کیا لکھا ہے۔ لیکن میں اس کی اطاعت کا حلف اُٹھاتا ہُوں۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا ہے تو وُہ جوق در جوق حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کہ تم خدا سے مُلاقات کرنے والے ہو۔ کیا جواب دوگے۔ تم نے ہم پر ایسا فظ غلیظ شخص حاکم مقرر کیا ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر کو اپنے حُکم پر اصرار ہے۔ بیچارے کیا کرتے مجبور تھے یہ امر قابلِ غور ہے کہ لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ خلیفہ مقرر کرنا ہمارا حق ہے۔ ہم مقرر کریں گے۔ بلکہ یہ کہا کہ عمر کو کیوں خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اِن واقعات کی توثیق وتصدیق کے لئے متذکرہ نوٹ حاشیہ کتابیں دیکھئے[۶۰] ہر ایک متلاشی حق کا فرض ہے کہ ان واقعات پر اچھی طرح غور کرے۔

یہ ہم ہی نہیں کہتے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر کے اُمّت میں اختلاف و تفرقہ عظیم پیدا کر دیا۔ اور اس طرح اسلام کو بہت نقصان پہنچایا بلکہ

---

۶۰ محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۲۵، ۵۱، ۵۲، ۵۴۔

ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۶۳۔

حسین دیار بکری :۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۶۸، ۲۶۹۔

ابن قتیبہ :۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ الجزء الاوّل ص ۱۹۔

مولوی شبلی :۔ الفاروق مطبوعہ ۱۸۹۸ء مفید عام آگرہ حصّہ اوّل ص ۲، ۷۲، ۷۳۔

شمس التواریخ ص ۸۔

خود اُن ہی کے علماء کہتے ہیں۔ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ جو شخص ذرا بھی غور کرے گا اس ہی نتیجہ پر پہنچے گا۔ ہم ابھی کتاب الملل و النحل شہرستانی سے عبارات نقل کریں جن سے ساری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ پہلے ہم ذرا اپنے ناظرین کو استخلاف عمر کے ہر ایک پہلو کا منظر دکھا دیں ÷

(۱) جب بستر مرگ پر جناب رسولؐ خدا حضرت علی کے لئے وصیّتِ خلافت لکھنے لگے تب تو حضرت عمر نے کہہ دیا کہ اس وصیّت کی ضرورت نہیں ہے۔ حسبنا کتاب اللہ اب حضرت ابو بکر سے کیوں نہ یہ ہی کہا۔ اُن کی وصیّت لکھی ہوئی تو آپ لئے پھرے۔ اور لوگوں کو منوایا ÷

(۲) حضرت ابو بکر سُنّتِ رسولؐ کی پیروی کا زیادہ دعویٰ کرتے تھے اگر جناب رسولؐ خدا کی یہ سُنّت تھی کہ اپنا جانشین انہوں نے مقرّر نہیں کیا۔ حضرت ابو بکر نے سُنّتِ رسول کی خلاف ورزی کیوں کی ÷

(۳) اگر جناب رسولؐ خدا نے اپنا خلیفہ مقرّر کیا اور حضرت ابو بکر نے اِس حکم کی خلاف ورزی کی تو وہ گناہِ عظیم کے مُرتکب ہوئے ÷

(۴) اگر جناب رسولؐ خدا نے اپنا کوئی خلیفہ مقرّر نہیں کیا۔ بلکہ یہ حق رعایا کو دیا حضرت ابو بکر نے سُنّتِ رسول کے خلاف کر کے حضرت عمر کو خلیفہ مقرّر کرنے میں گُناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ÷

(۵) یہ سُنّتِ رسول ایسی ہی قابل پابندی تھی جیسی کہ وہ سُنّتِ رسول جس نے نماز کے لئے رکعات مقرّر کی تھیں۔ کیونکہ قرآن میں تو تعدادِ رکعات نہیں ہے ÷

(۶) ہم البلاغ المبین کتاب اوّل ص ۲۳۵ لغایت ۲۴۶ طبع ثانی میں حضرتِ ابو بکر کے امامتِ نماز کے قضیہ کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ جنابِ رسولؐ حضرت عمر کے ایک دفعہ کی نماز پڑھانے سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خُدا و رسول و مومنین انکار کرتے ہیں کہ عمر نماز پڑھائے خلیفہ کا پہلا فرض نماز پڑھانا تھا۔ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرّر کر کے خدا و رسول اور سچّے

مومنین کو ناراض کیا ۔

(۷) امور متذکرہ بالا سے قطعاً ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا یہ فعل یعنی استخلاف عمر ناجائز تھا ۔

(۸) یہی حکم حضرت عمر کی خلافت کی بناء تھا ۔ لہٰذا حضرت عمر کی خلافت ناجائز ہوئی ۔

(۹) لہٰذا ناجائز خلافت کے دوران میں حضرت عمر نے جو احکام صادر کئے اور جن افعال کے وہ مرتکب ہوئے وہ سب ناجائز تھے ۔

(۱۰) حضرت عمر کا نماز پڑھانا، لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، سزائیں دینیں، لڑائیاں اور احکام تقرر شوریٰ سب ناجائز ہوئے ۔

(۱۱) لہٰذا حضرت عثمان کا تقرر اور اُن کی خلافت بھی ناجائز کیونکہ اُن کی خلافت حضرت عمر کے مقرر کردہ شوریٰ کا صحیح یا غلط نتیجہ تھی ۔

(۱۲) اِن بزرگواروں کی ذہنیت وسیاست تو ملاحظہ ہو ۔ حضرت ابوبکر کی بیہوشی ہی میں بغیر اُن کے بتائے ہوئے حضرت عثمان نے حضرت عمر کا نام لکھ لیا ۔ آپس میں مل کر جو اپنا مقصد قائم کر لیا تھا اُس کے حصول کے لئے اِتنی اہم جعلسازی بھی کرنے کے لئے تیار تھے اور مُردہ آدمی کی طرف سے اِس دستاویز کو لکھ کر یہ ظاہر کرنے کے لئے تیار تھے کہ اس کو حضرت ابوبکر نے اپنی حیات میں لکھایا ہے ۔ غور کریں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار جناب رسولِ خداؐ کا ایسا حکم ماننے والے تھے کہ اگر جناب رسول مقبولؐ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جاتے تو پھر یہ لوگ تنازعہ نہ کرتے ۔ بھلا اِس ذہنیت کے لوگ جو آپس میں حکومت کا دَور چلانے پر تُلے ہوئے تھے یہاں تک کہ اُس کے لئے جعلسازی بھی کرنے کو تیار تھے ۔ تنازعہ نہ کرتے ۔ حضرت ابوبکر اس جعلسازی کی تحسین یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے اختلافات کا سدِّ باب ہوتا تھا ۔ اب تو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جعلسازی بھی جائز ہو گئی ۔ کیونکہ

ان کو اسلام کا بہت درد تھا۔ مگر جناب رسولؐ خدا کو یہ جائز نہ تھا کہ اپنا جانشین مقرر کرتے۔ اور نہ معاذ اللہ اُن کے دِل میں اسلام کا اتنا درد تھا کہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ جانشین مقرر نہ کرنے سے اختلاف کا راستہ کھُل جائے گا۔ اِس بحث کی منطق قابلِ داد ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے اُوپر سے کسی طرح الزام اُٹھ جائے۔ اگر وہاں سے اُٹھ کر وہی الزام جنابؐ رسولؐ خدا کے گلے میں پڑ جائے تو کچھ ہرج نہیں ٭

(۱۳) حضرت عمر کے لئے جبراً بیعت لی گئی۔ مہاجرین و انصار اس استخلاف کے خلاف تھے ٭

(۱۴) اِس قسم کی حکومت کا کیا نام ہوگا؟ جمہوریت؟ آمریت؟ اِنتخاب؟ یا کچھ اور نام رکھوگے ٭

(۱۵) حضرت ابو بکر نے بھی اوّل عبدالرحمٰن بن عوف کو خلافتِ عمر پر راضی کرنا چاہا۔ حضرت عمر نے بھی اس ہی عبدالرحمٰن بن عوف کو ثالث مقرر کیا تھا۔ حضرت ابو بکر کے راز دار حضرت عثمان تھے۔ ان ہی کو خلافت پر قائم کرنے کے لئے حضرت عمر نے یہ سارے جتن کئے تھے۔ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنایا۔ ابو بکر نے وُہ بدلہ اُتار کر خلافت کا ہار حضرت عمر کے گلے میں ڈالا۔ یہ سب امور ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ ایک ہی جماعت تھی جس کے ہر فرد کا اتحاد مقصد نمایاں ہے ٭

(۱۶) نہ اجلاس سقیفہ سازی کے وقت اور نہ اب استخلاف عمری کے وقت کتاب اللہ کو اُٹھا کر دیکھا کہ یہ کیا کہتی ہے۔ یہ ہے اُس مشہور فقرے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کا حشر ٭

(۱۷) معلوم ہُوا کہ ان بزرگواروں کے فعل کا محرک نہ اسلام کا عشق اور نہ جمہوریت کا خیال تھا۔ اور نہ ہی کتاب اللہ کی اطاعت منظور تھی۔ غرض تو فقط یہ تھی کہ کسی طریقے سے اپنا مقصد حاصل ہو ٭

(۱۸) استخلافِ عمری نے اُس تفریق میں ایک اور اضافہ کر دیا۔

تیرھویں تجویز۔ شوریٰ

یہ وُہ آخری تدبیر تھی جس سے حق کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کرنے کی کوشش کی گئی جس سے خلافت کا رُخ آلِ رسول کے دُشمنوں کی طرف کر دیا گیا۔ جس میں حضرت علی کے قتل کی طرف اشارہ کر کے یہ سیاسی اصول قائم کیا گیا اور آئندہ والے جانشینوں کو بتایا گیا کہ ہماری حکومت کبھی مستقل اور بے خطر نہیں رہ سکتی جب تک کہ خاندانِ نبوّت میں سے کوئی اُمیدوار باقی ہے اور اسی ہی سیاسی اصول کو مدنظر رکھ کر یزید نے امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کی اور بصورت انکار قتل کر دیا۔ بعینہ یہی حالت شوریٰ میں حضرت عمر نے حضرت علی کے لئے پیدا کر دی تھی۔ واقعات شوریٰ ہمارے مضمون زیرِ بحث پر بہت اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام تفرقوں اور خونریزیوں کے باعث اور اُن کے منبع و مخرج یہی دو تھے۔ (۱) ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ اور (۲) واقعات شوریٰ۔ آنے والی نسلوں نے ان دونوں واقعات کو جوازیت کا جامہ پہنا کر اُن کی کارروائیوں کی تقلید کی اور تفرقے اور خونریزیاں بڑھتی رہیں۔ ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ناظرین معاف کریں گے اگر شوریٰ کو بھی ہم ذرا تفصیل سے بیان کریں۔

عن عبد الله ابن عمر ان عمر بن الخطاب لما طعن قال له الناس یا امیر المومنین لو شربت شربا فقال اسقونی نبیذا و کان من احب الشراب الیه قال فخرج النبیذ من جرحه مع صدید الدم.... وقال ھذا حین لو ان لی ما

عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر کو زخم مُہلک لگا تو لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر آپ شربت پئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے نبیذ پلاؤ۔ حضرت عمر کو تمام شرابوں میں نبیذ بہت محبوب تھی۔ نبیذ پلائی گئی۔ لیکن وہ زخم کے راستہ سے نکل آئی۔ (مصنف کہتے ہیں کہ اُس وقت تمام لوگ رونے لگے کیونکہ حضرت

طلعت علیہ الشمس لافتدیت بہ من ھول المطلع ...... واللہ لوان لی طلاع الارض ذھبا لافتدیت بہ من عذاب اللہ قبل ان اراہ۔

تاریخ عمر بن الخطاب تالیف امام جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی ص ۱۵۷، ۱۶۰

عمر کی موت کا یقین ہو گیا) موت کے یقین کے بعد حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر دُنیا کی وُہ تمام چیزیں جن پر سُورج چمکتا ہے میرے پاس ہوتیں تو میں ان سب کو اس کے بدلہ میں دیدیتا جو اب میرے اُوپر آنیوالا ہے .... قسم بخدا اگر تمام زمین سونا ہوتی تو میں اس عذاب الٰہی کے بدلہ میں جو مجھ پر نازل ہونے والا ہے اُس سب کو دیدیتا قبل اس کے میرے اُوپر وُہ عذاب نازل ہوتا

اب ہم ان کی مستند تاریخ کی کتابوں سے تجویز شوریٰ کے حالات لکھتے ہیں حضرت عمر کو نبیذ پلائی گئی۔ وُہ باہر نکل آئی۔ لوگوں کو اور حضرت عمر کو موت کا یقین ہو گیا۔ یہ لکھنے کے بعد مولوی شبلی لکھتے ہیں:۔

اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وُہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اِس مہم کو آپ طے کر جائیے، حضرت عمر نے خلافت کے معاملے پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اِس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بارہا اُن کے مُنہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اِس بارگراں کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُسوقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن وقاص، عبدالرحمن بن عوف مگر حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے، اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے

ریمارک بتفصیل مذکور ہیں، مذکورۂ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

الفاروق مطبوعہ ۱۹۰۸ء مطبع مفید عام آگرہ حصّہ اوّل ۲۰۲ لغایت ۲۰۶

الفاروق کے اس ایڈیشن کی یہ خوبی ہے کہ مصنّف مرحوم کی حیات میں طبع ہوئی تھی، اس میں ان کے اپنے حاشیئے بھی ہیں چنانچہ صفحہ ۲۰۲ پر اس فقرہ کے اوپر لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ یہ حاشیہ درج ہے۔

حاشیہ: "حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو فردہ گیریاں کیں گو ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی تمام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ اُن کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے، حضرت علی ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا کہ لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے"۔

حضرت عمر کا یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ ہجری مطابق ۳ نومبر ۶۴۴ء ہوا تھا۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ اپنی کتاب الامامت والسیاسۃ کے صفحہ ۲۲ پر زیر عنوان تولیۃ عمر بن الخطاب الستۃ الشوریٰ وعہدہ الیہم لکھتے ہیں:۔

قال ثم ان المهاجرين دخلوا على عمر رضی الله عنه وهو فی البيت من جراحته تلك فقالوا يا امير المؤمنين استخلف علينا قال والله لا احملكم حياً وميتاً ثم قال ان استخلفت فقد استخلف من هو خير منی يعنی ابوبكر

راوی کہتا ہے کہ پھر مہاجرین حضرت عمر کے پاس آئے وہ اس وقت اپنے مکان میں زخم خوردہ پڑے ہوئے تھے، ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین ہم پر خلیفہ و حاکم مقرر کرو۔ حضرت عمر نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہارا بوجھ زندگی اور مرنے کے بعد بھی اُٹھاؤں یہ ہرگز نہ ہوگا، پھر فرمایا کہ اگر میں اپنا جانشین مقرر کروں تو بے شک اس نے بھی جو مجھ سے بہتر تھا اپنا

وان ادع فقد دع من هو
خير منى يعنى النبى عليه
السلام فقالوا جزاك الله
خيرا يا امير المومنين فقال ما
شاء الله راغبا و روت ان
انجو منها لا لى ولا علي
فلما احس بالموت قال لابنه
اذهب الى عائشة واقرئها
منى السلام واستاذنها
ان اقبر فى بيتها مع رسول
الله ومع ابى بكر فاتاها
عبد الله بن عمر فاعلمها
فقالت نعم وكرامة ثم
قالت يابنى ابلغ عمر
سلامى وقل له لا تدع
امة محمد بلا راع استخلف
عليهم ولا تدعهم بعدك
هملا فانى اخشى عليهم
الفتنة فاتى عبد الله فاعلمه
فقال ومن تامرنى ان
استخلف لو ادركت ابا عبيدة
بن الجراح باقيا استخلفته
وليته فاذا قدمت على ربى

جانشین مقرر کیا یعنی ابوبکر نے اور اگر میں ا
جانشین مقرر نہ کروں تو بے شک اسنے اپنا جانشین
مقرر نہیں کیا جو مجھ سے بہتر تھا یعنی رسولؐ خدا نے
ان لوگوں نے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے
آپ نے فرمایا وہی ہوگا جو خدا چاہے گا۔ میری تو
خواہش ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں
نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ مواخذہ
کیا جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب دیا جائے
تو اس کو میں غنیمت سمجھوں گا پس جب حضرت
نے موت کو آتے ہوئے محسوس کیا تو اپنے لڑکے سے کہا
کہ عائشہ کے پاس جاؤ، میرا سلام کہو اور ان سے
اجازت مانگو کہ میں ان کے گھر میں جناب
رسولؐ خدا اور ابوبکر کے پاس دفن کر دیا جاؤں
پس عبداللہ ابن عمر حضرت عائشہ کے پاس آئے
اور یہ پیغام پہنچایا انہوں نے کہا سر آنکھوں سے
بڑی خوشی سے، اور کہا اے بیٹے عمر کو میرا سلام
پہنچانا اور کہنا امت محمدیہ کو بغیر محافظ کے نہ
چھوڑ جاؤ۔ اپنا جانشین ان پر مقرر کر دو اپنے
بعد ان کو حیران اور بغیر نگہبان کے نہ چھوڑ جاؤ
مجھے ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو، پس عبداللہ آئے
اور حضرت عمر کو یہ پیغام پہنچایا، حضرت عمر نے
کہا کہ عائشہ نے کس کو حکم دیا ہے کہ میں
خلیفہ مقرر کروں، اگر ابوعبیدہ بن الجراح

فسألني وقال لي من وليت على امة محمد قلت اى ربي سمعت عبدك ونبيك يقول لكل امة امين وامين هذه الامة ابو عبيدة بن الجراح ولو ادركت معاذ بن جبل استخلفته فاذا قدمت على ربي فسألني من وليت على امة محمد قلت اى ربي سمعت عبدك ونبيك يقول ان معاذ بن جبل ياتي بين يدي العلماء يوم القيامة ولو ادركت خالد بن الوليد لوليته فاذا قدمت على ربي فسألني من وليت على امة محمد قلت اى ربي سمعت عبدك ونبيك يقول خالد بن الوليد سيف من سيوف الله سله على المشركين ولكني ساستخلف النفر الذين توفي رسول الله وهو عنهم

زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب اپنے خدا کے پاس جاتا اور وہ پوچھتا کہ کس کو امت محمدیہ پر حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اس شخص کو جس کی بابت تیرے بندے اور رسول کو یہ کہتے سنا تھا کہ ہر ایک امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے یا اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب میں خدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے دریافت فرماتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اے میرے رب اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت تیرے بندے و رسول کو یہ کہتے سنا تھا کہ قیامت کے دن معاذ جبل علماء کے گروہ میں ہوگا۔ یا اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے سوال کرتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں کہتا کہ اے میرے خدا اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت میں نے تیرے بندے و نبی کو یہ کہتے سنا تھا کہ خالد بن ولید خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جس کو خدا نے مشرکین کے اوپر کھینچا ہوا ہے۔ اچھا اب میں ان

راض فارسل علیهم فجمعهم وهم علی بن ابی طالب و عثمان بن عفان وطلحة بن عبد الله والزبیر بن العوام وسعد بن ابی وقاص وعبد الرحمٰن بن عوف رضوان الله علیهم وکان طلحه غائبا فقال یا معشر المهاجرین الاولین انی نظرت فی امر الناس فلم اجد فیهم شقاقاً ولا نفاقاً فان یکن بعدی شقاق ونفاق وهو فیکم تشاوروا ثلاثة ایام فان جاءکم طلحه الی ذلك والا فاعزم علیکم بالله ان لا تتفرقوا من الیوم الثالث حتی تستخلفوا احدکم فان اشرتم بها الی طلحه فهو لها اهل ولیصل بکم صهیب هذه الثلاثة ایام التی تتشاورون فیها فانه رجل من الموالی لا ینازعکم امرکم

لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسول خدا بوقت رحلت خوش تھے پس ان سب کو حضرت عمر نے بلایا اور وہ یہ تھے۔ علی، عثمان، طلحہ زبیر، سعد ابن وقاص اور عبد الرحمٰن بن عوف، طلحہ اس دن مدینہ میں موجود نہ تھے حضرت عمر نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے گروہ مہاجرین اوّلین میں نے لوگوں کے امور پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان میں نفاق و کینہ نہیں ہے۔ اور اگر میرے بعد ان میں نفاق و دشمنی ہوئی تو یہ تمہاری وجہ سے ہوگا پس تم آپس میں تین دن مشورہ کرنا۔ اگر طلحہ بھی تم میں آملے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ کر لینا۔ تیسرے دن تم اپنی جگہ سے متفرق نہ ہونا جب تک کہ خلیفہ نہ مقرر کر لو، اگر تم نے طلحہ کا مشورہ لیا تو وہ اس کا اہل ہے اور ان تین ایام تک صہیب نماز پڑھائے کیونکہ وہ موالی میں سے ہے اور وہ تم سے امر خلافت میں تنازعہ نہیں کرے گا۔ تم انصار کے بڑے آدمیوں کو بھی بلا لینا مگر ان کے لئے امر خلافت میں سے کچھ حصّہ نہیں ہے۔ اور تم حسن بن علی و عبد اللہ بن عباس کو بھی بلا لینا کیونکہ ان کو درجہ قرابت حاصل ہے

واحضروا معكم من
شيوخ الانصار وليس
لهم من امركم شئ واحضروا
معكم الحسن بن علي وعبد
الله بن عباس فان لهما قرابة
وارجو لكم البركة في حضورهما
وليس لهما من امركم شئ
وليحضر ابني عبد الله مستشارا
وليس له من الامر شئ
قالوا يا امير المومنين ان
فيه للخلافة موضعا
فاستخلفه فانا راضون
به فقال حسب ال الخطاب
تحمل رجل منهم الخلافة
ليس له من الامر شئ ثم
قال يا عبد الله اياك ثم
اياك لا تتلبس بها ثم قال
ان استقام امر خمسة منكم
وخالف واحد فاضربوا عنقه
وان استقام اربعة واختلف
اثنان فاضربوا اعناقهما وان
استقام ثلاثة واختلف
ثلاثة فاحتكموا الى ابني

اور مجھے اُمید ہے کہ ان کے حضور میں
تم کو برکت ہو گی۔ مگر ان دونوں
کے لئے بھی امر خلافت میں سے کچھ
نہیں ہے۔ میرے بیٹے عبداللہ کو بھی مشورہ کے
لئے بُلا لینا۔ لیکن خلافت میں اس کا کوئی حصّہ
نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کو
خلافت کا حق پہنچتا ہے اس کو خلیفہ مقرر کردو
ہم راضی ہیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ آلِ خطاب کے
لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک شخص خلافت کے بارِ گراں کو
اُٹھائے عبداللہ بن عمر کے لئے اس میں حصّہ
نہیں ہے۔ پھر کہا کہ خبردار عبداللہ خبردار
خلافت کے ساتھ اپنے تئیں ملوث
نہ کرنا، پھر ان اصحاب شوریٰ کو
مخاطب کرکے کہا کہ اگر تم میں سے
پانچ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور
چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً
قتل کردینا۔ اور اگر چار ایک شخص پر
متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں
تو ان دو کی گردن مار دینا۔ اور اگر
تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین
مخالفت کریں تو سرپنچ میرا لڑکا
عبداللہ ہوگا۔ ان تین میں سے
جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہ

عبد الله فلا ي الثلاثة
قضى فالخليفة منهم وفيهم
فان ابى الثلاثة الآخر من
ذلك فاضربوا اعناقهم فقالوا
قل فينا يا امير المومنين
مقالة نستدل فيها برايك
ونقتدي به فقال والله
ما يمنعني ان استخلفك يا
سعد الا شدتك وغلظتك
مع انك رجل حرب وما يمنعني
منك يا عبد الرحمن الا انك
فرعون هذه الامة وما يمنعني
منك يا زبير الا انك مومن
الرضا كافر الغضب وما يمنعني
من طلحة الا نخوته وكبره
ولو وليها وضع خاتمه في صبع
امرأته وما يمنعني منك يا
عثمان الا عصبيتك وحبك
قومك وما يمنعني منك
يا علي الا حرصك عليها وانك
احرى القوم ان وليتها ان تقيم
على الحق المبين والصراط
المستقيم...... ثم التفت الى

اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار
کریں تو ان تینوں کو قتل کر دینا۔ پھر ان
اصحاب شوریٰ نے کہا کہ اے امیر المومنین
کچھ ایسی گفتگو فرمائیے جس سے ہماری رہنمائی
ہو اور ہم اس سے فائدہ اُٹھائیں اس پر
عمر نے فرمایا کہ اے سعد کسی چیز نے مجھے تم
کو خلیفہ مقرر کرنے سے نہیں روکا، اِلّا اس
امر نے کہ تو سخت ہے اور تیری فطرت
غلیظ ہے۔ حالانکہ تُو مردِ میدان ہے اور
اے عبدالرحمٰن مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے
اِس امر نے روکا کہ تُو اس اُمت کا فرعون
ہے اور اے زبیر مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے
سے اس امر نے باز رکھا کہ تُو اپنی رضامندی
کے وقت تو مومن ہے مگر غصّہ کے وقت
کافر ہے اور طلحہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اِس
امر نے روکا کہ اس میں نخوت و غرور ہے اور
اگر وُہ حاکم ہوگا تو حکومت کی انگوٹھی
اپنی عورت کے ہاتھ میں پہنا دے گا۔ اور
اے عثمان تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے مجھے
اِس امر نے باز رکھا کہ تجھ میں تعصّب
قبیلہ اور اپنے قوم کی محبت ہے اور اے علی
تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے اور کسی امر نے نہیں
روکا صرف اِس بات نے روکا کہ تم کو اس کی

علی بن ابی طالب فقال لعل
ھؤلاء القوم یعرفون لک
حقک وقرابتک وشرفک من
رسول اللہ وما اتاک اللہ
من العلم والفقہ والدین
فیستخلفونک فان ولیت
ھذا الامر فاتق اللہ یا علی فیہ
ولا تحمل احدا من بنی ھاشم
علی رقاب الناس ثم التفت
الی عثمان فقال یا عثمان
لعل ھؤلاء القوم یعرفون لک
صھرک من رسول اللہ
وسنک وشرفک وسابقتک
فیستخلفونک ان ولیت
ھذا الامر فلا تحمل احدا من
بنی امیۃ علی رقاب الناس
ثم دعا صھیبا فقال یا
صھیب صل بالناس ثلاثۃ
ایام یجتمع ھؤلاء النفر و
یتشاورون بینھم۔

خواہش ہے ورنہ تم سب سے زیادہ حق پر
چلنے والے ہو اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم
اس کو حق میں اور صراطِ مستقیم پر چلاؤ گے
پھر حضرت عمر علی کی طرف مخاطب ہوئے اور
فرمایا کہ اے علی یہ لوگ تمہارے حق اور
قرابتِ رسولؐ سے آگاہ ہیں۔ تمہاری عظمت
اور بزرگی ان کو معلوم ہے اور خدا نے تم کو
جو علم و فقہ و دین حقہ عنایت کیا ہے
اس سے بھی یہ اچھی طرح آگاہ ہیں اگر یہ
تم کو خلیفہ مقرر کریں تو اے علی خدا سے
ڈرتے رہنا اور بنو ہاشم میں سے ایک
شخص کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا
پھر آپ حضرت عثمان کی طرف مخاطب ہوئے
اور فرمایا کہ اے عثمان اگر یہ لوگ تمہاری
دامادیٔ رسول اور تمہاری عمر و شرافت کا
خیال کرکے تم کو خلیفہ مقرر کریں اور تم کو حکومت
مل جائے تو بنی امیہ میں سے ایک کو بھی
لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا پھر انہوں نے صہیب کو
بلا کر کہا کہ اے صہیب تین دن تک لوگوں کی امامت نماز
کرنا جب تک یہ لوگ جمع رہیں اور مشورہ کرتے رہیں

مؤرخ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے:-

ثم دعا عبد الرحمٰن وقال
ارید ان اعھد الیک تعال

حضرت عمر نے عبد الرحمٰن بن عوف کو بلایا اور
کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا عہد تمہارے سپرد

ان تشير علىّ بها قال لا قال والله
لا افعل قال فهبني
صمت حتى اعهد الى الذين
توفي رسول الله صلى الله
عليه وسلم وهو منهم
راض ثم دعا عليا وعثمان
والزبير وسعدا وعبد
الرحمٰن معهم وقال انتظروا
ثلاثا فان جاء طلحة والا
فاقضوا امركم وانشد الله
من يقضي اليه الامر منهم
ان يحمل اقاربه على رقاب
الناس .... ثم دعا ابا طلحة
الانصاري فقال قم على
باب هؤلاء ولا تدع احدا
يدخل اليهم حتى يقضوا
امرهم ..... ثم قال يا
عبد الله ان اختلف القوم
فكن مع الاكثر فان تساووا
فكن مع الذين فيهم عبد
الرحمٰن بن عوف .... وجاء
علي وابن عباس فقعدوا
عند راسه وجاء الطبيب

کروں عبدالرحمٰن نے کہا کیا آپ مجھ سے خلا
کے متعلق مشورہ کرنا چاہتے ہیں حضرت عمر نے
کہ نہیں عبدالرحمٰن نے کہا کہ بخدا میں اس بوجھ کو
نہیں اُٹھاؤں گا حضرت عمر نے کہا کہ وعدہ کر
کہ تم میری گفتگو کا کسی سے ذکر نہ کروگے یہاں تک
کہ میں ان لوگوں کی طرف اس امر کو موڑ دوں
جس سے جناب رسولؐ خدا بوقت رحلت راضی
تھے حضرت عمر نے علی و عثمان و زبیر و سعد کو بلایا
عبدالرحمٰن بھی ان کے ساتھ تھے اور کہا کہ تین دن
انتظار کرنا، اگر طلحہ آجائے تو شامل کرلینا ورنہ
بغیر اس کے تم اپنے میں سے خلیفہ مقرر کرلینا
جو خلیفہ مقرر ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے قرابتداروں کو
لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرے .... پھر
حضرت عمر نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور کہا
کہ تم ان لوگوں کے دروازے پر کھڑے رہنا
اور جب تک یہ لوگ فیصلہ نہ کرلیں کسی کو اندر
آنے دینا .... پھر عبداللہ ابن عمر سے کہا کہ
اگر ان چھ لوگوں میں اختلاف ہو تو تم اکثریت
کے ساتھ ہونا اور اگر طرفین برابر ہوں تو تم
اس گروہ کے ساتھ ہوجانا جس میں عبدالرحمٰن
بن عوف ہو .... پھر علی ابن عباس
آئے اور حضرت عمر کے سرہانے کھڑے ہوگئے
پھر طبیب آیا اس نے نبیذ شراب پلائی

نسقا ۷ نبيذ أفخرج متغيرا ثم لبنا فخرج كذلك فقال له اعهد قال قد فعلت و لم يزل ذكر الله الى ان توفى ليلة الاربعاء لثلاث بقين من ذى الحجه سنة ثلاث وعشرين وصلى عليه صهيب وذلك لعشر سنين ستة اشهر من خلافة وجاء ابوطلحة الانصارى مع المقداد بن الاسود و قد كان امرهما عمر ان يجمعا هؤلاء والرهط الستة فى مكان ويلزماهم ان يقدموا للناس من يختاروه منهم وان اختلفوا كان الاتباع للاكثر وان تساووا حكموا عبدالله بن عمر واتبعوا عبدالرحمن بن عوف و يوجلوهم فى ذلك ثلاثا يصلى فيها بالناس صهيب ويحضر عبدالله بن عمر معهم مشيرا ليس له شئ من

وُہ زخم کے راستے نکل گئی، پھر دُودھ پلایا، وُہ بھی زخم کے راستہ نکل گیا، طبیب نے کہا اب آپ آخری وصیت کرلیں۔ عمر نے کہا کہ میں پہلے ہی کرچکا ہوں، اور اپنی موت تک خدا تعالیٰ کو یاد کرتے رہے آپ کی موت شب چہار شنبہ کو ہوئی جب کہ تین راتیں ذی الحجہ ۲۳ھ کے ختم ہونے میں باقی تھیں۔ نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی اور یہ آپ کی خلافت کے دس سال اور چھٹے مہینے میں ہوا اور اب ابو طلحہ انصاری آئے اور ان کے ساتھ مقداد بن الاسود تھے، اور ان دونوں کو حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کریں اور ان سے کہیں کہ اپنے میں سے جس کو خلیفہ مقرر کریں اس کو لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اگر اختلاف کریں تو اکثریت کی پیروی کی جائے، اور اگر طرفین برابر رہیں تو میرا بیٹا ثالث ہوگا، لیکن عبداللہ ادھر ہوگا جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں گے تین دن تک ان کو اس مکان میں رکھیں اور مہلت دیں اس عرصہ تک صہیب امامت نماز کریں عبداللہ ابن عمر کو مشورہ کے لئے بلالیں، لیکن اس کا حصّہ خلافت میں نہ ہوگا؛ اور اگر تین دن میں طلحہ آجائے تو وُہ بھی شریک ہوجائے

الامر وطلحة شريكهم ان قدم
في الثلاث ليال فجمعهم
ابو طلحة والمقداد في بيت
المسور بن مخرمة وقيل في
بيت عائشة وجاء عمرو بن
العاص والمغيرة بن شعبة
فجلسا بالباب فحصبهما سعد
اقامهما وقال تريدان ان
تقولا حضرنا وكنا في اهل
الشورى ثم دار بينهما الكلام
وتنافسوا في الامر فقال عبد الرحمن
ايكم يخرج منها نفسه يجتهد
فيوليها افضلكم وانا افعل
ذلك فرضي القوم وسكت علي
فقال ما تقول يا ابا الحسن
قال علي شريطة ان تؤثر
الحق ولا تتبع الهوى ولا تخص
ذا رحم ولا تالو الامة نصحا
وتعطينا العهد بذلك قال
وتعطوني انتم مواثيقكم على
ان تكونوا معي على من خالف
وترضوا من اخترت وتواثقوا
ثم قال لعلي انت احق من حضر

پس ابوطلحہ و مقداد نے ان کو مسور بن مخرمہ
کے گھر میں جمع کیا، روایت یہ بھی ہے کہ یہ
سب عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے عمرو بن
العاص و مغیرہ بن شعبہ آئے اور اس مکان
کے دروازہ پر بیٹھ گئے لیکن سعد نے یہ کہہ کر
ان کو وہاں سے ہٹا دیا کہ تم اس لئے یہاں آئے
کہ کل کو کہو کہ ہم بھی حاضر تھے اور ہم بھی اہل شوریٰ
میں سے تھے۔ پھر ارباب شوریٰ میں انتخاب
خلیفہ کی بابت بحث و مباحثہ ہونے لگا...
عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ آیا تم میں ایسا
کوئی شخص ہے جو اپنے تئیں خلافت کی اُمیدواری
سے علیحدہ کر کے افضل ترین شخص کو منتخب
کرے میں تو ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں
اور سب تو راضی ہو گئے مگر علی خاموش رہے
عبدالرحمن نے ان سے کہا کہ اے ابوالحسن تم کیا کہتے
ہو۔ حضرت علی نے کہا کہ یہ بھی تو شرط کرو کہ تم حق
کرو گے اپنے خواہش نفس کی پیروی نہ کرو گے
نہ کسی رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرو گے، حق
کہنے میں کسی کی ملامت اور کسی کے مشورہ کا خیال نہ
کرو گے، اس بات کا اقرار تم ہم سے کرو،
عبدالرحمن نے کہا کہ تم لوگ مجھ سے یہ اقرار کرو
کہ تم میرے ساتھ ہو گے اور اُس کی مخالفت
کرو گے جو میرے فیصلے کی مخالفت کرے اور

من ابنك وسوا بقاك وحسن اثرك في الدين الم نبعد في نسلك فمن ترى حق فيه بعدك من هؤلاء قال عثمان وخلا بعثمان فقال له مثل ذلك فقال علي ودار عبد الرحمن ليا ليه كلها يلقى اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن يوافي المدينة من امراء الاجناد واشراف الناس و يشيرهم الى صبيحته الرابع فاتى منزل المسور بن مخرمه وخلا فيه بالزبير وسعد ان يتركا الامر لعلي او عثمان فاتفقا على علي ثم قال له سعد بايع لنفسك وارحنا فقال قد خلعت لهم نفسي على ان اختار ولو لم افعل ما اريدها ثم استدعى عبد الرحمن عليا وعثمان فناجى كلا منهما الى ان رضوا بل الى ان صلوا الصبح ولا يعلم احد ما قالوا ثم جمع المهاجرين

اس کے خلیفہ ہونے سے راضی ہو گے جس کو میں مقرر کردوں پھر عبدالرحمن نے حضرت علی سے کہا تم ان سب موجودہ لوگوں میں رسول اللہ کی قرابت داری وسبقت اسلامی اور حسن مساعی دین کی وجہ سے ان سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہو اور تم سے زیادہ موزوں اور کوئی شخص اس خلافت کے لئے نہیں ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ ان لوگوں میں سے جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں تمہارے بعد کون زیادہ مستحق ہے حضرت علی نے جواب دیا کہ عثمان پھر عثمان سے تخلیہ میں یہجا کر یہی پوچھا کہ انہوں نے جواب دیا کہ علی اور عبدالرحمن تمام راتوں کو جناب رسول خدا کے اصحاب یا امراء لشکر و اشراف سے جو مدینہ میں تھے ملتے تھے اور مشورہ کرتے تھے چوتھے دن کی صبح تک انہوں نے ایسا کیا، چوتھے دن کی صبح کو مسور بن مخرمہ کے مکان پر عبدالرحمن آئے اور وہاں سعد و زبیر کو علیحدہ بلا کر کہا کہ عثمان یا علی ان دونوں میں ایک کو منتخب کر لو، ان دونوں نے متفق ہو کر علی کو منتخب کیا پھر اس کے بعد سعد نے کہا کہ تم خود اپنے لئے بیعت کیوں نہیں لیتے اور ہم پر رحم نہیں کرتے، عبدالرحمن نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں کے سامنے اپنے تئیں علیحدہ کر چکا ہوں،

واهل السابقة من الانصار وامراء الاجناد حتى غص المسجد بهم فقال اشيروا على فاشار عمار بعلى فقال ابن ابى سرح ان اردت ان لا تختلف قريش فبايع عثمان ووافقه عبد الله ابن ابى ربيعه فتفاوضا وتشاتما ونادى سعد يا عبد الرحمن افرغ قبل ان يفتتن الناس فقال نظرت وشاورت فلا تجعلن ايها الرهط على انفسكم سبيلا ثم قال لعلى عليك عهد الله وميثاقه لتعملن بكتاب الله وسنة رسوله وسيرة الخليفين من بعده قال ارجو ان اجتهد بل ان افعل بمبلغ علمى وطاقتى وقال لعثمان مثل ذلك فقال لى نعم فرفع راسه الى سقف المسجد ويده فى يد عثمان وقال اللهم اشهد انى قد جعلت ما فى عنقى من ذلك فى عنق عثمان فبايعه الناس۔

اور اگر ایسا نہ کرتا تب بھی خلافت کو اختیار نہ کرتا پھر عبدالرحمٰن نے علی و عثمان کو بلا کر علیحدہ علیحدہ ان سے گفتگو کی تا کہ یہ آپس میں راضی ہو جائیں لیکن صبح کا وقت اسی ہی میں گزر گیا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ انہوں نے کیا کہا پھر عبدالرحمٰن نے مہاجرین کو اور انصار میں سے سابق الاسلام اور امراء لشکر کو جمع کیا، یہاں تک کہ مسجد کھچا کھچ بھر گئی پھر عبدالرحمٰن نے کہا کہ جس کو تم لوگ خلافت کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہو اسکی طرف اشارہ کرو عمار نے علی کی طرف کیا ابن ابی سرح نے کہا کہ اگر چاہتے ہو کہ قریش میں اختلاف نہ ہو تو عثمان کی بیعت کر لو عبداللہ ابن ربیعہ نے اس بات سے اتفاق کیا، عمار اور ابن ابی سرح میں گفتگو بڑھ گئی سخت کلامی کی نوبت آگئی اس پر سعد نے ندا کی کہ اے عبدالرحمٰن اس قضیہ کو ختم کرو قبل اسکے کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہو عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لیا ہے اور رائے قائم کر لی ہے اے لوگو! ذرا دم بھر خاموش رہو پھر علی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کا عہد و میثاق دو، کہ اگر خلافت تم کو دی جائے تو تم کتاب اللہ و سنت رسول و سنت ہر دو خلفاء گذشتہ پر عمل کرو گے علی نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کرونگا یہ جواب پا کر عبدالرحمٰن نے عثمان سے مخاطب ہو کر یہی الفاظ کہے عثمان نے فوراً اقرار کر لیا اور کہا کہ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ ایسا ہی کرونگا یہ سنتے ہی عبدالرحمٰن نے سقف مسجد کی طرف سر اٹھایا اور انکا ہاتھ عثمان کے

ہاتھ میں تھا اور یہ کہہ رہے تھے خداوندا گواہ رہیو کہ اس امر خلافت کا جو فرض میری گردن میں تھا وُہ میں نے عثمان کی گردن میں ڈال دیا ؛

ابن خلدون :- بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون۔ مطبعہ دار الطباعۃ الخدیویہ بولاق مصر المغربیہ در سنہ ۱۲۸۴ ہجری ص ۱۲۴ تا ص ۱۲۶ ؛

قبل اس کے کہ ہم اپنے نفس مضمون میں آگے چلیں یہاں ذرا وکلائے گروہ حکومت یعنی مورخین اہل سُنّت وجماعت کی ذہنیت اور تعصّب کی طرف توجّہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، عبارت ابن خلدون مندرجۂ بالا کا ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی نے اپنے ترجمہ تاریخ ابن خلدون کی جلد چہارم ص ۱۰۳ پر کیا ہے اس میں دو اہم مقامات پر ترجمہ سے اعراض کر کے بلکہ اصلی عبارت کے مفہوم کو بھی ترک کر کے ضروریات مناظرہ کو مدنظر رکھ کر کچھ کا کچھ ترجمہ کر دیا، جو اصل عبارات عربی سے بالکل مختلف ہے، اوّل تو جب عبدالرحمن نے خودساختہ ثالث بننا چاہا تو عربی کی عبارت یہ ہے کہ حضرت علیؑ راضی نہ ہوئے، ایک نہایت ضروری شرط پیش کر دی کہ فیصلہ حق پر مبنی ہو، خود غرضی وہوائے نفس کا اس پر اثر نہ ہو، رشتہ داری کا لحاظ نہ کیا جائے، عبدالرحمن نے اس کا جواب دینے سے اعراض کیا، اِس شرط کو قبول نہ کیا اور وُہ معاملہ وہیں ختم ہو گیا سوائے حضرت علی کے دیگر اشخاص نے رضامندی دی لیکن مترجم صاحب یُوں ترجمہ کرتے ہیں "الغرض دونوں بزرگوں اور حاضرین جلسہ نے باہم عہد وپیمان کیا" یہ مطلب عربی عبارت میں ہرگز نہیں ہے، ہم نے تو اصل عبارت [illegible] دی ہے۔ ناظرین دیکھ لیں، دوم یہ کہ جب عبدالرحمن نے سعد وزبیر کو بُلایا تو اُن سے یہ کہا کہ یا علی یا عثمان کے حق میں ہو جاؤ اور ان دونوں نے علی کو منتخب کیا یہ تو عربی عبارت کا صحیح ترجمہ ہے۔ لیکن مترجم صاحب کہتے ہیں "زبیر وسعد کو بُلا کر کہا لوگوں کا اتّفاق علی وعثمان کی خلافت پر ہوا ہے، تم لوگ کیا کہتے ہو ان دونوں بُزرگوں نے بھی اس سے اتّفاق کیا" ناظرین مُلاحظہ کریں کہ یہ ترجمہ اصل عربی عبارت کا ہرگز نہیں ہے۔ مترجّم صاحب نے مناظرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھ دیئے

اور وہ بے معنی ہیں۔ مترجم کے بموجب تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوتا ہے اور سوال کیا تم ان دونوں میں سے کس کو منتخب کرتے ہو، یہی غرض اس سوال کرنے کی تھی ورنہ یہ گفتگو لغو ہو جاتی ہے اس کا جواب جو مترجم اپنی طرف سے ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ان دونوں یعنی سعد و زبیر نے بھی اس سے اتفاق کیا بے معنی ہے، کس سے اتفاق کیا؟ علی و عثمان کی مشترکہ خلافت سے؟ غرضکہ یہ اصحاب اسی پیرایہ میں تاریخ کی کتابوں کو کتب مناظرہ بنا لیتے ہیں اور اُن کتابوں کی تاریخی حیثیت جاتی رہتی ہے۔

شمس التواریخ حضرت عمر کا نثر میں قصیدہ ہے جس کو مولوی محمد سعادت اللہ مولف نے حضرت فاروق اعظم کے نام سے معنون کیا ہے اور مولف نے وہ کتاب اس یقین کے ساتھ لکھی ہے کہ اس کے تحریر کرنے کی ہدایت اس کو خود حضرت عمر نے ایک خواب کے ذریعہ سے کی ہے، اس کے صفحات ۱۲۱۱، ۱۲۱۲/۱۲۱۳، ۱۲۱۴/۱۲۱۵ سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں:-

ادھر تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے تھے، اور وہ عمر میں بھی جناب مرتضیٰ سے بڑے تھے اس لئے لوگوں کا رجحان زیادہ تر اُن ہی کی طرف تھا۔"

"اس پر بھی عثمانیوں کو صبر نہ ہوا، اور تدبیر سے باز نہ آئے۔ سمجھے کہ اگر عبدالرحمٰن بن عوف جناب علی کی علم و جلادت پر نظر کر کے انہیں پسند کر لیا تو ہماری ہیٹی ہوئی۔ ان ہی میں حضرت عمرو بن العاص بڑے چلتے ہوئے اور ذہین و چالاک تھے، لوگوں نے اُن سے کہا کہ جناب ایسے وقت میں مدد فرمائیے ......"

"اس کے بعد ہمارے حضور عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس پہنچے اور بولے کہ حضرت آپ کس دلدل میں پھنس گئے، جس رستہ پر آپ پڑ لئے ہیں اس سے برسوں بھی فیصلہ نہ ہوگا ۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

میں اس جھگڑے سے نکلنے کی ایک ترکیب آپ کو بتاؤں جس سے ایک دم میں فیصلہ ہوا جاتا ہے

حضرت عبدالرحمٰن :- اندھے کو کیا چاہیئے دو آنکھیں، پھر بتلاتے کیوں نہیں

حضرت ابن العاص :۔ جب کل انتخاب کے لئے لوگ جمع ہوں تو آپ علی عثمان کی طرف مخاطب ہو کر یہ سوال کریں ۔ تم لوگ رسول اللہ اور ان کے دونوں خلفاء کی سُنت پر بھی عمل کرنے کو راضی ہو یا نہیں ، دونوں میں سے جو صاحب اس کا معقول جواب اور قابل اطمینان دیں اُن ہی سے آپ بیعت کر لیں ، اور جس سے آپ بیعت کر لیں اسی کی طرف سب رجوع ہو جائیں گے ۔

"جناب عبدالرحمٰن کی بھی سمجھ میں یہ بات آگئی اور کہا خاطر جمع رکھو ، کل ایسا ہی ہوگا ۔ چنانچہ دوسرے دن جب جناب مُرتضوی اور حضرت عثمان اور سب لوگ جمع ہوئے تو پہلے انہوں نے جناب علی کے سامنے یہ سوال پیش کر کے جواب چاہا ..... جناب علی نے سوال مذکورہ بالا کا یہ جواب دیا جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ" ۔

"اگرچہ حضرت شیر خدا کا جواب نہایت معقول تھا ، کیونکہ آدمی خُدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور جو کرتا ہے اپنی بساط کے موافق کرتا ہے اور اپنے مقدور سے باہر اس سے کچھ نہیں ہو سکتا ۔ پس اگر عمرو بن العاص کی تعلیم انہیں نہ بھی ہوتی تو بھی اُن کی ذاتِ پاک سے ہمیں یہی جواب پانے کی اُمید تھی ۔ مگر وہاں تو قوم ابو بکر و عمر کی ہر ادا پہ قربان ہو چکی تھی ، ان کے عہد میں مسلمانوں نے بڑی بڑی موجیں کی تھیں اور ایسے امن و چین سے رہے تھے جیسے ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں ۔ وُہ جناب مُرتضوی کے جواب سے خوش و مطمئن نہ ہوئے ۔ اور ان کے قول کا مطلب یہ سمجھے کہ شیر خدا خلیفۂ اوّل و ثانی کے قدم بقدم چلنا پسند نہیں فرماتے ۔ لہٰذا اُن کا ٹھیک جواب جو موقع اور وقت کے خلاف تھا اُلٹا پڑا" ۔

"اب جو عبدالرحمٰن نے جناب عثمان سے پُوچھا تو انہوں نے چھاتی ٹھونک کر کہا کہ بسر و چشم ابو بکر و عمر کی تقلید منظور ہے" ۔

شمس التواریخ صفحات ۱۲۱۱ لغایت ۱۲۱۴ ۔

اگرچہ مضمون طویل ہو گیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری سے کچھ عبارات نقل کر دوں ۔

ان عمر بن الخطاب لما طعن قیل له یا امیر المومنین لو استخلفت قال من استخلف لو کان ابو عبیدة بن الجراح حیا استخلفته فان سألنی ربی قلت سمعت نبیك یقول انه امین هذه الامة ولو کان سالم مولی ابی حذیفه حیا استخلفته فان سألنی ربی قلت سمعت نبیك یقول ان سالما شدید الحب لله فقال له رجل ادلك علیه عبد الله بن عمر فقال قاتلك الله والله ما اردت الله بهذا ویحك کیف استخلف رجل عجز عن طلاق امرأته ....

فقالوا یا امیر المومنین لو عهدت عهدا فقال کنت اجمعت بعد مقالتی لکم ان انظر فاولی رجلا امرکم هو احراکم ان یحملکم علی الحق واشار الی علی ....

وخرجوا فقال العباس لعلی

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان سے لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں انہوں نے کہا کہ اگر آج کو ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا، اور اگر خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں کہتا کہ اے میرے خدا میں نے تیرے نبی کو کہتے سنا تھا کہ ابو عبیدہ اس اُمّت کا امین ہے اور اگر سالم ابو حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور اگر خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں جواب دیتا کہ اے خدا میں نے تیرے نبی کو کہتے سنا تھا کہ سالم میں خدا کی محبت بہت ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ مقرر کر دیں انہوں نے جواب دیا کہ خدا تجھے غارت کرے یہ تو نے کیا کہا کیا میں اس کو خلیفہ مقرر کر دوں جو عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتا ....

پھر لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اپنا جانشین مقرر کر دو، حضرت عمر نے کہا کہ تمہاری پہلی گفتگو کے بعد جو میں نے غور کیا تو نتیجہ نکالا کہ اگر میں علی کو خلیفہ مقرر کر دوں تو وہ تمہیں راہ حق پر چلائے گا وہ تم سب سے زیادہ افضل ہے

لا تدخل معهم قال
اكره الخلاف ....
فانهضوا الى حجرة عائشة باذن
منها فتشاوروا واختاروا
رجلا منكم ثم قال لا
تدخلوا حجرة عائشة ولكن
كونوا قريباً ....
قال لصهيب صل بالناس
ثلاثة ايام وادخل عليا
وعثمان والزبير وسعدا و
عبد الرحمن بن عوف وطلحة
ان قدموا واحضر عبد الله بن
عمر ولا شيء له من الامر وقم
على رؤسهم فان اجتمع خمسة
ورضوا رجلا وابى واحد فاشدخ
راسه او اضرب راسه بالسيف
وان اتفق اربعة فرضوا رجلا
منهم وابى اثنان فاضرب
رؤسهما فان رضي ثلاثة
رجلا منهم وثلاثة رجلا
منهم فحكموا عبد الله ابن عمر
فاى الفريقين حكم له فليختاروا
رجلا منهم فان لم يرضو

(شوریٰ کا تذکرہ ہونے کے بعد) سب لوگ
باہر آگئے تو عباس نے حضرت علی سے کہا کہ
تم ان کے ساتھ شوریٰ میں داخل نہ ہونا۔
حضرت علی نے جواب دیا کہ میں اختلاف نہیں
چاہتا۔ (شوریٰ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا)
تم سب حجرۂ عائشہ میں جا کر مشورہ کرنا اور
اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لینا پھر
کہا کہ حجرۂ عائشہ میں نہ جانا بلکہ اس کے قریب
ہی رہنا ....
صہیب سے حضرت عمر نے کہا کہ تین دن تم
لوگوں کو نماز پڑھانا اور شوریٰ میں علی، عثمان و
زبیر و سعد و عبدالرحمن اور طلحہ کو اگر وہ
آجائے تو داخل کرنا، عبداللہ بن عمر کو بھی
بلا لینا لیکن اس کا حصہ خلافت میں نہیں ہے
اور تم ان لوگوں کے سر پر کھڑے رہنا پس ان
میں سے اگر پانچ ایک طرف ہوں اور چھٹا
مخالف ہو تو اس چھٹے کو قتل کر دینا اور چار
ایک طرف ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان دونوں
کو قتل کر دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں اور
تین مخالف ہوں تو میرے بیٹے عبداللہ ابن عمر کو
ثالث مقرر کر لینا اور جس فریق کے حق میں عبداللہ
فیصلہ کرے اس میں کا ایک شخص خلیفہ بنا لینا اور
اگر عبداللہ کے فیصلے سے یہ لوگ راضی نہ ہوں

بحکم عبد الله بن عمر فکونوا مع الذین فیھم عبد الرحمٰن بن عوف وقتلوا الباقین ان رغبوا مما اجتمع علیہ الناس فخرجوا فقال علیؓ لقوم کانوا معہ من بنی ھاشم ان اطیع فیکم قومکم ولم تؤمروا ابدا وتلقاہ العباس فقال عدلت عنا فقال وما علمك قال قرن بی عثمان وقال کونوا مع الاکثر فان رضی رجلان رجلا ورجلان رجلا فکونوا مع الذین فیھم عبد الرحمٰن بن عوف فسعد لا یخالف ابن عمہ عبد الرحمٰن وعبد الرحمٰن صھر عثمان لا یختلفون فیولیھا عبد الرحمٰن عثمان او یولیھا عثمان عبد الرحمٰن فلو کان الآخران لم ینفعانی بلہ انی لا ارجو الا احدھما۔

(حالات شوریٰ) فقال عبد الرحمٰن ایکم یخرج منھا نفسہ ویتقلدھا

تو پھر تم سب اُس طرف ہونا جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں اور اگر فریق مخالف اِس فیصلے سے ناراض ہو تو ان سب کو قتل کر دینا پھر وُہ سب لوگ باہر آ گئے علی نے بنو ہاشم کی جماعت سے جو ان کے ساتھ تھی کہا کہ اگر میں ان کی اطاعت کرتا رہوں گا تو یہ لوگ کبھی تم کو خلیفہ نہ بنائیں گے۔ اور عباس ان سے ملے تو حضرت علی نے کہا کہ اِس دفعہ بھی ہم سے خلافت کو دُور کر دیا، عباس نے کہا کیونکر، حضرت علی نے کہا کہ میرے ساتھ عثمان کو لگا دیا ہے اور شرط رکھی ہے کہ اکثریت جس کے ساتھ ہو وُہ خلیفہ ہو پس اگر دو ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں اور اس شرط کی وجہ سے وُہ خلیفہ ہو جس کی طرف عبدالرحمٰن ہو یہ نتیجہ ہو گا کہ سعد تو اپنے ابن عم عبدالرحمٰن کی مخالفت نہ کرے گا اور عبدالرحمٰن اور عثمان میں رشتہ سُسرال کا ہے، پس عبدالرحمٰن عثمان کو یا عثمان عبدالرحمٰن کو خلیفہ کر دیں گے۔ پس اگر دو باقی میرے ساتھ ہونگے تب بھی کچھ فائدہ نہ ہو گا اور میرا تو خیال ہے کہ شاید ایک ہی میرے ساتھ ہو۔

(حالات شوریٰ) عبدالرحمٰن نے ممبران شوریٰ سے کہا کہ تُم میں سے کون اپنے تئیں

علی ان یولیھا افضلکم فلم یحبه احد فقال فانا انخلع منھا؟ فقال عثمان انا اول من رضی فانی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول امین فی الارض امینؐ فی السماء فقال القوم قد رضینا وعلیؑ ساکتؑ فقال ما تقول یا ابا الحسن قال اعطینی موثقاً لتوثرن الحق ولا تتبع الھویٰ ولا تخص ذارحم ولا تالوا الامة .... ودار عبد الرحمٰن لیالیہ یلقی اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ومن وافی المدینة من امراء الاجناد واشراف الناس یشاورھم ولا یخلو برجل الا امرہ بعثمان حتیٰ اذا کانت اللیلة التی یستکمل فی صبیحتھا الاجل اتی منزل المسور بن مخرمہ بعد ابھیرار من اللیل فایقظہ فقال الا اراك نائما ولم اذق

اس امر سے خارج ہوتا ہے اور مجھے اختیار دیتا ہے کہ میں تم سب میں سے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کر دوں کسی نے اس کا جواب نہ دیا، اِس پر عبدالرحمٰن نے کہا کہ اچھا میں اپنے تئیں نکال لیتا ہوں، اِس پر عثمان نے کہا کہ سب سے پہلے میں تمُ سے راضی ہوں کیونکہ جناب رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ جو اِس دُنیا میں امین ہے وہی آسمانوں پر بھی امین ہے پس وُہ لوگ بولے کہ ہم راضی ہیں لیکن علی خاموش رہے، عبدالرحمٰن نے کہا کہ ابوالحسن تم کیا کہتے ہو حضرت علی نے کہا کہ میری یہ شرط ہے کہ اگر تمُ انصاف کرو حق کی طرف ہو، اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو اپنے رشتہ دار کا پاس نہ کرو...... اور عبدالرحمٰن راتوں کو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے تھے اور نیز مدینہ کے شرفاء و امراء لشکر سے جو مدینہ میں تھے مشورہ کرتے تھے پس جس سے وُہ ملتے تھے وُہ عثمان کو ہی خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا تھا پس اُس رات کو جس کی صُبح کو یہ امر خلافت طے ہونا تھا عبدالرحمٰن مسور بن مخرمہ کے مکان پر آئے، اور ان کو جگایا، اور کہا کہ اِس رات میری تو پلک نہیں جھپکی پس تم جاؤ اور سعد و زبیر کو بُلا لاؤ۔

فی هذه اللیلة کثیر غمض
انطلق فادع الزبیر وسعدا
فدعاهما فبدأ بالزبیر
فی مؤخر المسجد فی الصفة
التی تلی دار مروان فقال
له خل ابنی عبد مناف
وهذا الامر قال نصیبی لعلی
وقال لسعد انا وانت کلالة
فاجعل نصیبک لی فاختار
قال ان اخترت نفسک
فنعم وان اخترت عثمان
فعلی احب الیّ ایها الرجل
بایع لنفسک وارحمنا وارفع
رؤسنا قال یا ابا اسحٰق انی
قد خلعت نفسی منها علی
ان اختار..............
قال سعد فانی اخاف ان یکون
الضعف قد ادرکک فامض لرایک
فقد عرفت عهد عمر وانصرف
الزبیر وسعد وارسل المسور
بن مخرمة الی علی فناجاه طویلا
وهو لا یشک انه صاحب الامر
ثم نهض وارسل المسور الی

پس وُہ دونوں آ گئے۔ عبدالرحمٰن نے پہلے
زبیر سے مسجد میں خلوت کی اِس جگہ پر جو
مروان کے مکان سے متصل تھی۔ اور ان
سے کہا کہ اولادِ عبد مناف میں سے کس
کے لئے تمہاری رائے ہے، زبیر نے کہا کہ
میرا حصّہ تو علی کے لئے ہے۔ پھر عبدالرحمٰن نے
سعد سے کہا کہ ہم تم تو ایک ہی ہیں۔ تم
اپنا حصّہ مجھ کو دیدو۔ سعد نے کہا منظور ہے
اگر تُم خود خلیفہ بنو، لیکن اگر تم عثمان کو
خلیفہ کرنا چاہتے ہو تو مَیں علی کو ترجیح دیتا
ہوں۔ مَیں تو یہ کہتا ہوں کہ تُم خود بیعت
لے لو، اور ہم کو اس مخمصہ سے آزاد کرو۔
عبدالرحمٰن نے کہا کہ اے ابا اسحٰق مَیں نے
تو اپنے تئیں اس سے نکال لیا ہے۔
سعد نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تُم میں
ضُعف آ گیا ہے، جو تمہاری رائے
ہے وُہ کر ڈالو۔ یہ تو تم کو معلوم ہی ہے
کہ عمر کیا چاہتے تھے، اس کے بعد زبیر و
سعد چلے گئے تو عبدالرحمٰن نے مسور کو
علی کے پاس بھیجا۔ پس علی آئے اور دیر
تک عبدالرحمٰن نے علی سے ایسی گفتگو
کی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وُہ علی کو خلیفہ مقرر
کرینگے، پھر عبدالرحمٰن اُٹھے اور مسور کے

عثمان نکان فی نجیهما حتی فرق بینهما اذان الصبح فقال عمرو بن میمون قال لی عبد الله بن عمر یا عمرو من اخبرك انه یعلم ما کلم به عبد الرحمٰن ابن عوف علیًّا وعثمان فقد قال بغیر علم فوقع قضاء ربك علیٰ عثمان ......
فقال عمار ایها النّاس انّ الله عزوجل اکرمنا بنبیّه واعزّنا بدینه فأنی تصرفون هذا الامر عن اهل بیت نبیّکم
فقال سعد بن ابی وقاص یا عبد الرحمٰن افرغ قبل ان یفتتن الناس فقال عبد الرحمٰن انی قد نظرت وشاورت فلا تجعلن ایها الرهط علیٰ انفسکم سبیلا ودعا علیًّا فقال علیك عهد الله ومیثاقه لتعملن بکتاب الله وسنة رسوله وسیرة الخلیفتین من بعده فقال ارجوان افعل واعمل بمبلغ علمی وطاقتی ودعا عثمان فقال له مثل ما قال لعلی

ذریعے سے عثمان کو بُلایا، وُہ آئے تو ان سے صُبح تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ ابن عمر نے پوچھا کہ آپس میں کیا گفتگو ہوئی میں نے جواب دیا کہ قضائے ربّانی عثمان کی طرف ہے..........
عمار نے کہا کہ لوگوں خداوند تعالےٰ نے ہم کو اپنے رسول کی وجہ سے عزت دی ہے۔ تم لوگ کیوں خلافت کو رسول کے خاندان سے نکالتے ہو......
پس سعد نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن اپنا کام فوراً ختم کرو، قبل اس کے کہ لوگوں میں فتنہ ہو۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اے لوگو تُم فساد نہ کرو، اور پھر علی کو بُلا کر کہا کہ تم عہد کرتے ہو کہ کتاب خدا و سُنّتِ رسولؐ اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کرو گے، علی نے کہا کہ اُمید کرتا ہوں کہ میں اپنی علم و طاقت کے مطابق کام کروں پھر عثمان کو بُلا کر اُنھوں نے یہی بات کہی تو عثمان نے فوراً اقرار کر لیا پس عبدالرحمٰن نے عثمان سے بیعت کر لی، اِس پر حضرت علی نے کہا کہ

قال نعم فبایعه فقال علی حبوته	تم نے عثمان کو بغیر حق دا استحقاق
حبو دهر لیس هذا اول یوم	بخشش کی ہے یہ پہلا دن نہیں ہے کہ
تظاهرتم فیه علینا فصبر	خلافت میں تم نے ہم پر غلبہ کیا ہے، پس
جمیل والله المستعان علی	صبر جمیل ہی مناسب ہے اور خداوند
ما تصفون والله ما ولیت	تعالےٰ ہماری مدد کرے گا جو تم کرتے ہو
عثمان الا لیرد الامر	بخدا تم نے عثمان کو اس وجہ سے حکومت دی
الیاک والله کل یوم هو	ہے کہ وہ یہ حکومت تم کو ہی واپس کرے
فی شان	یعنی دراصل تم ہی حاکم ہو اور وہ تمہارے
فخرج علیّ وهو یقول سیبلغ	ماتحت کام کرے خداوند تعالیٰ غنی وحمید ہے
الکتاب اجله	پس علی باہر آئے اور کہتے جاتے تھے کہ کتاب
فقال المقداد یا عبد الرحمٰن	قدر کا لکھا ہوا پورا ہو کر رہے گا ....
اما والله لقد ترکته من الذین	مقداد نے کہا کہ اے عبد الرحمٰن بخدا تم نے
یقضون بالحق وبه یعدلون	اس کو چھوڑ دیا جو حق کے ساتھ فیصلہ
ما رایت مثل ما اوتی الی اهل	کرتا ہے اور انصاف کرتا ہے ....
هذا البیت بعد نبیّهم انی لاعجب	پس مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا ظلم کبھی نہیں
من قریش انّهم ترکوا رجلاً	دیکھا جیسا ظلم وستم اس گھر کے لوگوں پر ان کے
ما اقول ان احدا اعلم ولا اقضیٰ	نبی کے بعد ہوا مجھے قریش سے تعجب ہے
منه بالعدل اما والله لو اجد	کہ انہوں نے ایسے شخص کو چھوڑا جس سے زیادہ
علیه اعوانا فقال عبد الرحمٰن	علم وعدل والا کوئی اور نہیں، کاش میرے مددگار
یا مقداد اتق الله فانی	ہوتے، عبد الرحمٰن نے کہا کہ اے مقداد خدا سے
خائف علیک الفتنة فقال	ڈر، مجھے ڈر ہے کہ تیرے اوپر آفت نہ آجائے، ایک
رجل للمقداد رحمک الله	آدمی نے مقداد سے کہا کہ تم پر خدا رحم کرے، اس گھر
من اهل هذا البیت و	سے تمہارا کیا مطلب ہے اور اس شخص سے تمہارا

ن هذا الرجل قال اهل البیت بنو عبد المطلب والرجل علی بن ابی طالب فقال علیؑ ان الناس ینظرون الیٰ قریش وقریش تنظر الیٰ بیتها فتقول ان ولی علیکم بنو هاشم لم تخرج منهم ابداً وما کانت فی غیرهم من قریش تداولتموها بینکم۔

کیا مطلب ہے مقداد نے کہا کہ اس گھر سے مطلب بنو عبد المطلب اور اس شخص سے مطلب علی بن ابی طالب ہیں۔ حضرت علی نے کہا اور لوگ تو قریش کی طرف دیکھتے ہیں، اور قریش اپنے گھروں کی طرف دیکھتے ہیں یعنی اپنے دُنیاوی فائدہ کو مدنظر رکھتے ہیں پس وُہ آپس میں کہتے ہیں کہ اگر بنو ہاشم تمہارے اُوپر حاکم ہو گئے تو پھر یہ حکومت ان کے خاندان سے کبھی نہیں نکلے گی اور اگر ان کے علاوہ قریش میں سے کوئی اور حاکم ہوا تو یہ خلافت قریش میں ایک سے دُوسرے کی طرف پھرتی رہے گی +

محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ص ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸ +

نیز ملاحظہ ہو:۔

تاریخ حبیب السیر:۔ جلد اوّل جزو چہارم ص ۲۷، ۲۸ +

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۴۰۹ +

تاریخ ابی الفدا:۔ الجزء الاوّل ص ۱۶۵ و ۱۶۶ +

واقعات تو یہ تھے۔ اب ہم ان پر غور کرتے ہیں۔ دو امور قابل توجہ ہیں۔ ایک تو ترکیب و ساخت شوریٰ اور دُوسرے وُہ ہدایات جو حضرت عمر نے جماعت شوریٰ کو طریق کار اور طرزِ عمل کے متعلق دیں۔ حضرت عمر کے طریقۂ حکومت اور روشِ سیاست کی وجہ سے جس کو ہم تفصیل سے البلاغ المبین میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت عمر کے زمانہ میں سرمایہ داری بہت بڑھ گئی تھی۔ اور حکومت پر سرمایہ داروں کا بہت اثر تھا۔ یہ سرمایہ دار جماعت حضرت علی کے بہت مخالف تھی۔ اس مخالفت کی وجوہات تو بہت تھیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جماعت حکومت سقیفہ نے عمداً اور بطور اپنے آلہ کار کے اس مخالفت کو

پیدا کیا اور پھیلایا تاکہ خاندانِ نبوّت میں حکومت کے پہنچنے کا امکان ہی نہ رہے۔ اس کے بعد دوسری وجہ یہ تھی کہ سرمایہ دار جماعت جانتی تھی کہ یہ سرمایہ داری اصولِ اسلام کے خلاف ہے۔ اور اگر حکومت علی تک پہنچ گئی تو وہ سرمایہ داری کو قائم نہیں رہنے دیں گے۔ حضرت عمر نے بیت المال کے وظائف اور اقطاع و جاگیرات کی تقسیم اس طریقے سے کی تھی کہ جہاں تک ہوسکے اُن کی جماعت کے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اپنے دوستوں اور بارسوخ لوگوں کو رقبہ میں زیادہ اور قسم میں اعلیٰ اقطاع و جاگیرات تقسیم کرتے تھے۔ بیت المال سے کسی نہ کسی بہانہ سے اُن کی پارٹی کے لوگوں کو زیادہ رقم ملتی تھی۔ فتوحات کے غنائم کا بہت بڑا حصّہ اُن میں تقسیم ہوتا تھا۔ ہمارے اِس بیان کی توثیق و تصدیق کے لئے دیکھو البلاغ المبین۔ سب سے بڑا اور بیّن ثبوت یہ ہے کہ شوریٰ میں خلیفہ کا تقرر بس ایک شرط پر منحصر تھا۔ وہ یہ کہ خلیفہ سیرتِ رسول اور سیرتِ شیخین پر عمل کرے۔ سیرتِ رسول تو سر آنکھوں پر۔ یہ اُس کے مقابلے میں سیرتِ شیخین کیسی۔ کیا سیرتِ رسول کے اندر ہی سیرتِ شیخین نہیں آگئی؟ ایک شخص سیرتِ رسول پر عمل کرتا ہے۔ وہ کافی نہیں ہے۔ خلافت کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اس کے مستزاد سیرتِ شیخین پر بھی عمل کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ سیرتِ شیخین اس کے علاوہ کچھ اور تھی۔ اُس سیرت کا بڑا جزو یہی سرمایہ داروں کی حفاظت تھی۔ اِن ساری باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ دار جماعت حکومت پر چھاگئی۔ حضرت ابوذر نے اِس سرمایہ داری کے خلاف آواز اُٹھائی تو پہلے تو وہ شام کی طرف ننگے اُونٹ پر بٹھا کر بھیجے گئے اور پھر جب حاکمِ شام نے اُن کے نصائح سے تنگ آکر انہیں واپس بھیجا تو مدینہ سے جلاوطن کئے گئے اور ربذہ بھیج دئے گئے [۵۶۱]

۵۶۱ اُردو ترجمہ جرجی زیدان تمدّن اسلام حصّہ دوم ص ۱۵۔

سرمایہ داری کے ذکر کے لئے دیکھو جرجی زیدان تمدّن اسلام حصّہ دوم ص ۱۵، ۱۶، ۱۷۔

قصہ مختصر کہ حضرت علی کو تو فقط ظاہر داری کے لئے ان میں شامل کیا گیا۔ باقی پانچوں اُمیدوارِ خلافت جماعت سرمایہ داران میں سے لئے گئے اب ہم ایک ایک کے حالات بیان کرتے ہیں ؂

طلحہ بن عبید اللہ۔ ان کی ثروت کا یہ حال تھا کہ روزانہ ایک ہزار دینار کی آمدنی فقط عراق سے آتی تھی۔ کہا گیا ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھی۔ اور سراۃ کے اطراف کی آمدنی ایک ہزار دینار سے بھی زیادہ تھی۔ دو ہزار سے زائد روزانہ آمدنی تو یہی ہوئی۔ اور کُوفہ میں انہوں نے بڑا عالیشان محل بنایا تھا جو مورخ مسعودی نے خود دیکھا تھا۔ ایک محل انہوں نے مدینہ میں بھی بنایا تھا جو پکّی اینٹ چُونے اور نہایت اعلےٰ شیشم کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ بوقت وفات ان کے پاس بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار تھے۔ جائداد کی قیمت تین کروڑ درہم تھی[۵۶۲]

زبیر بن العوام۔ یہ حضرت ابوبکر کے داماد تھے شروع شروع میں یہ حضرت علی کی طرف تھے۔ حضرت عمر کی حکمتِ عملی اور اپنی سالی حضرت عائشہ کی کوششوں سے یہ حضرت علی کے بہت خلاف ہوگئے ان کی ثروت کی یہ حالت تھی کہ ان کے محلات بصرہ، مصر، کُوفہ اور اسکندریہ میں تھے۔ جو مال انہوں نے غنائم اور بیت المال کی تقسیم اور اقطاع و جاگیرات سے حاصل کیا وُہ انہوں نے تجارت میں لگایا۔ اپنی موت کے وقت انہوں نے نقد پچّاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور سینکڑوں غلام اور لونڈیاں چھوڑیں۔ ایک ہزار ان کے مملوک تھے جو ان کو

---

۵۶۲ مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۲ ؂

ابن عبد البر:- الاستیعاب الجزء الاوّل ص ۲۱۵ ؂

S. Khuda Bakhsh: Politics in Islam. P. 151.

خراج ادا کرتے تھے۔[63]

حضرت عثمان بن عفان۔ ان کا کیا کہنا یہ تو عثمان غنی تھے۔ انہوں نے مدینہ میں بہت بڑا محل بنایا تھا جس کو پتھر اور چونے سے مضبوط کیا تھا۔ اور آبنوس اور صندل کی لکڑی کے دروازے بنائے تھے۔ اور بہت سے باغات اور چشمے مدینہ کے نزدیک تھے۔ جس دن یہ قتل ہوئے ہیں اس دن ان کے ذاتی خزانچی کی تحویل میں ایک صد پچاس ہزار یعنی ایک لاکھ پچاس ہزار دینار، دس لاکھ درہم نقد تھے۔ وادی القریٰ وحنین وغیرہ میں جو ان کی جاگیریں تھیں ان کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار گھوڑے اور اونٹ تھے[64] یہ ابوسفیان کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔

عبدالرحمٰن بن عوف۔ یہ بہت مالدار تھے۔ انہوں نے بھی زبیر بن العوام کی طرح مال جمع کر کے تجارت شروع کر دی تھی۔ نہایت عالیشان محل وادی عقیق میں بنایا تھا۔ ان کے اصطبل میں یک صد گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ ایک دن میں انہوں نے تیس تیس غلام آزاد کئے ہیں۔ جب مرنے لگے تو بہت روئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ مصعب بن عمیر اور حمزہ بن عبدالمطلب دونوں مجھ سے بہتر تھے۔ ان دونوں کا انتقال زمانۂ رسول خدا میں ہوا۔ اور انہوں نے اتنا بھی نہ چھوڑا کہ کفن کے لئے کافی ہوتا۔ ان کے پاس اتنا نقد تھا کہ ان کی چار بیویاں تھیں ان کے ورثہ میں ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم ملا۔[65]

---

[63] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۲ ۔

الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الاوّل ص ۲۰۸ ۔

S. Khuda Bakhsh: Politics in Islam. P 151.

[64] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۲ ۔

[65] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۲ ۔

الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الثانی ص ۴۰۰ ۔

S. Khuda Bukhsh: Politics in Islam. P. 151.

سعد ابن ابی وقاص - یہ بھی بہت امیر تھے - ان کا عالیشان محل وادیٔ عقیق میں تھا - وہیں ان کا انتقال ہوا - [۶۶]

کیسی جلدی اسلام میں سرمایہ داری آگئی اور یہ سرمایہ دار جماعت ایسی بارسوخ تھی کہ حضرت عمر مجبور ہو گئے کہ ان میں سے خلیفہ لیں - یہ عذر کہ میں ان کو اس لئے مقرر کرتا ہوں کہ جناب رسول خدا بوقت رحلت ان سے خوش تھے ایک سیاسی عذر تھا - کیا تمام اُمت میں سے آنحضرتؐ صرف ان چھ آدمیوں ہی سے خوش تھے - انصار میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس سے آنحضرتؐ خوش ہوں - کیا انصار کی مہمان نوازی اور نصرت رسول کا یہ انعام تھا کہ حضرت عمر نے فیصلہ کر دیا کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے - کیا عمار یاسر، مقداد، ابوذر، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن جابر، امام حسن، امام حسین، ان سب سے آنحضرتؐ ناراض تھے - صرف شوریٰ ہی پر منحصر نہ تھا - محکمہ قضا میں تمام سرمایہ دار تھے - حضرت عمر نے حکم عام جاری کر دیا تھا کہ کوئی غریب آدمی قاضی نہ مقرر کیا جاوے - چنانچہ عبداللہ ابن مسعود کو محض ان کی غربت کی وجہ سے مقدمات فیصلہ کرنے سے روک دیا - دیکھو - الفاروق حصہ دوم ص ۵۹، ۶۰ - اس کا جواب جو مولوی شبلی نے دیا ہے کافی نہ ہوگا کہ غریب آدمیوں کو رشوت لینے کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے - جناب شبلی خود لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے قاضیوں کی تنخواہ بہت زیادہ مقرر کی تھی تاکہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو - الفاروق حصہ دوم ص ۶۷ - کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ باوجود اس کے بھی عبداللہ ابن مسعود جیسے صحابی رشوت لے لیتے - اور اگر لے لیتے تو آپ حدیث نجوم کہاں گئی -

---

[۶۶] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۲ ؞

الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الثانی ص ۵۶۰ ؞

S. Khuda Bakhsh Politics in Islam. P. 151.

یہ ساری تفصیل ہم البلاغ المبین میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت جامع قرآن کمیٹی کے صدر تھے۔ ان کے پاس ہزاروں سونے چاندی کی اینٹیں تھیں جو ان کی وفات پر گنڈاسے سے توڑ توڑ کر ورثہ میں تقسیم کی گئیں۔ ان کے علاوہ ایک لاکھ دینار کی قیمت کی جائداد چھوڑی۔[۵۶۷]

دوسری وجہ انتخاب اِن بزرگوں کی یہ تھی کہ یہ حضرت عمر کی پارٹی میں تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے مخالف تھے۔

طلحہ بن عبید اللہ حضرت ابو بکر کے ابن عم تھے۔ ان کی والدہ صعبہ ابو سفیان کی بیٹی معاویہ کی بہن اور یزید کی پھپھی تھیں۔[۵۶۸]

عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمان کے بہت قریبی رشتہ دار تھے عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔ سعد ابن ابی وقاص نہایت قریبی رشتہ دار عبدالرحمٰن بن عوف کے تھے۔ چنانچہ جب شوریٰ میں بحث ایک خاص مرحلہ پر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میں اپنا حق اپنے ابن عم عبدالرحمٰن بن عوف کو دیتا ہوں۔ سعد ابن ابی وقاص کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ تھیں اور اس طرح حضرت عثمان و معاویہ کی قریبی رشتہ دار ہوئیں۔ ان کے صاحبزادے عمر بن سعد وہی بزرگ ہیں جنہوں نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کو اس ظلم و ستم کے ساتھ شہید کیا۔ حضرت عثمان بن عفان اموی تو امیدوار خلافت تھے ہی۔ اب رہ گئے زبیر بن العوام۔ یہ حضرت ابو بکر کے داماد تھے۔ ان کی والدہ ہاشمیہ تھیں۔ یہ ہمیشہ مذبذب رہے کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ جنگِ جمل ان کا کھڑا کیا ہوا کھیل تھا۔ آخر میں میدان جنگ سے علیحدہ بھی ہو گئے۔ بہر صورت کثرت رائے حضرت

---

[۵۶۷] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۳

[۵۶۸] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی مطبوعہ بغداد ص ۲۴۹

عثمان کی طرف ہو ہی گئی۔ اس کے علاوہ شرط یہ بھی تھی کہ اگر مساوی ہوں تو عبداللہ ابن عمر ثالث رہیں گے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے حضرت عثمان کی بیعت تو شوق سے کرلی۔ لیکن حضرت علی کی بیعت نہ کی۔ جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو اہل مدینہ میں یزید کے خلاف جوش پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ لوگ تجویز کرنے لگے کہ اس کی خلع خلافت کی جاوے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر بگڑ گئے اور اپنی اولاد و مقربین کو جمع کرکے کہا کہ جو یزید کی خلع خلافت کرے گا اس میں اور مجھ میں ہمیشہ کے لئے عداوت ہو جائے گی اور فوراً دستور سابق کے مطابق ایک حدیث سنا دی کہ قیامت کے دن بغاوت کرنے والوں کے لئے علیحدہ جھنڈا بلند کیا جاوے گا۔ ان کے بھائی عبیداللہ ابن عمر حضرت علی کے دشمنوں کے ساتھی تھے۔ اور جنگ صفین میں حضرت علی کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ان دونوں کے والد تو تھے ہی حضرت عمر۔ این خانہ ہمہ آفتاب ست۔ باوجود اس کے عبداللہ ابن عمر کو حضرت عمر نے یہ ہدایت کی کہ تم ادھر ہونا جدھر عبدالرحمن ہوں [۵۶۹]۔ یہ نئی قسم کی سرپنچی ہے۔ ہیں تو ثالث لیکن حکم یہ ہے ادھر ہونا جدھر عبدالرحمن بن عوف ہوں۔ اونٹ رے اونٹ تری کونسی کل سیدھی۔ یہ تجویز شوریٰ بھی ایک پیچیدہ دماغ سے نکلی ہوئی عجیب شے تھی۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر میں کونسی فضیلت تھی جس کی وجہ سے انھیں یہ عجیب الخلقت سرپنچ بننے کا فخر عطا ہوا۔ بقول حضرت عمر وہ تو فقہ سے ایسے بے بہرہ تھے کہ اپنی عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتے تھے۔ غالباً یہ وجہ ہو کہ یہ اپنے باپ کی دلی حالت سے واقف تھے لہذا سارے امور اپنے والد کی خواہش کے مطابق طے کریں گے۔ یہ حضرت عمر کی پیچیدگی دماغ کی بیّن مثال ہے۔ یہ ہی

---

[۵۶۹] ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل الجزو الثالث ص ۲۰۔

کیوں نہ کہہ دیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف خلیفہ مقرر کر دیں۔ کارروائی شوریٰ سے معلوم ہوگا کہ جب معاملہ بیچ ادھر میں لٹک گیا، دونوں طرف تقریباً مساوی رائے ہوئیں تو بیچارے عبداللہ ابن عمر کو تو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف ہی جوڑ توڑ کرتے رہے۔ انہیں یہ معلوم ہی تھا کہ حضرت عمر کیا چاہتے تھے۔ شوریٰ کی تجویز عام لوگوں میں ظاہر کرنے سے پہلے حضرت عمر نے عبدالرحمٰن ابن عوف کو بُلایا اور اُن سے تخلیہ میں باتیں کیں۔ مورخ ابن خلدون کہتے ہیں:۔

ثم دعا عبدالرحمٰن وقال اريد ان اعهد اليك قال اتشير علىّ بها قال لا قال واللہ لا افعل قال فهبني صمت حتى اعهد الى الذين توفي رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم وهو منهم راض ثم دعا عليًا وعثمان والزبير وسعد او عبدالرحمٰن معهم۔ ؎

پھر حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف کو بُلایا اور کہا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ خلافت تمہارے سپرد کروں۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ کیا آپ مجھ سے اُس کی بابت صرف مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ تمہیں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا قسم بخدا میں اس بوجھ کو نہیں اُٹھاؤں گا اس پر حضرت عمر نے کہا کہ اچھا جو مَیں تم سے کہتا ہوں وُہ کسی سے نہ کہنا یہاں تک کہ مَیں اُن لوگوں کی طرف خلافت کو کردوں جن سے بوقت رحلت جناب رسولؐ خدا راضی تھے پھر حضرت عمر نے علی وعثمان وزبیر وسعد کو بُلایا۔ عبدالرحمٰن بھی اُن کے ساتھ تھے

آپ نے تجویز شوریٰ کی پیچیدگی کو ملاحظہ فرمایا۔ عبدالرحمٰن قطعاً انکار کر چکے ہیں۔ پھر اُنہیں اُمیدواران خلافت میں رکھا جاتا ہے لیکن یہ اُمیدواری کیسی کہ خلیفہ گر بھی ہیں۔ یہ دونوں باتیں مِل کر صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ عبدالرحمٰن

؎ ابن خلدون:۔ بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ دارالطباعۃ الخدیویہ بولاق مصر المغربیہ در ۱۲۸۴ھ ہجری ص ۱۲۴، ۱۲۵ ؎

وہاں شوریٰ میں خاص غرض کے لئے بھیجے گئے تھے۔ چونکہ اُن کے وہاں ہونے کے لئے کچھ بہانہ چاہئیے تھا لہذا کہہ دیا گیا کہ یہ بھی اُمیدوار خلافت ہیں۔ وُہ خاص غرض کیا تھی۔ ترکیب و ساخت شوریٰ بتا رہی ہے۔ حضرت عمر کے ارادے جو پہلے ظاہر کر چکے ہیں وُہ بتا رہے ہیں۔ حضرت عمر کا عبدالرحمٰن ثالث کو صیغہ راز میں ہدایت دینا بتا رہا ہے۔ ترکیب و ساخت شوریٰ کا تو ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔ حضرت علی وہاں اقلیت میں تھے۔ عبدالرحمٰن ثالث تھے اور وُہ حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے۔ اور کارروائی شوریٰ بتائے گی کہ آیا انہوں نے رشتہ داری ہدایت عمری کی بناء پر فیصلہ کیا یا انصاف کی بناء پر خلیفہ مقرر کیا۔ اب رہے حضرت عمر کے پُرانے منصوبے وُہ اب ہم ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت عمر پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ اُن کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوں گے ؞

عن حذیفہ قال قیل لعمر بن الخطاب وھو بالمدینۃ یا امیر المومنین من الخلیفۃ بعدک قال عثمان

حذیفہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر مدینہ میں تھے تو اُن سے پُوچھا گیا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا عثمان ؞

علی المتقی :۔ کنز العمال الجزء الثالث ص ۱۵۰۔ حدیث ۲۴۴۸ ؞

حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبۃ عن ابی اسحاق عن حارثہ عن مطرف قال حجت فی امارۃ عمر فلم یکونوا یشکون ان الخلافۃ من بعدہ لعثمان

مطرف سے مروی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں لوگوں کو یقین تھا کہ اُن کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے ؞

کنز العمال الجزء الثالث ص ۱۶۰ حدیث ۲۴۵۹ ؞

روی الزبیر ایضاً عن سداد بن عثمان قال سمعت عوف بن مالک فی ایام عمر یقول یا طاعون خذنی فقلنا لم تقول ھذا وقال سمعت

سداد بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے عوف بن مالک کو حضرت عمر کے زمانہ میں کہتے ہوئے سُنا کہ اے طاعون مجھے لے لے۔ ہم نے کہا کہ تم کیوں ایسا کہتے ہو۔ تم نے رسولخدا کو کہتے ہوئے سُنا ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ان المومن لایزیدہ طول العمر الاخیرا قال انی اخاف ستاً خلافۃ بنی امیہ.......	کہ مومن کی طول عمر میں خیر ہے۔ عوف نے کہا کہ میں چھ باتوں سے ڈرتا ہوں۔ اُن میں سے ایک بنوامیہ کی خلافت ہے ۔

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ۔ الجزء الثانی ص ۳۹۸ ۔

اب سوچیئے کہ حضرت عمر نے خلوت میں عبدالرحمن بن عوف کو کیا ہدایت دی ہوگی ۔ وہ ایسی ہدایت ہے کہ جو عام لوگوں میں کہنے کی نہیں لہٰذا حضرت عمر نے اخفاء رکھنے کا وعدہ لے لیا پھر کہی۔ اور لوگوں کو ہدایت کی کہ اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمن ابن عوف ہوں۔ جائز قیاس اور صحیح استدلال سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ہدایت یہ ہوگی کہ خلیفہ کس کو بنائیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا طرز عمل جوانہوں نے شوریٰ میں اختیار کیا اور جس کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں صاف بتا رہا ہے کہ ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں حضرت عمر نے پہلے ہی اپنے منصوبوں میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ لہٰذا آخری اور صحیح نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر نے خفیہ ہدایت حضرت عبدالرحمن کو یہ دی تھی کہ تم کسی نہ کسی طرح عثمان کو خلیفہ مقرر کرا دینا ۔

جب اتنا معلوم ہو گیا تو اب آپ حضرت عمر کے اِس حکم کی اہمیت پر غور کیجیئے کہ جو عبدالرحمن بن عوف کے فیصلے یا اکثریت کی رائے سے اختلاف کرے تو اُس کو قتل کر دینا۔ حضرت عمر کا منشاء کس کو قتل کرانے کا تھا؟ حضرت عبدالرحمن ابن عوف کا فیصلہ تو ظاہر ہی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت علی اس کو پسند نہ کرتے اور نہ کیا۔ نتیجہ نکلا کہ حضرت عمر کا صاف وصریح حکم یہ تھا کہ ہمیشہ کی خلش مٹ جائے گی تم علی کو قتل ہی کر دینا۔ یہ بات دُوسری ہے کہ اُسوقت کی حالت کو دیکھتے ہوئے اُن لوگوں کی ہمّت نہیں پڑی کہ علی کو قتل کر دیتے۔ بہرصُورت حضرت عمر نے ایک راستہ تو دکھا دیا۔ طریقہ تو بتا دیا

جب حالت بدل گئی اور واقعات نے مساعدت کی تو جناب یزید نے اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا۔ یزید نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ اپنی طرف سے کوئی نیا سیاسی اصول ایجاد نہیں کیا۔ صرف حضرت عمر کے حکم کی اطاعت کی۔ اکثریت نے اس کو خلیفہ مان لیا تھا۔ اس نے امام حسینؑ سے بیعت طلب کی جس طرح حضرت عمر نے حضرت علی سے ابو بکر کے لئے طلب کی تھی۔ اور اب حضرت عثمان کے لئے طلب ہوئی تھی۔ امام حسینؑ نے انکار کیا جس طرح حضرت علی نے انکار کیا تھا۔ حضرت عمر ایک دفعہ گھر جلا کر حضرت علی کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے۔ دوسری دفعہ حکم دیا کہ اس متخلف (علی) کو قتل کر دینا۔ لیکن وہ زمانہ جناب رسول خدا کے زمانے سے اتنا نزدیک تھا اور حضرت علی کی وقعت گرتے گرتے بھی ابھی اتنی باقی رہ گئی تھی کہ حضرت عمر کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ تیسری دفعہ یزید نے کوشش کی۔ حالات بدل چکے تھے۔ کامیاب ہو گیا۔

چونکہ اس انتخاب کی جوازیت محض حضرت عمر کے احکام و ہدایات پر منحصر تھی لہذا یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ حضرت عمر نے اس انتخاب کے لئے ضابطہ کیا مقرر کیا تھا اور کس طریقہ سے ہونا تھا۔

(۱) سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ حضرت عمر نے نہایت اہتمام کے ساتھ یہ انتظام کیا تھا کہ ممبران شوریٰ محض اپنی رائے سے متفق ایک نتیجہ پر پہنچیں۔ صرف برکت کے لئے جناب حسنین علیہما السلام کو اور عبداللہ ابن عباس کو بلا لیں۔ اُن کو بولنے یا اس میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ اور دو تین انصار کو بھی محض کارروائی کو Watch کرنے کے لئے۔ دیکھنے کے لئے بلا لیں۔ حصہ لینے کا اختیار اُن کو بھی نہ تھا۔ دیکھئے حضرت عمر کی سیاست کیسی زمانۂ حال کے قواعد و ضوابط کے مطابق تھی۔ کسی صاحب رسوخ شخص یا کسی فریق کے ممبران کو محض Watch کرنے (دیکھنے) کے لئے بلانا۔ زمانۂ حال ہی کی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے زمانہ کے لوگوں کے دماغ میں تو یہ بات نہیں آ سکتی

تھی کہ کچھ آدمی آئیں اور گونگوں کی طرح بیٹھ کر چلے جائیں۔ کچھ حصّہ نہ لیں دیکھئے ان باتوں میں حضرت عمر اپنے زمانہ کے لوگوں سے کتنے آگے تھے۔ جس طرح حضرت علی اپنی خاص سیاست اور خاص امور میں اُس زمانہ کی ساری دُنیا سے آگے تھے اِس شرط کو حضرت عمر نے اِتنی اہمیت دی تھی کہ ابو طلحہ انصاری کو حکم تھا کہ جب تک شوریٰ جاری رہے تم کسی اور کو اندر نہ آنے دینا۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اہلِ شوریٰ نے اس پر عمل کیا یا نہیں ؛

دُوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے شوریٰ کے لئے محض تین دن دئے تھے اور اِس شرط میں یہ سختی تھی کہ تیسرے دِن تم اپنی جگہ سے نہ اُٹھنا جب تک خلیفہ مقرر نہ کر لو۔ اگر شوریٰ تین دن میں مکمل نہیں ہوئی تو چوتھے دِن کی کارروائی ناجائز تھی ؛

تیسری بات جو ہے وُہ نہایت غور کے قابل ہے۔ بہت اہم ہے۔ حضرت عمر نے یہ نہیں کہا کہ تم اُمیدواروں کے سامنے کسی شرط کو پیش کرنا۔ اور خلیفہ کا انتخاب اُس کی اُس شرط کی تعمیل کے اقرار پر مبنی کرنا۔ اگر ایسا کیا گیا تو سارا انتخاب ہی ناجائز ہوگیا ؛

اِس امر کا ثبوت کہ حضرت عمر نے شوریٰ کی تجویز محض ایک مقصد کے لئے کی تھی اور وُہ مقصد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی تک نہ پہنچے بلکہ بنو اُمیہ کی طرف جاوے اِس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اپنے اِس مقصد کے حصول کے لئے تو ہر ایک ہدایت دی اور جو صحیح انتخاب کے لئے صحیح ہدایت ہوتی وُہ نہ دی۔ یہ نہ بتایا کہ خلیفہ کن صفات کا ہونا چاہیئے۔ اس میں کیا کیا فضیلتیں تم تلاش کرنا۔ ان فضائل کی جانچ کس طرح کرنا۔ اسلام کی خدمات کو مدنظر رکھنا آیت قرآنی السابقون الآیۃ پر عمل کرنا۔ یہ دیکھنا کہ پہلے کون ایمان لایا۔ جہادوں میں کون ثابت قدم رہا۔ کون بھاگتا رہا۔ جنابِ رسولِ خدا کے نزدیک کس کی منزلت زیادہ تھی۔ بقول خود ان چھ لوگوں کو اس لئے

منتخب کیا تھا کہ مرتے دم تک جناب رسولؐ خدا اُن سے راضی تھے۔ یہی کہہ دیتے کہ ان سب میں اُس کو منتخب کرنا جس سے جناب رسول خدا سب سے زیادہ راضی تھے۔ جس نے آخر دم تک اُن کی خدمت کی تھی۔ لوگ جنازہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور وُہ عشق رسولؐ میں جنازہ کے ساتھ رہا۔ جب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ وجہ انتخاب جناب رسولؐ خدا کی خوشنودی تھی تو پھر جناب رسول خدا کے نزدیک سب سے زیادہ جس کی منزلت ہوتی اُس کو ہی خلیفہ مقرر کرنے کی ہدایت فرمائی جاتی۔ یہ عجیب بات تھی شروع تو تمہید اس طرح باندھی کہ یہ چھ آدمی جناب رسولؐ خدا کی مرتے دم تک کی خوشنودی کی وجہ سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ اور ختم اس معاملہ کو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کی خوشنودی پر کیا۔ یہ منطق تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اِس استدلال کا صحیح و منطقیانہ نتیجہ تو یہ ہوتا کہ ان میں سے جس شخص کو اُس خوشنودی کا سب سے زیادہ حصّہ ملا ہوا تھا وُہ ہی خلیفہ ہو۔ جماعت سرمایہ داران کے سب سے بڑے سرمایہ دار کے ڈکیٹڑانا رائے پر خلیفہ کے انتخاب کو چھوڑنا بغیر کسی قسم کی فضیلت اور وجہ انتخاب کی شرط لگانے کے صاف بتا رہا ہے کہ مدعا کیا تھا۔ یہ غرض نہیں تھی کہ خلافت کے لئے بہترین اور موزوں ترین شخص منتخب ہو۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں جو اس ہی جماعت سرمایہ داران کے ایک اعلیٰ ممبر تھے۔ یہ ڈکیٹڑ، یہ خلیفہ گر کون تھے۔ یہ وُہ ہی تھے جن کو حضرت عمر صحیح طور سے فرعونِ اُمّت جانتے تھے۔ اور کہہ چکے تھے۔ کہ خلافت الہیہ کی باگ ڈور ایک فرعون کے ہاتھ میں دے کر اُس کو اپنے اصلی مقام و مقصد سے گرا دیا *

حضرت عمر نے یہ نہیں کہا کہ عبدالرحمٰن ثالث ہوں یعنی جس کو وُہ مقرر کریں وُہ ہی خلیفہ ہو۔ بلکہ یہ کہا کہ جس کی طرف عبدالرحمٰن ہوں وہی خلیفہ ہو جائے۔ بصورت مساوی ہونے کے عبداللہ ابن عمر ثالث ہوں اور عبداللہ ابن عمر کو ہدایت کی تھی کہ تم اس کے حق میں فیصلہ دینا جس کی طرف عبدالرحمٰن ہوں۔

اب ہم شوریٰ کے اندر کی کارروائی پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن نے کیا کیا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نے دیگر اُمیدواروں سے اُن کا حق لینے کی کوشش کی اور اپنے تئیں واحد ثالث بنا لیا۔ یہ انصاف کے خلاف تھا۔ اور ہدایاتِ حضرت عمر کے خلاف تھا۔ اس کا اختیار اُن کو نہیں دیا گیا۔ انہوں نے حدِ اختیارات سے تجاوز کیا اور ثالث بن کر ساری کارروائی جو کی وہ ناجائز ہوئی۔

تین دن وہ برابر اجلاس شوریٰ سے باہر جا کر لوگوں سے صلاح و مشورہ کرتے رہے۔ عثمانی جماعت سے ملتے رہے۔ عمرو بن العاص سے تجویز پوچھی گئی کہ کس طرح علی کو دُور رکھا جائے۔ اُنہوں نے سُنّتِ شیخین کی پیروی کی شرط کی تجویز مقرر کی جو عبدالرحمٰن بن عوف کو پسند آئی۔ دیکھو شمس التواریخ ص ۱۲ یہ کارروائی بھی حدودِ اختیارات سے باہر رہے۔ لہٰذا ناجائز ہوئی۔

باوجود اس کے تین دن جو اُن کو دیئے گئے تھے اُن کے اندر وہ خلیفہ مقرر نہ کر سکے۔ اُن کو صرف تین دن تک اختیارات تھے۔ چوتھے دن وہ بے اختیار ہو چکے تھے۔ چوتھے دن جو انہوں نے کارروائی کی وہ ناجائز ہوئی۔

چوتھے دن مقام شوریٰ بھی چھوڑ دیا۔ مسجد میں آ گئے۔ وہاں خود فیصلہ نہ کیا۔ لوگوں سے کہا کہ خلیفہ مقرر کر لو۔ حضرت عمّار بن یاسر نے حضرت علی کی طرف اشارہ کیا۔ اور ابن ابی سرح نے حضرت عثمان کی طرف۔ آپس میں بات چیت بڑھ گئی۔ اپنے اختیارات ان لوگوں کو دیدئے۔ اب واپس نہیں لے سکتے تھے۔

اب تمام لوگوں کے سامنے انہیں دکھا کر اور سُنا کر حضرت علی و حضرت عثمان کے سامنے وہ سیرتِ شیخین والی شرط پیش کی جاتی ہے جو عمرو بن العاص نے بنائی تھی۔ اس شرط کی بناء پر جو خلیفہ مقرر ہُوا۔ وہ ناجائز تھا۔ یہ بات ان کے اختیارات سے باہر تھی۔ حضرت عمر نے یہ شرط مقرر نہیں کی تھی۔ لہٰذا جو خلیفہ اس شرط کی وجہ سے مقرر ہوا وہ ناجائز تھا۔ تمام لوگوں کے سامنے اس شرط کو پیش کرنے کا یہ مدعا تھا کہ اُن کو معلوم ہو جاوے کہ علی کو اس وجہ سے

خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے کہ انہوں نے تمہارے بنائے ہوئے تمہارے پیارے شیخین کی سیرت کی پیروی کرنا قبول نہیں کیا۔ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کی یہ بھی ایک تجویز تھی۔

یہ شرط بہت اہم تھی۔ اس پر ہی خلافت کا انعقاد منحصر کیا گیا تھا۔ اور اس ہی سے اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات و اندرونی حالت کا پتہ چلتا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مورخین ہی کے الفاظ میں بیان کریں :۔

فبدا بعلی علیہ السلام وقال لہ ابایعک علی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ وسیرۃ الشیخین ابی بکر وعمر فقال بل علی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ واجتہاد رای فعدل عنہ الی عثمان فعرض ذلک علیہ فقال نعم فعاد الی علی علیہ السلام فاعاد قولہ فعل ذلک عبد الرحمن ثلاثا فلما رأی ان علیا علیہ السلام غیر راجع عما قالہ وان عثمان ینعم لہ بالاجابۃ صفق علی ید عثمان وقال السلام علیک یا امیر المومنین [۱]	پس عبدالرحمن بن عوف نے علی سے شروع کیا اور کہا کہ میں آپکی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کتاب اللہ سنت رسول و سنت شیخین ابی بکر و عمر کی پیروی آپ کرینگے حضرت علی نے جواب دیا کہ کتاب اللہ و سنت رسول کی پیروی تو منظور کرتا ہوں لیکن سیرت شیخین کا وعدہ نہیں کرتا میں اپنے اجتہاد و رائے پر عمل کرونگا عبدالرحمن نے اسی طرح عثمان کو بلا کر انکے سامنے یہ شرط پیش کی۔ عثمان نے فوراً منظور کر لیا۔ عبدالرحمن نے اسی طرح تین دفعہ علی و عثمان سے پوچھا تینوں دفعہ حضرت علی نے سنت شیخین کی پیروی سے انکار کر دیا اور عثمان نے اقرار کر لیا۔ اس عبدالرحمن نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ اور کہا کہ السلام علیک یا امیر المومنین ۔

[۱] ابن ابی الحدید :۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۶۳ ۔
ابن خلدون :۔ بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ۱۲۸۴ ہجری ص ۱۲۶ ۔
شمس التواریخ ص ۱۲۱۴ ۔
تاریخ طبری :۔ الجزء الخامس ص ۳۷ ۔
تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو چہارم ص ۲۷، ۲۸ ۔
تاریخ ابی الفداء : الجزء الاول ص ۱۶۵، ۱۶۶ ۔

غور کرو مسلمانو! محمد مصطفےٰ صلعم کی حکومت، علی کی تلوار سے حاصل کی ہوئی کس طرح غیروں میں اُچھالی جا رہی ہے۔ اور اُن کی اولاد کو کس طرح اُمت کا دستِ نگر بنایا جا رہا ہے۔ اُس کو عطا کرنے والا کون؟ ایک شخص جو مجبور ہو کر ایمان لایا اور جس کو حضرت عمر نے فرعون اُمت کا لقب دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کو جو ہدایت دی گئی تھی وُہ بھی قابل غور ہے۔ جب تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہوں تو تم اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمن بن عوف ہوں۔ حضرت عمر نے خود ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اُس صورت میں عبدالرحمن بن عوف خلیفہ ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ عبدالرحمن تو شروع ہی سے انکار کر چکے تھے۔ وُہ تو خلیفہ ہونا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وُہ تو حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اِس لئے حضرت عمر کا یہ کہنا بے فائدہ ہوتا کہ اُس صورت میں عبدالرحمن خلیفہ ہوں۔ یہ ہدایت عبدالرحمن کو دے ہی چکے تھے کہ عثمان کو خلیفہ کرنا۔ بس اب عبداللہ ابن عمر کے لئے یہی ہدایت باقی تھی کہ تم اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمن ہوں۔

مورخین نے بہت چھپایا لیکن بات چھُپ نہ سکی۔ راز فاش ہو ہی گیا طبری کی روایت دیکھو جو ہم نے اُوپر نقل کی ہے۔ جب تیسرا دن ہو گیا معاملہ کسی طرح طے نہ ہوا تو آخر کار سعد بن ابی وقاص نے عبدالرحمن سے کہا:-

"معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ضُعف آ گیا ہے۔ جو تمہاری رائے ہے وُہ کر ڈالو یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ عمر کیا چاہتے تھے"۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر محض حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنا ہی مقصود تھا تو حضرت عمر خود ہی حضرت عثمان کو مقرر کر دیتے۔ اِتنی پیچیدہ تجویز و ترکیب کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں:-

(۱) اگر خود کرتے تو کس بہانہ سے کرتے۔ ظاہراً حضرت علی بدرجہا حضرت عثمان سے افضل تھے۔ سبقتِ اسلامی میں بھی، جہاد میں بھی، منزلتِ رسول

ہیں بھی - یہ رائیں ہی کا بہانہ ایسا ہے کہ جس میں افضلیت کا سوال نظر انداز ہو سکتا ہے - رائے دینے والے کہتے ہیں ہم رائے دیتے ہیں - یہ ہم نہیں بتاتے کہ کیوں زید کو دیتے ہیں بکر کو نہیں دیتے - لیکن ساری اُمّت میں اِس انتخاب کو ڈال بھی نہیں سکتے تھے - پھر تو بحث ہوتی - افضلیّت کا ذکر آتا - لہٰذا انتخاب کو بہت ہی محدُود رکھا -

حضرت عمر نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر وُہ حضرت عثمان کو اپنے حُکم سے نامزد کر دیں تو شاید بنو ہاشم کسی ترکیب سے اِس تجویز کو قائم نہ رہنے دیں - لہٰذا انہوں نے تجویز سوچی کہ اگر مختلف قبائل کے چار آور آدمی عثمان کی حمایت کے لئے مقرّر کر دیئے جائیں تو وُہ اور اُن کے قبیلے کے لوگ اپنی بات کی پیچ کے لئے عثمان کی حمایت کریں گے - اور پھر بنو ہاشم کے لئے اُن سب کا مقابلہ کرنا مُشکل ہوگا خصوصاً جبکہ ان لوگوں میں عبدالرحمٰن بن عوف جیسے دولتمند اور طلحہ جیسے کبر و نخوت کے پُتلے شامل ہوں گے -

حضرت عمر ظاہرداری کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے - جانتے تھے کہ حضرت علی کا حق چھینا گیا ہے - لہٰذا الفاظ سے اُن کی دلجوئی کرنا اور زبان سے ان کے ساتھ بنائے رکھنا حضرت عمر کی سیاست کا اہم پہلو تھا - تاکہ بنو ہاشم اور اُن کے دوست تنگ آمد بجنگ آمد پر عمل نہ کر ڈالیں -

فطرت انسانی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کچھ ایسی طبائع ہوتی ہیں جو جوڑ توڑ اور پیچیدگی کو پسند کرتی ہیں - سیدھا اور صاف راستہ اُن کے ناپسند ہوتا ہے - حضرت عمر کی طبیعت ایسی ہی تھی -

غرضکہ تاریخ کو تاریخ کی طرح مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اُمّتِ اسلامیہ میں تفرقہ و فساد کی بناء سقیفہ بنی ساعدہ میں پڑی اور شوریٰ میں اُس کو خلعتِ دوام عطا ہوا - متعدد لوگوں کو خلافت کا اُمیدوار ٹھہرا کر اور درمیان میں سے افضلیت کا سوال نکال کر کامیابی کو اکثریت اور شدت پر منحصر کرنے نے

لوگوں کے دلوں میں خلافت کی طمع پیدا کر دی۔ گویا خلافت الہیہ اسلامیہ کو اُس کے اعلیٰ مقام سے گرا کر ہندوستان کے کسی صوبہ کی وزارت کے درجہ پر لے آئے جس کا حصول زبان کی درازی اور کیسہ کی وُسعت پر منحصر ہوتا ہے اور اِس طرح اِسلام میں اُس فساد اور طوائف الملوکی کا رواج ہو گیا جس نے خرقۂ اسلام کے ستر سے زیادہ ٹکڑے کر دئے۔

جس طرح اُمتِ اسلامیہ میں تفرقہ پیدا کر کے ایک جماعت نے اپنا مقصد حاصل کیا۔ وہ ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ کوئی ہمارا اپنا نیا خیال ہے۔ بلکہ جو ہم نے کہا ہے وُہ مفکرین اسلام اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور نہایت اچھی طرح کہہ چکے ہیں۔ ہمارا تو یقین ہے کہ جو شخص تاریخِ اسلام کا مطالعہ ذرا دقتِ نظر سے کرے گا وُہ اس ہی نتیجہ پر پہنچے گا۔ اِس موضوع پر علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ ہجری کی کتاب الملل والنحل بہت عمدہ ہے۔ یہ کتاب ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری المتوفی ۴۵۶ھ ہجری کی کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل کے حاشیہ پر مطبعہ ادبیہ سوق الخضار القدیم مصر میں چھپی ہے۔ علامہ ابن حزم کی کتاب پانچ مجلدات میں ہے۔ لیکن علامہ شہرستانی کی کتاب الملل والنحل اس کے اوّل کے تین مجلدات کے حاشیہ پر آگئی ہے۔ یہ کتاب دہلی یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اُس کی عبارت ہمارے موضوع پر براہِ راست اثر رکھتی ہے۔ لہٰذا ناظرین معاف فرمائیں گے اگر ہم اُس عبارت کو پورا نقل کر دیں۔ وُہ لکھتے ہیں:-

المقدمۃ الثالثۃ فی بیان اول شبہۃ وقعت فی الخلیقۃ ومن مصدرھا فی الاولیٰ ومن مظہرھا فی الآخر (اعلم) ان اول شبہۃ وقعت فی	مقدمہ سوم۔ اس بیان میں کہ مخلوق میں پہلا شک وسوسہ کیا تھا۔ کس نے پہلے پہل پیدا کیا تھا اور آخر میں کن لوگوں میں وُہ وسوسہ ظاہر ہُوا جان لو کہ پہلا شک و وسوسہ مخلوق میں ابلیس

الخليفة شبهة ابليس اخزاه الله
ومصدرها استبداده بالرائ
فى مقابلة النص واختياره
الهوى فى معارضة الامر و
استكباره بالمادة التى خلق
منها وهى النار على مادة آدم
عليه السلام وهى الطين وانشعبت
من هذه الشبهة سبع شبهات
وسارت فى الخليقة وسرت فى
اذهان الناس حتى صارت
مذاهب بدعة وضلال وتلك
الشبهات مسطورة فى شرح الاناجيل
الاربعة انجيل لوقا ومارقوس و
يوحنا ومتى ومذكورة فى التوراة
متفرقة على شكل مناظرة بينه و
بين الملائكة بعد الامر بالسجود
والامتناع منه قال كما نقل عنه انى
سلمت ان البارى تعالى الهى واله
الخلق عالم قادر ولا يسأل عن
قدرته ومشيته فانه مهما اراد
شيئا قال له كن فيكون وهو
حكيم الا انه يتوجه على مساق
حكمته اسئلة قالت الملائكة

لعین کا تھا۔ اسکا باعث یہ تھا کہ ابلیس نے اپنی رائے
کو نص کے مقابلہ میں مقدم رکھا اور حکم صریح کے
مقابلہ میں اُسنے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اپنے
مادۂ خلقت یعنی آگ کو آدم کی طینت یعنی مٹی پر
ترجیح دی اور اس ایک شک اور وسوسے سے
سات شاخیں نکلیں جو مخلوق میں پھیلیں اور
لوگوں کے ذہن میں جاگزین ہوئیں یہاں تک
کہ ان کی بناء پر مذاہب بدعت و ضلالت
پھیلے۔ اور یہ ساتوں شبہات چاروں اناجیل
یعنی لوقا، مارقوس، یوحنا اور متی کی
شروح میں اور نیز توراۃ میں بشکل مناظرہ
جو حکم سجدہ و انکار ابلیس کے بعد مابین
ابلیس و ملائکہ ہوا درج ہیں۔ جیسا کہ
اُن شرحوں میں درج ہے۔ ابلیس نے
کہا کہ مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ
میرا اور تمام خلق کا خدا ہے عالم،
قادر ہے۔ اس کی مشیت و قدرت میں
چون و چرا نہیں ہوسکتی کیونکہ جب وُہ
کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے
کہ ہوجا بس وُہ ہوجاتی ہے۔ اور وُہ
حکیم مطلق ہے لیکن اُس کی حکمت کے
متعلق چند سوالات ہوسکتے ہیں
ملائکہ نے پوچھا وُہ کتنے ہیں۔ اور

ما هي وكم هي قال لعنه الله سبع
(الاول) انه علم قبل خلقي اي شيئ
يصدر عني ويحصل مني فلم خلقني
اولا وما الحكمة في خلقه اياي (والثاني)
اذ خلقني على مقتضى ارادته ومشيته
فلم كلفني بمعرفته وطاعته وما الحكمة
في التكليف بعد ان لا ينتفع بطاعة
ولا يتضرر بمعصية (والثالث) اذ خلقني
وكلفني فالتزمت تكليفه بالمعرفة
والطاعة فعرفت واطعت فلم كلفني
بطاعة آدم والسجود له وما الحكمة
في هذا التكليف على الخصوص بعد
ان لا يزيد ذلك في معرفتي وطاعتي
(والرابع) اذ خلقني وكلفني على الاطلاق
وكلفني بهذا التكليف على الخصوص
فاذا لم اسجد فلم لعنني واخرجني
من الجنة وما الحكمة في ذلك بعد
ان لم ارتكب قبيحا الا قولي لا
اسجد الا لك (والخامس) اذ
خلقني وكلفني مطلقا وخصوصا
فلم اطع فلعنني وطردني فلم
طرقني الى آدم حتى دخلت الجنة
ثانيا وغررته بوسوستي فاكل من

کیا ہیں۔ ابلیس نے کہا سات ہیں۔
(اوّل) میری پیدائش سے پہلے وُہ جانتا
تھا کہ مجھ سے کیا کیا صادر ہوگا تو مجھے
پیدا ہی کیوں کیا۔ میری خلقت میں کیا حکمت
تھی۔ (دوم) اپنے ارادہ و مشیّت سے جب
اُس نے مجھے پیدا کردیا تو مجھے اپنی معرفت و
طاعت کی تکلیف کیوں دی۔ اور اس
تکلیف میں کیا حکمت ہے جب کہ اس کو نہ
تو میری طاعت سے فائدہ ہوتا ہے اور نہ میری سرکشی
سے اسکو نقصان پہنچتا ہے۔ (سوم) جب اُس نے
مجھ کو پیدا بھی کردیا تکلیف معرفت و طاعت بھی دی
بس میں نے اس کو پہچانا اور اس کی اطاعت کی
تو مجھ کو اُسنے آدم کی طاعت اور اسکے سجدہ کی تکلیف
کیوں دی اِس میں کیا حکمت تھی خاص کر جب کی
آدم کی یہ طاعت اور اسکو سجدہ کرنا میری معرفت و
عبادت خدا میں کچھ اضافہ نہیں کرتا۔ (چہارم) جب
اُسنے مجھے پیدا بھی کرلیا تکلیف عام بھی دیدی اور
آدم کے سجدہ کرنیکی تکلیف خاص بھی دیدی تو جب میں نے
سجدہ نہیں کیا تو خدا نے مجھے لعنت کیوں کی اور جنت سے
کیوں نکالا۔ اس میں کیا حکمت تھی دراں حالیکہ میں
کسی قبیح فعل کا مرتکب نہیں ہوا میں نے صرف اتنا ہی
تو کہا تھا کہ میں تیرے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔
(پنجم) جب مجھے پیدا بھی کرلیا تکلیف عام خاص بھی دیدی

الشجرة المنهي عنها و اخرجه من الجنة منی وما الحکمة فی ذلک بعد ان لو منعنی من دخول الجنة لاستراح منی آدم وبقی خالدا فیها (والسادس) اذ خلقنی و کلفنی عموماً وخصوصاً ولعننی ثم طردنی الی الجنة وکانت الخصومة بینی وبین آدم فلم سلطنی علی اولاده حتی اراهم من حیث لا یرونی وتؤثر فیهم وسوستی ولا یؤثر فی حولهم وقوتهم وقدرتهم واستطاعتهم وما الحکمة فی ذلک بعد ان لو خلقهم علی الفطرة دون من یجتالهم عنها فیعیشوا طاهرین سامعین مطیعین کان احری بهم والیق بالحکمة (والسابع) سلمت هذا کله خلقنی وکلفنی مطلقاً ومقیداً واذ لم اطع لعننی وطردنی واذ اردت دخول الجنة مکننی وطردنی واذ عملت عملی اخرجنی ثم سلطنی علی بنی آدم فلم اذا استمهلته امهلنی فقلت انظرنی الی یوم یبعثون قال انک

جب میں نے حکم نہ مانا تو مجھے لعنت بھی کر دی اور جنت سے بھی نکال دیا تو پھر اُس نے مجھے آدم تک جنت میں کیوں جانے دیا۔ یہاں تک کہ میں دوبارہ جنت میں داخل ہوا آدم کو دھوکہ دیا۔ اُسنے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا اور خدا نے اسے جنت سے نکالدیا۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ اگر مجھے جنت میں جانے سے روک دیتا تو آدم بھی مجھ سے محفوظ و مامون ہو جاتا اور ہمیشہ جنت میں رہ جاتا۔ (ششم) مجھے پیدا بھی کر لیا، عام و خاص تکلیف بھی دیدی، مجھ کو لعنت کر کے جنت سے نکال بھی دیا اور مجھ میں اور آدم میں خصومت بھی پیدا ہو گئی تو پھر مجھے اولاد آدم پر کیوں مسلّط کر دیا اور وہ بھی اس طرح کہ میں انہیں دیکھتا ہوں اور وُہ مجھے نہیں دیکھ سکتے میرا وسوسہ تو اُن میں اثر کر جاتا ہے اور انکی قوت، طاقت، قدرت اور استطاعت مجھ پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ اسمیں کیا حکمت ہے در آنحالیکہ اگر اولاد آدم کو ایسی فطرۃ پر پیدا کرتا کہ کوئی ان کو بہکا ہی نہ سکتا تو وُہ ہمیشہ طاہر و مطیع رہتے۔ یہ اُن کے لئے بھی اچھا ہوتا اور عین حکمت کے مطابق ہوتا۔ (ہفتم) یہ سب میں نے تسلیم کر لیا، مجھے پیدا بھی کر دیا۔ تکلیف عام و خاص بھی دی۔ جب میں نے حکم نہ مانا تو مجھے لعنت کر کے مردود کر دیا اور جب میں نے جنت میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو مجھے جانے دیا۔ میں نے اپنا کام کیا مجھے نکال دیا پھر مجھے بنی آدم پر مسلّط کر دیا تو جب میں نے قیامت تک کی

من المنتظرین الی یوم الوقت المعلوم
وما الحکمۃ فی ذلک بعد ان لو اھلکنی
فی الحال استراح آدم والخلق منی
وما بقی شر ما فی العالم الیس
بقاء العالم علی نظام الخیر خیرا
من امتزاجہ بالشر۔ قال فھذہٖ
حجتی علی ما ادعیتہ فی کل مسئلۃ
قال شارح الانجیل فاوحی اللہ
تعالی الی الملئکۃ علیھم السلام
قالوا لہ انک فی تسلیمک الاول
انی الھک والہ الخلق غیر صادق
ولا مخلص اذ لو صدقت انی الہ
العالمین ما احتکمت علی بلم
فانا اللہ الذی لا الہ الا انا لا
اسأل عما افعل والخلق مسئولون۔۔
اقول ان من المعلوم الذی
لا مراء فیہ ان کل شبھۃ وقعت
لبنی آدم فانما وقعت من اضلال
الشیطان الرجیم ووساوسہ نشأت
من شبھاتہ واذا کانت الشبھات
محصورۃ فی سبع عادت کبار البدع
والضلالات الی سبع ولا یجوز ان
تعدو شبھات فرق الزیغ والکفر ھذہٖ

مہلت مانگی تو مجھے مہلت کیوں قیامت تک دیدی
اس میں کیا حکمت تھی۔ اگر مجھے اسی وقت ہلاک کرتا
تو آدم اور مخلوق مجھ سے محفوظ ہو جاتے اور دنیا میں شر
باقی نہ رہتا۔ کیا خیر کے نظام پر عالم کا چلنا بہتر نہیں
بہ نسبت خیر و شر کے امتزاج کے نظام کے۔ پس
ہیں میری حجتیں جن کا مجھے دعویٰ ہے۔ انجیل کا
شارح کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس بحث کا
جواب ملائکہ کو وحی کیا پس انہوں نے ابلیس کو
جواب دیا کہ تو اپنے پہلے ہی دعوے میں کہ تو مجھ کو
اپنا اور مخلوق کا خدا سمجھتا ہے صادق نہیں ہے اگر
تو صادق ہوتا تو مجھ سے چون و چرا کے ساتھ
نہ پیش آتا کیونکہ میں وہ خدا ہوں جس کے سوا
کوئی اور خدا نہیں ہے۔ مجھ سے کوئی جواب طلب
نہیں کر سکتا اور مخلوق سے جواب طلب ہو
سکتا ہے۔۔۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ بطور امر
واقعہ معلوم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ
جتنے گمراہیاں اور وسوسے جو بنی آدم سے صادر ہوئے
ہیں وہ شیطان لعین ہی کی گمراہی اور وسوسوں
سے پیدا ہوئے ہیں بہ سبب شکوک ان سات
عنوانوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں اور تمام بدعتیں
اور گمراہیاں ان سات ہی طرف راجع ہوتی
ہیں۔ اور اگر کفار کے اور اسلام کے
گمراہ فرقوں کے حجتیں اور شکوک شمار کئے

الشبہات وان اختلفت العبارات وتباینت الطرق فانہا بالنسبۃ الی انواع الضلالات کالبذور وترجع جملتہا الی انکار الامر بعد الاعتراف بالحق والی الجنوح الی الھوی فی مقابلۃ النص۔ ھذا ومن جادل نوحاً وھوداً وصالحاً وابراھیم ولوطاً وشعیباً وموسیٰ وعیسیٰ ومحمداً صلوات اللہ علیھم اجمعین کلھم نسجوا علی منوال اللعین الاول فی اظہار شبہاتہ وحاصلہا یرجع الی دفع التکلیف عن انفسھم وجحد اصحاب الشرائع والتکالیف باسرھم اذ لا فرق بین قولھم ابشر یھدوننا وبین قولہ أأسجد لمن خلقت طیناً وعن ھذا صار مفصل الخلاف ومحز الافتراق کما ھو فی قولہ تعالیٰ وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشراً رسولاً فبین ان المانع من الایمان ھو ھذا المعنی کما قال فی الاول ما منعک ان لا تسجد اذ امرتک

جائیں تو وُہ ان سات وساوس ہی میں آئیں گے اگرچہ وُہ الفاظ اور اپنے طریقوں میں مختلف ہوں یہ سات حجتیں ہی تمام گمراہیوں کی جڑ ہیں اور ان سب کا باعث حق کا اعتراف کرنے کے بعد حُکم سے انکار کرنا اور نص کے مقابلہ میں اپنی خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت نُوح و ہُود و صالح و ابراہیم و لُوط و شعیب و موسیٰ و عیسےٰ و محمد علیہم السلام سے مجادلہ کیا وُہ اس لعین اوّل ہی کے راستہ پر چلے اور ان سب کی غرض یہی تھی کہ اپنے نفس سے شرع کی تکالیف دُور رکھیں اور صاحب شرع سے انکار کریں۔ کیونکہ ان کے اس قول میں کہ کیا ایک بشر ہماری ہدایت کرے گا اور لعین اوّل کے اس قول میں کہ کیا مَیں سجدہ کروں اُس کو جس کو تُو نے مٹی سے پیدا کیا کچھ فرق نہیں ہے اور اس ہی سے تمام اختلاف اور افتراق پھیلا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ ہدایت آنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے صرف اس بات نے روکا کہ کیا خدا نے ہم جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ وُہ ہی ہے جو لعین اوّل کی نسبت خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے ابلیس تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا۔ جب مَینے اسکا حکم دیا۔ ابلیس نے

قال انا خير منه. وقال المتأخر
من ذريته كما قال المتقدم
انا خير من هذا الذي هو مهين
وكذلك لو تعقبنا احوال المتقدمين
منهم وجدناها مطابقة لاقوال
المتاخرين كذلك قال الذين
من قبلهم مثل قولهم
تشابهت قلوبهم ....
وعنه نشأ مذهب الخوارج اذ لا
فرق بين قولهم لا حكم الا الله
ولا يحكم الرجال وبين قوله لا
اسجد الا لك أسجد لبشر خلقته
من صلصال ....
وانت ترى ان هذه الشبهات
كلها ناشئة من شبهات
اللعين الاول وتلك في الاول
مصدرها وهذه في الآخر
مظهرها واليه اشار التنزيل
في قوله تعالى ولا تتبعوا خطوات
الشيطان انه لكم عدو مبين ......
(المقدمة الرابعة) في بيان
اول شبهة وقعت في الملة الاسلامية
وكيف انشعابها ومن مصدرها

کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں ابلیس کے آخر ز[مانہ]
والے پیروان نے بھی وہی کہا جو اوّل ز[مانہ]
والے نے کہا تھا۔ میں اس سے بہتر ہوں یہ
بہت کمزور ہے۔ اسی طرح اگر ہم پہلے گزرے
ہوئے گمراہوں کے حال کا تفحص کریں تو
بعد کے آنے والے گمراہوں کی بحث
کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ اُن کے دل آپس
میں متشابہ تھے ...... اس سے ہی
خوارج کا مذہب نکلا ہے کیونکہ اس کے اس قول
میں کہ حکم تو صرف خدا کے لئے ہے انسان حکم نہیں
بن سکتا اور لعین اوّل کے اس قول میں کہ میں
سوائے تیرے اور کسی کو سجدہ نہ کرونگا۔ کیا میں ایک
انسان کو سجدہ کروں جسکو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا ہے کوئی فرق
نہیں ہے۔ اب تم دیکھتے ہو کہ یہ سب شبہات لعین اوّل
کے شبہات سے نکلے ہیں وہ تو اس کا
پہلا مصدر ہے اور بعد میں آنے والے گمراہ
لوگ اس کے مظہر ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے
اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب فرمایا ہے کہ
شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ وُہ
تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے ......
(مقدمہ چہارم) پہلا شبہ اور وسوسہ جو ملت
اسلامیہ میں واقع ہوا۔ کہاں سے نکلا، کن میں
آخر جا کر ظاہر ہوا اور اسکی شاخیں ہم بیان

من مظهرها وكما قررنا ان لشبهات التي في آخر الزمان هي بعينها تلك الشبهات التي وقعت في اول الزمان كذلك ان يقرر في زمان كل نبي ودور كل صاحب ملة وشريعة ان شبهات امته في آخر زمانه ناشئة من شبهات خصماء اول زمانه من الكفار والمنافقين واكثرها من المنافقين وان خفي علينا ذلك في الامم السابقة لتمادي الزمان فلم يخف في هذه الامة ان شبهاتها نشأت كلها من شبهات منافقي زمن النبي عليه السلام اذ لم يرضوا بحكمه فيما كان يأمر وينهي وشرعوا فيما لا مسرح للفكر فيه ولا مسرى وسألوا عما منعوا من الخوض فيه والسؤال عنه وجادلوا بالباطل فيما لا يجوز الجدال فيه - اعتبر حديث ذا الخويصرة التميمي اذ قال اعدل يا محمد فانك لم تعدل حتى قال عليه السلام ان لم اعدل فمن

کر چکے ہیں پیچھے آنے والے زمانوں کے شبہات بالکل ویسے تھے جو مخلوق کے پہلے زمانہ میں واقع ہوئے اسی طرح ہر زمانہ کے ہر نبی اور صاحب شریعت کی اُمت کے بعد کے زمانہ کے شبہات پیدا ہوئے تھے اُن شبہات سے جو اُس نبی و صاحب شریعت کے زمانہ کے کفار و منافقین نے اُٹھائے تھے پہلی اُمتوں کے یہ اختلافات تو بوجہ بُعد زمانے کے ہم سے مخفی رہے۔ لیکن اُمتِ اسلامیہ کے اختلافات ظاہر ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد کے زمانہ کے اُمت کے شبہات وساوس آنحضرتؐ کے زمانہ کے منافقین کے شبہات سے پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ منافقین بھی آنحضرتؐ کے اوامر و نواہی کو خوشی سے قبول نہیں کرتے تھے اور ان امور میں نکتہ چینی اور چون و چرا کرتے تھے جن میں یہ جائز نہیں اور انہوں نے اُن امور کے متعلق سوال کئے جن امور پر غور و خوض کرنے سے وہ منع کر دئیے گئے تھے۔ اور اُن امور میں مجادلہ کیا جن میں آنحضرتؐ سے مجادلہ جائز نہ تھا۔ غور کرو خویصرہ تیمی کا قصہ جب اُس نے کہا کہ اے محمد عادل کرو۔ تم انصاف نہیں کر رہے ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کہنا پڑا کہ اگر میں عدل نہ کروں گا۔ تو کون

بجلال فعاود اللعين وقال هذه
قسمة ما اريد بها وجه الله تعالى
وذلك خروج صريح على النبي عليه
السلام ولو صار من اعترض
على الامام الحق خارجيا فمن
اعترض على الرسول الحق اولى
ان يصير خارجيا اوليس ذلك
قولا بتحسين العقل وتقبيحه وحكما
بالهوى فى مقابلة النص واستكبارا
على الامر بقياس العقل حتى قال
عليه السلام سيخرج من ضئضئ
هذا الرجل قوم يمرقون من الدين
كما يمرق السهم من الرمية
الخبر بتمامه - واعتبر حال
طائفة من المنافقين يوم احد
اذ قالوا هل لنا من الامر شيئ
ما قتلنا ههنا وقولهم لو كانوا
عندنا ما ماتوا وما قتلوا فهل
ذلك الا تصريح بالقدر وقول
طائفة من المشركين لو شاء الله
ما عبدنا من دونه من شيئ و
قول طائفة انطعم من لو يشاء الله
اطعمه فهل ذلك الا تصريح بالجبر......

عدل کرے گا۔ اُس لعین نے پھر اُسی بات کا
اعادہ کیا اور کہا کہ یہ تقسیم جو آپ نے کی ہے
بوجہہ اللہ نہیں کی ہے - اور یہ آنحضرتؐ پر
خروج صریح ہے۔ امام برحق پر اعتراض کرنے
والا تو خارجی ہو جاتا ہے تو جو رسول برحق پر
اعتراض کرے گا تو وُہ تو بہت زیادہ خارجی ہُوا
اُن لوگوں کا ایسا کہنا ان کی اپنی خواہشات
کی وجہ سے نص کے مقابلہ و مخالفت میں
تھا اور حکم صریح کے مقابلہ میں اپنے قیاس پر
بھروسہ کرکے وُہ یہ کہتے تھے۔ اسی وجہ سے
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اِس شخص کی پیروی و
تقلید ایک قوم کرے گی۔ جو اسلام سے اِس
طرح خارج ہو گی جس طرح کمان سے تیر نکلتا
ہے۔ اور نیز غور کرو منافقین کی اِس جماعت کے
حال پر جنہوں نے روزِ اُحد یہ کہا کہ اگر
ہمارا بس ہوتا تو یہ لوگ یہاں کبھی نہ قتل کئے
جاتے۔ یہ قول محض قدریہ ہے اور اُس
جماعت مشرکین کا قول کہ اگر خدا چاہتا تو ہم
اُس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے یا
ایک جماعت کا یہ قول کہ ہم اس کو کیوں طعام
کھلائیں۔ جس کو اگر خدا چاہے تو رزق
دے سکتا ہے۔ یہ بالکل مسئلہ جبر کی
تقلید ہے ....

فهذا اما كان فى زمانه عليه السلام وهو على شوكته وقوته وصحة بدنه والمنافقون يخادعون فيظهرون الاسلام ويبطنون النفاق وانما يظهر نفاقهم فى كل وقت بالاعتراض على حركاته وسكناته فصارت الاعتراضات كالبذور وظهر منها الشبهات كالزروع واما الاختلافات الواقعة فى حال مرضه وبعد وفاته بين الصحابة رضى الله عنهم فهى اختلافات اجتهادية كما قيل كان غرضهم منها اقامة مراسم الشرع وادامة مناهج الدين (فاول تنازع) فى مرضه عليه السلام فيما رواه محمد بن اسماعيل البخارى باسناده عن عبد الله بن عباس قال لما اشتد بالنبى صلى الله عليه وسلم مرضه الذى مات فيه قال ائتونى بدواة وقرطاس اكتب لكم كتابا لا تضلوا بعدى فقال عمر ان رسول الله قد غلبه الوجع

یہ آنحضرتؐ کے اُس زمانہ کی باتیں ہیں جب آپ پُوری شوکت، قوت وصحت بدن میں تھے اور منافقین دھوکہ کرتے تھے۔ اسلام ظاہر کرتے تھے۔ نفاق کو چھپاتے تھے اگرچہ اُن کا نفاق ہر زمانہ میں اُن کے آنحضرتؐ کے حرکات وسکنات پر اعتراض کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح یہ شبہات دانوں کی طرح پھیلے اور ان میں سے شاخوں کی طرح اور شبہات نکلے۔ لیکن وُہ اختلافات جو آنحضرتؐ کے مرض آخیر کے دوران میں اور آپ کی رحلت کے بعد صحابہ میں رُونما ہوئے تو وہ توجیسا کہا گیا ہے اجتہادیہ اختلاف تھے جن کی غرض یہ تھی کہ شرع دین کے اصول قائم ہوں۔ (پس پہلا تنازعہ) جناب رسول خدا کے مرض کے دوران میں تھا۔ جس کو بخاری نے اپنے اسناد سے عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب مرض اخیر میں جناب سے سوگئی لئے دوات و کاغذ مانگا اور فرمایا کہ لاؤ میں تمہیں ایسا صحیفہ لکھ دوں کہ پھر تم میرے بعد کبھی گمراہ ہی نہ ہو تو عمر نے کہا کہ رسولؐ خدا پر تو مرض و تکلیف نے قبضہ کر لیا ہے

حسبنا کتاب اللہ وکثر اللغط فقال النبی علیہ السلام قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع قال ابن عباس الرزیۃ کل الرزیۃ ماحال بیننا وبین کتاب رسول اللہ۔

(الخلاف الثانی) فی مرضہ انہ قال جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنھا فقال قوم یجب علینا امتثال امرہ واسامۃ قد برز من المدینۃ وقال قوم قد اشتد مرض النبی علیہ السلام فلا تسع قلوبنا مفارقتہ والحالۃ ھذہ فنصبر حتی ننصر ای شی یکون من امرہ وانما اوردت ھذین التنازعین لان المخالفین ربما عدوا ذلک من المخالفات الموثرۃ فی امر الدین وھو کذلک وان کان الغرض کلہ اقامۃ مراسم الشرع فی حال تزلزل القلوب و تسکین ثائرۃ الفتنۃ الموثرۃ عند تقلب الامور۔

ہمارے لئے توبس کتاب خدا کافی ہے اس پر غل شور ہوا تو رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میرے پاس سے نکل جاؤ۔ میرے پاس تنازعہ جائز نہیں ہے۔ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ وہ بہت بڑی مصیبت تھی جو ہمارے اور اس وثیقہ کی کتابت کے درمیان میں حائل ہوئی۔

(دوسرا اختلاف) بھی آنحضرتؐ کے دوران مرض میں تھا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اسامہ کے لشکر کو تیار کرو۔ لعنتِ خدا کی ہو اُس پر جو ماموریں میں سے اُس سے تخلف کرے۔ ایک جماعت نے تو کہا کہ ہمارے اوپر آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور اسامہ مدینہ سے چل بھی کھڑے ہوئے لیکن ایک جماعت نے کہا کہ آنحضرتؐ کے مرض میں شدت ہوگئی ہے۔ ہمارا دل اُن کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا ہمیں چاہیئے کہ ہم قیام کریں اور نہ جائیں اور دیکھیں کہ آنحضرتؐ کے مرض کا کیا انجام ہوتا ہے۔ بتحقیق کہ میں نے ان دونوں تنازعات کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ بعض لوگ جو مخالف تھے انہوں نے ان دونوں تنازعات کو امور دین کے اختلافات میں شمار کیا ہے اور یہ امر واقعہ بھی ہے۔ لیکن اس کی غرض دین کو تقویّت دینا تھی۔

(الخلاف الثالث) فی موتہ علیہ السلام قال عمر بن الخطاب من قال ان محمدا مات قتلتہ بسیفی هذا وانما رفع الی السماء کما رفع عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام وقال ابوبکر الصدیق من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد الہ محمد فانہ حی لا یموت وقرا هذہ الایۃ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل أفان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم فرجع القوم الی قولہ وقال عمر کانی ماسمعت هذہ الایۃ حتیٰ قرأها ابوبکر۔

(الخلاف الرابع) فی موضع دفنہ علیہ السلام اراد اهل مکۃ من المهاجرین ردہ الی مکہ لانها مسقط راسہ ومأنس نفسہ وموطئ قدمہ وموطن اهلہ وموقع رحلہ واراد اهل المدینۃ من الانصار دفنہ بالمدینۃ لانها دار هجرتہ ومدار نصرتہ

(تیسرا اختلاف) آنحضرتؐ کی موت میں تھا عمر بن الخطاب نے کہا کہ جو کہے گا کہ محمدؐ مرگئے اس کو میں اپنی تلوار سے قتل کردونگا آنحضرتؐ تو آسمان پر حضرت عیسٰےؑ کی طرح اُٹھالئے گئے ہیں۔ اور ابوبکر صدیق نے کہا کہ جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وُہ تو معلوم کرلے کہ محمدؐ مرگئے اور جو خُدائے محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وُہ معلوم کرے کہ خُدا زندہ ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ وما محمد الا رسول قد خلت الآیہ پس لوگوں نے ابوبکر کے قول کی تائید کی اور عمر کہتے تھے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ آیت میں نے سُنی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے اُس کو پڑھا۔

(چوتھا اختلاف) آنحضرتؐ کے دفن کے مقام میں تھا۔ مکّہ کے مہاجرین چاہتے تھے کہ آپ کی میّت مکّہ میں دفن ہو جو آپ کا وطن تھا۔ پیدائش و نشو و نما کی جگہ تھی۔ مدینہ کے انصار چاہتے تھے کہ آپ مدینہ میں دفن ہوں۔ کیونکہ وُہ آپ کی ہجرت کا مقام و جائے نُصرت تھا۔

وارادت جماعة نقله الى بيت المقدس لانه موضع دفن الانبياء ومنه معراجه الى السماء ثم اتفقوا على دفنه بالمدينة لما روى عنه عليه السلام الانبياء يدفنون حيث يموتون۔

(الخلاف الخامس) فى الامامة واعظم خلاف بين الامة خلاف الامامة اذ ما سل سيف فى الاسلام على قاعدة دينية مثل ما سل على الامامة فى كل زمان وقد سهل الله تعالى ذلك فى الصدر الاول فاختلف المهاجرون والانصار فيها وقالت الانصار منا امير ومنكم امير واتفقوا على رئيسهم سعد بن عبادة الانصارى فاستدركه ابوبكر وعمر فى الحال بان حضرا سقيفة بنى ساعدة وقال عمر كنت ازور فى نفسى كلاما فى الطريق فلما وصلنا الى السقيفة اردت ان اتكلم فقال ابوبكر مه يا عمر فحمد الله واثنى عليه وذكر

ایک جماعت چاہتی تھی کہ بیت المقدس میں آپ کو دفن کیا جائے کیونکہ وہاں انبیاء دفن ہوئے ہیں اور وہیں سے آپ کو معراج ہوئی لیکن جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ انبیاء وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں اُن کا انتقال ہو تو سب اس پر متفق ہو گئے۔

(پانچواں اختلاف) امامت کے متعلق ہے اور اُمّت میں سب سے بڑا تفرقہ و اختلاف مسئلہ امامت ہی کی بابت ہے۔ کیونکہ اسلام میں جتنی خُونریزی امامت کے مسئلہ پر ہوئی ہے اِتنی خُونریزی دین کے کسی اور قاعدہ پر نہیں ہوئی۔ صدر اوّل میں خداوند تعالیٰ نے اس کو آسان کر دیا۔ انصار و مہاجرین میں اختلاف ہوا۔ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے اور انصار اپنے رئیس سعد بن عبادہ پر متفق ہو گئے اس وقت ابوبکر و عمر دونوں سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ عمر کہتے ہیں کہ راستہ میں مَیں نے اپنے دل میں ایک مکر آمیز گفتگو تیار کی تھی۔ پس جب ہم سقیفہ میں پہنچے تو مَیں نے ارادہ کیا کہ مَیں کلام کروں ابوبکر نے کہا کہ اے عمر ٹھہر جا۔ پس ابوبکر نے بعد حمد و ثنائے خداوند تعالیٰ وہ ہی گفتگو کی۔

ما كنت أقدره في نفسي كأنه يخبر عن غيب فقبل أن يشتغل الأنصار بالكلام مددت يدي إليه فبايعته وبايعه الناس وسكنت النائرة إلا أن بيعة أبي بكر كانت فلتة وقى الله شرها فمن عاد إلى مثلها فاقتلوه فأيما رجل بايع رجلا من غير مشورة من المسلمين فإنهما تغرة أن يقتلا وإنما سكنت الأنصار عن دعواهم لرواية أبي بكر عن النبي عليه السلام الأئمة من قريش وهذه البيعة هي التي جرت في السقيفة ثم لما عاد إلى المسجد انثال الناس عليه وبايعوه عن رغبة سوى جماعة من بني هاشم وأبي سفيان من بني أمية وأمير المؤمنين علي كرم الله وجهه كان مشغولا بما أمره النبي صلى الله عليه وسلم من تجهيزه ودفنه وملازمة قبره من غير منازعة ولا مدافعة۔

جو میں اپنے دل میں سوچ چکا تھا۔ گویا انہیں غیب سے معلوم ہو گیا۔ پس قبل اس کے کہ انصار کچھ بحث کریں میں نے فوراً اپنا ہاتھ بڑھا کر ابوبکر سے بیعت کر لی۔ اور لوگوں نے بھی بیعت کی اور آگ ساکن ہو گئی لیکن خبردار ابوبکر کی بیعت اتفاقاً ناگہانی مصیبت تھی۔ خدا نے اُس کے شر سے بچا لیا۔ پس اب جو شخص اُس کی تقلید کرے تو اس کو قتل کر دو۔ مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر جو بیعت ہو تو بیعت لینے والا اور کرنے والا دونوں قتل کر دئے جائیں۔ آخرکار ابوبکر نے جو حدیث سُنائی کہ "الائمۃ من قریش" اِس کے سُننے پر انصار خاموش ہو گئے۔ یہ تو وُہ بیعت تھی جو سقیفہ میں ہوئی۔ پھر حضرت ابوبکر مسجد رسول میں آئے اور وہاں لوگوں نے اُن سے بیعت کی۔ سوائے بنوہاشم اور ابوسفیان اور حضرت علی کے جو تجہیز و تکفین و تدوین رسول میں مشغول تھے۔

(چھٹا اختلاف) امر فدک اور رسولؐ خدا کے ورثہ میں ہوا۔ اور حضرت فاطمہ

(الخلاف السادس) فی امر فدک
والتوارث عن النبی علیہ السلام
ودعوی فاطمہ علیہا السلام
وراثۃ تارۃ وتملیکاً اخری حتی
دفعت عن ذلک بالروایۃ المشہورۃ
عن النبی علیہ السلام نحن
معاشر الانبیاء لانورث ما
ترکناہ صدقۃ۔

(الخلاف السابع) فی قتال مانعی
الزکوٰۃ فقال قوم لا نقاتلہم قتال
الکفرۃ وقال قوم بل نقاتلہم
حتی قال ابوبکر لومنعونی عقالا
مما اعطوا رسول اللہ لقاتلتہم
علیہ ومضی بنفسہ الی قتالہم و
وافقہ الصحابۃ باسرہم وقد
ادی اجتہاد عمر فی ایام
خلافتہ الی رد السبایا والاموال
الیہم واطلاق المحبوسین
منہم۔

(الخلاف الثامن) فی تنصیص
ابی بکر علی عمر بالخلافۃ وقت
الوفاۃ فمن الناس من قال
لقد ولیت علینا فظاً غلیظاً و

نے دعویٰ وراثت وہبہ کی بناء پر کیا۔
لیکن حضرت ابوبکر نے حدیث لانورث
بیان کرکے ان کے دعوے کو رد کر دیا۔

(ساتواں اختلاف) مانعین زکوٰۃ سے
قتال کرنے کے امر میں ہوا۔ ایک
جماعت نے کہا کہ وہ مسلمان
ہیں ہم کافروں کی طرح اُن سے
جنگ نہیں کریں گے۔ ایک جماعت
نے کہا کہ جنگ کرنا چاہیئے۔ یہاں تک
کہ ابوبکر نے کہا کہ اگر یہ لوگ زکوٰۃ میں
ایک رسّی بھی مجھے کم دیں گے جو
جناب رسولؐ خدا کو دیتے تھے تو میں
اُن سے جنگ کروں گا۔ اور تن تنہا
لڑنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ
دیکھ کر صحابہ اُن کی رائے سے متفق
ہوگئے۔ لیکن حضرت عمر کا اجتہاد
اس کے خلاف تھا۔ انہوں نے اپنی
خلافت کے زمانہ میں مال و قیدی و
لونڈیاں سب واپس کر دیں۔

(آٹھواں اختلاف) حضرت ابوبکر کا اپنے
مرض موت میں عمر کو خلیفہ مقرر کرنے
میں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ تم نے
ہمارے اوپر بدخلق و بدمزاج و بدتمیز

(ثامن الخلاف) بقول ابی بکر لو سألنی ربی یوم القیامۃ لقلت ولیت علیہم خیر اھلھم وقد وقع فی زمانھم اختلافات کثیرۃ فی مسائل میراث الجد والاخوۃ والکلالۃ وفی عقل الاصابع ودیات الاسنان وحدود بعض الجرائم التی لم یرد فیھا نص وانما اھم امورھم الاشتغال بقتال الروم وغزو العجم وفتح اللہ الفتوح علی المسلمین وکثرت السبایا والغنائم وکانوا کلھم یصدرون عن رای عمر وانتشرت الدعوۃ وظھر الکلمۃ ودانت العرب ولانت العجم۔	آدمی کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ لیکن ابوبکر نے یہ کہہ کر لوگوں کو خاموش کر دیا کہ جب قیامت کے دِن خُداوند تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا تو میں جواب دونگا کہ میں نے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا تھا اُن کے زمانہ میں بہت سے اختلافات ہوگئے۔ مثلاً میراث جد و اخوۃ میں۔ میراث کلالہ میں۔ دیات میں اور نیز بہت سے جرموں کی سزاؤں میں اختلافات ہوگئے۔ اُن کے بہت اہم کام رُوم و عجم کی لڑائیاں تھیں۔ خُدا نے مُسلمانوں کو فتح دی غنائم اور لونڈیوں کی کثرت ہوگئی اور یہ سب حضرت عمر کی رائے کے مطابق تھا۔
(الخلاف التاسع) فی امر الشوریٰ واختلاف الآراء فیھا۔	(نواں اختلاف) تجویز شوریٰ میں اور وہاں لوگوں کی رایوں میں بہت اختلاف تھا۔

محمد بن عبد الکریم الشہرستانی:۔ کتاب الملل والنحل برحاشیہ کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل مولفہٗ امام ابومحمد علی بن احمد بن حزم الجزء الاوّل ص ۱۹ لغایت ۲۴۔

ناظرین کو چاہیئے کہ علّامہ شہرستانی کی ان عبارات کو بہت غور سے پڑھیں کیونکہ ان عبارات سے ہمارے تمام دعاوی ثابت ہوتے ہیں۔ قول خدا بھی یہی ہے۔ حدیثِ رسول بھی یہی ہے۔ اور علّامہ شہرستانی بھی یہی کہتے ہیں۔

کہ تمام اُمتوں میں جو گمراہیاں پھیلی ہیں، ضلالتیں ظاہر ہوئی ہیں اور افتراق پڑا ہے۔ اُن سب کا باعث یہ تھا کہ اُن اُمتوں کے لوگوں نے لعین اوّل یعنی ابلیس کی سرکشی کی پیروی کی۔ اور ابلیس کی گمراہی یہ تھی کہ اُس نے اپنی رائے کو نصِ صریح پر مقدّم رکھا اور خواہش نفس کی وجہ سے اُس کے حکم کی اطاعت نہ کی جس کے حکم کی اطاعت کرنا اُس کا فرض تھا۔ اُس نے اپنے اُوپر تکبّر کیا اور آدمؑ کو کمتر سمجھا۔ انجیل میں جو مناظرہ ابلیس و ملائکہ کا درج ہے اسکو آپ بطور امر واقعہ صحیح مانیں یا نہ مانیں یہ ظاہر ہے کہ ابلیس کی جو بحث قرآن شریف میں درج ہے۔ وُہ ساتوں وسوسے اُس بحث ہی سے منتج ہوتے ہیں۔ اُن کا جواب جو دیا گیا اس سے بہتر اور مسکت جواب نہیں ہو سکتا خُداوند تعالیٰ پر ابلیس کا ایمان کامل نہ تھا۔ اس نے عبادت تو بہت کی لیکن ایمان مکمّل نہ ہو سکا۔ ایمان کامل کی شرط اوّل اور اس کی نشانی اطاعت مُطلق ہے۔ اور اطاعت مُطلق میں چُون وچرا کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ یہی تعلیم قرآن شریف کی ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ پارہ ۵ سورۃ النساء ع ۱۹۔ چونکہ منافقین آنحضرتؐ کی نبوّت پر دل سے ایمان نہیں رکھتے تھے۔ لہذا وُہ آنحضرتؐ کے احکام و حرکات سکنات پر اعتراض کرتے تھے۔ جس لعین نے آنحضرتؐ کی تقسیم غنائم پر اعتراض کیا تھا وُہ یا تو سرے سے آپ کی نبوّت کا مُنکر تھا۔ یا شانِ نبوّت کی معرفت کامل اُس کو نہ تھی۔ معرفتِ نبوّت کا نقص انکارِ نبوّت ہی کے مساوی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ صفاتِ الٰہیہ کی ناقص معرفت انکارِ الوہیت کے مرادف ہے۔ علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ تمام ضلالتیں، گمراہیاں اور تفرقے نبی یا امام کو زبانی مان لینے کے بعد اس کے حکم کی نافرمانی کرنے اور نص کے مقابلے میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جناب محمد مصطفیٰ

ور انبیاء سابق کے زمانہ کے مُشرکین کے ایمان لانے میں یہ امر مانع ہوا کہ انہوں نے اپنے تئیں نبی سے بہتر سمجھا۔ اور یہی ابلیس کے انکار کی وجہ تھی۔ ابلیس کی سرکشی کے تتبع میں خوارج کا مذہب نکلا ہے۔ کیونکہ اُن کے اس قول میں کہ حکم فقط خدا کے لئے ہے۔ اور ابلیس کے اس قول میں کہ میں بشر کو کیوں سجدہ کروں۔ میں تو تیرے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کروں گا کوئی فرق نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام حُجتیں اور شُبہات لعینِ اوّل کے شُبہہ اور وسوسہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ جب ہی تو خُداوندتعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ تم شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ شیطان کی پیروی نہ کرو۔ وُہ تمہارا کُھلّم کُھلا دُشمن ہے۔ علّامہ شہرستانی جو تھے مقدّمہ میں اُن شُبہات اور اختلافات کا ذکر کرتے ہیں جو ملّتِ اسلامیہ میں واقع ہوئے۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہر ایک زمانہ کے نبی و رسول کی اُمّت میں اُن کے بعد جو شُبہات و اختلافات رُونما ہوئے وُہ اُن ہی شُبہات و اختلافات سے پیدا ہوئے تھے جو اُس نبی یا رسول کے زمانہ میں منافقین نے پیدا کئے تھے۔ اُمم سابقہ کے یہ اختلافات تو بوجہ بعد زمانی کے ہم سے مخفی رہے۔ لیکن اُمّتِ اسلامیہ کے یہ تنازعات ہم کو معلوم ہیں۔ یہ اُن شُبہات و وساوس سے پیدا ہوئے تھے جو خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں منافقین نے پیدا کئے تھے۔ کیونکہ وُہ آنحضرتؐ کے احکام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اور انہوں نے اُن امور میں غور و خوض و نکتہ چینیاں شروع کردیں جن امور میں اُن کو یہ نہ چاہیئے تھا اور جن میں غور و خوض کرنے سے وُہ منع کئے گئے تھے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں مسلمان نما کافروں یعنی منافقین کا آنحضرتؐ کے تقسیم غنائم کو پسند نہ کرنا، روزِ احد اُن کا کہنا کہ اگر مُسلمان افواج مدینہ سے باہر نہ جاتیں تو وُہ قتل نہ کئے جاتے۔ یا اُن کا یہ کہنا کہ ہم ان لوگوں کو کیوں کھانا کھلائیں جن کو اگر خدا چاہے تو رزق دے سکتا ہے اُس نامناسب و ناموزوں و مُشرکانہ غور و خوض کی مثالیں ہیں۔ کیونکہ یہ نصِ صریح کے خلاف ہیں۔ آنحضرتؐ نے غنائم کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ سے حکم دیا۔

یا آپ نے مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کا حکم دیا یا خداوند تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسکین مستحقین کو طعام کھلاؤ یہ سب نصوص صریحہ تھیں، جن کا ایمان کامل نہ تھا انہوں اپنی جُدا گانہ بحث نصوص صریحہ کے خلاف کی۔

یہ تو وُہ اصول صحیحہ ہیں جو فقہۂ اسلامیہ قائم کرتا ہے اور جن کا ذکر علامہ شہرستانی نے کیا۔ اب اُمّتِ اسلامیہ کے افتراق کو اُن کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ لیکن قبل اس تحقیقات کے ایک تنبیہ ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وُہ یہ اِس افتراق میں دو جماعتیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ ایک تو وُہ جو جناب رسولِ خدا کے مقرر کردہ نظام سے مطمئن تھی اور جس کے راس و رئیس حضرت علی تھے۔ دُوسری وُہ جماعت جو بقول حضرت عمر خلافت کو خاندانِ نبوّت سے نکالنا چاہتی تھی اور جس کے سردار وُہ تھے جن کو اس جماعت نے خاندانِ نبوّت سے خلافت نکالنے کے بعد خلافت سپرد کی۔ یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر۔ دراصل اِس جماعت کا سردار حضرت عمر کو سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ ہم البلاغ المبین میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ حضرتِ عمر ہی نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ مقرر کیا اور حضرت ابو بکر کی خلافت گویا حضرت عمر کی حکومت تھی۔ ہماری تنبیہ یہ ہے کہ اِن تینوں حضرات کے افعال و حرکات کی جانچ پڑتال بطور مورخ کے اپنے آبائی عقیدوں کو نظر انداز کر کے کرنی چاہیئے۔ اِس ذہنیت کے ساتھ اس تحقیقات کو شروع کریں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ تینوں حضرات کیسے تھے ہم تو ان کو ویسا ہی مانیں گے جیسا واقعات ثابت کریں گے۔ ہمیں کیا معلوم ان میں سے کس کا ایمان کامل تھا۔ کون منافق تھا۔ جہادوں میں اُن کے ثباتِ قدم کی کیا حالت رہی ہے۔ زمانۂ حیاتِ رسول میں کس کی خدمات اسلامیہ اُس کو خلافت کا مُستحق ٹھہراتی ہیں۔ ان میں سے کس کی خدماتِ دین کو امیر جماعت یعنی محمدؐ مصطفےٰ اِس قابل سمجھتے تھے کہ وُہ ان کا صحیح معنوں میں لائق جانشین ہو سکتا ہے۔ کیا زمانۂ حیاتِ رسول میں کوئی افتراق اِس جماعت میں ہو گیا

...وہ اختلاف کس سے تھا۔ آپس کی دونوں جماعتوں میں تھا۔ یا کسی جماعت کا وہ ...لاف جناب رسولؐ خدا یعنی امیر جماعت سے تھا۔ کس فریق کو جناب رسولؐ خدا نے ...نہ سمجھا اور اپنے سے دُور کر دیا۔ جناب رسولؐ خدا کے رحلت ہوتے ہی پہلا ...افتراق کی طرف علی نے اُٹھایا تھا یا عمر نے۔ آگے چل کر افتراقی کارروائیاں ...ں نے کیں اور کون اس افتراق کو بچانے کے لئے صبر کر کے بیٹھ گیا۔ مورخ ...شان یہ ہے کہ ان سوالات کو حل کرتے وقت اپنے آبائی اعتقادات اور ...رجحانات کو اپنی تحقیقات پر اثر ڈالنے کی اجازت نہ دے ورنہ اگر ...تحقیقات کو اِس کلیہ کے ساتھ شروع کریں کہ حضرت علی کی ذات سے ...رتھا کہ وہ افتراق پیدا کرتے یا اگر کہیں کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر ...انِ اسلام کے مہر و ماہ تھے۔ اُن کی نسبت اِس خیالی امکان کو نسبت دینی ...وہ بھی منافق ہو سکتے تھے اور حُبِّ مُلک و جاہ کے زیرِ اثر اُمّت اسلامیہ ...افتراق پیدا کر کے اپنا مطلب پُورا کرنا چاہتے تھے گُناہ کبیرہ ہے اور ایسا ...ن کرنے والا کافر۔ تو بس تحقیقات تو ہو چکی۔ مورخ کی ضرورت ہی نہیں رہی ...یاں کی بینڈکی کی طرح اپنے عقائد کے دائرہ میں مگن رہو۔ ایسے لوگوں ...لئے یہ کتاب نہیں ہے۔ یہ تو اُن لوگوں کے لئے ہے جو خود تحقیقات ...کے حق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی عقل اور قوت استدلالیہ کو تعصّب سے ...وب نہیں ہونے دیتے۔ اگر کمزوریٔ نظر کی وجہ سے عینک بھی لگاتے ...ں تو شفاف و مصفیٰ شیشے یا بلور کی لگاتے ہیں۔ تاکہ ہر ایک شے اپنی اصلی ...ت میں نظر آئے۔ رنگین عینک کو نظر کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں جب خود ...ں بزرگواروں کا طرزِ عمل زیرِ تحقیقات ہو تو پھر اس تحقیقات کا یہ کلیہ فرض ...کے نہیں شروع کر سکتے کہ وہ آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تھے کیونکہ ثابت تو ...کرنا ہے کہ وہ آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تھے بھی یا نہیں ۔

فقۂ اِسلامی اور علاّمہ شہرستانی مندرجہ ذیل اصول و قواعد قائم کرتے

ہیں جو ہماری اِس تحقیقات پر حاوی ہیں اور ہونے چاہئیں ؞

(۱) ابلیس کی ملعونیت و مردودیت، منافقین کی منافقت اور ناقص ایمان والے ظاہری مسلمانوں کی ضلالت کی فقط ایک مشترکہ وجہ تھی اور وُہ یہ تھی کہ اُنہوں نے اپنی رائے کو نص صریح پر مقدم رکھا۔ اور خواہش نفس کی وجہ سے اُس کے حُکم کی اطاعت نہ کی۔ جس کے حُکم کی اطاعت کرنا اُن کا فرض تھا۔ لہٰذا جو ایسا کرتا ہے وُہ ملعون منافق اور گمراہ ہے ؞

(۲) اُمّتِ اسلامیہ کے شروع، وسط، اور آخر زمانہ کی تمام گمراہیوں، ضلالتوں اور تفرقوں اور کمزوریوں غرضکہ اُس کی مغلوبیت کا باعث فقط ایک تھا۔ اور وُہ آنحضرت کے زمانہ کے منافقین اور ناقص ایمان والے مسلمانوں کے شبہات، وساوس اور نکتہ چینیاں تھے۔ کیونکہ آنے والے ہر ایک زمانہ میں ان کا تتبع ہوتا رہا۔ یہ لوگ آنحضرت کے احکام، افعال و حرکات و سکنات کو پسند نہیں کرتے تھے اور نکتہ چینیاں کرتے تھے ؞

(۳) تمام ضلالتیں، گمراہیاں اور تفرقے نبی یا امام کو زبانی مان لینے کے بعد اُس کے حُکم کی نافرمانی کرنے اور نص کے مقابلے میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے سے پیدا ہوتی ہیں ؞

(۴) ایمان کامل کی پہلی اور آخری شرط اطاعت مطلقہ ہے۔ ابلیس نے خداوند تعالےٰ کے حُکم کی اطاعت نہ کی۔ کیونکہ، جیسا کہ اُس کو اُس کی بحث کا جواب دیا گیا، اُس کا ایمان کامل نہ تھا۔ منافقین اور ناقص ایمان والے آنحضرتؐ کے حُکم کے اطاعت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کا ایمان کامل نہ تھا ؞

(۵) ابلیس کی سرکشی کے تتبع سے خوارج کا مذہب نکلا ہے۔ کیونکہ اُن کے اِس قول میں کہ حُکم فقط خُدا کے لئے ہے اور ابلیس کے اس قول میں کہ مَیں تیرے سوا کسی کو سجدہ نہ کروں گا کوئی فرق نہیں ہے ؞

اب ہم اپنی تحقیقات شروع کرتے ہیں۔ نبی برحق کے افعال و احکام پر نکتہ چینی کرنا منافقت کی علامت اور ابلیس کی پیروی کی نشانی ہے۔ تاریخ

اسلامیہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اس جماعت نے آنحضرتؐ کے افعال و احکام پر نکتہ چینی کرنے کو اپنا اشعار بنا لیا تھا۔ صریح نافرمانی اور سرکشی کا موقع تو قضیۂ قرطاس اور تجہیز جیش اُسامہ کے وقت آیا۔ لیکن اس سے پہلے کئی مرتبہ یہ جماعت آنحضرتؐ کے طرزِ عمل پر نکتہ چینی کر چکی تھی۔ جنگ حنین کے بعد محاصرہ طائف کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علی سے بہت دیر تک خلوت میں راز کی باتیں کیں۔ حضرت عمر نے فوراً اعتراض کر دیا کہ آج تو آپ نے بہت دیر تک اپنے ابن عم سے تنہائی میں گفتگو کی۔ اِس اعتراض کو اتنا پھیلایا گیا کہ آنحضرتؐ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ منبر پر خطبہ عام میں لوگوں کو متنبہ کریں کہ میں نے علی سے راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا نے کی ہیں۔ اسی طرح سدِّ ابواب کے موقعہ پر اس جماعت نے عام لوگوں میں اِس اعتراض کو پھیلایا کہ رسولؐ خدا نے ہم سب کا دروازہ مکان کا مسجد کی طرف کا بند کر دیا لیکن علی کا کھُلا رکھا۔ پھر آنحضرتؐ کو خطبہ عام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ نے منبر پر فرمایا کہ نہ میں نے تمہارا دروازہ بند کیا اور نہ علی کا کھُلا رکھا بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کرا دئیے اور علی کا دروازہ کھُلا رکھا۔ مومنِ کامل جو تھے انہوں نے نہ تو پہلے اعتراض کیا اور نہ ہی آنحضرتؐ کے اس جواب میں شک کیا۔ لیکن حضرت عمر کو یقین نہ آیا۔ اور آنحضرتؐ کے جواب نے اُن کی تسلّی نہ کی۔ چُنانچہ قضیۂ قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عباس سے مکالمہ میں حضرت عمر نے فرمایا کہ جناب رسولؐ خدا حضرت علی کے معاملہ میں اُن کی محبّت کی وجہ سے صراطِ مستقیم سے ڈگمگا جایا کرتے تھے۔ حضرت عمر کا اشارہ ایسے ہی واقعات کی طرف تھا۔ امرِ واقعہ یہ ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ان بزرگواروں نے نہ تو شان نبوّت کو اچھی طرح سمجھا اور جتنا سمجھا تھا اُس کو بھی اپنے حصولِ مقاصد کی ضروریات کی وجہ سے گرانے کی کوشش کی۔ صُلح حدیبیہ کے واقعہ کو ہر ایک موّرخ و محدّث نے

لکھا ہے۔ حضرت عمر خود تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں آنحضرتؐ کی نبوّت میں شک کرتا تھا۔ ہم تفسیر دُر المنثور سے عبارت نقل کرتے ہیں۔ صُلح حدیبیہ کے واقعہ ذکر کرتے ہوئے علّامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

فقال عمر بن الخطاب واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت الست نبی اللہ قال بلی فقلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا اذن قال انی رسول اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری قلت اولیس کنت تحدثنا انا سنأتی البیت ونطوف بہ قال بلی افاخبرتک انک تاتیہ العام فقلت لا قال فانک اتیہ و مطوف بہ فاتیت ابا بکر فقلت یا ابا بکر الیس ھذا نبی اللہ......[۵۷]

ترجمہ:۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ جب سے مَیں مُسلمان ہوا مجھے آنحضرتؐ کی نبوّت میں اتنا شک نہیں ہوا کہ جتنا اِس صُلح حدیبیہ والے دِن۔ پس میں جناب رسولؐ خدا کے پاس آیا اور مینے کہا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مَیں نبی برحق ہوں۔ مینے کہا کہ کیا ہم حق اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بے شک ہیں۔ تو پھر مَیں نے کہا کہ یہ امورِ دین میں اُن سے دبنا کیسا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مَیں خدا کا رسول ہوں اور کبھی اُس کے حُکم کی نافرمانی نہ کروں گا۔ مَیں نے کہا کہ کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم عنقریب

---

۵۷ کتاب الدر المنثور:۔ الجزء السادس ص ۷۷

یہ واقعہ اور یہ شکوک اسی طرح مندرجہ ذیل کُتب میں لکھے ہیں۔

حسین دیار بکری:۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۵

ابن ہشام:۔ سیرۃ النبی الجزء الثالث ۳۶۵، ۳۶۶

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الثالث کتاب التفسیر سورۃ الفتح ص ۱۲۷

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۴۴۷

الفاروق حصہ اوّل ص ۵۲، ۵۳

کعبہ میں جائیں گے اور طواف کریں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں کہا تھا۔ لیکن کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ اس ہی سال جا کر طواف کریں گے۔ میں نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں کہا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم ضرور کعبہ جاؤ گے اور طواف کرو گے۔ پھر میں ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ کیا یہ شخص نبی اللہ نہیں ہے......... (پھر وہی سارا مکالمہ اور شکوک کے وجوہات درج ہیں)

ہر ایک مُحدِّث و مُورّخ نے حضرت عمر کی اس لغزش کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ یہ کہہ کر ان کی بریت چاہی ہے کہ اس کے کفّارہ میں حضرت عمر نے روزے رکھے اور قربانی کی۔ مولوی شبلی نے اس کے اُوپر یہ بھی اپنا دکھایا ہے کہ اُن کا اعتراض جائز تھا۔ آنحضرتؐ کے احکام دو قسم کے ہوتے تھے ایک نبی کی حیثیت سے۔ دُوسری عام حاکم اور انسان کی حیثیت سے۔ نبوت کا جو اس طرح تجزیہ کیا گیا ہے اُس کا تذکرہ ہم ابھی کتاب التحریف میں کریں گے۔ جناب رسولؐ خدا کو اس مخالف پارٹی کی موجودگی اور اُن کے حرکات و سکنات و اغراض و مقاصد کا علم کلی حاصل تھا۔ تفصیلات و ثبوت کے لئے دیکھو البلاغ المبین کتاب دوم صفحہ ۹۰+

آنحضرتؐ کو اس بات کا تو یقین کُلی ہو گیا تھا کہ آپ کے انتقال پر یہ لوگ حضرت علی کو خلیفہ و حاکم نہ ہونے دیں گے۔ لیکن آپ محض اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے نبی نہ تھے۔ بلکہ آئندہ کی نسلوں کی ہدایت و رہنمائی بھی آپ ہی کے ذمّہ تھی اور آپ ہی کی تعلیم سے ہونی تھی۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ لوگ مخالفت علی کرتے بھی ہیں اور اس کو چھپانے کی کوشش بھی کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو مغالطہ ہو۔ اور آنحضرتؐ نے جو فضائلِ علی بیان کئے ہیں وُہ تاویل کے پردوں میں چھُپ کر رہ جائیں۔ آپ نے یہ اپنا فرض محسوس کیا کہ لوگوں کو اس مغالطہ میں نہ رہنے دیں۔ اور اُن کو اُن کے اصلی امام کی شناخت ہر ممکن طریقہ سے کرا دیں۔ آپ نے بسترِ مرگ پر

اِس فرض کو اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ادا کیا کہ عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ تجہیزِ جیشِ اُسامہ اور قضیۂ قرطاس و قلم ایسے دو واقعات تھے جنہوں نے اس مخالف پارٹی کے دلوں کی حالت کو بالکل عُریاں کر دیا۔ کوئی بات نہ بن سکی۔ ظاہرداری قائم رکھنے کا کوئی حیلہ نظر نہ آیا۔ لشکرِ اُسامہ کے ساتھ نہ جانے کا صاف اور کھلم کھُلا انکار ہی کرنا پڑا۔ اور یہ بھونڈا فقرہ کہہ کر تحریرِ وصیّت کو منع کرنا پڑا کہ یہ آدمی بیماری میں ہذیان بک رہا ہے۔

اِس کو علّامہ شہرستانی تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کو تسلیم کئے بغیر چارہ بھی نہیں کیونکہ یہ بدیہی ہے کہ (۱) قضیۂ قرطاس (۲) تجہیزِ جیشِ اُسامہ سے انکار (۳) حضرت عمر کا آنحضرتؐ کی موت سے انکار کرنا (۴) حضرت ابو بکر کا آنحضرتؐ پر رونے والوں کو عابدانِ محمد کہنا (۵) موضعِ دفنِ رسول (۶) اجلاس سقیفہ بنی ساعدہ (۷) امرِ فدک (۸) قتالِ مانعین زکاۃ (۹) حضرت ابو بکر کا حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنا اور (۱۰) امرِ شوریٰ۔ یہ سب اختلافات تھے اور موجب و باعثِ افتراقِ اُمّت ہوئے۔ دوسرا نہایت اہم نتیجہ جو علّامہ شہرستانی نے اپنی تحقیقات سے نکالا ہے وہ یہ ہے کہ اُمّتِ محمدیّہ میں سب سے پہلا اختلاف قضیۂ قرطاس کا ہے اور دوسرا اختلاف تجہیزِ جیشِ اسامہ سے مخالفت کا۔ اس سے پہلے اُمّت محمدیّہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان ہی اختلافات سے افتراق پیدا ہو کر بڑھتا گیا۔ لہٰذا جس شخص یا جماعت نے یہ پہلے دو اختلافات پیدا کئے وہ ہی اُمّت اسلامیہ میں افتراق کا باعث ہُوا۔ اور یہ مابعد کی جتنی تفرقہ بازی ہے یہ سب اس کے ذمّہ ہوئی۔ کیونکہ عقلِ سلیم بھی یہی کہتی ہے اور علّامہ شہرستانی بھی یہی کہتے ہیں اور امرِ واقعہ بھی یہی ہے کہ آئندہ کے اختلافات و تفرقے سب اُن ہی اصول و قواعد کی بناء پر تھے جن کو مدِنظر رکھ کر آنحضرتؐ کے زمانہ کے لوگوں نے یہ تفرقہ شروع کیا تھا۔ مابعد کے آنے والے لوگوں نے اُن کے طرزِ عمل کی تقلید کی۔ اور ایک

تفرقہ سے دُوسرا تفرقہ پیدا ہوتا گیا۔ اب ان پہلے دونوں اختلافات کو لو۔ جنابِ محمدؐ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ لشکرِ اسامہ تیار کرو اور اُن اکابر صحابہ کے خاص طور سے نام بتادئے گئے۔ جن کو اِس لشکر میں جانے کے لئے مامور کیا تھا۔ اُن میں حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و خالد بن ولید وغیرہ سب ہی تھے۔ حضرت عمر اور اُن کی جماعت نے اِس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے یا جنابِ رسولؐ خدا نے حکم دے کر افتراق پیدا کیا۔ یا حضرت عمر اور اُن کی جماعت نے انکار کر کے تفرقہ پیدا کیا۔ اِسی طرح آنحضرتؐ نے تحریرِ وصیّت خلافت کے لئے قلم و دوات و کاغذ لانے کا حکم دیا۔ حضرت عمر اور اُن کے ساتھیوں نے انکار کیا۔ یا تو جنابِ رسولؐ خدا نے حکم دے کر افتراق پیدا کیا۔ یا حضرت عمر اور اُن کی جماعت نے انکار کر کے اُمّت میں تفرقہ ڈالا۔ اب ساری بحث ایک نُقطہ پر آگئی۔ یا محمدؐ قابلِ الزام یا عمر موردِ الزام۔ کیوں مُسلمانو تمہارا کیا جواب ہے؟ حضرت عمر نے جواب دے دیا کہ محمدؐ قابلِ الزام تھے۔ کیونکہ وُہ علی کی محبّت میں جادۂ مُستقیم سے تجاوز کر جاتے تھے، اور اس تحریرِ وصیّت کے معاملے میں وُہ ناحق پر تھے۔ مَیں نے ہمدردی و شفقتِ اسلامی کی وجہ سے ان کو روک دیا۔ اور یہی جواب علاّمہ شہرستانی کا ہے جو حضرات شیخین کی محبّت سے مغلُوب ہو کر کہتے ہیں کہ صحابہ کا یہ اختلاف اجتہادیہ تھا اور اُن کی غرض اقامتِ شرع و دین تھی۔ یہ حضرت عمر کے جواب کا پیرا فریبزہ ہے یعنی وُہ ہی جواب دُوسرے الفاظ میں ہے۔ اور در اصل یہ ہی جواب اُس ساری جماعت کا ہے جو حضرت عمر کو حکومتِ اِسلامیہ کا خلیفۂ جائز سمجھتی ہے۔ اگر حضرت عمر کو وُہ موردِ الزام سمجھیں تو خلیفۂ جائز کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔

اب ہم اِس جواب پر غور کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے تو صاف اور صریح الفاظ میں کہہ دیا کہ جنابِ رسولؐ خدا غلطی پر تھے۔ اگر وُہ اپنے ارادہ پر اصرار

کرتے تو اسلام کو نقصان ہوتا۔ اُن کی تجویز مخرب اسلام تھی۔ مجھ میں شفقت و ہمدردی اسلام زیادہ تھی۔ میں حق پر تھا۔ علاّمہ شہرستانی اور دیگر علماء اہلسنت جماعت کا بھی یہی منشاء ہے اگرچہ وہ اتنی صراحت و صاف بیانی سے کام نہیں لیتے۔ علاّمہ شہرستانی کا یہ کہنا کہ مخالفت کرنے والوں کی غرض اقامت دین و شرع تھی کیا مطلب رکھتا ہے۔ یہی مطلب ہے کہ مخالفت کرنے والوں کی مخالفت سے اقامت دین و شرع ہوئی یا ہو سکتی تھی اقامت دین و شرع اچھی چیز سے ہوتی ہے یا بُری چیز سے؟ ظاہر ہے کہ اقامت دین و شرع اچھی چیز سے ہوتی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اس مخالفت سے اقامت دین و شرع ہوئی یا ہو سکتی تھی۔ لہٰذا یہ مخالفت اچھی شئے ہوئی۔ اچھی شئے کے جو مخالف ہو وہ بُرا۔ یہ مخالفت کس سے تھی؟ احکام رسُول سے۔ لہٰذا احکام رسول بُرے ہوئے۔ اس نتیجہ تک ہم پہنچے ہیں کہ احکام بُرے اور اُن کی مخالفت اچھی۔ اچھے کام کا فاعل اچھا ہوتا ہے۔ مخالفت کرنے والے حضرت عمر تھے لہٰذا حضرت عمر اچھے اور بہتر ہوئے۔ بُرے کام کا فاعل بُرا ہوتا ہے۔ احکام صادر کرنے والے جناب رسولؐ خدا تھے لہٰذا جناب رسولؐ خدا (خاکم بدہن) اس تھیوری کی بناء پر بُرے ہوئے۔ کیوں مسلمانو تمہاری حمیّت دینی اس کو قبول کرنا گوارا کرتی ہے؟ علاّمہ شہرستانی اور دیگر عُلماء اہل سُنّت و جماعت منطق کے اس نتیجہ سے آگاہ تھے لہٰذا انہوں نے لفظ اجتہاد یہ ایزاد کر کے اپنے خیال میں اس کے اثر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ کوشش پہلے ہی قدم پر لڑکھڑا جاتی ہے۔ یہ بات دُوسری ہے کہ جن آنکھوں کی بصارت کو محبّت و تعصّب سے معدوم کر دیا ہے وہ اس لغزش کو نہ دیکھیں۔ اجتہاد وہاں جائز ہے کہ جہاں نصِ صریح نہ ہو۔ اور نصِ صریح حُکمِ خُدا و حُکم رسول کو کہتے ہیں۔ یہاں خود رسُول ہی تو حکم دے رہا ہے۔ اس کے حُکم کے خلاف کیسا اجتہاد۔ خُداوند تعالےٰ

حکم دیتا ہے کہ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ"۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اِس حکم صریح کے خلاف اجتہاد کیسا۔ ابھی ابھی تو علامہ شہرستانی کہہ چکے ہیں کہ منافق اِس وجہ سے منافق تھے کہ وُہ احکام رسول کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اُن پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ ابلیس اِس وجہ سے ملعون ہُوا کہ اُس نے حکم خُدا وندی کی اطاعت نہیں کی۔ ابھی تو کہہ چکے ہیں اور ابھی بھُول گئے۔ کہ ابلیس لعین کی ساری بحث کا صرف ایک جواب ملائکہ کو الہام کیا گیا کہ تیرا یہ کہنا کہ تُو مجھے خُدا مانتا ہے غلط ہے۔ اگر تُو مجھے خدا مانتا تو میرے احکام کی اطاعت کرتا اور نکتہ چینی نہ کرتا۔ عدم ایمان کامل کی وجہ سے عدم اطاعت یعنی نافرمانی ہوتی ہے۔ اگر ایسی جگہ اجتہاد کی گنجائش ہو سکتی ہے تو ابلیس نے بھی اجتہاد کیا۔ اُس کی بحث کیسی بظاہر معقول نظر آتی ہے۔ تیرے سوا مَیں کسی اور کو کیوں سجدہ کروں۔ اُس نے خُدا کی خدائی سے تو انکار نہیں کیا۔ خُدا کو تو وُہ وہابیوں کی طرح سختی کے ساتھ مانتا تھا۔ سجدہ میں اُس نے آدمؑ کو خُدا کا شریک نہ کرنا چاہا۔ پھر ملعون و مردود ہُوا۔ مسلمانو غور تو کرو۔ ایک لمحہ کے لئے تو اپنے آبائی عقیدے کو نظر انداز کر دو۔ ابلیس کی ملعونیت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے نافرمانی کی۔ تکبّر کیا۔ اپنے تئیں آدمؑ سے بہتر سمجھا۔ حضرت عمر نے نافرمانی کی۔ تکبّر کیا۔ اپنے تئیں جناب رسولؐ خدا سے بہتر سمجھا۔ اگر اجتہاد جائز تھا تو ابلیس بَری ہُوا۔ اگر رسولؐ خدا کے احکام کی نافرمانی بوجہ اجتہاد خود کر سکتے تھے تو منافق کیوں منافق کہلائے۔ اُنہوں نے بھی اپنا اجتہاد کیا ؛

یہ بات کبھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ تجہیز جیش اُسامہ اور قضیۂ قرطاس کے واقعات میں جو اختلاف کیا گیا وُہ خود جناب رسولؐ خُدا یعنی بانیٔ جماعت سے اختلاف کیا گیا تھا۔ بانیٔ جماعت یا شارع دین کے خلاف جو اختلاف ہو اُس کو اجتہاد نہیں بلکہ ارتداد کہتے ہیں۔ کسی تحریک کو لو کسی مذہب کو دیکھو۔ ہمیشہ اصلی جماعت وُہ ہوتی ہے جو تحریک یا مذہب کے

بانی کے ساتھ ہوتی ہے۔ جو اُس کے خلاف ہوں گے وُہ مُرتد کہلائیں گے یا متخالفین اصلی مسلمانوں کی جماعت وُہ ہی جماعت تھی جو ان اختلافات میں جناب رسولؐ خدا کے ساتھ اور ان کی ہمخیال تھی۔ یہ بات دُوسری ہے کہ وُہ تعداد میں کم ہو تعداد کبھی معیار احقیت یا اصلیت نہیں ہوتی۔ قرآن شریف میں اکثریت کی جا بجا مذمت لکھی ہے۔ دُنیا کا مشاہدہ بھی یہی بتا رہا ہے۔ عالم و فاضل کم ہوتے ہیں۔ جاہل زیادہ۔ غور و فکر کرنے والے کم ہوتے ہیں۔ واہی لاُابالی زیادہ ہوتے ہیں۔ دُنیا میں اچھی چیز کم ہے اور بُری چیز کی کثرت ہے۔

ہم ایک اور مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ خوارج نے حضرت علی سے اختلاف کیا وُہ علیحدہ ہو گئے۔ اب وُہ علی کی جماعت تو نہیں کہلائیں گے اسی طرح اس جماعت صحابہ نے جناب رسولؐ خدا سے اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ اُن پر ہذیان کا الزام لگایا۔ اب وُہ محمدؐ کی جماعت نہیں کہلائیں گے اور محمدؐ نے بھی قوموا عنی کہہ کر تمام دُنیا کو بتا دیا کہ یہ میری جماعت نہیں رہے لیکن چونکہ انہیں محمدؐ کی حکومت و سلطنت لینی تھی وُہ بظاہر یہی کہتے رہے کہ ہم محمدؐ کی جماعت میں ہیں۔

چلتے چلتے ہم امام غزالی کی منطق کا جواب بھی دے دیں جو انہوں نے نص خلافت کے خلاف کی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ اگر خلافت کے معاملہ پر کوئی نص صریح ہوتی یعنی رسولؐ خدا کا حُکم صریح ہوتا تو صحابہ کرام کبھی اس کی مخالفت نہ کرتے۔ ہم نے دیکھ لیا کہ معمولی دو احکام کی نافرمانی اُن ہی صحابہ کرام نے کس شد و مد کے ساتھ کی ہے اور صرف اس وجہ سے کی ہے کہ اُن کا تعلق اس عہدۂ امامت ہی سے تھا۔ تو پھر امامت کے حُکم صریح کی نافرمانی اُن سے کیا بعید تھی۔

اس بحث کے بعد غالباً اب اس سوال پر غور کرنے کی تو ضرورت نہیں رہی کہ آیا جناب رسولؐ خدا نے یہ احکام صادر کرنے میں غلطی کی یا جناب

عمر نے اُن احکام کی نافرمانی کرنے میں غلطی کی۔ ہماری زبان اور ہمارے قلم میں تو یہ جرأت نہیں ہے کہ وُہ اس کا اشارہ بھی کریں کہ جناب رسولؐ خدا نے غلطی کی۔ اگر اُن کے عُہدۂ رسالت پر بھی غور نہ کیا جاوے تب بھی دُنیاوی سیاست کے لحاظ سے وُہ احکام صحیح تھے۔ آنحضرتؐ اپنے اسلام، اپنی اُمّت کے لئے مرکزیّت قائم کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عمر نے اُس مرکزیت کی تجویز کی مخالفت کرکے اُمّت محمدیؐہ میں ایسا افتراق پیدا کر دیا کہ وُہ زمانے کے ساتھ بڑھتا ہی گیا۔ اور آج اُمّت اِسلامیہ جو اِس قعر مذلت میں گری ہوئی ہے اُس کا باعث یہ ہی ہے کہ اُمّت محمدیؐہ نے اپنے طرزِ عمل کو ہمیشہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اصولوں کے مطابق رکھا۔ جس کا نتیجہ افتراق، نافرمانی، جاہ پسندی ہُوا ۔

تاکہ ذرا سا شائبہ بھی شک کا اِس بحث میں باقی نہ رہے اور ہمارے مخالفین کو سُوراخ سوسمار بھی آڑ کے لئے نہ ملے۔ ہم یہ بھی ثابت کئے دیتے ہیں کہ اِس مخالف جماعت کی غرض اِس مخالفت سے اقامتِ دین وشرع نہ تھی۔ بلکہ اُن کا طرز عمل نفسانیت، انانیت اور خود غرضانہ مقاصد پر مبنی تھا۔ جن میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ حکومت ہمیں ملے۔ علی تک نہ جاوے ۔ یہ ایک ایسی سلسلہ وار سازش تھی جس کی ایک ایک کڑی نمایاں ہے۔ یہ ایسا جال تھا جس کی ایک ایک لڑی عیاں ہے۔ اِن تمام کڑیوں کو۔ ان تمام لڑیوں کو ہم نہایت تفصیل کے ساتھ البلاغ المبین میں ایک ایک کرکے گنوا چکے ہیں۔ یہاں صرف اُن کی طرف اشارہ ہی کرتے ہیں ۔

یہ امر ظاہر ہے کہ اُس زمانہ میں عرب میں کہانت کا عام رواج اور نہایت زور تھا۔ اور اِس اصول خُدا وندی کے بموجب کہ شیاطین بھی اپنے دوستوں کو الہام کرتے ہیں۔ اُن کی پیشین گوئیاں سچّی بھی اُترتی تھیں۔ صحیح بخاری تک میں اِس کا ذکر ہے۔ تاریخ کی کوئی سی کتاب دیکھ لو۔ مسعودی کی

مروج الذہب، طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن اثیر کی تاریخ الکامل، ہر ایک سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ کاہنوں کی پیشین گوئیوں اور واقعات کی اُفتاد و روش نے بہت جلد لوگوں کو یقین دلا دیا کہ تمام عرب میں بلکہ ایران و روم میں اِسلام کی حکومت عنقریب ہونے والی ہے کوئی دماغ اس خیال سے خالی نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد کون اِس سلطنت کا والی و وارث ہوگا۔ جناب رسولؐ خدا کے افعال و اقوال صریحاً بتا رہے تھے کہ آپؐ نے اِس غرض کے لئے حضرت علی کو منتخب کر لیا ہے۔ لیکن یہ بات اِس مخالف جماعت کے سرداروں کو پسند نہ تھی۔ اور کئی امور اور واقعات ایسے تھے جنہوں نے اُن کی ہمّت بڑھا دی اور انہیں خیال ہو گیا کہ شاید ہم کامیاب ہو جائیں۔ اُن تمام امور کا ذِکر ہم نے تفصیل کے ساتھ البلاغ المبین میں کیا ہے۔ اُن میں سے تینؔ امور بہت نمایاں تھے۔ ایک تو حضرت علی علیہ السلام کی اِسلامی خدمات اور اُن کے جہاد۔ دُوسرے حضرت علی کی رفعت فطرت تیسرے قبائلی حسد۔ کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا کہ جس کے نامی سرداروں اور پہلوانوں کو اپنے جہادات میں حضرت علی نے نہ مارا ہو۔ وُہ لوگ جو دِل سے منافق تھے اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ محض حضرت علی کی تلوار تھی جس نے ہمیں یہ دِن دکھایا اور ہمارے آبائی خُداؤں کو ہمارے گھروں سے نکالا۔ جب ہی تو جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ منافق کی شناخت یہ ہے کہ اُس کے دِل میں بُغض علی ہو گا۔ حضرت علی کی صاف طبیعت سازش کی تجویزوں کو معیوب سمجھتی تھی۔ لہٰذا جو خُفیہ سازشیں کر سکتے تھے اور کرتے تھے اُنہیں جہاں تک دُنیاوی اسباب کا تعلق ہے لوگوں کو حضرت علی کے خلاف کرنے میں آسانی تھی۔ پھر قبائلی حسد بھی ایک عنصر موثر تھا۔ یہ تو وُہ جانتے تھے کہ حضرت علی انصافانہ و عادلانہ طبیعت سے اُنہیں کسی خاص فائدے کی اُمید نہیں اور حضرت علی بھی اُن کو جھُوٹے وعدوں اور بیت المال کے روپیہ سے خوش نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا

ان قبائل کی خوشی اس ہی میں تھی کہ حکومت علی کی طرف نہ جائے۔ لیکن یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے۔ اگرچہ یہ اور دیگر امور جماعت مخالفین کے ممد و معاون ضرور ہوئے۔ لیکن بذات خود یہ اس قابل نہ تھے کہ علی کو خلافت سے محروم کر دیتے اور کچھ عرصہ کے طرز عمل سے یہ لوگ اُن کی حکومت سے مانوس ہو جاتے۔ قبائلی رشک وحسد تو ہر قبیلہ کے ساتھ تھا۔ آخر کار یہ لوگ بنو تیم اور بنو عدی کی حکومت پر راضی ہو ہی گئے۔ اور حضرت علی کا منصفانہ رویہ تو بہت جلد اُن کے دلوں سے کدورت نکال دیتا۔ اگر جماعت مخالفین کی منظم سازش نہ ہوتی تو محض یہ امور حضرت علی کو خلافت سے محروم نہ کرتے۔ اس منظم سازش نے تو ان کی دلی عداوتوں کو کمزور نہ ہونے دیا۔ بلکہ اس آگ کو بھڑکاتی ہی رہی اور پھر ان تمام عناصر کو نہایت عقلمندی کے ساتھ حضرت عمر نے اپنا آلۂ کار بنا لیا۔

غرضکہ جماعت مخالفین کی ہمت بڑھانے والے عناصر موجود ہی تھے۔ انہوں نے اپنی کوششیں ابتدا ہی سے شروع کر دیں۔ زمانۂ حیات رسول میں تو اتنا ہی کر سکتے تھے کہ اپنی ہمخیال جماعت کو چھپکے چھپکے بڑھاتے رہیں۔ اور جب جناب رسولؐ خدا حضرت علی کے ساتھ منتظر حکومت والا سلوک کریں اُسی وقت ٹوک دیں۔ نکتہ چینی کریں اور لوگوں میں نہایت مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے قبائلی رشک وحسد کے جذبہ کو بڑھائیں۔ چنانچہ وہ ایسا کرتے رہے ہم اُن کی نکتہ چینیوں کا ذکر اُوپر کر چکے ہیں۔ اگر ابھی کچھ شک باقی رہ گیا تھا کہ یہ نکتہ چینیاں ذاتی اغراض کے لئے تھیں یا نہیں تو تجہیز جیش اُسامہ اور تضیۂ قرطاس کے واقعات نے تو صاف ہی ظاہر کر دیا کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کے لئے کر رہے تھے۔

جیش اُسامہ کے روکے رکھنے کا یہ بہانہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن لوگوں کے دلوں میں آنحضرتؐ کی محبت موجزن تھی، نہیں چاہتے تھے کہ اس حالت میں

آنحضرتؐ کو چھوڑ جائیں۔ بہت خوب۔ آؤ دیکھیں اِس محبت کا مظاہرہ کہاں کہاں اور کس کس طرح ہوا۔ جیش اُسامہ کے ساتھ جانے کے لئے تو محبّت مانع ہو گئی اگر محبّت تھی تو آنحضرتؐ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ حضرت ابوبکر تو محلّہ سنخ میں اپنی نئی بیوی کے پاس چلے گئے۔ اور اُن کی غیر حاضری میں آنحضرتؐ کا انتقال ہوا۔ پھر جب تشریف لائے تو آنحضرتؐ سے محبت کرنے والوں اور اُن کے لئے رونے والوں کو عابدانِ محمدؐ کہہ کر لوگوں کے خیال کو اُدھر جانے سے روکا۔ عشق رسولؐ تھا تو آتے۔ میّت کے پاس بیٹھتے اور اُن کی رحلت کا رنج کرتے جس طرح حضرت علی و بنو ہاشم کر رہے تھے۔ بجائے اس کے یہ تو سقیفہ بنی ساعدہ میں حکومت حاصل کرتے چلے گئے اور وہاں اِس طرح بحث کی کہ گویا بقول شبلی کچھ واقعہ ہی نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے بستر مرگ پر کیسا محبّت آمیز فقرہ کہا تھا کہ ان الرجل لیھجر یہ آدمی تو ہذیان بک رہا ہے سُبحان اللہ کیسا محبّت سے لبریز فقرہ ہے۔ اِس کے ایک ایک حرف سے محبّت بلکہ عشق ٹپکتا ہے۔ جناب رسولؐ خدا نے بھی اس محبّت سے لبریز فقرے کا جواب کیسا محبّت آمیز الفاظ میں دیا ہے کہ دُور رہو یہاں سے۔ قوموا عنی کیا کہنے۔ خُوب محبّت کی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ تھی وُہ محبّت جس کی وجہ سے جیش اُسامہ کو روکے رکھا۔

قضیۂ قرطاس والے معاملے کو لو۔ ایسی جلدی اور اس بے صبری سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ اگر کچھ شک تھا تو خاموش رہتے۔ قلم دوات لے آتے۔ جناب رسولؐ خدا لکھوانے لگتے۔ ہذیان کی تحریر کہیں چھُپی رہتی ہے۔ وُہ خود بتا دیتی کہ میں ہذیان کا نتیجہ ہوں۔ بے لگاؤ ہوتی۔ بے ربط ہوتی۔ کبھی آسمان کی گفتگو ہوتی۔ کبھی زمین کی۔ ہذیان خود ظاہر ہو جاتا اور اُن کی زبان اس بے ادبی سے بچ جاتی۔ لیکن صبر کیونکر کر سکتے تھے۔ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کیا لکھوائیں گے۔ یہ فقرہ کہ اِس وثیقہ سے تم عمر بھر

گمراہ نہ ہو گے کانوں کو کھٹک رہا تھا۔ جانتے تھے کہ پہچانی ہوئی آواز ہے۔ غدیر خم پر بھی یہی فقرہ کہا تھا۔ سُرعت کی ضرورت ہوئی۔ بے صبری کی ضرورت ہوئی۔ بے قراری کی ضرورت ہوئی۔ جلدی سے روکنا چاہیئے۔ اگر کسی نے قلم دوات لا کر دے دی اور آپ نے وصیّت لکھائی شروع کر دی تو ہماری عُمر بھر کی محنت رائگاں جائے گی۔ جلدی میں کچھ اور بات تو بن نہ سکی۔ یہ بھونڈا فقرہ ہی کہنا پڑا تاکہ غُل غپاڑہ ہو کر وُہ بات تو رُک جائے۔

ایک اور فقرہ فرمایا تھا۔ حَسْبُنَا کتاب اللہ یہ وُہ ہی فقرہ ہے جو خوارج کے بھی اصول کے مطابق تھا۔ وُہ بھی الحکم للہ اور حسبُنَا کتاب اللہ کہا کرتے تھے۔ علاّمہ شہرستانی کہتے ہیں کہ ابلیس کی سرکشی کی پیروی ہی میں مذہب خوارج نکلا ہے کیونکہ خوارج کے اس فقرہ میں کہ لاحکم الا اللہ ولا یحکم الرجال اور ابلیس کے اِس فقرہ میں لا اسجد الا لک کچھ فرق نہیں ہے ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ یہ فقرہ حسبُنا کتاب اللہ بھی اُسی نوعیت کا ہے۔ علاّمہ شہرستانی کچھ یاد کر کے رُک گئے۔ خوارج کا ایک ہی فقرہ نقل کیا ہے۔ لاحکم الا اللہ اُن کا دُوسرا فقرہ حسبنا کتاب اللہ بھی نہ لکھا۔ بہر صورت وُہ لکھیں یا نہ لکھیں۔ دونوں ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ اور یہ تینوں فقرے ایک ہی نوعیت کے دِلی مقصد کو چھپانے کے لئے کہے گئے تھے۔ ابلیس تو اپنے تکبّر کی وجہ سے آدمؑ کو سجدہ نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اِس پردہ میں اپنا تکبّر چھپایا۔ خوارج حضرت علی سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے اور ان کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ بہانہ ڈھونڈا۔ حضرت عمر تحریر وصیّت خلافت بحق علی کو ناپسند کرتے تھے۔ اپنے اس دلی حالت اور اپنے اِس مقصد کو چھپانے کے لئے یہ فقرہ کہا۔ کون کہتا ہے کہ کتاب اللہ کافی نہیں۔ لیکن دِل سے تو کہو۔ کتاب اللہ میں سے ہر مُشکل مسئلہ کے حل کے لئے معانی نکالنے کی اہلیت تو پیدا کرو۔ واقعی کتاب اللہ کافی ہے لیکن سقیفۂ بنی ساعدہ

والے دن اتنی لمبی چوڑی بحثیں ہوئیں اُس وقت کیوں نہ کتاب اللہ یاد آئی اُس کا ذکر تک بھی نہیں۔ آنحضرتؐ کی تحریر وصیت خلافت کے وقت تو حسبنا کتاب اللہ ہو گیا۔ جب حضرت ابو بکر بیہوش ہو ہو کر وصیت خلافت حضرت عمر کے حق میں لکھوا رہے تھے تو انہیں یہ کہہ کر کیوں نہ روکا گیا کہ بھائی جان رہنے دو۔ حسبنا کتاب اللہ۔ حضرت ابو بکر تو وصیت لکھواتے وقت بیہوش ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان ہی حضرت عمر کا نام لکھ لیا۔ اگر اس وقت حضرت عمر انّ الرجل لیہجر کہتے تو مناسب بھی تھا۔ لیکن وہ تو اپنے مقصد کے مطابق تھا۔ اس وقت یہ کیوں کہتے۔ شوریٰ والے دن حضرت عمر نے ہر ایک قسم کی ہدایت دی اور یہ بھی فرمایا کہ تم سب اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں۔ یہ نہ فرمایا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا اور اُدھر ہونا جدھر کتاب اللہ ہو۔ جناب فاطمہ نے اپنی وراثت کا دعویٰ کیا اور کتاب اللہ کو بیچ میں ڈالا۔ لیکن حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے اُس دن کتاب اللہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نتیجہ نکلا کہ کتاب اللہ کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے اپنا مقصد ہے۔ مسلمانو ذرا غور تو کرو۔ آنحضرتؐ تو فرما رہے ہیں۔ کہ لاؤ میں ایک وثیقہ تحریر کر دوں تاکہ تم قیامت تک گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ نہیں۔ حسبنا کتاب اللہ۔ کیا رسولؐ خدا جو لکھواتے وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتا۔ اور موقعوں پر جو جناب رسالتمآبؐ ہدایت آمیز احکام دیا کرتے تھے کیا اس وقت بھی آنحضرتؐ کا مُنہ یہ کہہ کر بند کر دیا جاتا تھا۔ کہ آپ کچھ نہ بولیں۔ حسبنا کتاب اللہ۔ اِس خاص موقعہ پر کیا بات تھی۔ جو آنحضرتؐ کا مُنہ بند کر دیا گیا۔

بدیہی نتیجہ نکلا کہ یہ دونوں اختلافات کسی اجتہادی حالت میں یا بغرض اقامت دین و شرع نہیں پیدا کئے گئے تھے بلکہ اپنے خود غرضانہ مقاصد کی تکمیل میں ان اختلافات کو عمداً پیدا کیا گیا۔

بات میں بات نکلتی چلی آتی ہے - حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ میں نے
آنحضرتؐ کو اس وجہ سے تحریر وصیت خلافت سے منع کیا تھا کہ لوگ علی کی
حکومت کو پسند نہ کرتے - اور اگر وُہ خلیفہ ہو جاتے تو اُن کے اُوپر چاروں
طرف سے یورش ہوتی - پیروانِ عمر سر دھنتے ہیں کہ دیکھو تو یہ حضرت عمر کی
دُور بینی بھی بمنزلہ پیشین گوئی کے تھی - جب علی کو خلافت ملی تو ایسا ہی ہُوا -
جن لوگوں کو مطالعہ تاریخ کی صلاحیت نہیں یا جو عمداً واقعات کو اُن کی اپنی
اصلی حالت میں دیکھنا نہیں چاہتے وُہ تو غالباً حضرت عمر کے ہمزبان ہو جائینگے
ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ایک بہانہ ہی تھا مثل دیگر بہانوں کے -
غور کیجئے ابھی سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا کہہ چکے ہیں - وہاں چونکہ انصار سے خلافت
لینی مقصود تھی وہاں تو یہ فرمایا کہ عرب اِس بات کو پسند نہ کرینگے کہ محمدؐ کی
حکومت اُن لوگوں میں جائے جو محمدؐ کے خاندان سے نہیں ہیں اور اُن پر
وُہ حکومت کریں جو محمدؐ کے قبیلہ سے نہیں ہیں - وُہ اپنے وقت کی بات تھی
ختم ہو گئی - اب فرماتے ہیں کہ عرب اِس بات کو پسند نہ کرتے کہ محمدؐ کے
خاندان کا آدمی اُن پر حکومت کرے - علی سے نزدیک ترین اور کون تھا -
جن لوگوں کے پاس حق نہیں ہوتا وُہ اِسی طرح متضاد باتیں کہا کرتے ہیں ؎

اِس میں کچھ شک نہیں کہ جب چوتھے درجہ پر حضرت علی خلیفہ ہوئے تو
اِس جماعت نے جس کو حضرات شیخین کی کوششوں نے پیدا کر کے منظم کیا تھا
حضرت علی کی حکومت کو پسند نہ کیا - لیکن اگر حضرات شیخین اِس جماعت کو پیدا
ہی نہ کرتے اور حضرت علی کو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی خلافت کا موقعہ
نہ دیتے تو وُہ مخالف جماعت ہی نہ ہوتی - مخالفت کون کرتا - یہ تو مسلسل پچیس ۲۵
سال کی محرومی، گوشہ نشینی یا توہین و تذلیل اہلبیت نے لوگوں کو حضرت علی
پر دلیر کر دیا تھا - اور وُہ سمجھنے لگے تھے کہ خلافت حضرت علی کا حق نہیں ہے
بلکہ یہ ایک عطیہ ہے جو ہم نے ان کو دیا ہے - کتنا فرق ہو گیا تھا - آنحضرتؐ کی

رحلت پر تو لوگ سمجھتے رہے کہ خلافت علی کے سوا کسی اور کا حق ہی نہیں اور اب سمجھنے لگے تھے کہ خلافت کا علی کی طرف جانا ایک تعجب انگیز امر ہے حضرت علی کے زمانہ میں کن لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ طلحہ و زبیر نے جنگِ جمل اور معاویہ نے جنگِ صفین پیدا کی۔ غور تو کیجئے یہ تینوں حضرات جناب عمر کی کوششوں کا براہ راست نتیجہ ہیں۔ اور اُن کے ہی زمانہ کی پیدائش ہیں سقیفہ بنی ساعدہ اور شوریٰ کی کارروائیوں نے ہر ایک کے دِل میں خلافت کی اُمید پیدا کر دی تھی۔ جب افضلیت اور قرابت رسولؐ اور اعلمیت ہی معیار نہ رہی تو ہر ایک شخص جس کی زبان دراز اور تھیلی وسیع تھی اپنے تئیں خلافت کا اُمیدوار سمجھنے لگا۔ طلحہ و زبیر اُن ہی اُمیدواروں میں سے تھے اور حضرت معاویہ تو جناب عمر کی ساری عمر کی کمائی تھے۔ اِن سے تو اُن کی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اگر سقیفہ بنی ساعدہ کی حکومت نہ ہوتی اور اُس وقت علی خلیفہ ہو جاتے تو تاریخ اسلامی کا سارا رُخ ہی پلٹ جاتا کون معاویہ کو شام کی جاگیر عطا کرتا تھا کہ شام میں اپنی طاقت مستقل کر کے خلیفۂ وقت کا مقابلہ کریں۔ کون بنو اُمیّہ کو سر پر چڑھا کر بادشاہان بنی امیّہ کی بُنیاد ڈالتا۔ نہ معاویہ ہوتے نہ یزید ہوتا۔ جب یہ نہ ہوتے تو بنو عباس کہاں سے پیدا ہوتے۔

جناب امیر بھی جانتے تھے کہ اگر حضرت عمر نہ ہوتے یا اُن کی مخالف کوششیں نہ ہوتیں تو پھر خلافت میں کوئی آپ سے تنازعہ نہ کرتا اور خلافت شروع ہی سے آپ کو مل جاتی۔ مجلس شوریٰ میں عثمان کی بیعت ہونے کے بعد جب جناب امیر اپنے بیت الشرف کی طرف تشریف لائے تو عبداللہ بن عمر بن الخطاب نے آپ سے کچھ باتیں کیں جن سے آپ کو غصّہ آیا۔ اور آپ نے اُس کو مخاطب کر کے کہا:- اسکت ویحلک فواللہ لولا ابوک وما رکب منی قدیما وحدیثا ما نازعنی ابن عفان ولا ابن

عوف فقام عبد الله فخرج [۵] یعنی خاموش رہ، وائے ہو تجھ پر۔ اگر تیرا باپ نہ ہوتا اور مجھ سے شروع سے اب تک وہ عداوت کی باتیں نہ کرتا جو اس نے کیں تو مجھ سے امر خلافت میں کوئی تنازعہ نہ کرتا۔ نہ عثمان ابن عفان اور نہ عبدالرحمٰن بن عوف۔ یہ سُن کر عبداللہ اُٹھے اور چلے گئے ؂

باب پنجم

امامت کو حکومت مُلکی میں بطرز حکومت یُونانیہ تبدیل کرنا

اسلام میں امامت اور حکومت مُلکی ہمیشہ سے باعث تنازعہ رہی ہیں۔ اِس تنازعہ نے مُسلمانوں کو دو جماعتوں میں منقسم کر دیا۔ ایک جماعت تو امامت بالنص کی قائل ہے۔ یعنی اُن کا اعتقاد ہے کہ مُسلمانوں کا امام اور حاکم خُدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ اور خُدا کا نبی اُس کا اعلان لوگوں میں کرتا ہے۔ اُن کا یقین ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے بحکم خُداوندی حضرت علیؑ کو اپنا جانشین اور نائب بلافصل مقرر کر دیا تھا۔ دُوسری وُہ جماعت ہے جس نے سقیفہ کے اجلاس میں اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ رسولؐ خدا کے لئے اُن کا جانشین مہیا کرنا تو ہمارا کام ہے۔ یہ بات ہمارے اختیار کی ہے۔ اِس کو جماعت اختیار کہہ سکتے ہیں اِس تنازعہ سے اِسلام کے فقہ و فلسفہ پر بہت اثر پڑا۔ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ فقط یہ ہی ایک تنازعہ کل اختلاف و ترمیم و تنسیخ فقۂ اِسلام کا باعث ہُوا۔ کیونکہ اِس تنازعہ کو پیدا کر کے جو جماعت برسرِ اقتدار

[۵] ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۱۴

آئی اُس نے اپنی حکومت کے استحکام اور استقلال کے لئے چند نظریات قائم کئے اور پھر فقہ اسلام کو توڑ مروڑ کر اپنے نظریات کے مطابق کرنا چاہا۔ اور امامت الٰہیہ کو حکومتِ یونانیہ میں تبدیل کر دیا۔ اس تبدیلی کے لئے وہ تمام نظریات جن پر امامت مبنی تھے بدلنے پڑے اور اُن کے بدلنے کے ساتھ اسلام بدلا گیا۔

یہ لوگ اپنے اقتدار کو امامت کے نظریات کے مطابق قائم نہیں رکھ سکتے تھے خداوند تعالیٰ نے اقتدار کی بناء تقویٰ پر رکھی تھی۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اور سقیفہ کی بحثوں میں جہاں اُنہوں نے اپنے زعم میں اقتدار کا فیصلہ کر لیا تھا نہ قرآن کا ذکر آیا اور نہ سُنّتِ رسول کا۔ لہٰذا اُن کو وہ فلسفۂ اقتدار تلاش کرنا پڑا جس میں نہ تو تقویٰ کا ذکر ہو اور نہ خدا کا۔ اُن کو یہ بہت آسانی سے حکومت یونان میں مل گیا۔ ان دونوں میں اقتدار تو قدرِ مشترک تھا۔ فرق ان کے مقصد میں تھا جس کی وجہ سے اقتدار کے حصول اور طریقۂ استعمال میں اور نیز صاحبانِ اقتدار کی صفاتِ لازمہ میں بھی فرق ہو گیا۔ اراکین خلافت کو اپنا اقتدار و حکومت قائم رکھنے کے لئے اُن تمام نظریات و تصوّرات کو بدلنا پڑا جن میں یہ فرق تھا یعنی اسلامی اصول و نظریات کو یونانی فلسفۂ حکومت اور نظریات میں بدل دیا۔

اب یہاں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ اقتدار کی متلاشی جماعت کون تھی، کیوں اور کیونکر پیدا ہو گئی۔ اس کی کوششیں کس کے خلاف تھیں۔ دُوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ کونسی دو پارٹیاں تھیں جن میں یہ کشمکش پیدا ہو گئی کیوں نہ اسلام وہ ہی واحد اور متحد دین رہا جو جناب رسولؐ خدا نے جاری فرمایا تھا تاکہ اسلامی نظریات کے مطابق امامت قائم ہو جاتی۔ اور اسلام تفریق اور مسلمان خون خرابے سے بچ جاتے۔ کونسی جماعت اپنے دُنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئی اور کن تدابیر سے۔ اور کونسی جماعت اپنے مقاصدِ اخروی میں کامیاب ہوئی۔ اِن سوالات کے جوابات اور حل اشکال اِس کتاب میں دئیے گئے ہیں۔ اِس کتاب کا عنوان یہی مضمون ہے جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اِس باب میں اُن کی تدابیر

...ن سے صرف ایک تدبیر کا بیان کیا گیا ہے۔ یونانی حکومت کے نظریات کیا تھے؟ اسلامی نظریات سے وہ کیوں اور کہاں مختلف تھے۔ ان نظریات یونانیہ سے مسلمانوں کی متلاشئ حکومت جماعت کو کس طرح مدد ملی۔ عربوں کی فطرت کے وہ کونسے نمایاں عناصر تھے جن کی وجہ سے عربوں نے یونانی تخیلات کو ایسی آسانی سے قبول کر لیا وغیرہ وغیرہ ان سوالات کے جوابات اس باب میں دیئے گئے ہیں۔

جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قرآنی اصول۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اور خدائی تاکیدی حکم۔ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ الآیۃ پر عمل کر کے حضرت علی کو اپنا جانشین اور قائمقام مقرر کر دیا یہ بات اُن لوگوں کو پسند نہ آئی جن کے بزرگوں اور رشتہ داروں کا خون ابھی علی کی تلوار سے ٹپک رہا تھا۔ قبائلی عصبیت اور حسد نے جو عربوں کے پورانے ساتھی تھے اور اُن کی فطرت نے جو علی کی اعلےٰ صفات اور اُن کے عدل و مساوات کامل کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی اس جلتی ہوئی آگ پر اور تیل بلکہ پٹرول ڈال دیا۔ اِس موقعہ سے اُن لوگوں نے خوب فائدہ اُٹھایا جن کی دُوربین نظریں جنگِ بدر کے بعد ہی سے۔ اگر اُس سے قبل نہیں۔ ایک اسلامی حکومت کو بنتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ کس طرح اُن لوگوں نے اپنے منافق عناصر سے سازش کر کے ایک مضبوط جماعت بنالی جو جناب رسولؐ خدا کے مقرر کردہ نظام کو منقلب کرنے میں کامیاب ہوگئی ہم اِس کتاب میں اور اپنی سابقہ تصانیف میں بیان کر چکے ہیں جن میں ہم نے یہ بھی بہت تفصیل سے اور اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بلافصل مقرر کر کے اس کا اعلان کئی دفعہ کیا۔ خصوصاً غدیر خم کے موقعہ پر۔ یہ نظام تھا جس کو منقلب کرنے کے لئے یہ جماعت متلاشئ اقتدار اُٹھی تھی۔ اِن امور کے لئے دیکھو ہماری تین ضخیم کتابیں۔ البلاغ المبین حصہ اوّل، حصہ دوم اور یہ ہی کتاب التفریق و التحریف فی الاسلام اِن وجوہات کی بناء پر اور ان تدابیر سے جو اس جماعت نے استعمال کیں اور جن کا ذکر ہم اس کتاب میں کر چکے ہیں ان کو اقتدار تو حاصل ہو گیا۔ لیکن اُس کا

استقلال اور استحکام اُس کے حصول سے زیادہ مشکل تھا۔ اس کے لئے اُنہوں نے چاروں طرف نظر ڈالی یُونانی نظریہ وفلسفۂ حکومت کے علاوہ انہیں کہیں اور جاء پناہ نہ ملی۔ انہوں نے نتیجہ نکالا اور صحیح نتیجہ نکالا کہ اگر انہوں نے اپنے اقتدار اور اپنے جاری نظام کا نام امامت رکھا تو مشکلات پیش آئیں گی۔ اُس کے لئے قرآن واقوال رسول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور وہاں جو کچھ ملیگا وُہ ہمارے خلاف ہوگا۔ لہذا عربی عملی فطرت سے جس پر پہلے ہی سے یُونانی اثرات پڑچکے تھے اُنہوں نے بہت فائدہ اُٹھایا

عرب، ہندوستان، ایران، یُونان اور مصر کی تہذیبات سے اچھی طرح واقف تھے اور اُن سے بہت کچھ اثر لے چکے تھے۔ ان سب میں صنم پرستی رکنِ مُشترک تھی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ عرب ایک ایسا قطعۂ زمین تھا جو دُنیا کی تہذیب و رفتار سے دُور ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا جس کے ریگستان اور بیابان طاقتور اقوام کے حملوں سے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عرب میں دُنیا کی تہذیبیں آن کر مل گئی تھیں زمانہ قدیم میں عرب ایک ایسا مرکز تھا جو ہر کاروانِ تجارت کا گُزرگاہ تھا۔ اور اُس زمانہ میں یہ تجارتی کارروان ہی تصوّرات وتہذیبات کو اپنے ساتھ لے کر چلا کرتے تھے۔ ایک مصری مسلمان مورخ لکھتا ہے:- ان العرب کانوا علی اتصال بمن حولهم مادیًا ودینیًا یعنی اہل عرب کی مادی تہذیب اور اُن کا مذہب اپنے اردگرد کے ممالک کی تہذیب و مذہب کے موافق تھے۔ حیرہ کی ذریعہ سے ایرانی اور غسان کی طرف سے مسیحیت ویہودیت اور شام وروم کی روایات اور فلسفے آئے۔ ہم کتاب فلسفہ اسلام کے حصہ اوّل میں بیان کر چکے ہیں کہ نصرانیت ویہودیت عرب میں داخل ہونے سے پہلے یونانیت اور اُس کے بیے دینی فلسفہ سے متاثر ہو کر مسخ ہو چکے تھے ۳۵؎۔ نصرانیت کے دو بڑے فرقے (۱) نساطرہ (NESTORIANS) اور (۲) یعقوبیہ (JACOBITES) عرب میں داخل ہوئے، نساطرہ حیرہ میں اور یعقوبیہ غسان وشام میں پھیلے ہوئے تھے۔

۳۴؎ احمد امین:- فجر الاسلام ص ۱۲، ۱۶ ٭

۳۵؎ فلسفۂ اسلام حصہ اوّل ص ۲۳۶ تا ۲۶۹ ٭

یہ نساطرہ ہی یونان و عرب کے درمیان واسطہ تھے۔ نصرانیت اور یہودیت اگرچہ مشرق میں پیدا ہوئی تھیں۔ لیکن ان دونوں نے یونانی شاہان روم کے ظلّ عاطفت میں پرورش پائی تھی اور پھر افریقہ شمالی کے شہر اسکندریہ میں ان کا اور فلسفۂ و تہذیب یونان کا امتزاج بہت اچھی طرح ہوگیا۔

ان کے علاوہ تجارت بھی ایک ذریعہ اتصال تھا۔ عربوں کی تجارت شام و ایران کے علاوہ بذریعہ یمن ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ تجارتی کاروان ان ممالک کی اشیاء کے علاوہ وہاں کی مادی اور دینی تہذیب اور روایات بھی لے کر آتے تھے۔ ان تینوں عناصر نے یعنی تجارت، سرحدی ممالک حیرہ و غسان اور یہودیت و نصرانیت نے عرب کو تمام دُنیا سے ملا دیا تھا۔ ہند و شام و افریقہ کے تجارتی کاروان عرب سے ہو کر جاتے تھے۔ عرب جو دیگر ممالک اور اقوام عالم کے حملوں سے بچا رہا یہ اُن ممالک و اقوام کی بے توجہی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ اُن سب کی توجہ عرب کی طرف اتنی زیادہ تھی کہ وہ کسی ایک قوم یا مُلک کو اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ عرب کو فتح کریں۔ حیرہ کی طرف سے ایران و حمیر کی روایات و تہذیب، شام کی طرف سے روم و یونان و بنی اسرائیل کی روایات تہذیب و تصوّرات اور بحرین کی طرف سے سندھ و ہند کی روایات ثقافت اور تہذیب آئیں۔ اور یمن سے جو تجارت کا مرکز تھا تمام مہذّب دُنیا کی ثقافتیں آئیں اِس طرح کہہ سکتے ہیں کہ عرب تمام دُنیا کا مرکز تھا۔ اور اِس ہی وجہ سے خداوند تعالےٰ نے اِس کو اپنی آخری رسالت کا مرکز اور دار القرار مقرر فرمایا تھا تاکہ وہاں اسلام دُنیا کی ہر ایک تہذیب اور ہر مذہب کا مقابلہ کرے۔ اور اہل عرب کی شکست تمام دُنیا کے مذاہب و فلسفوں کی شکست تھی۔ ہم فلسفۂ اسلام کے پہلے حصّہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ دُنیا کی آبادی وسط ایشیا سے نہیں بلکہ عرب سے شروع ہوئی ہے اور وہیں سے مختلف قبایل نکل کر اطراف عالم میں پھیلے۔[36]

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اِن اثرات سے بہت پہلے، غالباً تاریخ کے ابتدائی

---

۳۶ فلسفۂ اسلام حصّہ اوّل ص ۷۷ تا ۸۰۔

ندہ رہیں، مصر قدیم، اور سیریائی قدیم نے عرب کے کچھ حصے فتح کرکے اپنے اثرات وہاں پھیلا دیئے تھے۔ ۷۱۵ ق م میں سارغون، شاہ اسیریا نے شمالی عرب کے قبائل کو فتح کر لیا تھا۔ اُن قبائل میں سے ایک قبیلہ غالباً ثمود کا بھی تھا جن کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے۔ سارغون کا ذکر فلسفۂ اسلام کے حصہ اوّل ص ۸۴ پر ہے۔ تقریباً ۶۹۰ ق م میں اسیریا کے بادشاہ سناخرب نے اور ۶۷۶ ق م میں اُس کے بیٹے اسیرحدون نے عرب قبائل پر حملہ کرکے اُن کو زیر کیا۔ ان دونوں بادشاہوں کا حال ہماری کتاب فلسفۂ اسلام حصہ اوّل کے ص ۹۰ پر دیکھو۔ ۶۴۸ ق م اور ۶۳۸ ق م کے درمیان ایشوریا کے بادشاہ اشربانی پال نے پھر عرب قبائل کے غدر کو سختی کے ساتھ دبا یا۔ اِس بادشاہ کا حال کتاب فلسفۂ اسلام حصہ اوّل کے ص ۹۰ پر دیکھو۔ ۵۳۹-۵۴۰ ق م میں ایران کے بادشاہ کروش اعظم (CYRUS THE GREAT) نے عربوں پر کامیاب حملہ کیا۔ گویا عرب میں عقاد، سمیر، بابل، اشوری اور مصر قدیم کی تہذیبیں یونان کی مقابلۃً جدید تہذیب کے ساتھ آن کر مل گئیں اور اس طرح عرب میں دُنیائے قدیم و جدید کا اتّصال ہو گیا۔ اِس متحدہ اور متفقہ تہذیب و دین و ثقافت کے خلاف اِسلام کو جدوجہد کرنی پڑی۔

اسیریا، بابل، مصر وغیرہ کے اثرات عرب پر

اِس صورتِ حالات نے اُن لوگوں کے لئے جو امامت اسلامیہ کو حکومت یونانیہ میں تبدیل کرنا چاہتے تھے کتنی آسانی پیدا کر دی۔ اِس آسانی کو دیگر بہت سے امور نے آسان تر بنا دیا۔ اُن میں سے ایک عربوں کی فطرت ہے جس نے آنحضرتؐ کے وقت تک ایک معیّن صورت اختیار کر لی تھی۔

عربوں کی فطرت

اِن بیرونی اثرات میں جن کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے۔ بابل کا سحر اور وہاں کی کہانت، اشوریوں کی عادتِ ظلم اور خود غرضی صریح، عیلام و عقاد کی سازشی و مکّارانہ فطرت زیادہ قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے عرب کی عادت و فطرت پر اپنا رنگ جما دیا۔ اولاد کو زندہ دفن کرنے کی ظالمانہ رسم عربوں نے ان ہی اقوام سے لی تھی۔ عربوں کی اپنی خصوصیات کا ذکر MR; DE LACY O' LEARY نے اپنی کتاب

ARABIA BEFORE MUHAMMAD کے صفحہ ۲۰ پر کہا ہے
اُس کا لفظی ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں :-
"جب ہم عربوں پر بیرونی اثرات کا ذکر کرتے ہیں تو قدرتاً ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ کچھ اُن کی جبلت اور ذہنیت کی معلومات بھی بہم پہنچائیں۔ عرب محض بدخو، خشک مزاج، مادہ پرست ہوتا ہے، اور دُنیا کے معاملات پر منطقیانہ نظر ڈالتا ہے۔ اور اپنے تئیں بہت کھینچتا ہے۔ اُس میں حرص کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے جو اس کو مارے ڈالتا ہے۔ اُس کے دماغ اور دِل میں خوشنما خیال آرائیوں اور جذبات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ مذہب کی طرف اِس کا کچھ میلان نہیں ہوتا۔ وُہ کسی ایسے کام کی طرف رُخ نہیں کرتا جس سے اُس کو دُنیاوی فائدہ حاصل نہ ہو۔ وُہ اپنی شخصی عظمت کے خیال سے اِتنا پھولا ہُوا ہوتا ہے کہ وُہ اپنے اُوپر کسی اور کا اقتدار پسند نہیں کرتا۔ اور اگر مجبوراً اُسے کسی دُوسرے شخص کا اقتدار ماننا پڑے تو وُہ ابتداءِ اقتدار ہی سے اُس کے خلاف ہو جاتا ہے۔ اُس کو سب سے زیادہ نفرت و دُشمنی اپنے محسن سے ہوتی ہے۔ کیونکہ محسن کے ساتھ احسان کا تخیل مربُوط ہوتا ہے اور جس شخص پر احسان کیا جاوے وُہ احساس کمتری محسوس کرتا ہے .... اِن سب امور کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب بے رحم، دھوکہ باز، بددیانت اور نافرمان ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے وُہ اپنی شخصی آزادی کا بہت دِلدادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وُہ ایسی ہر ایک قید کو توڑنا چاہتا ہے جو اس کی شخصی آزادی پر عائد کی جائے خواہ اس میں خود اس کا اپنا کتنا ہی نقصان ہو جائے"۔

احمد امین مصری عالم کہتے ہیں کہ عرب میں اصلی حریت نہ تھی بلکہ شخصی جُرأت تھی۔ وُہ کسی کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ اُن کی عہدِ جاہلیت کی تاریخ محض سلسلہ حروب داخلیہ ہے جس کو عمر ابن الخطاب نے حروب خارجیہ میں تبدیل کر دیا۔ عربوں کے نظام میں کہانت داخل تھی۔ اُن کی عقلی حالت اِتنی کم درجہ کی تھی کہ وُہ مسببات اور اسباب کے ربط کو شناخت نہیں کر سکتے تھے[۳۰]۔

[۳۰] فجر الاسلام ص ۳۷، ۳۸، ۴۰، ۲۲۵۔

عربوں کی عصبیت

علامہ احمد امین نے عرب کی عصبیت پر بڑا زور دیا ہے۔ اور اس ہی کو اُنہوں نے بعد اسلام کے تفرقوں اور لڑائیوں کا باعث قرار دیا ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ عرب مختلف قبائل میں منقسم تھے جن کی رشتہ داری و انساب کی صحت پر اُن کو پورا یقین تھا۔ اور ان ہی قبائل کی بناء پر اُنہوں نے اپنی عصبیت قائم کی تھی۔ اور یہ عصبیت باعث اور مفتاح ہے اُن تمام سوانح اور حوادث کی جو مُسلمانوں کی تاریخ میں واقع ہوئے۔ خلفاء بنی اُمیہ نے اُن کی اس عصبیت سے ایک کو دُوسرے سے لڑا کر بہت فائدہ اُٹھایا[۳۸]۔ صدر اوّل کی حکومت اسلامیہ میں بھی یہ عصبیت برابر جاری تھی۔ یہ جاہلیّت ہی کے نمونہ کی عصبیت تھی جس میں ہجو و فخر و حمیّت جاہلانہ شامل ہیں[۳۹]۔ شعراء بنی اُمیہ میں بھی یہ عصبیت بہت زوروں پر تھی[۴۰]۔ یہ ہی قبائلی عصبیت شہروں کی آپس کی عصبیت اور رقابت میں تبدیل ہو گئی[۴۱]۔ موالی اور عرب کی رقابت بھی اِس ہی عصبیت پر مبنی تھی[۴۲]۔

عربوں نے اپنے قبیلہ اور اپنی جنسیت کی عصبیت کو کبھی نہیں چھوڑا۔ جس سے اسلام برباد ہو گیا۔ حالانکہ قرآن مقدّس اِس عصبیت کو جائز نہیں رکھتا۔ اُس کا ارشاد ہے:۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اور حدیث میں ہے۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ اَوْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً" یعنی وُہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کی طرف بُلایا یا عصبیت کے لئے یا اُس کی بناء پر قتال کیا۔ اِس کلام پر اچھی طرح غور کرنا چاہیئے، عربوں نے جو خلافت صدر اوّل میں لڑائیاں کیں اور جس غرض کے لئے حکومت کی وہ محض عربی عصبیت کے لئے تھی۔ ان کا غرور، ان کے وُہ قوانین جو مفتوحہ ممالک میں مفتوحہ اقوام کے لئے جاری کئے، جنگہائے موالیان اور انقلاب خراسان جسنے بنو اُمیہ کو مغلُوب کر کے بنو عباس کی حکومت کی بناء ڈالی یہ سب اِس عصبیت ہی کی طرف

[۳۸] فجر الاسلام ص ۸ ✣ [۳۹] فجر الاسلام ص ۸۳ ✣ [۴۰] فجر الاسلام ص ۸۰ ✣
[۴۱] فجر الاسلام ص ۱۸۱ ✣ [۴۲] فجر الاسلام ص ۹۰ ✣

دلالت کرتی ہیں۔ کیا وہ قبیلہ کی عصبیت نہ تھی جس نے ان سے کہلوایا کہ ہم بنو ہاشم میں نبوت و حکومت مجتمع نہ ہونے دیں گے۔

اب اِس جماعتِ متلاشیانِ حکومت کی آسانیاں بہت اچھی طرح سامنے آگئیں۔ اِس آسانیت سے مطلب صرف ذرائع کی موجودگی ہے۔ اُن کا علم ہونا، اُس علم سے فائدہ اُٹھانا، اور اپنے اِرد گرد کی اقوام کا مطالعہ کر کے اُس سے اپنے لئے ایک راستہ بنانا اور اُس پر گامزن ہونا بہت وقت طلب تھا۔ یہ فقط ایک یوم سقیفہ کی گفتگو کا نتیجہ نہ تھا بلکہ رسولِ خدا کے پیدا کردہ نظام کا مطالعہ کرنا، اُس سے نتیجہ اخذ کرنا، اپنی ہمخیال جماعت پیدا کرنا، اور آخرکار اُن بنو ہاشم کو محروم کر دینا جن میں سے رسولِ خدا تھے جن کے ایک فرد یعنی علی کی ذوالفقار نے وُہ ملک حاصل کر دیا تھا جس سے اب علی کو باوجود رسولِ خدا کے ارشادات کے محروم کرنا چاہتے تھے یہ سب آسان کام نہ تھے۔ اور اُس دماغ کے محیر العقول طاقتِ غور و فکر کی داد دینی پڑتی ہے جس نے یہ سب کام کیئے۔ مولانا شبلی الفاروق میں سچ کہتے ہیں کہ گھنٹوں حضرت عمر امرِ خلافت پر غور و فکر کرتے رہتے تھے اور ایسے غوطہ میں چلے جاتے تھے کہ اپنے ماحول سے کچھ عرصہ کے لئے بے پرواہ نظر آنے لگتے تھے۔ کتاب البلاغ المبین اور کتاب التفرلق والتحریف فی الاسلام اس ہی غور و فکر کے سمجھنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ اور اس باب میں ان تدابیر میں سے ایک تدبیر کا ذکر کیا جائیگا۔

حضرت عمر کے خلافت پر غور و فکر کا مضمون کیا تھا۔ صریحاً وُہ یہ تھا کہ ہم نے پہلا مُشکل کام تو کر لیا ہے کہ خلافت کو بنو ہاشم میں سے نکال لیا۔ اب کیا تدابیر اختیار کی جائیں کہ ہمارا یہ نظام مستقل ہو جائے اُن تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ تھی کہ امامت کے تخیل کو لوگوں کے دلوں میں سے بالکل محو کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک امامت کا تخیل باقی ہے علی سے بہتر کوئی امام نظر نہ آئیگا۔ اور آج نہیں تو کل لوگ ان کی طرف چلے جائیں گے۔ رسولِ خدا کی جانشینی اور امامت میں اقتدار لازمی تھا۔ علی کی اِس بحث کا جواب نہیں دیا جا سکتا تھا کہ تم نے یہ اقتدار صرف رسولِ خدا کی قرابت کے بناء پر حاصل کیا۔ میں

ہر معنی میں تمہاری نسبت رسول سے قریب تر ہوں۔ رشتہ داری و مذہب دونوں کو دیکھ لو رسول خدا سے یہ قرابت محض امامت تھی۔ علی کی اِس بحث کا اثر زائل کرنا ضروری تھا۔ اپنے سے پہلے اور اپنے زمانہ کی دُنیا پر جو نظر ڈالی تو انہیں یونانی حکومت سے بہتر جاءِ پناہ نہ ملی۔ حضرت ابوبکر کا زمانہ ۶۳۲ء تا ۶۳۴ء حضرت عمر کا زمانہ ۶۳۴ء تا ۶۴۴ء حضرت عثمان کا زمانہ ۶۴۴ء تا ۶۵۶ء اور حضرت علی کا زمانہ ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء تھا جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سال پیدائش ۵۷۰ء اور سال رحلت ۶۳۲ء ہے۔ ابتدائی سنہ ہجری ۶۲۲ء سے ہے۔

جناب رسولؐ خدا کی قائم کردہ امامت اور کارکنان خلافتِ صدرِ اوّل کی اختیار کردہ حکومت مُلکی کے فرق کو سمجھنے اور ان دونوں کی حقیقتِ اصلی کو معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم حکومت کی ابتداء اور اُس کے درجہ بدرجہ ارتقاء پر نظر ڈالیں تاکہ اُن کے عیوب و ثواب سے آگاہی ہو اور ہم نتیجہ نکال سکیں کہ جناب رسولؐ خدا نے اُن سب سے علیحدہ امامت کا تخیل کیوں قائم کیا۔

جب حضرت آدم کی اولاد اقطاع عالم میں دُور دُور پھیلی تو وُہ اپنے قدیم مُستقر اور مسکن اور اپنے آباء و اجداد کی روایات و تخیلات کو بالکل بھول گئے۔ اور اپنی غیر مہذب اور ناتراشیدہ فطرت کی پیروی میں از سرِ نو طرزِ رہائش اپنے لئے قائم کیا۔ چونکہ اُن کی اکثریت تھی لہٰذا اُن کے ہی طرزِ عمل کی تاریخ لکھی گئی جو ہم تک پہنچی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان نما جانوروں کی جماعت ٹولیوں میں تقسیم ہوگئی تو ایک آدمی کی سرداری و رہنمائی ضروری ہوئی جو ان میں کسی قسم کا ضبط رکھ سکے۔ اُنہوں نے اپنے میں سے طاقتور اور عقلمند شخص کو سرداری کے لئے چن لیا۔ یہ بادشاہت کی ابتداء تھی۔ وُہ ایک شخص بہت بڑی جماعت میں ضبط نہیں قائم رکھ سکتا تھا لہٰذا جماعتیں الگ الگ ہو کر شہروں میں تقسیم ہوئیں۔ اور ایک شہر حکومت کی ایک اکائی ہوگیا۔ ہر شہر کی حکومت جدا ہوتی تھی اور صرف اُس کی ضروریات کو پورا کرنے کی اشیاء مہیا ہوتی تھیں۔ اُس کے چاروں طرف دیوار یا فصیل بنا کر اُس کو سب سے بے نیاز کر دیا گیا۔ چونکہ آبادی کم تھی سب آپس میں بیٹھ کر

اُن کی نگاہ کے سامنے یونانی طرز حکومت کا روشن ہوجانا

امامت و حکومت ملکی میں فرق

حکومت کے ابتدائی مراحل

بادشاہت

شہری حکومت

فیصلہ کر لیتے تھے کہ وہ امور جو پیش آئیں اُن کے لئے کیا قواعد ہوں۔ یہ قانون کی ابتداء تھی ان قواعد کو جاری اور رواں کرنے کے لئے ایک جماعت کارکنان قائم ہوئی جو محض ایک سال کے لئے رہتی تھی پھر اُس کے دیگر ممبران منتخب کر لئے جاتے تھے۔ یہ محض قُرعہ اندازی سے ہوتا تھا اور ہر ایک شخص کو حکومت کرنے کا موقعہ مل جاتا تھا۔ یہ ریپبلک کی ابتداء ہوئی۔ جب تک یہ انتظام اپنی صحیح روش پر چلا گیا اچھا رہا۔ لیکن انسان کی خود غرضی و ذاتی غرور نے بہت جلد اس میں خرابیاں پیدا کر دیں۔ یونان کی یہ شہری حکومتیں خاص کر مشہور ہیں۔ لیکن وہ بھی مکمّل اور عدل محض نہ تھیں۔ کیونکہ عورتوں اور غلاموں کو نہ تو رائے دہندگی کا حق تھا اور نہ وہ حکومت میں حصّہ لیتے تھے۔ لہذا اُن کے حقوق وہ لوگ فیصلہ کرتے تھے جو اُن میں سے نہ تھے بلکہ اُن کے مخالف تھے۔ اور چونکہ ان فیصلہ کرنے والوں کی فطرت عدل محض اور غیر جانبداری سے عاری تھی لہذا ظلم کا ہونا یقینی تھا اور ہوا۔ عرب کی ہر قبیلہ کی علیحدہ شیخانی حکومت بھی تقریباً اسی طرح ایک علیحدہ اکائی تھی اور اس میں بھی یہی نقائص تھے۔

یونان کی سرزمین ان علیحدہ شہری حکومتوں کے لئے بہت موزوں تھی۔ اُس کے پہاڑوں کی وادیوں اور سمندر کی خلیجوں نے ہر ایک شہر کو قدرتی طور پر دوسرے سے علیحدہ کر دیا تھا۔ لیکن انسانی خود غرضی نے اِن کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ سپارٹا اور ایتھنز کی لڑائیاں اِس خود غرضی کی اچھی مثالیں ہیں۔ پھر حالات کے تغیّر و تبدّل اور معاملات باہمی خصوصاً تجارت کی پیچیدگیوں نے شہری حکومت کو اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا۔ حکومت کی کچھ ہی شکل ہو دراصل چند امراء کی حکومت ہو گئی۔

یونان کی حالت یہ تھی کہ جب ۱۴۶ ق م میں یونان کو روم نے فتح کر لیا۔ اور یونان کی حکومت کے چند عناصر کی نقل کی۔ بہرصورت اپنا فلسفۂ حکومت روم نے بالکل یونان کے فلسفۂ حکومت پر مبنی کر لیا۔ روم کی حکومت پہلے بادشاہت، پھر ریپبلک، پھر پرنسپیٹ اور پھر ایمپائر رہی ہوئی مختلف شکلیں بدلیں۔ لیکن رہی وہ ہی امراء کی حکومت شہنشاہیت کے زمانہ میں کچھ دنوں کے لئے بادشاہ مطلق العنان

ہو گیا تھا۔ لیکن بہت جلد پھر امراء کے شکنجہ میں آ گیا۔ کیونکہ بادشاہ کا انتخاب اُن کے ہاتھ میں تھا۔ رومن حکومت کی سینٹ میں محض امرا ہوتے تھے۔ غُربا کی نمائندگی مطلقاً نہ تھی اور یہ سینٹ ہی کبھی برائے نام اور کبھی زور کے ساتھ بادشاہ کا انتخاب کرتی تھی۔ پھر یہ انتخاب افواج کے سرداروں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اور اب شاہنشاہ بالکل فوج کے ہاتھ میں کٹ پُتلی ہو گیا۔

ازمنہ سابقہ کے چند اصول اِس رومن ایمپائر نے بھی لئے جن میں امراء کی حُکمرانی خاص طور سے نمایاں ہے۔ شہری حکومت کے نمونہ پر شہر روم کی حکومت قائم ہوئی۔ اِس کا ذکر کچھ تفصیل سے آگے کریں گے۔ ہمارا کہنے کا مدعا صرف اتنا تھا کہ ابتدائی عالم سے آنحضرتؐ کے زمانۂ نبوت تک اُن لوگوں کی اکثریت میں جو جادۂ وحی سے ہٹ کر اپنی خود اختیاری کی بناء پر حکومتیں قائم کرتے رہے حُکمران طبقہ کی خود غرضی اور ظُلم کی موجودگی نہایت نمایاں عناصر تھے۔ اسلام میں وحدانیت ہر امر میں نمایاں ہے، خُدا ایک، گُناہ ایک اور ثواب ایک ہے۔ گناہ ایک ظُلم ہے اور ثواب ایک عمل ہے۔ باقی جتنے گُناہ یا بدیاں ہیں یا ثواب اور نیکیاں ہیں وہ ظُلم اور عدل ہی کی شاخیں ہیں۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ شرک بھی کیا ہے محض ظُلم ہے۔ یہ چونکہ خدا کے خلاف ظُلم ہے لہٰذا ظُلم عظیم ہے۔

امامت۔ جناب رسولؐ خدا نے جو طرز حکومت بحکم خُداوندی قائم کیا اس کا نام امامت رکھا اور حاکم کا نام امام رکھا گیا۔ امامت کے معنی آگے چلنے اور رہنمائی کرنے کے ہیں۔ امام اُس کو کہتے ہیں جو سب سے آگے چلنے والا اور رہنمائی کرنے والا ہو۔ عربی میں اَمام آگے کو کہتے ہیں۔ سب سے آگے وُہ ہی چل سکے گا اور رہنمائی کر سکے گا۔ جو سب سے بہتر ہو۔ ورنہ اگر پیچھے چلنے والوں میں کوئی زیادہ عالم یا عقلمند ہے تو وُہ امام کو آگے ہی نہ چلنے دیگا۔ بلکہ امام خود اُس کے آگے چلنے یعنی رہنمائی کرنے سے کترائے گا۔ ایسا شخص امام ہو ہی نہیں سکتا۔ خداوند تعالٰی نے شرط امامت یہ رکھی۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں خُدا کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر

صاحب عزت وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا متقی ہو۔ امام اگر صاحب عزت نہیں تو وہ امام نہیں اور جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ صاحب عزت ہو اُس سے بہتر امامت کے لائق اور کون ہو سکتا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

وَاللّٰهِ لَوْ اُعْطِیْتُ الْاَقَالِیْمَ السَّبْعَةَ بِمَا تَحْتَ اَفْلَاکِهَا عَلٰی اَنْ اَعْصِیَ اللّٰهَ فِیْ نَمْلَةٍ اَسْلُبُهَا جُلْبَ شَعِیْرَةٍ مَا فَعَلْتُ وَاِنَّ دُنْیَاکُمْ عِنْدِیْ لَاَهْوَنُ مِنْ وَرَقَةٍ فِیْ فَمِ جَرَادَةٍ تَقْضَمُهَا۔

یعنی بخدا اگر مجھ کو ساتوں اقالیم معہ اُس کے جو ساتوں آسمانوں کے نیچے ہے صرف اس لئے دیں کہ میں خدا کی نافرمانی صرف اتنی کروں کہ چیونٹی کے منہ سے گیہوں کا چھلکا جو وہ لے جا رہی ہے چھین لوں تو میں نہ کروں گا۔ بہ تحقیق تمہاری دنیا میرے نزدیک اُس پتہ سے بھی زیادہ حقیر ہے جو ایک ٹڈی کے منہ میں ہے۔

امام کیسا ہونا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مَنْ نَصَبَ نَفْسَهٗ لِلنَّاسِ اِمَامًا فَلْیَبْدَاْ بِتَعْلِیْمِ نَفْسِهٖ قَبْلَ تَعْلِیْمِ غَیْرِهٖ وَلْیَکُنْ تَادِیْبُهٗ بِسِیْرَتِهٖ قَبْلَ تَادِیْبِهٖ بِلِسَانِهٖ وَمُعَلِّمُ نَفْسِهٖ وَمُؤَدِّبُهَا اَحَقُّ بِالْاِجْلَالِ مِنْ مُعَلِّمِ النَّاسِ وَمُؤَدِّبِهِمْ یعنی جو شخص لوگوں کی رہنمائی کرنے کی خواہش رکھتا ہے اُس کو چاہیئے کہ اپنی تعلیم پہلے اپنے نفس سے شروع کرے قبل اس کے کہ وہ دوسروں کو تعلیم دے، اور وہ دوسروں کو تعلیم اپنے نمونہ کے ذریعہ سے دے قبل اس کے کہ وہ اُن کو اپنی زبان سے تعلیم دے۔ جو شخص اپنے نفس کی تعلیم و تادیب کرتا ہے وہ ہی زیادہ عزت و تعظیم کا مستحق ہے بہ نسبت اس کے کہ جو غیروں کو تعلیم دیتا ہے۔

یہ ہے وہ امامت جو تقویٰ پر مبنی ہوتی ہے۔ اور تقویٰ زیادہ تر دل کی نیت پر منحصر ہے۔ الاعمال بالنیات۔ انسان کی نیت اور دل کے بھیدوں کا جاننے والا خدا ہی ہے۔ اور وہ ہی لوگوں کے درجہ تقویٰ کا عالم ہے۔ لہٰذا تقویٰ پر جو حکومت مبنی ہو گی اُس کے حاکم کے تقویٰ کا درجہ خدا ہی جان سکتا ہے اور اپنے رسول کو اُس سے آگاہ کر سکتا ہے۔ رسول اپنے بعد ایسے شخص کو امام مقرر کرے گا جس میں تقویٰ کی صفت سب سے زیادہ ہو گی۔ یہ ہے امامت بالنص۔ اُس آدمی کا انتخاب

قول علیؑ

شرائط و صفات امام از قول علیؑ

نیت

نصب امام

بحکم خداوندی ایک قبیلہ یا ایک شہر سے نہ ہوگا۔ بلکہ تمام اُمّت میں جو بہترین شخص وُہ ہی امام ہوگا۔ رسول خُدا سے بہتر اپنی ساری اُمّت کے افراد کو کون جان سکتا پھر اس امام سے بہتر اپنی رعایا کے افراد سے اور کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔ اور اگر بہترین شخص خود امام کا لڑکا یا اُس کا قریبی رشتہ دار ہے تو وُہ فقط اس رشتہ داری کی وجہ سے محروم تو نہیں کیا جاسکتا۔ یہ رشتہ داری نہ تو وجہ حصول ہوسکتی ہے اور باعثِ حرمان جو سُنّتِ الٰہیہ انبیائے سابقہ کے جانشین مقرر کرنے میں رہی ہے وُہی جاری ہوگی۔ اور وُہ یہ تھی کہ سب جانشین خود اس نبی کے خاندان سے ہوتے رہے ہیں۔ خود نبی بہترین خاندان سے ہوتا ہے۔ اور قانُونِ توارث صفات کی بناء پر نبی ہی خاندان کا شخص تقویٰ میں سب سے بہتر ہوگا۔ ایک خاندان کے افراد میں بھی اختلاف صفات ہوجاتا ہے۔ لہٰذا نبی یا امام خود اپنے علم اور علمِ خُدا سے فائدہ اُٹھا کر اپنے خاندان میں کا بھی بہترین شخص نامزد کرے گا۔

یُونانیہ رُومانوی طرز حکومت

مُسلمانوں کی خلافت صدرِ اوّل کا زمانہ ساتویں صدی عیسوی کا تھا۔ اُس زمانہ میں یُونانیہ رُومانوی حکومت کیسی تھی؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں اِس حکومت کے ابتدائی مراحل کا بھی ذکر کرنا ہوگا۔ لیکن بہت ہی مختصر۔ صرف اتنا کہ یہ یُونانیہ رومانوی حکومت سمجھ میں آجائے۔ اِس حکومت کے طرز پر دو عناصر بہت زیادہ اثر انداز تھے۔ ایک حکومت رومانوی کی پہلی صُورتیں اور دُوسرے یُونان کا طرزِ حکومت۔ ہم ان کی طرف پہلے بھی اشارہ کرچکے ہیں۔ یہ اُن اشاروں کا بیان ہے۔

حکومت رومانوی کی پہلی صورتوں کا یہ ذکر ہے کہ سب سے پہلے روم پر ETRURIA نے حکومت کی۔ یہ نہایت قدیم کا ذکر ہے۔ وُہ حکومت چند امراء کی تھی۔ وُہ بہت جلد بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔ حکومت کا نام بدل گیا۔ لیکن در اصل وُہ بھی امراء ہی کی حکومت رہی۔ بادشاہ اُن کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ یہاں تک غریب اور بے رسوخ آدمیوں کے ساتھ امراء کے مقابلہ میں انصاف بھی نہیں

...لن برائے نام بادشاہت بھی امراء برداشت نہ کر سکے۔ بادشاہ TARQUIN کے
...نے ایک امیر کی بیوی سے جبراً زنا کر لیا۔ اور اس غدر پر بادشاہ کو بھی نکال باہر
...کیا۔ یہ ۵۰۸ ق م کی بات ہے کہ جب بادشاہت کی جگہ ریپبلک قائم ہوئی۔
...وہ ۳۰ ق م تک رہی۔ اس کا بانی اور رکنِ اعظم بروٹس BRUTUS تھا جو اس
...بلک میں کونسل اوّل مقرر ہوا۔ بادشاہت کو از سر نو زندہ کرنے کی جو سازش یا
...یک ہوئی اُس میں اس بروٹس کے دو لڑکے بھی شامل تھے۔ وہ تحریک تو زبردستی
...ی گئی۔ اپنے لڑکوں کو BRUTUS نے اپنی ہر دلعزیزی و قیام حکومت و اقتدار
...لئے اپنے سامنے قتل کرا دیا۔ اس خود غرضی کی مثال رومن تاریخ میں اور بھی کئی ہیں۔
...اور کونسل TITUS MANLIUS TORQUATUS نے خود اپنے لڑکے کو محض اس وجہ
...قتل کرا دیا کہ چونکہ اس لڑکے کو پہلے سے ایک اہم مشغولیت تھی وہ اپنے باپ کے
...کی تعمیل وقت پر نہ کر سکا۔ ہمارے کہنے کا مدعا یہ ہے اس طرح اپنی شہرت، ہر دلعزیزی
...اقتدار کی خاطر اپنی اولاد کو قتل کرنا زمانۂ جاہلیت اور صنم پرستی کی رسم ہے جس کی
...وی جاہلیت کے زمانہ میں عمر گزارے ہوئے مسلمان عربوں نے بہت خوشی سے کی۔
...نکہ وہ اپنے زمانہ میں اس رسم اولاد کشی کے بہت عادی ہو چکے تھے۔ اسلام نے اس کو
...وا نہ رکھا۔ اسلام میں صحیح طور سے انسانی جان کی قدر و منزلت اور اس کے ضائع ہونے
...ے نقصان کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کی سزا کو آخرت پر ملتوی کر دیا مَن قَتَلَ مومناً
...متعمداً فجزآؤہٗ جہنم اور اس دنیا میں قتل کے بدلے قتل کی اجازت محض بطور قصاص دی
...ر حکم دیا کہ قتل کے بدلہ خون بہا اور دیت بھی ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ تھی جو اب رفتہ رفتہ
...مانۂ حال کی مہذب دنیا کو معلوم ہو چلی ہے کہ قاتل کے قتل سے اس کے اولاد و متعلقین
...ر بھی بغیر جرم کئے ہوئے سزا مل جاتی ہے۔ اس بات کا کچھ چرچا اب ہونے لگا ہے
...ور دو تین ملکوں میں مجرم قتل کو پھانسی کی سزا نہیں دی جاتی لیکن جو سزا اس کی بجائے
...ی جاتی ہے اس میں بھی اس کے بیگناہ لواحقین کو سزا مل جاتی ہے۔ خون بہا دے کر
...ل سے بچ جانے کی صورت کسی ملک نے نہیں قائم کی۔ اور بہت سے ممالک جن میں

حب اقتدار کی خاطر اولاد کا قتل

اسلام میں انسانی جان کی قدر و منزلت

ہندوستان سابق یا دش بخیر شامل ہے پھانسی کی سزا کو منسوخ نہیں کر سکے ہیں ۔

امراء کی حکومت

یہ ریپبلک بھی دراصل امراء ہی کی حکومت تھی۔ اِس میں غُرباء کی کوئی آواز
امراء کے مقابلہ میں وُہ بہت بُری طرح کچلے جاتے تھے۔ اُن کے ساتھ انصاف بھی
ہوتا تھا۔ غریبوں میں سے کوئی افسر نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ ان
یُونانی تہذیبوں میں صرف رسوخ و طاقت و دولت ہی کو نیکی سمجھتے تھے۔ غریب دبے کچلے
مظلُوم کسی صورت میں نیک نہیں کہلائے جاتے تھے۔ لاطینی زبان میں VIRTUS
کے معنی طاقت ہے۔ فرانسیسی زبان میں VIR کے معنی آدمی کے ہیں ۔ یہ ہی
VIRTUE (نیکی) میں ہے ۔

رومانی حکومت پر یونانی اثر

یُونانیہ رومانوی حکومت کی ابتداء اُس وقت ہوئی کہ جب ۱۴۶ ق م قوم
روم کی جسمانی طاقت نے یُونان کی جسمانی طاقت پر غلبہ تو حاصل کر لیا۔ لیکن چُونکہ
یُونان کی طاقت عقلیہ اور علمیہ روم کی حیوانی طاقت سے بدرجہا اعلیٰ تھی لہذا اُس
روم کے ذہن پر پُورا تسلّط حاصل کر لیا۔ اور اُس کی حکومت و رعایا میں اپنے تخیلات
تصوّرات کو پھیلا دیا۔ یہ بالکل وُہ ہی حالت تھی کہ جس طرح خلافت صدرِ اوّل کے عرب
ایران و ایشیائی حصّہ سلطنت روم کو محض اپنی حیوانی طاقت سے فتح تو کر لیا لیکن چونکہ
عربوں کے اندر فقہ و فلسفۂ اسلام کا اثر مُستقل مُستحکم نہ ہُوا تھا کیونکہ انہوں نے تو محض
اِسلام کا لبادہ بغیر اُس کی ترکیب و ساخت سمجھے ہوئے اپنے اُوپر ڈال لیا تھا لہذا وہ
ایران و روم کی تہذیب اور اُن کے فلسفہ مذہب سے موثر اور مرعُوب ہو گئے

عربوں پر اسلام محض ظاہری لبادہ

یُونان کی تہذیب سے روم کی تہذیب کے مغلوب ہونے کا یہ اثر ہُوا کہ روم ۔
یُونان کا فلسفۂ زندگی اور فلسفۂ حکومت اپنی طرزِ حکومت اور روشِ زندگی کے ۔
نقل کر لیا۔ اب روم بالکل یونان ہو گیا۔ لیکن فرق وُہ ہی رہا جو نقل و اصل میں
کرتا ہے اگرچہ اِس فرق سے ہمارا تعلّق نہیں۔ شہری حکومت یعنی ہر شہر کی اپنی علیحدہ
حکومت یُونان کی سرزمین کی قُدرتی پیداوار تھی۔ یُونان کی پہاڑی وادیوں اور بحری خلیجوں
یہ ہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ ہر ایک شہر کی علیحدہ اور آزاد حکومت قائم ہو۔ روم نے اس

روم پر یونانی تہذیب کا غلبہ

نقل اِس طرح کی کہ حکومت تو وُہ ہی ایک شہر روم کی رکھی لیکن روم کو اس قدر وسیع کیا
کہ ایک طرف تو وُہ فرانس و انگلستان تک پہنچا اور دُوسری طرف ایشیائی کوچک میں
پھیل گیا۔ یہ اس طرح ہُوا کہ ان امپائر کے بے شمار شہروں کے باشندوں کو روم کے
باشندہ کے حقوق دیدئے۔ اِس طرح روم کی وُسعت بہت بڑھ گئی ایک آدمی خواہ انگلستان
فرانس و جرمنی کا ہو اُس کو فخر اِس بات کا تھا کہ وُہ روم کا شہری ہے۔ اِس طرح اُن کی
ہمدردی روم کے ساتھ ہوگئی اور روم کی وُسعت بڑھ گئی اور رومن تہذیب پھیل گئی۔
نقل در نقل ہو کر اس کی ہی نقل سقیفہ والی حکومت نے کی۔ اور روم کی طرح مدینہ کی
حکومت قائم کی۔ لیکن اپنی حکومت کا نام مدنی حکومت نہ رکھا۔ کیونکہ اُس میں وُہ جاذبیت نہ
ہوتی جو خلافت کے نام میں تھی۔ لیکن عملاً ہر طرح سے وُہ مدنی حکومت تھی۔ صرف مدینہ کے
لوگوں کو حاکم مقرر کرنے کا حق دیا، اگر ماہواری بلکہ سالانہ وظیفہ جو مقرر ہو وُہ مدینہ والوں کا
افواج کے جنرل جو مقرر کئے جائیں وُہ مدینہ کے۔ حکومت کے احکام جو جاری ہوں وُہ مدینہ
کے نمونہ پر۔ اِس نقل میں مدینہ کو وُسعت بھی نہ دی گئی۔ یا یُوں کہو کہ عصبیت کے تنگدل نے
جازت نہ دی کہ ایران و عراق و شام کے شہروں کو اہل مدینہ کے حقوق دیں۔ یا اِسلام
ہی کی اخوت کی پیروی کریں جس کو جناب رسولِ خدا نے عملاً بھی دکھا دیا تھا۔ اور جو
شہری شہرت سے بھی زیادہ پایندہ تھی۔ لہٰذا اِس عصبیت کا یہ نتیجہ ہُوا کہ رعایا میں
عرب کے خلاف نفرت پھیل گئی جو آخر کار بغاوت، سازش اور جنگ پر منتج ہوئی۔
جنگ موالیان اور جنگ خراسان اس ہی نفرت کا نتیجہ تھیں جس طرح کہ اہل روما کے
غرور اور امراء پرستی نے اُن کے خلاف نفرت پیدا کر کے غربا و امراء کی ضرر رسان
کشمکش اور جنگ غلامان پیدا کر دی۔ جنگ غلامان اوّل ۱۳۵ قبل مسیح قوم اور جنگ غلامان
ثانی ۱۰۳ قبل مسیح قوم میں ہوئی۔ ان کو SERVILE WARS کہتے ہیں۔ جس طرح رعایا پر
ظلم و ستم کرنے سے اور بے جا غرور سے نفرت پیدا کرنے سے رومن سلطنت کا خاتمہ ہُوا۔
اسی طرح عربوں کے غرور و ظلم نے اُن کی سلطنت کو یک صد سال کے اندر ہی ملیامیٹ
کر دیا۔ اور پھر سلطنت عباسیاں شروع ہوئی جس کا خلیفہ تو اپنے تئیں عباسی ہی کہنا

تھا لیکن سلطنت ایرانی وزراء کے ہاتھ میں تھی۔ ہارون رشید عباسی تک تو خلیفہ میں عباسی خون رہا۔ لیکن پھر خلیفہ میں بھی ایرانی خون کی اتنی زیادتی ہوئی کہ عرب خون نام ہی کو رہ گیا۔

جس طرح رومانوی حکومت محض لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے اپنا نام وقتاً فوقتاً بدلتی رہی، کبھی بادشاہت، کبھی ریپبلک، کبھی پرنسپٹ اور کبھی ایمپائر۔ لیکن شروع سے آخر تک رہی وُہ ہی امراء کی حکومت اور غرباء کی عداوت۔ اِسی طرح کارکنان حکومت صدر اوّل نے اپنی حکومت کا نام کبھی خلافت اور کبھی امارت رکھا۔ لیکن چُونکہ خلافت کے نام میں کچھ مذہبی رنگ کی جھلک تھی۔ اور وُہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ساری دُنیا پر کسی نہ کسی رنگ میں مذہب کا اقتدار تھا لہٰذا اس ہی نام سے اُسے آگے چلایا۔ لیکن رہی وُہ ہی سقیفہ والی یُونانی طرز کی حکومت۔

جن لوگوں نے یُونان و روم کی تاریخ اور اِن مسلمان خُلفاء کے حالات کا غور سے مطالعہ کیا ہے۔ اُن کو یہ دِلچسپ امرِ واقعہ معلوم ہُوا ہوگا کہ حکومت کے علاوہ ان کے تمدّن و طرزِ رہائش میں بھی بڑی یگانگت ہے۔ ہم جب اُن ممالک کے معیشت اور رہائش کے حالات پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم دمشق و بغداد کے حاکموں اور عوام الناس کے حالات پڑھ رہے ہیں اتنی یکسانیت اور یگانگت ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ ہم صرف ایک مثال پر اکتفاء کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں اغلام کی کتنی بُرائی لکھی ہے۔ صرف اِس ایک گناہ کی وجہ سے ایک سارا طبقہ زمین اندر دھس گیا اور تناسخ گیا کہ اُس کے اُوپر پانی کی جھیل بن گئی۔ جو اب تک بحر لُوط کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ جُرم یُونان و روم میں عام تھا۔ فخراً کیا جاتا تھا۔ اور عوام الناس کی نظروں کے سامنے کیا جاتا تھا۔ بلکہ جُرم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اُن کے خیال میں یہ ایک نیکی تھی اور مرد کے لئے ضروری تھی۔ لڑکے مثل رنڈیوں کے استعمال ہوتے تھے بلکہ رنڈیوں میں اور اُن میں رقابت ہوتی تھی۔ لڑکے غلامی میں اس کام کے لئے ہی خریدے جاتے اُن کو معشوقہ عورتوں اور لونڈیوں کی طرح رکھا جاتا تھا۔ بادشاہوں کے حرم میں خواجہ

حکومت کا نام بدل کر اصلیت ایک ہی رہی

یونان و عرب کی تمدنی یگانگت

یونان میں اغلام

خوبصورت لڑکوں کا ہونا ضروری تھا۔ حکیم سُقراط بھی رنڈیوں اور خوبصورت لڑکوں پر عاشق ہوتا تھا اور یہ فعل اُن سے کرتا تھا۔ اُس کا خاص معشوق ایک خوبصورت نوجوان ALCIBIADES تھا۔ اور جس بے حیائی سے وُہ اپنا ننگا ہو کر سُقراط کے سامنے ایک ہی چارپائی پر پڑنا بیان کرتا ہے وُہ ثابت کرتا ہے کہ اِس فعل کو جُرم نہیں سمجھتے تھے۔ اُس کا یہ بیان افلاطون کے مکالموں میں ہے جو فلسفہ وعقل اور نیکی کے اعلیٰ نمونے سمجھے جاتے ہیں۔ سُقراط اور اُس کے معشوق لڑکے کے حالات خود اُس لڑکے کی زبانی اُس مکالمہ میں ہیں جس کا نام SYMPOSIUM ہے یہ ہی حالت کم وبیش زیادتی یا کمی کے ساتھ یُونان میں آخر تک رہی اور اب بھی ہے۔ جب ۱۴۶ق م میں روم نے اُس کو فتح کیا جب بھی تھی اور جب مسیحیت نے اُس پر قبضہ کیا جب بھی تھی اور اب تک ہے۔ ان سب امور کے لئے دیکھو[۴۳]

جہاں تک اِس گُناہ بقول اسلام اور "نیکی" بقول یُونان کا تعلّق ہے رُوم کی حالت اس سے بدتر تھی اگر کوئی حالت اس سے بدتر ہو سکتی ہے۔ قیصر اعظم رنڈی باز اور غلام کا ایسا عادی تھا کہ اُس کی نسبت کہا گیا ہے کہ وُہ ہر ایک عورت کا خاوند اور ہر ایک مرد کی بیوی تھی[۴۴] یعنی خود مفعول بننے کا بھی عادی تھا۔ یہ ہی حالت انطونی (ANTONY) کی تھی۔ اُس کے حرم میں عورتیں اور لڑکے ہر وقت اغلام کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور سفر میں بھی اُن کو ساتھ لے جاتا تھا۔ شہنشاہ کوموڈس (COMMODUS) کو بھی اسی طرح فاعل ومفعول بننے کی عادت تھی۔ اُس کے حرم میں ہر وقت ۳۰۰ عورتیں اور ۳۰۰ لڑکے اِس فعل شنیع یا فعل مُستحسن کے لئے تیار رہتے تھے[۴۵] بچپن میں مفعول اور

---

[۴۳] WILL DURANT: THE LIFE OF GREECE PP. 48, 83 149, 301, 302, AND 567.

[۴۴] WILL DURANT: CAESAR AND CHRIST, P. 168;

[۴۵] WILL DURANT: IBID PP. 199, 290, 447.

جوانی میں فاعل بننے کا شوق عام ہو گیا تھا۔ ۴۶ھ

عیسائیت کے زمانہ میں بھی یہ فعل عام تھا اور مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ ۴۷ھ

اگر مسیحی مورخین کا اعتبار کیا جاوے تو پھر ہم کو کہنا پڑے گا کہ اپنے زمانۂ ابتداء میں مسیحی پادری اور غریب عوام الناس اس مرض میں مبتلا نہ تھے اور اس کو برا سمجھتے تھے۔

لیکن مسلمان خلفاء نے باوجود قرآن شریف کے وعید کے اس فعلِ شنیع میں بہت حصہ لیا۔ خلفائے عباسیہ اور شاہانِ مصر میں یہ مرض عام تھا۔ ان کے حرم میں بھی بے شمار خوبصورت لڑکے اس فعل کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مصر کے سلاطین مملوک خاص طور سے اس میں مشہور تھے۔ ۴۸ھ

اسی طرح شراب نوشی قرآن کے حکم سے ممنوع لیکن یونان و روم کی نظائر سے مباح۔ ان ہی دو امور پر کیا منحصر ہے۔ مسلمانوں نے اپنی معیشت و معاشرت غرضکہ تمام روشِ زندگی یونان و روم کی تقلید میں مرتب کی تھی۔ جب ہم ان کی تواریخ میں یہ حالات پڑھتے ہیں تو بالکل مسلمانوں کی حالت کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے ہی سے عربوں کی فطرت اس طرف مائل تھی۔ وہ ہی عصبیت، وہی غرور، وہی کفر، وہ ہی خدا سے اعراض اور نافرمانی۔ اس جماعتِ حکومت نے عربوں کی اس فطرت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ایک تو یہی ہے کہ ان کو امامت کی مشکلات دکھا کر یونانی طرزِ رہائش و طرزِ حکومت کی طرف مائل کیا۔ اور یہ کہہ کر کہ اگر اقتدار بنو ہاشم کے قبیلہ میں چلا گیا تو وہ قبیلہ بہت طاقتور ہو جائے گا۔ نبوّت و امامت ایک جگہ نہ ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے عربوں کی عصبیت اور حسد سے فائدہ اٹھایا۔ وہ لوگ بھڑک اٹھے اور علی کے خلاف ایک محاذ

۴۶ھ WILL DURANT: IBID P. 509, 510.

۴۷ھ DO. : IBID PP. 598, 625, 627.

۴۸ھ PHILIP K. HITTI: HISTORY OF THE ARABS, PP. 341, 485, AND 695.

قائم کر لیا یہ وہ ہی علی تو تھے جنہوں نے جہاد اسلام میں قریش کے ہر ایک خاندان میں سے کسی نہ کسی کو قتل کیا تھا۔ اب کیا تھا اب تو ہمارے دونوں میٹھے کا مزا آنے لگا ہمارا حاکم بھی یہ کہہ رہا ہے کہ دیکھو علی کی طرف نہ جانا۔ اور ہمارا دل بھی یہی چاہتا ہے۔ اب علی کی خیر خواہی کیسی۔

یہاں تک جو ہم لکھ چکے ہیں اُس سے رومانوی سٹیٹ اور اسلامی امامت کا فرق اچھی طرح نمایاں ہو گیا۔ مندرجہ ذیل جدول سے ایک نظر میں یہ فرق آنکھوں کے سامنے آجائے گا ۔

جدول امتیازیہ

رومانوی سٹیٹ کے اصول	اسلامی امامت کے اصول
۱۔ سٹیٹ کے حکام مقرر کرنا ملک کے باشندگان کی اکثریت کا حق ہے ۔	۱۔ تمام حکومت خدا کی ہے اور حکومت الہیہ (امامت) کیلئے امام مقرر کرنا خدا کا کام ہے۔
۲۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ اکثریت کو یہ حق کب اور کس سے ملا ۔	۲۔ خدا مالک کونین ہے جس کو چاہتا ہے امامت (حکومت) عطا کرتا ہے ۔
۳۔ شہریوں اور غیر شہریوں میں فرق ہے حق رائے دہندگی فقط شہریوں کو حاصل ہے۔	۳۔ یہ تفریق ناجائز ہے۔ اگر تفریق ہو سکتی ہے تو اسلام و غیر اسلام کی ہو سکتی ہے ۔
۴۔ حکومت کو حق قانون سازی حاصل ہے ۔	۴۔ امامت و حکومت اسلامیہ کو جدید قانون بنانے کا حق نہیں۔ اُس کے قانون کے اصول قرآن شریف میں محفوظ ہیں ۔
۵۔ سٹیٹ کی اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ ہوتی ہے جس سے وہ افواج رکھتی ہے۔ اور نیز انعام زر و جاگیر سے صاحب رسوخ اشخاص کو اپنے قابو میں رکھتی ہے ۔	۵۔ اسلام میں امامت کے لئے یہ ممنوع ہے زمانۂ امن میں مستقل افواج رکھنا ناجائز ہے جہاد اسلامی سب کے لئے ہے سپاہی غیر سپاہی کا فرق نہیں ہے بارسوخ و بے رسوخ کی تمیز غیر اسلامی ہے ۔

رومانڈی سٹیٹ کے اصول	اسلامی امامت کے اصول
۶- سٹیٹ کے پاس جو مال آتا ہے وہ محض حکومت کا ہوتا ہے۔	۶- وہ مال تمام مسلمانوں کی ملکیت ہے جائداد غیر منقولہ رکھنا جائز نہیں۔
۷- بیرونی فتوحات باعث عزت ہیں اور وہ ہی حاکم کو لقب اعظم کے لئے مستحق بناتی ہیں۔	۷- بغیر وجہ معقول و جائز کے دوسرے ملک پر چڑھائی کرنا ممنوع ہے۔ صرف جنگ دفاعی کی اجازت ہے! اور اسی کو جہاد کہتے ہیں
۸- حکومت اور عوام الناس کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج ہوتی ہے۔ حاکم کے لئے عجب، رعب، تمکنت اور عوام الناس سے علیحدگی ضروری ہے۔	۸- چونکہ امامت کا مقصد عظمٰے اعوام الناس کی ہدایت ہے۔ لہذا سب، امیر وفقیر، بار سوخ وبیکس سے مل کر رہنا ضروری ہے۔ عجب رعب و تمکنت اور علیحدگی امام کیلئے جائز نہیں
۹- رومانڈی اور اس کی جانشین یورپین حکومت کے لئے کذب، فریب، جبر و استبداد ضروری ہے اکثریت کی غلامی اور اقلیت پر جبر و ظلم سیاسیات ضروریہ کے عناصر ہیں۔	۹- امام کے لئے کذب و ظلم و جور و استبداد ناقابل عفو گناہان ہیں۔

اب ہم ان تمام اصول کی تشریح یکے بعد دیگرے کرتے ہیں تاکہ یہ فرق اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

اصل ۱ - اصل ۲، ۳ اور اصل ۸

ان اصول میں دو امور قابل غور ہیں۔ اختیار و اکثریت۔ اور یہ دونوں اہم ارکان ہیں حکومت یونانیہ ورومانیہ کے۔ جہاں اختیار ہوگا وہاں اکثریت کا سوال پیش ہونا ضروری ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے الکشن بازی لازمی ہے۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ اب تک تو اکثریت کے مظالم اور الکشن کے نقائص اس طرح لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں کہ ان پر مزید منطقی بحث بے فائدہ ہے لیکن باوجود ان کے نقائص و معائب کے اس طرح نمایاں ہونے کے وہ اب تک موجود ہیں اور آئندہ کچھ

تشریح اصول ۱، ۲، ۳، ۸

[قا]نون اور موجود رہیں گے جب تک عوام الناس اپنی حماقت سے کماحقہا آگاہ نہیں ہو جاتے۔ اُن کی موجودگی اُن کی خوبی کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ فطرت انسانی کی اُس خود غرضی کا مظاہرہ ہے جو ہر وقت ہر زمانہ میں ہر مُلک میں افعال انسانی کی محرک رہی ہے۔ عوام الناس کو احمق بنا کر اُن کے بہانہ سے ایک سیاسی پیشہ ور جماعت اپنے لئے حکومت کا سامان مہیا کر لیتی ہے۔ اور جہاں کبھی اُن کے اختیارات یا اقتدار پر آنچ آنے کا شبہ ہُوا فوراً لوگوں کو جمع کر کے سرا ور ہاتھوں کو ایک خاص انداز سے ہم ساز کر کے، آواز میں مصنوعی جوش پیدا کر کے غُل مچا دیتی ہے کہ بھائیوں خبردار ہو جاؤ۔ بنی نوع انسان کو ایک زبردست خطرہ لاحق ہونے والا ہے۔ تمہارے اختیارات چھینے جا رہے ہیں۔ جب تک ہماری رگوں میں حیدری اور خالدی خُون جاری ہے ہم یہیں کٹ کر مر جائیں گے، گر جائیں گے اور ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ اب کیا تھا فلاں زندہ باد۔ فلاں مُردہ باد کا غُل غپاڑہ شروع ہو جاتا ہے۔ اِن احمقوں سے کوئی پُوچھے کہ تمہارے پاس اختیار و اقتدار کب تھا جواب چھینا جا رہا ہے۔ ایک لاٹھی چارج پر تو حیدری و خالدی خُون والے بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں جان کب اور کس کو دیں گے۔ خیر۔ موجودہ پارٹی گورنمنٹ جس کا نام جمہوریت رکھا گیا ہے انصاف سے کوسوں دُور ہے۔ یہ مضمون وسیع ہے اِس پر یہاں مزید لکھنا بے فائدہ ہے۔ غرض یہ کہنا کہ اسلام میں یہ جمہوریت ہے اِسلام کے نام کو دھبّہ لگانا اور لوگوں کو احمق بنانا ہے۔

اختیار کے نام سے یُونانی حکومت کے نظریہ کو اختیار کرنا اُس حکومت کے لئے ضروری تھا کہ جس نے جناب رسول خدا کے مقرر کردہ نظام کو درہم و برہم کرنا اور خود عوام الناس کے نام سے حکومت پر قبضہ کرنا اپنا ایک مقصد مقرر کر لیا تھا۔ اور اپنے قیاس سے جو اس ہی اصل اختیار پر مبنی تھا شرع اسلام میں اِتنی مداخلت کی کہ اُس کو بدل دیا۔

اِس کی ابتداء اُنہوں نے اپنے قیاس سے یہ نتیجہ نکال کر کی کہ جناب رسول خدا کے

احکام دو قسم کے ہوا کرتے تھے۔ ایک نبوت سے متعلق اور دوسرے اس کے ماسوا۔ موخر الذکر احکام ماننا ہمارے اوپر فرض نہیں ہے۔ تقرر جانشین اور حکومت سے متعلق احکام نبوت کے دائرہ سے باہر ہیں لہٰذا ہم اس کو نہیں مانتے۔ یہ تقسیم نوع احکام رسول قرآن و شریعت اسلام کے بالکل خلاف تھی۔ لیکن اُن کے لئے مفید تھی کیونکہ اس طرح اُن کو ہر حکم میں اپنے قیاس سے مداخلت کرنے کی آسانی پیدا ہوگئی۔ ساتھ ہی اس کے اُنھوں نے یہ اعتقاد پھیلایا کہ جناب رسولؐ خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ لہٰذا اب ہمیں اختیار ہے جس کو چاہے خلیفہ مقرر کر لیں۔ وہ یہ بحثیں نہیں کر سکتے تھے جب تک امامت کے تخیل کو نہ بدل دیں اور اس کو یونانی و رومانوی تخیل حکومت کے ساتھ خلط ملط نہ کر دیں۔ خلط ملط کا جملہ ہم نے اس وجہ سے استعمال کیا ہے کہ ابھی تک وہ صریحاً اور علانیہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اسلام میں یونانی طرز حکومت داخل ہے۔ یہ نہایت مشکل مقام تھا اور اس کو اُنھوں نے نہایت عقلمندی سے عبور کیا۔ وہ اچھی طرح واقف تھے کہ اسلام میں رومانوی طرز کی حکومت نہیں ہے۔ بلکہ امامت ہے۔ لیکن اس میں شک و ابہام پیدا کرنا ہی اُن کے مفاد کے لئے ضروری تھا دیکھئے۔ اپنی حکومت کا نام اُنھوں نے حکومت نہیں رکھا۔ اور نہ امامت رکھا۔ بلکہ اُس کے لئے خلافت کا لفظ استعمال کیا۔ خلافت یعنی جانشینی کس کی؟ رسول کی۔ رسول کی حکومت کے کیا ارکان تھے اور اُس حکومت کے حاکم کی کیا صفات ہونی چاہئیں یہاں خاموشی اختیار کی۔ رسول کو تو لوگوں نے مقرر نہیں کیا تھا۔ بلکہ خُدا نے مقرر کیا تھا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں امامت کو بھی خدا نے ہی خود عطا کرنے کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی ابراہیم کی صفات کا امتحان کر کے۔ اس رسول کی جانشین کو کون مقرر کرے؟ یہاں پر خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ لوگوں کے دماغوں میں یونانی طرز حکومت ہی کا نقشہ ہے یہ کہہ دیا کہ اپنا حاکم مقرر کرنا ہمارا خود حق ہے اور ہمیں اختیار ہے یہ لطیفہ بھی ملاحظہ کیا۔ حضرت ابو بکر ہی پہلے اور آخری خلیفہ تھے۔ اُن کے بعد کوئی خلیفہ نہ رہا۔ حضرت عمر نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ لیکن حکومت

وہ ہی خلافت رہی۔ اب تک لوگ کہتے ہیں خلفاء بنی اُمیہ، خلفاء بنی عباس حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کو تو ان لوگوں نے امیر المومنین کہا۔ اب اُن کے بعد یہ خلیفہ کہاں سے آ گئے۔ ان کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ یہ لوگ اپنی حکومت پر مذہبی رنگ بھی چڑھانا چاہتے تھے۔ لیکن امامت سے گریز کرتے تھے کیونکہ اپنے تئیں اس لائق نہیں پاتے تھے کہ وہ امام کہلائیں جو رسولؐ خدا نے مقرر کیا تھا اگرچہ امام کا درجہ گرانے کے لئے اور اس کو حکومت سے علیحدہ رکھنے کے لئے ہر ایک کو امام کہنے لگے۔ امام عروض، امام موسیقی، امام فقہ، امام صرف، امام نحو وغیرہ وغیرہ۔ حاکم ہی کو امام نہ کہیں گے۔ اور سب کو امام کہیں گے لیکن یہ واضح ہونا چاہیئے کہ ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک امام بھی تھا خلیفۂ رسولؐ بھی تھا۔ ہادی اُمت بھی تھا۔ یہ بات دُوسری ہے کہ اقتدار جو اُن کی امامت کا جزو تھا وُہ ان سے غصب کر لیا گیا تھا۔ لیکن جو مقام رسولؐ خدا نے اُن کو دیا تھا وُہ غصب نہیں ہو سکتا۔ یورپ میں حکومت یا قومی سلطنت کا تخیل رومن قانون اور رومن تاریخ سے لیا گیا۔ اور چونکہ مسیحیت نے رومانوی سلطنت کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی۔ اور قسطنطنیہ کے قیاصرہ جو عیسائی ہو گئے تھے یہ تخیل اپنے ہمراہ لائے اور اُس کو مسیحیت میں داخل کر دیا۔ لہٰذا اسلام اور مسیحیت میں یہ بڑا اہم اور نمایاں فرق ہو گیا[۴۳] مسیحیت ہمیشہ اس خیال میں مقید رہی کہ لوگوں کے معاملات اور اصلاح حالات کا دائرہ ہمیشہ مُلکی اور ارضی حدود میں محدود ہوتا ہے۔ یہ ہی قومیت کے تخیل کی ابتدا ہے۔ اس نے ایک مسیحیت کو بے شمار قوموں میں تقسیم کر کے مسیحیت کے دائرہ کے اندر ہی رقابتیں پیدا کر دیں۔ اِس تخیل کے چند عناصر ایسے بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی متلاشی اقتدار جماعت کو اُن کے مقصد میں بہت مدد دی۔ ان میں کا ایک اہم عنصر یہ تھا کہ اپنا حاکم مقرر کرنا رعایا کا حق ہے۔ یہ امر واقعہ ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اُس زمانہ کے اہل عرب یونانی، رومانوی اور ایرانی رسم و رواج اور قوانین سے واقف تھے[۴۴]

---

[۴۳] G.E. VON GRUNEBAUM : ISLAM CHAPT. VII. P. 131

[۴۴] فجر الاسلام ص ۱۲ الغایت ۳۰ *

وہاں تو یہ اصول کھپ گیا۔ کیونکہ رومانوی اور یونانی فلسفہ اور قانون میں خدا کا تخیل ہی نہیں۔ رسول دینی سے وہ قانون اور وہ فلسفہ واقف ہی نہیں۔ بلکہ اسلام میں جہاں ساری حکومت خدا کی تصور کی گئی ہے اور رسول اُس کا خلیفہ ہے یہ اصول بالکل واقعہ کے خلاف اور اُس کی شریعت کے لئے مضر تھا۔ اگرچہ اُس نے سقیفہ پیدا کرکے فوری مقصد تو پورا کر دیا لیکن اسلامی شریعت کو منقلب کرکے اُس میں بہت خرابیاں پیدا کر دیں غور کریں اور پھر غور کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوئیں حضرت عمرؓ و حضرت عثمان کا قتل اور جناب امام حسین علیہ السلام کی کربلا اور اہلبیت رسول پر جو ظلم ہوئے اُن سب کی بناء یہ ہی تخیل ہے۔ اس کے آئندہ کے بُرے نتائج کو سب سے پہلے خود اس کے رکن اعظم نے دیکھا۔ حضرت عمر کی دُور بینی اور تدبر کی اِس فقرہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان بیعۃ ابی بکر کان فلتۃ وقی اللہ شرہا فمن عاد الی مثلہا فاقتلوہ فایما رجل بایع رجلا من غیر مشورۃ من المسلمین ۴۴ھ

یعنی حضرت ابوبکر کی بیعت مصیبت ناگہانی تھی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کی خرابی سے بچا لیا۔ پس اس کے بعد جو شخص ایسا ہی کرے تو جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو اُس کو بھی قتل کر دو۔ اور اُس کو بھی قتل کر دو جس کی بیعت وہ کرے (ترجمہ ختم ہوا) اس سے پہلے حضرت عمر کا یہ قول درج ہے کہ ابھی انصار بحث میں مشغول تھے کہ میں نے ابوبکر کا ہاتھ نکلوا کر بیعت کر لی یہ بات حضرت عمر نے اُس وقت کہی تھی کہ جب ایک شخص نے کہا تھا کہ اب اس کے بعد ہم علی ابن ابی طالب کی بیعت کریں گے ۴۵ھ شوریٰ کے وقت بھی آنجناب نے یہ ہی خواہش قتل علی ابن ابی طالب ظاہر فرمائی تھی اُس وقت کہا تھا کہ بیعت اُس شخص کی کرنا جس طرف عبدالرحمٰن ابن عوف ہو اور جو یہ پسند نہ کرے اُس کو قتل کر دینا۔ جو انتظامات آپ نے فرمائے تھے اُن کا نتیجہ یہ ہی ہونا تھا اور ہوا کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ یہ بھی جانتے تھے کہ علی اس کو پسند نہ کریں گے۔ تفصیل کے لئے دیکھو ہماری البلاغ المبین حصہ دوم ص ۹۸ طبع ثانی۔

۴۴ھ الملل والنحل شہرستانی ص ۱۶۔ ۴۵ھ البلاغ المبین حصہ دوم طبع ثانی ص ۹۸۔

ہم نے اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ اول کے باب ششم میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جانشین رسول مقرر کرنا جناب رسول خدا کا فرض تھا نہ کہ اُمت کا حق۔ اور یہ ہی انبیاء سلف کا دستور رہا ہے۔ اور یہ ہی وہ وصیت تھی جو بقول مورخ مسعودی منتقل ہوتی رہی۔ لہٰذا اعتقاد اختیار و اکثریت شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ اگر جانشین رسول کو لوگ مقرر کریں تو رسول کو بھی لوگوں ہی کو مقرر کرنا چاہیے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ حضرت عمر نے اس بات کو سمجھ لیا۔ اور خلیفۂ رسول کا لفظ ہی چھوڑ دیا۔

اسی طرح فلسفۂ حکومت یونانیہ میں تمکنت و احساس خداوندی، عجب و غرور سروری، رعایا سے علیحدگی و احساس برتری حاکم کے لئے ضروری ہیں۔ لفظ سٹیٹ ہی سے یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ ابتداء میں STATE ایک بارعب کرسی ہوا کرتی تھی جس کے اوپر ایک پُرتکلف شامیانہ ہوتا تھا اور وہ ایک اونچے چبوترہ یا شہ نشین پر رکھی جاتی تھی۔ یہ کرسی ہی عظمت و جبروت کی نشانی تھی اور سب لوگوں سے ممیز ہونا اس کی شان میں داخل تھا۔ آیندہ چل کر یہ کرسی وسیع ہوتی گئی اور وسیع ہو کر ملکی حد بن گئی اور قانوناً اس کو ایک علیحدہ حکمران کی شخصیت دیدی گئی جس میں جائداد کی ملکیت کی اہلیت آگئی اور قانون سازی کا حق آگیا۔ لیکن عظمت، جبروت اور سب لوگوں سے علیحدہ اور اوپر رہ کر ممیز رہنا ہمیشہ اس کے معنی کے ساتھ رہے۔ عوام الناس سے اتنی علیحدہ اور ممیز بلکہ مخالف ہوگئی کہ ہربرٹ سپنسر کو ایک مستقل کتاب اس پر لکھنی پڑی جس کا نام THE MAN VERSUS THE STATE ہے۔ اس میں اس نے اس نظریہ کے بناء پر بحث کی ہے کہ سٹیٹ افراد سے علیحدہ ایک شخصیت ہے جو بسا اوقات افراد کے حقوق غصب کرتی رہتی ہے۔ سٹیٹ کے حقوق و فرائض پر بحث کرتے وقت بڑے بڑے مصنفین و محققین نے غلطی کی ہے۔ اس غلطی کی صرف یہ وجہ ہے کہ ابھی تک یہ ہی نہیں صاف ہوا کہ سٹیٹ کو حکومت کا حق کیونکر حاصل ہوا۔ اور یہ حق کس نے اس کو دیا۔ چند مفکرین جن میں BENTHAM بہت نمایاں ہے کہتے ہیں کہ حکومت کا حق قوم کی اکثریت کو ہے۔ وہ اکثریت یہ حقوق اپنے نمایندگان کو دیتی ہے۔ اور وہ نمایندگان مل کر ہی سٹیٹ ۔۔۔

اکثریت شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے

سلطنت و اقتدار

STATE کا آغاز

اُن حقوق کو یہ جماعت نمایندگان پھر سٹیٹ کے افراد ہی کو دیتی ہے دُوسرے لفظوں میں اِس ہی بات کو اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اصل نے تو اپنے حقوق ایجنٹ (جماعت نمایندگان) کو دیئے۔ پھر اُس ایجنٹ نے وُہ ہی حقوق اپنے اصل کو دیدئے۔ یہ کتنی لغویات ہے۔ اکثریت کیونکر معلوم ہوئی۔ اور کہاں سے پیدا ہوئی۔ رائے لینے سے اکثریت معلوم ہوتی ہے۔ اور رائے ایک مقصد مقرر کر کے لی جاتی ہے۔ مقصد یہ ہوا کہ کون حکومت کرے۔ رائے تمام قوم سے لی جاتی ہے۔ اکثریت رائے شماری سے معلوم ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ رائے شماری سے پہلے یعنی اکثریت معیّن ہونے سے پہلے تمام قوم کو حقِ حکومت حاصل تھا۔ اور جب اکثریت معیّن ہو گئی تو وُہ حق سمٹ کر اکثریت میں آ گیا۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ باقی قوم یعنی اقلیّت سے وُہ حق کب، کس نے اور کس بناء پر واپس لیا اور اکثریت کو وُہ حق کیونکر مل گیا۔ سیاست میں تو صاف اور سچ بولنا ایک جُرم ہے۔ ورنہ بحث کی اس منزل پر اُنہیں اقبال کرنا چاہیئے کہ یہ واقعی ایک چیستان ہے اور غلط ہے۔ اِس مُشکل کا مسلمانوں کے مُتلاشیٔ حکومت گروہ کو بھی سامنا کرنا پڑا اور وُہ بھی اِسی طرح ناکامیاب رہے۔ اگر وُہ اِسلام کے اِس اصول پر قائم رہتے کہ حکومت صرف خُداوند تعالےٰ کا حق ہے اور جس کو چاہتا ہے وُہ یہ حق عطا کر دیتا ہے تو یہ معمّہ حل ہو جاتا۔ لیکن اس کا حل ہونا اُن کے مقاصد کے خلاف جاتا لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ کی تقاریر میں قرآن و خُدا و رسولؐ خدا کا نام تک نہیں لیا گیا۔ اور اپنے ہی فقرۂ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کو نظر انداز کر گئے۔ وُہ فقرہ تو اپنا مطلب حاصل کر چکا تھا۔ جناب رسولؐ خدا کی آخری خواہش یعنی تحریر وصیّت کے پُورا ہونے میں سدِ راہ ہونا اُس کا مقصد تھا اور وُہ پُورا ہو چکا تھا اب یہاں اُس کا دُہرانا اپنے مقصد کے خلاف ہوتا لہٰذا کتاب اللہ کا ذکر بھی نہیں آیا۔ اور اُس کے بعد کے انصار و مہاجرین کے تنازعہ میں کہا گیا تو یہ کہا گیا کہ کتاب اللہ میں امامت کا ذِکر نہیں ہے۔ یہ اچھا حَسْبُنَا ہُوا۔ یہیں سے اسلام سے انحراف شروع ہو گیا۔ اُن تدابیر سے جن کا ذکر ہم نے البلاغ المبین حصہ اوّل و دوم میں کیا ہے چھینا جھپٹی کر کے حکومت تو لے لی لیکن نہ بتایا کہ یہ اُن کو کس نے دی۔ اور انصار کا حق اس میں کیوں نہیں

ہارنے والوں کی اکثریت والوں پر فوقیت

سقیفہ میں خدا و رسولؐ و قرآن کا ذکر کیوں نہ آیا

حضرت عمر نے ہدایات شوریٰ کے وقت یہ تو کہہ دیا کہ انصار کا حق حکومت میں نہیں ہے۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ کیوں نہیں ہے۔ حضرت علی کی بحث کا بھی جواب نہ دے سکے کہ انصار کے مقابلے میں تو تمہاری یہ بحث کہ ہم رسولؐ خدا کے نزدیکی ہیں چل گئی۔ اُس پر ہی قائم رہو میں تو رسولؐ خدا سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوں لہٰذا تم سے زیادہ حقدارِ خلافت ہوں۔ وہ اس کا کیا جواب دیتے چکرا گئے ۔

جیسا ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں شریعتِ اسلامیہ میں یہ نکتہ بہت اچھی طرح حل ہوگیا ہے۔ حکومت محض خدا کے لئے ہے۔ اور خُداوند تعالیٰ یہ حکومت الٰہیہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا۔ یہ عطا بذریعہ رائے شماری و اکثریت نہیں ہوتی بلکہ رسول کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اور وُہ معطیٰ ہی امام کہلاتا ہے۔ قرآنی فقرہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اس امامت کا مقصد فقط ایک ہے اور وُہ مسلمانوں کی جماعت کو خداوند تعالےٰ کی مقرّر کردہ صراطِ مُستقیم پر چلانا ہے۔ اِس میں بھی اقتدار ہوتا ہے کیونکہ امام تمام شعبوں کے لئے احکام جاری کرتا ہے۔ اسلام اِنسانی زندگی کے ہر شُعبہ پر حاوی ہے۔ حکومت یُونانیہ میں بھی اقتدار ہوتا ہے۔ لیکن یُونانی حکومت اور اِسلامی امامت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مقصد میں فرق، ترکیب و ساخت میں فرق، حقوق و فرائضِ رعایا اور اُن کے آپس کے تعلّقات کی روش میں فرق۔ اور امام یعنی والی امورِ مسلمین کے تقرّر و نصب میں فرق۔ ایک کو دُوسرے سے کچھ نسبت ہی نہیں ۔

امامت کا مقصد تو ہم کو معلوم ہوگیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ مقصد کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کا حصول محض امام کے نیّت، فعل و عمل، علم، اور ارادہ پر منحصر ہے۔ نیّت ایسی کہ اُس کا ہر فعل و قول رضائے خداوندی کے مطابق ہو۔ علم ایسا کہ شریعت اسلامیہ اور تاویل قرآن اور اہلیتِ استنباط اور اجتہاد میں کامل ہو۔ اُس کو لوگوں سے یہ نہ پوچھنا پڑے کہ اِس امر میں مَیں کیا کروں۔ رسُولؐ کا طرزِ عمل اس میں کیسا تھا۔ تمہاری رائے میں قرآن اِس پر کیا کہتا ہے۔ یہ نہ کہنا پڑے کہ دیکھو مجھ پر شیطان غالب ہو جاتا ہے جب تم مجھ کو ٹیڑھا دیکھو تو سیدھا کر دو۔ یا یہ کہ لولا علیؑ لہلک عمر بلکہ وُہ سب سے

شریعتِ اسلامیہ کا اصول

امامت کا مقصد کیونکر حاصل ہو سکتا ہے

ببانگ دہل کہے کہ سلونی قبل ان تفقدونی حضرت علی فرماتے ہیں۔

فَاسْئَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ السَّاعَۃِ وَلَا عَنْ فِئَۃٍ تَھْدِیْ مِائَۃً وَّتُضِلُّ مِائَۃً اِلَّا اَنْبَاْتُکُمْ بِنَاعِقِھَا وَقَائِدِھَا وَسَائِقِھَا وَمُنَاخِ رِکَابِھَا وَمَحَطِّ رِحَالِھَا وَمَنْ یُّقْتَلُ مِنْ اَھْلِھَا قَتْلًا وَّ تَمُوْتُ مِنْھُمْ مَوْتًا

خطبہ ۸۹ ص ۱۸۲ حصہ اوّل نہج البلاغہ شرح محمد عبدہ

ترجمہ۔ (اب موقع ہے) مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھ کو نہ پاؤ۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم اِس وقت سے لے کر قیامت تک کی جو بات مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا۔ اور کسی ایسے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے جس نے سینکڑوں کو ہدایت کی ہو سینکڑوں کو گمراہ کیا ہو تو میں اس کے للکارنے والے اور اُسے آگے سے کھینچنے والے اور پیچھے سے ڈھکیلنے والے اور اس کی سواریوں کی منزل اور اس کے (ساز و سامان لدے ہوئے) پالانوں کے اُترنے کی جگہ تک بتاؤں گا اور یہ کہ کون اُن میں سے قتل کیا جائے گا اور کون اپنی موت مرے گا۔

ایک دوسرے خطبہ میں آپ نے اس طرح فرمایا: سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ فَوَاللّٰہِ لَا تَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ وَسَلُوْنِیْ عَنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَوَاللّٰہِ مَا مِنْ اٰیَۃٍ اِلَّا وَاَنَا اَعْلَمُ اَبِلَیْلٍ نَزَلَتْ اَمْ بِنَھَارٍ اَمْ فِیْ سَھْلٍ اَمْ فِیْ جَبَلٍ [۱]

ترجمہ۔ پوچھ لو مجھ سے جو تمہارا جی چاہے۔ قسم بخدا کسی شے کی بابت تم مجھ سے نہیں دریافت کرو گے لیکن یہ کہ میں تمہیں اس کی خبر دونگا۔ مجھ سے کتاب اللہ کی بابت دریافت کرو قسم بخدا

حضرت علی کا دعویٰ علم

حضرت علی کا دعویٰ علم قرآن

---

[۱] ابن عبد البر: الاستیعاب الجزء الثانی ترجمہ علی بن ابی طالب ص ۴۷۵، ۴۷۶

ابن سعد:۔ طبقات الکبریٰ ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱

ابن حجر مکی:۔ صواعق محرقہ باب التاسع فصل الثالث ص ۷۶ فصل الرابع ص ۷۷۔

شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ:۔ ینابیع المودۃ باب الثالث عشر ص ۵۳ باب الرابع عشر ص ۶۰

ئی آیت قرآن کی نہیں لیکن میں اس کی نسبت جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو میدان
ں نازل ہوئی یا پہاڑ پر ؛

یہ ہے امام منصوص من اللہ۔ لوگوں سے اپنے تئیں سیدھا نہیں کرواتا بلکہ اُن سے
تاہے :-

بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظَّلْمَاءِ، وَتَسَنَّمْتُمُ الْعَلْيَاءَ، وَبِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنِ
السِّرَارِ، وُقِرَ سَمْعٌ لَمْ يَفْقَهِ الْوَاعِيَةَ، وَكَيْفَ يُرَاعِي النَّبْأَةَ مَنْ أَصَمَّتْهُ الصَّيْحَةُ
بِطَ جَنَانٌ لَمْ يُفَارِقْهُ الْخَفَقَانُ، مَا زِلْتُ أَنْتَظِرُ بِكُمْ عَوَاقِبَ الْغَدْرِ،
أَتَوَسَّمُكُمْ بِحِلْيَةِ الْمُغْتَرِّينَ، سَتَرَنِي عَنْكُمْ جِلْبَابُ الدِّينِ، وَبَصَّرَنِيكُمْ
صِدْقُ النِّيَّةِ، أَقَمْتُ لَكُمْ عَلَى سَنَنِ الْحَقِّ فِي جَوَادِّ الْمَضَلَّةِ، حَيْثُ تَلْتَقُونَ
لَا دَلِيلَ، وَتَحْتَفِرُونَ وَلَا تُمِيهُونَ، اَلْيَوْمَ أُنْطِقُ لَكُمُ الْعَجْمَاءَ ذَاتَ الْبَيَانِ،
عَزَبَ رَأْيُ امْرِئٍ تَخَلَّفَ عَنِّي، مَا شَكَكْتُ فِي الْحَقِّ مُذْ أُرِيتُهُ، لَمْ يُوجِسْ
مُوسَى خِيفَةً عَلَى نَفْسِهِ، أَشْفَقَ مِنْ غَلَبَةِ الْجُهَّالِ وَدُوَلِ الضَّلَالِ، اَلْيَوْمَ
تَوَاقَفْنَا عَلَى سَبِيلِ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، مَنْ وَثِقَ بِمَاءٍ لَمْ يَظْمَأْ۔

(شرح محمد عبدہ خطبہ ع۳ ص ۳۳)

ترجمہ۔ تم لوگوں نے تاریکیوں میں ہمارے ذریعہ سے ہدایت پائی۔ اور ہمارے سبب سے تم بلند ہوئے (اور تمہارا بول بالا ہوا) ہماری ذات سے تمہیں شب کے اندھیرے میں صبح کا اجالا ملا۔ وہ کان بہرے ہوجائیں جو وعظ کو نہ سنیں۔ (اور عبرتوں کو نہ سمجھیں) مگر وہ دھیمی آواز کو کیا سن سکتا ہے جس کو سخت اور کرخت آواز نے بہرا کردیا ہو۔ خدا اس دل کو مضبوط اور مستقل رکھے جو خوف الٰہی سے لرز رہا ہو (رہ گئے تم تو) مجھے ہمیشہ تم سے دھوکا اور دغا بازیوں کی امید تھی۔ اور میں منتظر تھا اور میری نظر (فراست) تم میں فریب خوردہ لوگوں کے اوصاف محسوس کررہی تھی (مگر یہ کہ) دین کی ظاہر چادر نے (جو تم اوڑھے ہوئے تھے) مجھے تم سے چھپائے رکھا (اگرچہ) میری کھری (اور بے لوث) نیت نے تم کو (تمہاری مخفی حالت اور دلی کیفیات کو) مجھے دکھا دیا (اور مجھ پر ظاہر کردیا تھا) میں گمراہ کرنے والے اور بھٹکانے والے راستوں میں

تمہارے لئے راہِ حق اور صراطِ مستقیم پر کھڑا ہو گیا جب کہ تم ملتے تھے (اور چلتے تھے) اور تمہارا کوئی رہبر نہ تھا اور تم (گمراہی کی پیاس میں ہدایت کے) کنوئیں کھودتے تھے اور پانی نہیں نکلتا تھا۔ آج میں تمہارے لئے گونگوں (بے زبانوں) کو گویا کر رہا ہوں (رموز و اشارات کو بیان کئے دیتا ہوں) اس شخص کی کوئی رائے نہیں جس نے مجھ سے کنارہ کشی کی اور میرا ساتھ نہ دیا۔ جب سے میں نے حق دیکھا ہے مجھے کبھی اس میں شک نہیں پیدا ہوا۔ موسیٰ کو (ساحروں کے معاملہ میں) اپنی جان کا ڈر نہ تھا بلکہ اُس کا خوف سب سے زیادہ تھا کہ کہیں دولتِ ضلالت کا قیام نہ ہو۔ اور باطل حق پر فتحیاب اور غالب نہ ہو جائے (اور جاہل طبقہ کی نہ بن آئے) دونوں آج حق اور باطل کے راستے پر کھڑے ہیں (یعنی میں راہ حق پر ہوں اور تم باطل پر) یقیناً جو شخص پانی پر (حق پر) بھروسہ کرے گا وُہ پیاسا نہ رہے گا (یعنی جس کے ساتھ پانی محفوظ ہو گا وُہ پیاس کے وقت ہلاکت سے محفوظ ہے)۔

اختیاری امام اور منصوص من اللہ امام کا فرق دیکھا۔ مقدم الذکر تو لوگوں سے ڈرے گا کہ کہیں یہ مخالف ہو کر مجھے مضرت نہ پہنچائیں۔ ان کی رایوں نے مجھے بنایا ہے۔ ان کی رائیں مجھے معزول بھی کر سکتی ہیں۔ وُہ کہے گا کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تم میری کجی کو سیدھا کر دیا کرو۔ وُہ اپنے میں کجی محسوس کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں لوگ میری کجی کو نہ پکڑ لیں۔ لہٰذا اُن سے ہی کہتا ہے کہ بھئی تم ہی سیدھا کر دیا کرو۔ تاکہ اگر کبھی اُس کی کوئی کجی پکڑی ہی جائے تو وُہ کہہ سکے کہ تم نے کیوں نہ مجھے سیدھا کر دیا منصوص من اللہ امام اپنے میں کسی کجی کو پاتا ہے اور نہ لوگوں کی رایوں سے خائف ہوتا ہے۔ بلکہ کہتا ہے کہ اگر تمہاری رائے میرے برخلاف ہے تو تم غلطی پر ہو۔ اُس کو کوئی شخص اُس کے عہدے سے ہٹا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وُہ عہدہ تو خدا نے اُس کو دیا ہے۔

امامت کے مقصد کی تکمیل امام کے کمال ظاہری و باطنی پر موقوف ہے امام کے صفات کو ہم سابقہ بحث میں بیان کر چکے ہیں۔ مختصر الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام ایسا شخص ہونا چاہیئے کہ جو مکمل قرآن پر عمل کر کے لوگوں کے عمل کے لئے ایک نمونہ پیش کر سکے۔ قرآن شریف کے ہر ایک امر اور ہر ایک نہی کی پابندی اُس کے لئے

اختیاری امام اور امام منصوص من اللہ میں فرق

مقصد امامت کی تکمیل کے لئے ضروری ہے صفات امام

شرط اولین ہے۔ اُس کے احکام ہیں، اُس کے عمل میں اُس کے قول میں کوئی ایسی غلطی یا گُناہ نہ ہو جس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لئے باعث گُناہ ہو۔ دُوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے ایسا امام کہ اُس کے قول و فعل پر عمل کرنے لوگوں کی حجّت خداوند تعالیٰ کے اُوپر نہ قائم ہو سکے۔ یہ وُہ بات ہے کہ جس کو انسانی عقل و قیاس پر چلنے والے لوگ کبھی نہ مانیں گے۔ وُہ کہتے ہیں کہ بھلا کوئی انسان بھی معصوم ہو سکتا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو اُس سے ضرور گُناہ ہوگا۔ یہ وُہ لوگ ہیں جو خدا کی قُدرت کو محدود سمجھتے ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ جن جن کو ہم نے دیکھا وُہ معصوم نہ تھے لہٰذا کوئی انسان معصوم نہیں ہو سکتا۔ یہ پہلی غلطی ہے جو وُہ کرتے ہیں۔ اُنہوں نے دُنیا کے سب آدمی سب زمانوں کے تو نہیں دیکھے۔ چند آدمیوں کو اپنے پس و پیش دیکھ کر یہ عام قاعدہ نکال لینا درست نہیں۔ ہر ایک الہامی دین مانتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سجدہ کرنے کو کہا۔ فرشتے معصوم تھے۔ اگر حقیقتِ آدم غیر معصوم ہوتی تو خدا پر معاذاللہ ظُلم کا الزام عائد ہوتا کہ معصوم سے غیر معصوم کو سجدہ کرایا۔ یہ دو آیات مُلاحظہ ہوں۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ
کیسی اطاعت درکار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۲) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ ۴ : ۶۵

(۳) وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ج وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۵۹ : ۷

۴۔ وُہ آیات قرآنی جن سے اولی الامر کے لفظ امر کی تشریح ہوتی ہے ÷

اِن آیات پر بہت اچھی طرح غور کرنا چاہیئے سارے مطالب حل ہو جائیں گے۔
اوّل تو یہ دیکھو کہ جناب رسولؐ خدا کی امامت کے قبول کرنے کو شرط ایمان قرار دیا ہے۔ اور آنحضرتؐ کی اطاعت کو اُس امامت کا جُزو و اصل قرار دیا ہے۔ اُس کے بے چُون و چرا اطاعت ہی شرط ایمان ہے۔ ظاہری اطاعت کافی نہیں۔ بلکہ دِل میں بھی کوئی ایسا خیال نہ آنا چاہیئے جو اِس اطاعت کے منافی ہو۔ یعنی اطاعت تو کر لی۔ اور حکم تو

امام کی اطاعت بے چون و چرا ہونی چاہیئے

مان لیا۔ لیکن دل میں خیال آیا کہ یہ بُرا ہُوا، یا اِس سے ہمیں نقصان پہنچیگا۔ یا رسولؐ خدا
یہ حکم دائرہ نبوّت سے باہر تھا تو وُہ اطاعت کافی نہ ہوئی۔ اور اُس شخص کا ایمان بھی ناقص
ہو گیا۔ یہ حکم قطعی ہے کہ جو رسُول حُکم دے اور جو کام وُہ کرے اُس کی پیروی کرو۔ ما اٰتا
کم الرسول فخذوہ اور جس بات سے وُہ روکے اُس سے رُک جاؤ وما نھاکم عنہ فانتھوا
اور ان احکام کے خلاف کسی طرح کا گمان اپنے دل میں نہ کرو۔ یہ اطاعت کامل ہے۔
رسُول کا حق ہے۔ لیکن ہر ایک حق کے ساتھ فرض ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تو ہے
کہ رسول جو حُکم دے گا وُہ خدا کی طرف سے۔ قرآن کے مطابق ہو گا۔ عصمت کامل پر مبنی
ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہُوا تو خدا کے اوپر حُجّت باقی رہ جائے گی۔ خُداوند تعالےٰ ہمارے اُن
غلط افعال و اعمال کی سزا نہ دے سکے گا جو ہم نے رسولؐ خدا کے غلط احکام کی اطاعت
میں کئے ہیں۔ لہٰذا خدا نے اپنے اُوپر لازم کر لیا کہ رسولؐ و اولی الامر کو معصوم خلق کرے
اور اُس معصومیت کی اطّلاع بھی اُمّت کو دیدے۔ چنانچہ ارشاد ہُوا
انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا اور جناب
رسولؐ خدا نے عملاً و قولاً بتا دیا کہ یہ آیت کن کے متعلّق نازل ہوئی۔ جناب رسولؐ خدا
علی مُرتضےٰ، جناب فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السّلام میں یہ آیت لفظ انّما کے ساتھ منحصر
ہے۔ دیکھو البلاغ المبین حصّہ اوّل ص ۴۹۴ تا ۵۱۲ طبع ثانی۔ آیت اطاعت میں
جو لفظ اولی الامر ہے اُس کی تشریح اب اچھی طرح ہو گئی۔ لیکن لفظ امر کی ابھی ہم اور
تشریح کرتے ہیں۔ ایک آیت سُورۃ قدر میں لیلۃ القدر کی صفت اِس طرح بیان کرتی
ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ
القدر ۹۷: ۴ تاج کمپنی کے مطبوعہ قرآن شریف میں فتح محمد جالندھری نے اِس آیت کا ترجمہ
اِس طرح کیا ہے:۔ "اس میں رُوح (الامین) اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لئے اپنے
پروردگار کے حُکم سے اُترتے ہیں"۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے اپنی تفسیر فتح العزیز
میں اِس آیت کا ترجمہ یہ لکھا ہے "فرود می آیند ملائکہ از آسمانہا و ارواح از مقام
علّیین دراں شب برائے مُلاقات اہل کمال و اقتباس انوار اعمال بنی آدم "، من کُلِّ امر

...سبت لکھتے ہیں "بیان ملائکہ و ارواح است یعنی ملائکہ ہر امر و ارواح ہر امر کہ متعلق قرب و کمال است نزول میفرمانید ہر چند جمیع اشخاص منزول علیہم مستعدِ آن قرب و کمال نباشند"۔

یہ دونوں ترجمے معہ اپنی تفسیری نوٹ کے صریحاً ظاہر کرتے ہیں کہ مولوی فتح محمد صاحب اور شاہ صاحب دونوں کے دِل میں کچھ بات کھٹک رہی ہے جس کو وُہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ فتح محمد صاحب کا ترجمہ لیجیئے۔ اِنتظام کے لئے اُترتے ہیں یہ نہیں بتایا کہ کون انتظام کرتا ہے۔ اور کس پر نازل ہوتے ہیں کیا زمین پر نازل ہو کر خود ہی انتظام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر خود ہی انتظام کرنا تھا تو پھر زمین پر اُترنے سے کیا فائدہ۔ عالم فضاء ہی سے اِنتظام کر سکتے تھے۔ اور پھر وُہ انتظام کیا ہوتا ہے۔ حیات و ممات کا یا تقسیم رنج و راحت کا یا تقسیمِ رزق کا۔ انتظام کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ مُنتظم خود بھی اپنے میدانِ انتظام میں موجود رہے۔ فرشتے تو انتظام کر کے ایک ہی رات میں مطلع فجر سے پہلے پہلے چلے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب نے وضاحت فرمائی کہ نہیں۔ انتظام وغیرہ کچھ نہیں۔ وُہ تو چند اہلِ کمال کی مُلاقات کے لئے اُترتے ہیں۔ اور نیز آدمیوں کے اعمال کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔ ذرا اِس اقتباسِ انوارِ اعمال کی تشریح ہو جاتی تو اچھا تھا۔ آگے چلیئے۔ اِتنا تو کہدیا کہ وُہ چند آدمیوں پر نازل ہوتے ہیں۔ یہ ہی غنیمت تھا۔ لیکن کُل بنی آدم کے اعمال کے انوار سے اقتباس کرنا ایک اور چیستان ہے جس کے حل سے اجتناب فرمایا گیا ہے۔ اعمال کے انوار کا اقتباس۔ اس کو سمجھئے اگر آپ سمجھ سکتے ہیں "مِنْ كُلِّ اَمْرٍ" ایک اور مشکل جملہ تھا۔ اُس کی توضیح اس طرح فرمائی گئی ہے کہ فرشتگانِ ہر امر و ارواحِ ہر امر۔ اصل میں تو لفظ رُوح بصیغہ واحد ہے جس کو مولوی فتح محمد صاحب نے رُوح الامین سمجھا۔ شاہ صاحب نے اِس واحد کو جمع کیوں بنایا۔ غالباً اِس لئے کہ اُن پر لفظ ہر امر چسپاں ہو سکے۔ امر سے مطلب شاہ صاحب نے یہاں صفت و خصلت یا قابلیّت و اہلیت لیا ہے ایک رُوح میں تو ساری صفات و کمالات کا اجماع شاہ صاحب نے مناسب نہ سمجھا۔ شاید اِس وجہ سے کہ اگر یہ اصول

مان لیا تو کہیں امام کو جامع ہر صفات نہ ماننا پڑ جائے لہٰذا بے شمار کمالات کے لئے عالم علیین میں سے بے شمار ارواح کو لانا پڑا۔ اور قرآن شریف کی ایک رُوح کی کئی رُوحیں بنانی پڑیں۔ اگر اُن کمالات کی تفصیل کر دی جاتی اور اُن کو شمار کی قید میں لے آیا جاتا تو زیادہ وضاحت ہو جاتی۔ موجودہ صورت میں تو شاہ صاحب کا مطلب واضح نہ ہُوا ملائکہ کے جُداگانہ کمالات کی بھی تشریح نہ کی گئی۔ پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ جن آدمیوں کی مُلاقات کے لئے وُہ ارواح اور وُہ ملائک نازل ہوتے ہیں وُہ درجہ کمال و قُرب میں ان ارواح ملائک سے نیچے درجے کے ہوتے ہیں۔ اپنے سے کمتر آدمیوں کی مُلاقات سے کیا فائدہ اور اُس کے لئے آسمان سے زمین پر آنے کی تکلیف کیوں برداشت کی جائے۔ اِس مُلاقات میں کیا کرامت و عظمت ہے کہ معمولی رات کو شبِ قدر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ سلام ھی حتی مطلع الفجر۔ یہ مُلاقات متعلّمانہ حیثیت سے ہوتی ہے۔ یا معلّمانہ حیثیت سے یا محض دوستانہ ضابطہ کی مُلاقات ہے۔ ایک آیت کی تفسیر کیا فرمائی اُس کو متعدد چیستانوں میں تبدیل کر دیا۔ اور ہر چیستان ایک معمّہ مالاینحل بن گئی ؛

دُوسرے نُقطۂ نگاہ سے یہ بحث ہوتی ہے جس کو مولوی مقبول احمد صاحب مرحُوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ میں لکھا ہے :۔ "امام جعفر صادق سے مروی ہے جس کا سلسلہ رواۃ جناب رسولؐ خدا تک پہنچتا ہے کہ حضرت جبریلؑ (رُوح الامین) اور دیگر ملائکہ ہر شبِ قدر کو جناب رسولؐ خدا اور اُن سے پہلے کے انبیاء پر تمام احکام خُداوندی تقسیمِ قدرات لے کر نازل ہوتے تھے۔ اُن کے بعد حضرت علی پر اور اُن کے بعد دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السّلام پر نازل ہوتے رہے یہاں تک کہ اب امام زمان حضرت صاحب العصر پر نازل ہوتے ہیں" ؛

کیا یہ بیانِ واقعہ زیادہ مطابقِ عقل و فہم نہیں ہے بہ نسبت اُن چیستانوں کے جو فتح محمد صاحب اور شاہ صاحب کے دماغوں نے ایجاد کئے ہیں۔ یہ اعتراض کہ امام غائب کا کیا اثر اور اُن سے کیا فائدہ قابلِ توجہ نہیں ہے۔ اِس کو تفصیل سے غیبت کے عنوان کے نیچے بیان کریں گے۔ یہاں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کیا جا

کہ غائب کس کو کہتے ہیں۔ ایک کمرہ میں ایک شخص ہے جس کو میں نہیں دیکھ سکتا۔ میری نظروں سے غائب ہے کیا اُس کو غائب کہیں گے؟ خُدا بھی غائب ہے۔ شیطان بھی انسانوں کی نظروں سے غائب ہے۔ ہوا بھی نظر نہیں آتی۔ اور بہت سے فضائی اثرات جو انسان کی زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں انسانوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ کیا اُن کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور کیا اُن کا کچھ فائدہ نہیں ہے اگر ہے تو امام غائب کے لئے یہ اعتراض کیوں قائم کیا جائے ؛

آیہ اطاعت میں ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن شریف جناب رسولؐ خدا کے زمانے کے لوگوں پر حاوی تھا یا نہیں؟ ضرور تھا۔ وُہ سب قرآن شریف کے پابند تھے۔ ایسے پابند کہ کہا گیا کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ اِس آیہ اطاعت میں جو اولی الامر مِنْکُم کا ذکر ہے وُہ اولی الامر جناب رسولؐ خُدا کے زمانہ میں بھی تھے۔ جب ہی تو اُن کی اطاعت کا حُکم دیا گیا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آیت تو آج نازل ہوئی، اُسکا اطلاق دس برس بعد ہو گا۔ اور اگر یہ ہی معنی لئے جائیں تو اِس آیت کا اطلاق کبھی بھی نہ ہو گا۔ کیونکہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ کہنے والے رحلت رسُول کے دن تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو یہ کہیگا کہ رسول نے رحلت کی تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔ رسُول تو میقات موسیٰ کی طرح مُلاقات خدا کے لئے گئے ہیں۔ اُن کے نزدیک رسولؐ خدا مرنے والے ہی نہ تھے لہٰذا آیت نازل تو ہو گئی لیکن عمل کے لئے نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی غلط ہیں۔ اولی الامر رسولؐ خدا کے زمانہ میں بھی تھے۔ اُس وقت بھی واجب الاطاعت تھے۔ اور وُہ وُہ لوگ تھے جن کو جناب رسولؐ خدا بارہا بتا چکے تھے۔ وُہ حدیث ثقلین کے مطابق عترت رسول تھے اور وُہ ہی قرآن شریف کے ساتھ اُس وقت بھی تھے اور بعد میں بھی رہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن تک ساتھ رہیں گے۔ اُن کی بے چُون وچرا اطاعت مسلمانوں پر واجب کی گئی ہے ؛

امامت کے قائم کرنے میں لوگوں کو مُطلق دخل نہیں ہے۔ ایسا امام کہ جس کی امامت اسلامیہ کے لئے ضرورت ہے صرف خدا ہی خلق کر سکتا ہے اور منتخب کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے ایسے اماموں کو خلق کرنا اور ان کو منتخب کرنا ہی تو وہ بڑی نعمت تھی جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا المائدہ ۵: ۳ جب لوگوں نے اُس نعمت کی قدر نہ کی اور اُس کو نعمت نہ سمجھا تو وہ نعمت نظروں سے غائب کر دی گئی۔ اور مسلمان اُس عذاب میں مبتلا ہو گئے جو اب تک جاری ہے اور جاری رہے گا جب تک مسلمان اپنی کفران نعمت کی توبہ نہ کریں اور اُس نعمت کی واپسی کی دعا نہ کریں۔ اور اس شے کو نہ چھوڑ دیں جس کو اس نعمت کے بدلہ اُنہوں نے اختیار کر لیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہو چکا ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ

ابراہیم ۱۴: ۷

وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

البقرہ ۲: ۲۱۱

اُس نعمت کا عطا کرنا خداوند تعالٰے نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ لوگوں کو یہ اختیار نہ تفویض ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۔

جناب رسولؐ خدا کے زمانہ ہی سے بعض لوگوں کو حکومت کی خواہش تھی۔ لیکن خداوند تعالٰے نے یہ کہہ کر اُن کی خواہش کی تردید کر دی کہ یہ تو خدا کا کام ہے۔ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ آل عمران ۳: ۱۵۳۔

یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس امر یعنی امر فتح یا امر حکومت میں سے کچھ ہمارے لئے بھی حصہ ہے۔ کہہ دے اے نبی کہ یہ تو سارا امر خدا کے لئے ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔

اس آیت پر اچھی طرح غور کرنا چاہیئے۔ دو نہایت اہم امور اس سے ظاہر ہوئے

اسلام میں صحیح امامت الٰہی نعمت ہے۔

آیت تطہیر

ایک تو یہ کہ امر خلافت محض نص خداوندی پر منحصر ہے۔ لوگوں کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ دُوسرے اقتدار حاصل کرنے کی جو آپس میں سازش ہو رہی تھی اُس کو طشت از بام کر دیا۔ جو باتیں وُہ رسولؐ خدا سے چھپاتے تھے لیکن آپس میں اِس پر گفتگو کرتے تھے وُہ ایسی ہی باتیں ہو سکتی ہیں جن کو جناب رسولِؐ خدا پر ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ہم نے اِس سازش اور فریقِ سازش کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب البلاغ المبین حصّہ دوم طبع ثانی صفحہ ۸۰۸ میں بیان کیا ہے۔ جناب رسولؐ خدا حضرت علی سے فرمایا کرتے تھے۔

قال ضغائن فی صدور الاقوام لا یبدونها لك الا من بعدی۔

اے علی تمہاری طرف سے لوگوں کے دِلوں میں کینے بھرے ہوئے جن کو وُہ میرے بعد تمہارے خلاف ظاہر کریں گے۔ اور آپؐ یہ بھی فرماتے تھے۔

یا علی ان الامۃ ستغدر بک من بعدی اے علی میرے بعد تمہارے ساتھ یہ اُمت دغا کرے گی۔

اِس اصول کو کہ اُمت کے لئے رہنما، بادشاہ یا امام مقرر کرنا خدا کی طرف سے ہے سُورۃ بقر کی آیت ۲۴۷ میں طالُوت کے قصّہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا۔ وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

اِس میں وجہ بھی بیان کر دی۔ خداوند تعالیٰ کو ہر ایک شخص کی نیّت، طاقت ہمّت اور وُسعت ارادہ کا کامل علم ہے۔ لوگوں کو یہ علم حاصل نہیں ٭

یوتی ملکہ پر بعض نادان بحث کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں جن کو حکومت ملی وہ خدا نے دی تم لوگ کیوں اس سے انکار کرتے ہو۔ وُہ یہ نہیں جانتے کہ اِس آیت کا عکس صحیح نہیں ہے۔ یعنی یہ تو ہے کہ اپنے مُلک کی حکومت خدا خود دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ لیکن عکس درست نہیں کہ جس کو حکومت مِل جائے وُہ خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی سمجھی جائے ''ملکہ'' یعنی خدا کی بادشاہت۔ اِس سے حکومت الٰہیہ مقصود ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا پر حکومت فرعونیہ بھی ہوتی ہے وُہ خدا کی عطا کی ہوئی نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کے لئے خُدا خود بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا

سقیفہ والوں کو یہ ہدایت ہو رہی ہے خدا کے ملک میں تو جنات وحوش وطیور وعناصر بھی ہیں۔ جن کو خدا امام مقرر کرتا ہے اُن کو ان پر بھی اقتدار عطا کرتا ہے اور وہ اس کے زیر فرمان ہوتے ہیں اور یہ ہی مطلب ہے اِن آیات کا۔ حضرت سلیمانؑ یہ دُعا مانگتے ہیں

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ خداوندا مجھے بخش دے اور مجھے وہ ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے واسطے شایان نہ ہو۔ اِس میں تو شک ہی نہیں کہ تو بڑا بخشنے والا ہے۔

حضرت سلیمان جانتے تھے کہ حکومتیں تو اُن سے زیادہ بڑی پہلے ہو چکی ہیں اور اُن کے بعد بھی بڑی سلطنتیں ہوں گی۔ اُن کی سلطنت تھی ہی کتنی بڑی۔ بہت چھوٹا قطعہ ملک تھا۔ اس کے بعد کی آیت اِس کو بالکل ہی صاف کر دیتی ہے۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ ص ۳۸: ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۸۔

ترجمہ:۔ پس ہم نے ہوا کو اُن کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو بہ نرمی و بآسانی پہنچا دیتے تھے اور شیاطین کو ان کا ماتحت کر دیا تھا وہ عمارتیں بنانتے تھے اور دریا میں غوطے لگاتے تھے اور کچھ اور تھے جو بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے۔

اِس سے ظاہر ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے وہ ملک خدا سے مانگا تھا جو اور لوگوں کی طرح ظلم وجور سے نہیں ملتا۔ بلکہ خدا اپنے پاس سے دے دیتا ہے اور وہ ایسا مکمل ہوتا ہے کہ عناصر و جن بھی اُن کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ یہ امام کی شان ہے کہ اُن کا حکم عناصر پر بھی چلتا تھا۔ یونانی حکمت والے تو صرف آدمیوں پر حکومت چلا سکتے ہیں اور وہ بھی ظلم و جور کے ساتھ۔ یہ ہے فرق امامت الٰہیہ میں اور حکومت یونانیہ میں بقول اقبال ؎

نائب حق در جہاں آدم شود   بر عناصر حکم او محکم شود

اصل ۱۴۲

اِسلام میں حاکم الٰہیہ یا امام کو جدید قانون بنانے کا حق نہیں۔ قرآن نے اصول قائم

حضرت سلیمان کی دعا

اصل ۱۴۲ قانون سازی

ئم کر دئے ہیں۔ اُن اصول کے مدنظر ہر مقدمہ کے جدید حالات کے مطابق فیصلہ ہو سکتا
ہے۔ اور یہ فیصلہ کرنا بذریعہ اجتہاد و استنباط فقط امام کا حق بھی ہے اور فرض بھی ہے
کیونکہ وُہ سب میں اعلم ہوتا ہے۔ اِس علم کامل کی بناء پر وُہ صحیح اجتہاد کر سکتا ہے۔ وُہ بھی
شخص اپنے قیاس سے حکم نہ دے گا۔ بلکہ قرآن شریف کے مقرر کردہ اصول کو حالات
مقدمہ پر حاوی کر کے فیصلہ دے گا۔ اگر ہر ایک عالم کو اپنے قیاس پر عمل کرنے کی اجازت
ہو جائے تو اسلام میں تفرقہ پڑ جائے اور ہر ایک عالم کے نام سے ایک فرقہ بن جائے۔
چنانچہ اِس طرح فرقہ بن گئے۔ چار تو بہت مشہور ہیں۔ حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی۔
اور ان کے علاوہ ان کی شاخیں بہت سی پھوٹ آئی ہیں۔ اِس ہی وجہ سے حضرت
ابوبکر اور حضرت عمر کا طریقۂ قضا قابل اعتراض ہے۔ اُن کا طریقہ یہ تھا: جب حضرت
ابوبکر کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وُہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے۔ اور
اگر اس میں حکم مل جاتا تو اُسی پر فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر کتابُ اللہ میں وُہ حکم نہ ملتا
تو حدیث پر نظر دوڑاتے۔ اور اگر اُن کے پاس کوئی قابلِ فیصلہ حدیث ہوتی تو
اُسی کے موافق فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگوں سے
دریافت فرماتے کہ اِس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلعم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے۔ اِس
حالت میں اکثر لوگ اُٹھ کر کہتے کہ آپ نے اِس معاملہ میں یہ یہ فیصلہ کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن اگر ان کو وُہ مسئلہ قرآن و
حدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ دریافت فرماتے[1]
آگے چل کر یہ مصنف کہتا ہے کہ صحابہ کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوتے تھے جن کے
متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہوتی تھی۔ اِس حالت میں ان کو مجبوراً
قیاس کرنا پڑتا تھا جس کو وُہ لوگ رائے سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید میں کوئی تصریح نہ پاتے اور لوگوں کے پاس حدیث بھی نہ

[1] تاریخ فقہ اسلامی یعنی تاریخ التشریع الاسلامی تالیف علامہ محمد الخضری کا اُردو ترجمہ از عبدالسلام
ندوی ص ۱۶۹، ۱۷۰۔

ملتی تو لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مشورہ لیتے اور جب کسی چیز پر اُن کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اُسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر کا طرز عمل بھی یہی تھا اور یہ ہی مشورہ اپنے قاضیوں اور عاملوں کو دیتے تھے کہ اگر کوئی چیز قرآن و حدیث میں نہ ملے تو غور کے بعد اپنے قیاس پر عمل کرو[۵۲۷]۔

ظاہر ہے کہ یہ طریقہ بالکل غلط تھا۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کی یہ کتنی بڑی عملی تفسیر ہے قرآن کو ابھی نازل ہوئے ہی کتنے دن ہوئے تھے کہ اُس کو ناکافی اور ناقص مان لیا اُس زمانہ ہی کے مطابق نہ تھا تو اُس کا فائدہ آیندہ کی نسلوں کے لئے کیا ہوگا۔ لوگوں سے اِس طرح پُوچھنا غلط طریقہ تھا۔ اِس طرح غلطی کے قائم رہنے کا امکان تھا۔ کسی نے حدیث نہ سُنی ہو۔ غلط معنی سمجھے ہوں۔ حدیث ہو لیکن اُن لوگوں نے نہ سُنی ہو۔ حضرت ابو بکر کو تو اپنی قلیل عرصہ کی خلافت میں ایسے معاملات پیش ہو گئے جو قرآن سے بھی حل نہ ہوئے۔ آنحضرتؐ کے نسبتاً ۱۲ گُنے زمانے میں ایسے معاملات نہ پیش آئے جو قرآن کو ناکافی ثابت کر دیں۔ اور اصحاب کی طرف رجوع کرنا پڑے اور تو اور خلیفہ اُمّت اسلامیہ کی جہالت کتنی نمایاں ہے کہ قرآن سے اجتہاد اور استنباط کرنے کی اہلیت ہی نہیں۔ اِسلامی امامت کے لئے ایسا جاہل اور کم علم امیر موزون نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ جمہوریت کے دلدادگان اِس طریقۂ قضا کو پسند کریں۔ لیکن حکومت الٰہیہ کے لئے تو یہ کسی صُورت میں موزوں نہیں۔ حضرت علی نے یہ طریقۂ قضا اختیار نہیں کیا۔ وُہ تو علی الاعلان صلائے عام دیتے تھے کہ سلونی قبل ان تفقدونی فواللہ لا تسئالونی عن شیءٍ الا اخبرتکم وسلونی عن کتاب اللہ فواللہ ما من اٰیۃ الا و انا اعلم ابلیل نزلت ام بنھار ام فی سھل ام فی جبل

[۵۲۷] تاریخ فقۂ اِسلامی یعنی تاریخ التشریع الاسلامی تالیف علّامہ محمد الخضری کا اُردو ترجمہ از عبد السلام ندوی ص ۱۶۹، ۱۷۰۔

[۵۲۸] طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱

صواعق محرقہ باب التاسع ص ۷۶، ۷۷ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

جس کے متعلق رسولِ خدا فرما چکے ہوں کہ انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب جس کے صحیح فیصلوں سے موثر ہو کر حضرت عمر کہیں کہ لولا علی لہلک عمر وہ کیا فقہ میں صحابہ کی رائے کا محتاج ہوگا ؟

یہ تو اُن لوگوں سے گفتگو تھی جو کہتے ہیں حسبُنا کتابُ اللہ۔ غیر مسلم مصنّفین و مورخین کی بھی سُن لیں وہ کیا کہتے ہیں مسلمانوں کے اسی رویہ کو دیکھ کر ان کے دماغ نے یہ اختراع کی کہ ساتویں صدی کے قرآن میں بیسویں صدی کے مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔ اس اعتراض کو ثابت کرنے کے لئے اُن کے ذمہ ہے کہ وہ بتائیں کہ کون سے مسائل مہہ دُنیا میں ساتویں صدی عیسوی اور بیسویں صدی عیسوی کے درمیان بنی نوع انسان کے سامنے آئے ہیں جو ساتویں صدی عیسوی تک نہیں پیدا ہو چکے تھے ثروت و افلاس کے تنازعات، آقا و مزدور کی کشمکش، عورت و مرد کے تعلّقات، معیشت و معاشرت کے اصول سب کچھ تو ساتویں صدی عیسوی سے پہلے پہلے زیرِ غور آ چکے تھے، ان سب کا ذکر و حل قرآن شریف میں موجود ہے۔ حکومت کا ہر نمونہ دُنیا میں اُس وقت تک زیرِ عمل آ چکا تھا۔ شیخانی طرزِ حکومت، انتخابی حکومت، آمریت، جمہوریت، قیصریت، بادشاہت ان سب صورتوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ سکندر، دارا، قیصر جیسے فاتحان اور اُن کی فتوحات کے انجام بھی لوگ دیکھ چکے تھے۔ حکومت کے متعلّق سب اصول قرآن شریف میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ ان تمام امور پر جو قرآن شریف نے اپنے احکام صادر کئے اور اُن کے متعلّق اصول بتائے اُن کا ہر موقعہ و محل پر استعمال کرنا امام کا کام ہے۔ اور امامت کا فرض ہے۔ اصول کو نہ سمجھنا اور سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اور کہہ دینا کہ اس قسم کے مقدّمہ یا تنازعہ کے لئے قرآن شریف میں کوئی اصول ہی درج نہیں ہے قرآن شریف کی کمی نہیں بلکہ اپنی سمجھ کے پھیر کا اقبال ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اپنے قیاس کی آزادی حاصل کرنے کا یہ ایک بہانہ مقرّر کیا گیا تھا۔ قیاس کی آزادی حاصل کر کے رسولِ خدا کے احکام جانشینی سے نافرمانی کرنا مدّعا ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس مدعا کو نہیں مانتے تو پھر حسبُنا کتابُ اللہ دلی اعتقاد سے نہیں کہا تھا۔

بلکہ ایک وقتی تجویز رسولؐ خدا کے تحریر وصیت کے خواہش کو رد کرنے کے لئے تھی یہ تو ظاہر ہے کہ جو واقعات زید کو درپیش آئے ہیں بجنسہ ویسے ہی واقعات خالد کو پیش آئیں گے۔ اور جن تنازعات سے اپنی زندگی میں بکر نے مقابلہ کیا ہے وہ عمر کے سامنے تھے۔ یہ بات آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی تھی، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ چند اصول مقرر کرلئے جاتے ہیں اور اُن ہی کی بناء پر فیصلے ہوتے ہیں۔ اور یہ سب اصول قرآن شریف میں درج ہیں۔

اصول ۵، ۶

جناب رسولؐ خدا کے زمانہ میں جماعت مسلمین کی آمدنی کے ذرائع یہ تھے: ذکاۃ، خراج، جزیہ، خمس، غنیمت، فے۔ ان میں سے ذکاۃ، خراج، جزیہ اور غنیمت کا ⅘ حصہ تمام مسلمانوں کی جماعت کا حق تھا۔ باستثنائِ اس امر کے کہ غنیمت میں اُن کا بھی حصہ ہوتا تھا جو اُس لڑائی میں موجود تھے جس میں غنیمت حاصل ہوئی ہے۔ ذکوۃ مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی۔ جزیہ اُن یہود و نصاریٰ سے لیا جاتا تھا جو اپنے دین سے بھی مُرتد ہو چکے تھے۔ خمس و فے محض جناب رسولؐ خدا اور اُن کے ذوی القربیٰ کا حصہ ہوتا تھا۔ اِن کے متعلق ہم چند آیات قرآنی نقل کرتے ہیں:۔

(۱) قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ التوبہ ۹ : ۲۹

ترجمہ۔ اہل کتاب میں سے اُن لوگوں سے لڑو جو (۱) خدا اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے (۲) اور جو خدا و رسولؐ نے حرام قرار دے دیا ہے اُس کو حرام نہیں سمجھتے (۳) اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں جب تک وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیدیں۔

(۲) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ الانفال ۸ : ۴۱

ترجمہ۔ اور جان لو کہ جو کچھ تم (مال لڑ کر) لو تو اس میں کا پانچواں حصہ مخصوص خدا اور

رسول اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے۔

(۳) وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ

الحشر ۵۹: ۶، ۷

ترجمہ۔ اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے لڑے بغیر عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ نہ اُونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلّط فرما دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر (پُوری پُوری) قُدرت رکھنے والا ہے۔ دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بدوں جہاد عنایت کیا وُہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور (ان ہی کے) یتیموں اور مسکینوں اور مُسافروں کا تاکہ وُہ مال (غنیمت) تمہارے دولت مندوں کے مابین چکّر کھاتا نہ پھرے۔

قرآن شریف میں جزیہ کا لفظ سوائے اِس آیت کے اور کسی جگہ درج نہیں ہے۔ اور یہاں جو شرائط جزیہ کے ہیں وُہ ظاہر ہیں۔ جزیہ صرف اُن یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر اہل کتاب پر ہے جو اپنے دین سے بھی ہٹ گئے ہیں، اور خدا و آخرت کے مُنکر ہو گئے ہیں۔ خدا اور رسول کے حرام کو حلال کر دیا ہے۔ اور اسلام بھی قبول نہیں کرتے۔

باقی دو آیتوں میں ذوی القربیٰ و یتامیٰ اور مساکین و مُسافر سے مطلب رسول کے ذوی القربیٰ اور اُن ہی کے یتیم، مسکین اور مُسافر مُراد ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ ان پر صدقات حرام ہیں۔ باقی مسلمانوں کے یتامیٰ، مساکین، اور مُسافروں کے لئے صدقات حرام نہیں ہیں۔ اُن کو وُہ ملیں گے۔

غنیمت، جزیہ، فے، زکوٰۃ، مسلمانوں کی جماعت کے ذرائع آمدنی صرف یہ ہی تھے اور یہ سب رسولؐ خدا تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ آنحضرتؐ فوراً ہی ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی شبلی

بیت المال

خزانہ (بیت المال) کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:-

"یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وُہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی۔ لیکن آنحضرتؐ نے یہ کُل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کردی۔ حضرت ابوبکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا۔ بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا"۔ (الفاروق حصّہ دوم ص ۷۴)

آگے چل کر مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ جب بحرین کا خراج آیا تو حضرت علی نے مشورہ دیا کہ اِس کو خزانہ میں جمع نہ کیا جائے بلکہ فوراً ہی تقسیم کردیا جائے۔ لیکن حضرت عمر نے اِس رائے نہ مانا اور سلاطین شام کی پیروی میں خزانہ اور دیوان کا جُدا جُدا محکمہ قائم کیا۔

(الفاروق حصّہ دوم ص ۷۵)

قرآن شریف کی آیات سے جو ہم نے اُوپر تحریر کی ہیں خصوصاً آیت نمبر ۲ جس سے پارہ ۱۰ شروع ہوتا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ غنائم ماسوائے خمس کے اُن لوگوں ہی کا حصّہ تھا جو غنائم حاصل کریں۔ یعنی اُن افواج کے لوگوں کا جنھوں نے لڑ کر غنائم حاصل کئے۔ اور وُہ اُن میں ہی تقسیم ہونے چاہئے تھے۔ خزانہ میں رکھنے کی نہ تو ضرورت تھی اور نہ اُس کا جواز تھا۔ خراج بھی غنیمت کی تعریف میں آتا ہے کیونکہ وُہ بھی تو لڑائی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اراضیات

اراضیات کے لئے بھی یہ ہی حکم تھا کہ وُہ لڑنے والوں میں تقسیم کردی جائیں۔ اکثر تو یہ ہوتا تھا کہ مفتوح کفّار مالکان کو ہی اُس اراضی پر قابض چھوڑ دیا جاتا تھا اور اُن سے خراج لے لیا جاتا تھا جیسا کہ جناب رسولؐ خدا نے یہودان خیبر کے ساتھ کیا تھا حضرت ابوبکر نے تو اُن کو اُسی طرح رہنے دیا۔ لیکن حضرت عمر نے یہودیوں کو نکال کر اُن کی اراضیات پر قبضہ کرلیا۔ جناب رسولؐ خدا نے اہل نجران کے ساتھ بھی یہ ہی معاہدہ کیا۔ اُن کی اراضیات اُن کے لئے چھوڑ دی تھیں۔ حضرت ابوبکر نے تو اس معاہدہ کی تکریم کی۔ لیکن حضرت عمر نے اُن کو بھی نکال دیا۔ اور اُن کی اراضیات پر

قبضہ کر لیا۔[۴۹]

مولفۃ القلوب کو بھی جناب رسول خدا غنیمت میں سے حصّہ دیا کرتے تھے اور ایک عہد نامہ لکھا گیا تھا کہ اُن کو زکوٰۃ میں سے حصّہ دیا جایا کرے گا۔ حضرت ابو بکر نے اِس عہد نامہ کی تکریم کی۔ اور اُن کو حصّہ دیتے رہے یہ مولفۃ القلوب قریش میں سے تھے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو ان کے لیڈر وُہ ہی عہد نامہ لے کر حضرت عمر کے پاس آئے لیکن حضرت عمر نے وُہ جناب رسولؐ خُدا کا لکھا ہُوا عہد نامہ اُن کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور چاک کر کے پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ جب تو اِسلام کمزور تھا تمہاری ضرورت تھی۔ عہد نامہ لکھا گیا۔ لیکن اب اسلام طاقتور ہو گیا ہے۔ تمہاری ضرورت نہیں رہی۔[۵۰]

اہل فدک نے جب خیبر کی صُلح کی خبر سُنی تو اُنھوں نے آنحضرتؐ سے اِس طرح صُلح کی کہ آدھی زمین آنحضرت کو دیدی۔ وُہ خاص آنحضرتؐ کی ملک ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے اُس کو فتح نہیں کیا تھا۔ اِس میں مسلمانوں کا حصّہ نہ تھا۔[۵۱] جب یہ آیت نازل ہوئی کہ وآتِ ذَاالْقُرْبیٰ حَقَّہ تو آپ نے فدک کی اراضیات جناب فاطمہ کے حق میں ہبہ کر دیں۔[۵۲] جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو جناب فاطمہ نے اِس ہبہ کی بناء پر دعویٰ کیا۔ کیونکہ اگرچہ فدک جناب فاطمہ کے قبضہ میں آچکا تھا لیکن حضرت ابو بکر نے وُہ اراضیات اپنے قبضہ میں کر لی تھیں۔ جناب فاطمہ نے اِس ہبہ کے ثبوت میں حضرت علی، ام ایمن اور حضرات حسنین علیہم السلام کو بطور گواہان پیش کیا۔[۵۳] حضرت ابو بکر نے اُن کے حق میں وثیقہ لکھ کر

۴۹؎ The origins of Islamic State Eng. Trans of futuh-ul-Baldan, chapter XIV page 101-48.49.

۵۰؎ Introduction to Muhammadan law by Nicolas P. Aghnides P.450

۵۱؎ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۔ تاریخ کامل لابن الاثیر الجزء الثانی ص ۸۵ وغیرہ وغیرہ۔

۵۲؎ سیوطی: کتاب الدر المنثور الجزء الرابع ص ۱۷۷۔

۵۳؎ فتوح البلدان ص ۴۴، ۴۵ ۔ صواعق محرقہ باب الاوّل فصل الخامس ص ۲۲۔
وفاء الوفا الجزء الثانی باب السادس ص ۱۵۷۔

اُنہیں دیدیا۔ وُہ باہر آئیں۔ حضرت عمرؓ ملے۔ اُنہوں نے پُوچھا کہ یہ کیا ہے جناب فاطمہؑ نے کہا کہ فدک کی دستاویز ابو بکر نے مجھے لکھ دی ہے۔ حضرت عمر نے وُہ وثیقہ لے کر چاک کر دیا[۵۴]۔

اِن واقعات فدک کی تفصیلات کے لئے دیکھو ہماری کتاب البلاغ المبین حصّہ دوم طبع ثانی ص ۲۰۰ تا ۲۴۲۔

یہ تمام واقعات ہم نے محض یہ ظاہر کرنے کے لئے لکھے ہیں کہ اسلام کی امامت کو کس طرح حضرت عمر نے بتدریج یُونانی حکومت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی فدک اِس بناء پر لیا گیا کہ یہ حکومت کا ہے۔ شروع سے حضرت عمر اس ہی کوشش میں تھے کہ امامت کو حکومت یُونانیہ و رومانوی میں تبدیل کر دیں بغیر اس کے اِن کی حکومت کے لئے کوئی جواز نہ تھا۔ چونکہ امامت اسلامیہ کی اہلیت اور وُہ صفات جو امام میں ہونی چاہئیں حکومت نصب شُدہ سقیفہ میں نہ تھیں لہٰذا اُن کے لئے ضروری ہوا کہ امامت کے تخیئل ہی کو لوگوں کے ذہن سے مفقوُد کر دیں اور اُس کی بجائے حکومت رومانوی کا نقشہ جمائیں تا کہ اُس کے لئے اُن کی شخصیّت موزون نظر آئے۔

اصول ۷، ۸، ۹

حکومت یُونانیہ کے یہ تین نہایت اہم ممیزات ہیں۔ اور ان سے ہی حاکم کی خصائل و صفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اِس حکومت کا وُہ حاکم نہایت کامیاب اور عظیم الشان سمجھا جائیگا جو اپنے ہمسایہ ریاستوں کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ ہر وقت اُن کے مال و اراضی پر نظر رکھتا ہے۔ اور بات بات پر تلوار کی دھمکی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار اپنا مقصد تلوار و مکّاری سے حاصل کر لیتا ہے اور اپنی ان فتوحات کی وجہ سے اعظم کا لفظ حاصِل کرتا ہے۔ مکّاری، کذب، دغابازی، فریب، لوگوں کو دھوکے میں رکھنا اُس کی اِس سیاست کے ارکان عظمےٰ ہوتے ہیں جس کو مورخین و

[۵۴] علی بن برہان الدین الحلبی:- انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون الجزء الثالث ص ۴۰۰۔

اصول ۷، ۸، ۹ اہم ممیزات حکومت یونانیہ

مصنفین کامیاب کا لقب دے کر آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ عمل حکومت مقرر کر دیتے ہیں۔ از منہ ماضیہ میں بھی یہی ہوا۔ اور اب بھی یہ ہی ہو رہا ہے۔ گزری ہوئی باتوں کو تو گزرے ہوئے لوگ جانیں، آجکل جو یورپ اور اُس کی تقلید میں ساری دُنیا میں ہو رہا ہے وُہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور ہم نے جو اُوپر لکھا ہے اُس کی تائید حرف بحرف روزانہ ہو رہی ہے۔ اِن ہی یُونانی تخیلات کے زیر اثر اور اپنے مفاد کے مدنظر حکومتِ سقیفہ نے بھی یہ ہی روش اختیار کی۔ اور مسلمانوں نے اور یورپین مورخین و مصنفین نے اُن حُکّام کو اعظم کا لقب دیا اور اُن کی سیاست کو کامیاب سیاست سمجھا گیا۔ خود ہی حضرت عثمان کو قتل کروایا، خود ہی اُن کے خُون کے دعویدار بن گئے۔ اور جب شکست کو نظروں کے سامنے دیکھا تو نیزوں پر قرآن چڑھا کر شکست کو روک دیا۔ اور رشوت سے اپنے حریف کے افواج اور سرداران کو اپنی طرف کر لیا۔ اور اِن تدابیر سے فتح حاصل کر لی۔ زہر اور روپیہ سے اپنے مخالفین کو ہٹاتے رہے یہ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کا حریف اِن باتوں سے بالاتر تھا لہٰذا بادشاہ بن گئے۔ مسلمانوں نے فوراً خلیفۃ المسلمین کہہ کر لبیک کہا اور اب حضرت و رضی اللہ عنہ کے القاب سے ملقب ہو کر جنّت کے دعوے دار بن گئے۔ کہ شاید بھولا بھالا خدا ہمارے جُل میں آ جائے۔ یورپ والوں نے اپنی ہی سیاست کا رنگ۔ اِس میں دیکھ کر اِس سیاست کو کامیاب سیاست ٹھہرایا۔ مُسلمانوں نے زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے زمین و آسمان ایک کر دئیے اور سمجھے کہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا۔ لیکن اسلام کہتا ہے کہ معاملہ تو اب شروع ہوا ہے ختم تو کہیں اور ہی جا کر ہو گا ؎

امامت یعنی حکومتِ اِسلامیہ کو حکومت یُونانیہ میں تبدیل کرنا تو منجملہ دیگر تدابیر کے صرف ایک تدبیر تھی جن کے ذریعہ سے حکومت اسلامیہ کو خاندانِ نبوّت میں سے نکالنا مقصود تھا۔ اس نے اِسلام میں بہت بُرائیاں پیدا کر دیں جن میں سے ایک یہ بُرائی تھی کہ اُن قدرات کو جن سے اسلام میں شخصیتوں کے مدارج مقرر کئے جاتے ہیں بالکل بدل دیا۔ اور آیہ وافی ہدایہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی مخالفت

کر کے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اِس انقلاب نے پھر دولت کو تقویٰ پر ترجیح دے کر مسلمانوں کا رُخ اُسی طرف کر دیا جس طرف کا فرانہ دُنیا جا رہی تھی اور جس کے بدلنے کے لئے اسلام آیا تھا۔ دُنیاوی وجاہت و حکومت میں وہی جاذبیت از سرِ نو پیدا کر دی جو دُنیا میں ظُلم کی بناء تھی۔ بلکہ مزید برآں یہ کہ اُس پر اسلام کی مُہر بھی لگا دی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمان دُنیاوی وجاہت ہی کو اپنا مقصدِ حیات اور اس حیات کا منتہائی ابلاغ سمجھنے لگے۔ علّامہ عنایت اللہ مشرقی نے اِس مقصدِ حیات کو بہت تفصیل سے اپنے تذکرہ کے مقدّمہ میں بیان کیا ہے۔ اور اس دُنیاوی وجاہت و عروج ہی کو اصلی اسلام قرار دیا ہے۔

عیسائی مورخین و مصنّفین تو اسلام کو بدترین شکل میں پیش کرنے کے لئے تیّار بیٹھے تھے یہ اچھا موقعہ ہاتھ لگا۔ اپنی حکومت و سیاست کے اصول کی بناء پر جن کو مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے اسلام میں داخل کر لیا تھا اعلان کر دیا کہ علی کی سیاست ناکامیاب تھی اور حسینؑ کا قتل ہونا جائز تھا کیونکہ اُنہوں نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ یہ وہ ہستیاں ایسی تھیں جو اسلام کی فتح، نشو و نما اور ترقّی کا باعث تھیں۔ ان کو بدنام کرنا مسیحیّت کی نمایاں فتح تھی۔ اور جب خود مسلمانوں کی طرف سے اس کو اُٹھایا جائے تو اُنھوں نے اس کو مقدّس ماں، باپ اور بیٹے کی صریح امداد تصوّر کر کے خوب اس سے فائدہ اُٹھایا۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ کسی تحریک کی کامیابی اور ناکامیابی کا انحصار اُس کے مقصد کے حصول یا فقدان پر ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ جناب امیر علیہ السلام کی سیاست کا مقصد کیا تھا۔ اُن کا مقصد عربوں کو دولت و ثروت و اراضیات تک پہنچانا نہ تھا۔ اُن کا مقصد مسلمانوں کی دِل میں اسلام کی تعلیم کو راسخ کرنا تھا۔ تاکہ اُس کے بعد اگر دولت ملے تو اُس کا صحیح استعمال کر سکیں اور اگر حکومت ملے تو ظُلم کا قلع قمع کر سکیں اِس مقصد کے حصول میں جہاں تک واقعات نے مدد دی اُن کی سیاست بالکل کامیاب تھی۔ اِس کا تذکرہ ہماری کتاب البلاغ المبین حصّہ اوّل و دوم میں دیکھو۔ یہاں

اُس کا دوہرانا مطلوب نہیں۔ معاویہ (اگر چاہتے ہو تو حضرت و رضی اللہ عنہ کہدو) کی سیاست کا مقصد اخلاقیات اور اسلام کو نظر انداز کر کے حکومت حاصل کرنا تھا۔ وُہ بھی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت علی بروئے اِسلام اور جناب معاویہ بروئے فلسفۂ یُونان کامیاب رہے۔ اِس طرح فلسفۂ اسلام اور فلسفۂ یُونان کا فرق اور نیز امامت اِسلامیہ اور حکومت یُونانیہ کا امتیاز بھی بہت اچھی طرح نمایاں ہو گیا۔ اگر حضرت علی کی روش و روِیہ و سیاست کے مطابق حکومت حاصل ہوتی تو وُہ دیرپا ہوتی۔ اور آج کو ساری دُنیا بجائے عیسائی ہونے کے مُسلمان ہوتی۔ جناب معاویہ کی طرزِ سیاست سے جو حکومت مُسلمانوں کو حاصل ہوئی وُہ دولتِ مُستعجل تھی۔ اور اُس نے اِسلام کو بالکل مسخ و برباد کر دیا۔ آج مُسلمان گداگروں کی صُورت میں نظر آ رہے ہیں۔ یہ اُس ہی کی برکت ہے۔

جہادِ رسُولؐ اور فتُوحاتِ خلافت

حکومت رومانوی یُونانیہ میں ہمسایہ ممالک پر لشکر کشی اور فتح یابی کو بڑی اہمیّت دی گئی ہے۔ اور صرف اُس بادشاہ کو اعظم کا لقب دیا جاتا ہے جو اس مُلکی لُوٹ مار میں مشّاق ہوتا ہے۔ سکندر اعظم، نپولین اعظم، وغیرہ وغیرہ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ لقب ہٹلر کو بھی مِل جائے گا لیکن ابھی تو اُس کی فتوحات کی کڑواہٹ اِن کے مُنہ سے نہیں نکلی۔ اور ہٹلر اور اس لقب کے درمیان قومیّت بھی حائل ہے۔ سکندر نے تو ایشیائی بادشاہوں کو مارا لہٰذا اعظم ہونا ہی تھا۔ اور ہٹلر کی فتوحات اگرچہ اُس سے بہت زیادہ ہیں لیکن چُونکہ ڈنکرک کی یاد اور فرانسیسی سدِ آہنی کی شکست اور موسکو کی چڑھائیاں ابھی حافظہ میں محفوظ ہیں اور اکثریّت اُس کے شکست خوردہ قوموں کی ہے لہٰذا اُس کو اعظم کہنے میں اپنی پستی نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن اسلام کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ اِسلام میں سب سے بڑا گُناہ ظُلم ہے۔ شرک کو بھی ظُلم عظیم کہا گیا ہے۔ اور یہ ظُلم افراد پر بھی ایسا ہی ممنوع ہے جیسا کہ اقوام پر

بنی نوع انسان کی تاریخ میں بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ہمسایہ قوموں کو کمزور دیکھ کر اُن بادشاہوں کے مُنہ میں پانی بھر آیا ہے جن کی آنکھوں سے خُدا اور مَوت پنہاں تھے۔ اور کبھی اُن کمزور مُلکوں کی زرخیزی، کبھی اُن کی دولت، کبھی اُن کے عیش کی فراوانی اور کچھ نہیں تو اپنے مُلک کی حدود اراضی کی توسیع ان خودغرض و ظالم بادشاہوں کی فوج کشی اور فتوحات کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ لیکن ظُلم آخر کار خود ظالم کی گردن میں پھندا بن کر اُس کی مَوت کا باعث ہو جاتا ہے۔ تاریخ عالم پر غور کرو تو یہ بات نہایت صریح نمایاں ہو گی۔ اور Mr. Toynbee نے اسکو اپنی Study of History میں بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ اور ہم نے بھی اِس کتاب کے حصہ اوّل میں اِس پر کافی بحث کی ہے +

خلافت صدر اوّل کی پیہم لشکر کشی اور متواتر حملہ آوری کو دیکھ کر دُنیا نے نتیجہ نکالا کہ یہ ہی وُہ جہاد تھا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور جس کا مقصد تبلیغ و اشاعت اِسلام تھا کیونکہ بظاہر لوگوں کو ان لڑائیوں کی کوئی معقول وجہ نظر نہ آئی۔ ایران و شام کی طرف سے کوئی وجہ مخاصمت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اِسلامی جہاد کے متعلّق غیر مُسلم اقوام نے ایسے غلط نظرئیے قائم کر لئے کہ اُنہیں جہاد اور لُوٹ مار میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ اُن کے دِل میں اِسلام کی نفرت راسخ ہو گئی جس سے فائدہ اُٹھا کر عیسائی پادری و مورخین نہایت آسانی سے اِسلام کو بدنام کر سکے۔ یہ نفرت اب تک قائم ہے اور ہر طرح سے اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ عیسائی دُنیا اُن یہودیوں کے تو ساتھ ہو جائے جو حضرت عیسٰےؑ کے خُون کے پیاسے تھے اور ان کو اتنا ستایا تھا کہ عیسائی دُنیا آج تک یہ کہتی ہے کہ محض یہودیوں کی دُشمنی اور سازش نے حضرت عیسٰیؑ کو صلیب پر چڑھا یا۔ لیکن مسلمانوں کے ہمیشہ مخالف ہی رہیں۔ وُہ ہی پُرانی دُشمنی اس کی وجہ نہیں تو اور کیا ہے۔ جو شخص دُنیا کے سامنے صحیح اسلام پیش کرنا چاہتا ہے اُس کا فرض ہے کہ سوالات مندرجۂ ذیل کا صحیح و مفصّل جواب دے :-

(۱) اِسلام میں جہاد کِس کو کہتے ہیں اور اُس کی شرائط کیا ہیں +

۲۔ قرآن شریف کی آیت جہاد اور آیت لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی آپس میں مطابقت کیونکہ وُہ ایک دُوسرے کی ناسخ و منسوخ نہیں ہیں ۔
۳۔ جناب رسول خُدا کے جہاد اور خلافتِ صدر اوّل کی لڑائیوں کا فرق ۔
۴۔ خلافت صدر اوّل کی لشکر کشی و حملہ آوری کا باعث کیا تھا۔ اِسلام کی محبّت یا سیاسی حکمت ؟
۵۔ تاریخ عالم میں فتوحات و لشکر کشی کا درجہ اور اس کے مضر نتائج ۔
۶۔ خلافتِ صدر اوّل کی فتوحات سے اِسلام کو فائدہ پہنچا یا نقصان ۔
۷۔ جناب رسولِ خدا نے اشاعتِ اسلام کے لئے کیا تجویز کی تھی۔ وُہ مقصد حضرت علی کے تبلیغی خطبوں اور نصائح سے پُورا ہوتا تھا جن میں سے بہت کچھ نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں یا حضرت عمر کی روما نوی تلوار سے ؟

ہم نے اِن سوالات کے جوابات شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب البلاغ المبین حصّہ اوّل طبع ثانی ص ۹۲۳ لغایت ۹۳۹ اور البلاغ المبین حصّہ دوم طبع ثانی ۵۹۵ لغایت ۶۲۸ میں دئے ہیں۔ ناظرین کو چاہئے کہ اوّل اِس مضمون کو ہماری اِن دونوں کتابوں میں پڑھ لیں پھر آگے چلیں۔ اِس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔ کہ مسلمان عربوں نے باہر جا کر کیا پایا اور کیا کھویا۔ اِس سلسلہ میں اُن عربوں کی اُس دماغی، ذہنی اور مذہبی حالت کو معلوم کرنا چاہئے جو اُس وقت تھی کہ جب وُہ اِس گھبراہٹ کے ساتھ باہر بھیجے گئے تھے۔ یعنی مدینہ سے نکالے گئے تھے۔ اس کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے اِن لوگوں کی کیا حالت تھی جس میں انہوں نے پرورش پائی تھی اور جس کا اثر اُن پر ہمیشہ باقی رہا۔ اِس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ پہلے صفحات میں بیان کر دیا ہے اِسلام سے پہلے عربوں کی حالت میں عناصر عصبیت، مفاخرت، خود نمائی جس کو حُریت سے تعبیر کیا جاتا ہے، شوق عظمت، باہمی آویزش، تعدد ازدواج اور تخیل خدائیگانِ خود بہت نمایاں تھے۔ عربوں کے یہ خصائل اُن کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئے تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ

ہوا کہ جس سُرعت کے ساتھ اُنہوں نے عروج حاصل کیا تھا اُس ہی سُرعت کے سا
قعرِ مذلت میں گر گئے۔ قصہ طویل ہے۔ دردناک ہے لیکن عبرت آموز ہے۔

یہ بھی ہم معلوم کر آئے ہیں کہ عرب میں دُنیا کی تمام تہذیبیں موجود تھیں اور عرب اقوام اُن کے تخیلات و تصورات سے اچھی طرح متاثر تھیں۔ بنی نوع انسان کا اقوام میں تقسیم ہونا تہذیب کی ابتداء تھی۔ قانونِ طاقت جس میں ظلم مضمر تھا تہذیب سے پہلے بھی تھا اور تہذیب کے آنے کے بعد بھی رہا اور اب بھی ہے۔ تہذیب سے پہلے یہ قانون افراد میں جاری تھا۔ تہذیب شروع ہونے کے بعد یہ قانون اقوام پر بھی حاوی ہونے لگا۔ اِس قانون کی بناء خود غرضی ہے۔ طاقت، خود غرضی اور ظلم یہ ہے انسان کی تاریخ کا خلاصہ۔ جب تہذیب پتھروں میں تھی تب بھی یہ ہی ۲ دو عامل تھے اور اب کہ جب تہذیب اُونچی ہو کر آسمانی گولوں میں آگئی ہے تب بھی یہ ہی ۲ دو عامل ہیں۔ واقعات جو دُنیا میں ہوتے آئے ہیں اور اب ہو رہے ہیں وہ ان ہی ۲ دو عوامل کی تمثیلی تفاصیل ہیں۔ ہمسائیگی تو بڑی اچھی چیز ہوتی ہے۔ اِس سے بہت فائدے ہوتے رہتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو ہوا ہی جو کوچۂ یار سے آتی ہے کیسی جان پرور ہوتی ہے۔ زُلفِ یار کی لپٹیں لے کر آتی ہے لیکن بڑے آدمیوں اور بڑی قوموں کی ہمسائیگی سے خدا بچائے۔ اِس دُنیا ہی میں خدا نے بہت سے جہنم بنا دئے ہیں۔ اُن جہنموں میں سے ایک جہنم یہ ہمسائیگی ہے۔ عرب پر اِس ہمسائیگی نے کیا کیا اثر ڈالے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ دریائے فرات، دریائے نیل اور دریائے سندھ کی تہذیبیں سب عرب پر اثر انداز ہوتی رہیں۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ اِسلام سے قبل عربوں کی ذہنی، عقلی، تمدنی، معیشتی اور معاشرتی حالت کیا تھی۔ اور اُن کی یہ حالت حضرت عیسےٰ سے دو ہزار برس قبل سے چلی آرہی تھی۔ اُن کی یہ حالت اُن کی طبیعت ثانیہ بن کر فطرت میں داخل ہو چکی تھی جب اِسلام اِن عربوں میں آیا۔ ہجرت سے پہلے تو اسلام مغلوبیت کی حالت میں تھا۔ مدینہ کا زمانہ کفر کو مغلوب کرنے میں گزرا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی بوجوہات

چند در چند جن کا ذکر ہم نے البلاغ المبین حصہ دوم کے صفحات ۵۷۹ لغایت ۵۸۵ پر کیا ہے یہ تمام مسلمان باہر بھیج دئیے گئے جہاں انہوں نے اپنی سابقہ زندگی قبل اسلام کا نمونہ دیکھا۔ اِس ہمدم دیرینہ کے ملنے سے باغ باغ ہو گئے اور اب اُس کے ساتھ ہو لئے۔ علامہ مشرقی کے تحقیقات کے نتیجہ کو یہاں نقل کرنا موزون ہوگا۔ وُہ کہتے ہیں:-

اسلام و قرآن نے عربوں کی جبلت و طینت کو نہیں بدلا تھا۔ وُہ عادتیں اور خصلتیں جو ان کی فطرت میں ہزار ہا برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشمِ زدن میں ان سے رخصت ہو کر اپنا نقشِ پا نہ چھوڑتیں، وُہ ملی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے ان کی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے ان کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے۔ قرآن و اسلام کی تعلیم سے عرب اپنی ظاہری عبادات اور مرسومات کو بدل سکتے تھے۔ مگر طبائع کے باطنی رجحان اور اصل طریقِ تخئیل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔ وُہ دراصل اِس مٹی میں رہنے والے ہمزاد لوگ اور قریب قریب اِس آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنہوں نے وادیٔ سینا میں موسیٰؑ کی شریعتِ بیضا کو ہاتھ میں لے کر ان کی غیبت میں اپنی پرانی عادت کے موافق انکار اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی۔

(تذکرہ، مقدمہ ص ۶۷، ۶۸)

اسلام و قرآن نے عربوں کی فطرت کو نہیں بدلا

یہ بھی عیاں ہو چکا ہے کہ عربوں پر یونانی تخئیلات کا اثر ہر طرف سے آیا۔ شام کی طرف سے، یمن کی طرف سے، یہودیت و نصرانیت کے ذریعہ سے۔ تجارتی راستوں سے غرضکہ اگر ہم یہ کہیں کہ عربوں کی تہذیب یونانیوں کے تخئیلات پر مبنی تھی تو غلط نہ ہوگا۔ دیکھئے اِن دونوں کے خداؤں میں کیسی مناسبت بلکہ یگانگت ہے۔ اُس ہی کے زیر اثر اُس حکومت کے کارکنان نے جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد قائم ہو گئی تھی یہ مناسب سمجھا کہ حکومت کا تخئیل یونانی فلسفہ کے مطابق کیا جائے جس میں ہمیں سہولت بھی ہو گی اور لوگوں کے ذہن سے بہت آسانی کے ساتھ امامت کا تخئیل بھی نکل جائیگا۔

لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ ہر امر میں تعلیم یونانی تعلیم اسلامیہ سے بالکل خلاف تھی۔ معیشت انفرادیہ، معیشت اجتماعیہ، امور تمدنیہ اور تہذیبیہ فلسفہ و مذہب ان سب میں ان دونوں تعلیمات میں آپس میں بعد المشرقین تھا۔ یہ بات کہ اہل عرب کا علم یونان کی تاریخ دیونان کی ادبی تحریکات کے متعلق زیادہ مفصّل و صحیح نہ تھا ہمارے کلیہ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارا زیادہ تر موضوع تحریر تو مذہب اور معیشت ہے۔ اور ان امور میں اہل عرب یونان کے قدم بقدم چل رہے تھے۔ طرز معیشت تو دیگر بیرونی واندرونی واقعات پر منحصر ہوتا ہے ہاں اصول معیشت ایک ہی تھے خصوصاً اُس وقت کہ جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ ان باتوں کو دیکھ کر اور اہل عرب کا تتبع یونان معلوم کر کے کارکنان خلافت صدر اوّل شروع ہی سے یہ کوشش کی کہ اپنی حکومت کو یونان و روم کی حکومت کے اصول پر چلائیں +

فتوحات نے لوگوں کے ذہن و شعور پر اتنا قبضہ کر لیا ہے کہ اُن کے مضر اثرات وہ نظر ہی نہیں ڈالتے۔ عربوں کی جبلّی عصبیت نے عرب و موالی کے درمیان اتنی گہری خلیج نفرت اور دشمنی کی حائل کر دی کہ آخرکار وہ عربوں کی تباہی کا باعث ہوئی یہ موالی خاص ان فتوحات کی پیداوار تھے۔ اور دوسرا قابل توجہ امر لونڈی غلاموں کی بہتات ہے۔ فتوحات نے اسلامی ممالک میں موالی اور غیر عربی عناصر کی کثرت کر دی۔ اور عربوں کی عصبیت اور اُن کے غرور نے ان لوگوں کو عربوں کا دشمن بنا دیا۔ اور یہ دشمنی عرب قوم کی ہر حالت کے خلاف ہو گئی۔ یہاں تک کہ عربی زبان بھی تختۂ مشق بن گئی۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ ہماری فارسی زبان کیسی میٹھی ہے۔ عربی زبان کیا ہے۔ گلے کو پھلا پھلا کر غوں غوں کرنا۔ ان کا بولنا ایسا ہوتا ہے جیسے دو کتّوں کا لڑنا۔ یہ بہت خطرناک منزل تھی۔ اس کے آگے قرآن و اسلام ہی پر نکتہ چینی تھی سو وہ بھی ہوئی۔ ان لوگوں نے دم نہیں لیا جب تک عربوں کی حکومت پر ہر گوشہ سے قبضہ نہ کر لیا۔ اُن کی اس کوشش کو ان لاکھوں لونڈیوں اور غلاموں نے

مردی جو ہر مسلمان کے گھر میں سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ مسعودی مورّخ کہتا ہے کہ زبیر بن العوام کے گھر میں ایک ہزار غلام اور ایک ہزار لونڈیاں تھیں۔ معمولی گھر میں بھی ایک ایک سو سے کم نہیں ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے ہر مسلمان گھر کو اپنی اپنی قومیت کے گھر میں تبدیل کر دیا۔ اگر ان امور پر تفصیلات معلوم کرنی ہوں تو احمد امین کی فجر الاسلام ص ۸۴ تا ۹۷، ۱۷۲، ۱۸۰، ۲۳۴، ۸، ۷۴، ۷۸، ۸۰، ۹۰، ۱۸۱، ۸۹، ۹۵، ۱۵۳، ۱۷۴، ۱۸۳، ۸۸، اور ۹۱ ملاحظہ ہوں۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجے نکلے:۔

۱۔ اسلام میں حکومت کا تخیّل نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کے امور کا ضبط و نظم و نسق ہونا ضرور تھا۔ اور اس کے لئے ایک مرکز کی ضرورت ہے تاکہ افراتفری نہ پڑے۔ اس ضبط و نظم و مرکزیت کا نام امامت ہے۔

۲۔ اس ضبط و نظم میں قیام و دوام اسلام ہی مقصد ہوتا ہے۔ یہ ہی امامت کا مابہ الامتیاز اور اُس کا مقصد ہے۔

۳۔ لہٰذا جو شخص یا جماعت اِس مقصد کے خلاف ہے اور اُس کے افعال و اقوال سے آنحضرتؐ کے اِسلام کو نقصان پہنچتا ہے یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو در اصل وُہ ہی شخص باغی ہے اور اُن تمام سزاؤں کا مستوجب ہے جو بقولِ رسولِ مقبولؐ اور بفرمانِ عقلِ سلیم بغاوت اور باغیوں کے لئے اِسلام میں مقرّر ہیں۔ اور یہ بہت بڑا فرق ہے امامت اسلامیہ اور حکومت رومانیہ یونانیہ میں۔ اِس کو ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیئے۔ جمل و صفین کے معرکات میں بھی۔ کربلا و فخ کے جنگوں میں بھی اور ان تمام لڑائیوں میں بھی جن کے متعلق مولوی شبلی کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کی "بغاوتوں" نے خلفاء بنی عباس کو بہت مجبور کر دیا تھا۔ باغی کون تھا؟ وُہ شاہانِ وقت جنہوں نے اِسلام سے بغاوت کی تھی یا وُہ بنو ہاشم جو ان کو اسلام کی طرف لانا چاہتے تھے۔ مولوی شبلی حکومت یونانیہ رومانوی کی طرف گئے۔ اور ہم امامت اسلامیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ ہی وُہ نکتہ ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے

فرنگی مورخین و محققین نے امامت اسلامیہ کو اپنی حکومت رومانیہ کے معیار سے ناپ کر بہت غلط نتیجے نکالے ہیں اور غلط نظریات قائم کئے ہیں جن کو مسلمان مورخین محققین نے خصوصاً ابن خلدون اور اس کے بعد کے مصنفین نے جو کہ اُن حکام سلف کے پیرو تھے جنہوں نے عمداً اور محض اپنی اغراض دُنیاویہ کے لئے امامت اسلامیہ کو حکومت رومانویہ یونانیہ میں تبدیل کر دیا بہت شہرت دی اور ان غلط نظریات کو ساری دُنیا میں رائج کر دیا۔ لیکن حق اور عقل سلیم کبھی تعداد سے مرعوب نہیں ہوتے ؏

۴۔ مُسلمانوں کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار و حکومت اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہے جن کو لوگوں نے خود حکومت کی مسند پر بٹھایا ہے۔ یا جو خود اپنی کسی نہ کسی تدبیر سے حکمرانی تک پہنچ گئے ہیں۔ تو اگر وہ حاکم بظاہر اپنے فرائض بخیر و خوبی ادا کر رہا ہے اور لوگوں کو صراط مستقیم پر چلا رہا ہے۔ بظاہر بُرائی کی طرف مائل نہیں ہے اور نہ رعایا کو بُرائی کی طرف لے جاتا ہے لوگوں کا فرض ہے کہ اُس کی اطاعت کریں۔ کیونکہ نافرمانی سے فتنہ پیدا ہوتا ہے آئے دن کے سٹرائک اور گاندھی جی کی تعلیم سول نافرمانی سب اسلام کے خلاف ہیں۔ اور اگر حکمران بظاہر اہل بدی میں سے ہے اور اپنے فرائض نہیں کرتا تو سٹرائک اور سول نافرمانی تو فتنہ پیدا کرتی ہیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ خود اُس حاکم کو مسندِ حکومت پر سے اُتار دیں۔ اور اگر اس میں لڑائی ہو گی تو وہ فتنہ نہ کہلایا جائیگا بلکہ ایک فرض عامہ کی ادائیگی ہو گی۔ یہ بات کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ حاکم اپنے فرائض ادا کر رہا ہے یا نہیں تو یہ بہت معمولی بات ہے صاحبان حل وعقد اور فہم و ذکاء کو یہ بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ ہاں اِس میں خود غرضی اور نامناسب جانبداری نہ ہونی چاہیئے۔ اِس ہی وجہ سے صحیح اسلام میں امام منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے۔ اور پھر وہ ہر شبہ و خود غرضی کے لوازمات سے بالاتر ہو گا ؏

یہ اکثر سننے میں آتا ہے کہ آجکل امام منصوص من اللہ کیونکر معلوم ہوگا یہ ناممکن ہے۔ ور ناممکن کا کیا ذکر۔ اب تو جس طرح چل رہا ہے چلنے دو۔ اِس کا جواب ہم ایک مثال سے دیتے ہیں۔ ایک شخص کو نزلہ ہُوا۔ علاج نہ کیا۔ بد پرہیزی کی۔ نزلہ چھاتی پر گرا کسی حکیم سے مشورہ نہ کیا۔ سِل و دق میں وُہ تبدیل ہُوا۔ ابتدائی مراحل میں اُن سے بھی لاپرواہی برتی۔ جب تیسرے درجہ میں بیماری پہنچ گئی اور دونوں پھیپھڑے گل گئے تو علاج کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جب مریض مر گیا تو کہنے لگے کہ طب کا ہُنر ہی بے معنی ہے۔ لغو ہے۔ بیفائدہ ہے۔ عقیدۂ امامِ منصوص من اللہ کو اس طرح تو نہیں جھٹلا سکتے کہدیا کہ لاؤ امام منصوص من اللہ کہاں سے لاتے ہو۔ ہمارے پاس کوئی امامت کا بُغچہ تو نہیں ہے کہ اُس میں سے ہاتھ ڈال کر امام نکال لیں۔ تیرہ[13] صد برس کی غلطی کا ازالہ اِس طرح تو نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم سے کہتے ہو تو ہم کہیں گے کہ اب تو یہ ہی ہو سکتا ہے کہ صاحبان حل وعقد جن میں اتقاء کا عنصر غالب اور خود غرضی و جانبداری کا عنصر معدوم ہو جمع ہوں۔ اور سب سے زیادہ مُتقی اور اہل آدمی کو منتخب کر لیں لیکن تُم تو امامت کی سند لنڈن سے حاصل کرتے ہو اِس کو کیونکر مانو گے ؎

۵۔ امام و ماموم کے ان فرائض سے نتیجہ نکلا کہ رسول کی طرح امام بھی معصوم اور منزہ عن الخطا ہونا چاہیئے۔ ورنہ یہ آیت قرآنی اطاعت مطلقہ کا فرض قائم کر کے امام (اولوالامر) کے جرم وخطا والے احکام کی متابعت کرانے والی ہوئی جو کہ صریحاً ناممکن ہے ؎

۶۔ ایسا امام خدا خود پیدا کرتا ہے۔ اور امامت کے لئے پیدا کرتا ہے۔ ہر ایک شخص معصوم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا امام کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہُوا۔ لوگ اپنی رائے سے جو کم علمی اور خواہشات نفس پر مبنی ہوتی ہے ایسا امام منتخب نہیں کر سکتے ؎

۷۔ ظاہر ہے کہ اِسلام میں جمہوریت نہیں ہے ؎

جناب رسولِ خدا نے شروع ہی سے اطلاع دیدی تھی کہ یہ اسلام دُنیا کا آخری

مذہب ہے اور میں دُنیا کا آخری پیغمبر ہوں۔ یعنی اگرچہ اسلام ابتدائی آفرینشِ عالم سے ہے لیکن انبیاء حالات کے مطابق آتے رہے اور اس دین کو حالات کے مطابق تلقین کرتے رہے۔ میں جو صورت اسلام کی بتاتا ہوں وہ آخری صورت ہے اور میں آخری نبی ہوں لہذا اسلام کا استحکام، استقلال اور قیام دوامی امامت کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور جناب رسولِ خدا نے ابتداء ہی سے اپنی نبوّت کے ساتھ ساتھ اس مرکزیت یا امامت کا انتظام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور آخر کار بمقام غدیر خم بحکم خداوندی اس کا اعلان ساری اُمّت کے سامنے کر دیا۔ اور قطعی الفاظ میں فرما دیا کہ مَن کُنتُ مَولاہ فہذا علی مَولاہ ہم نے اِس قیام مرکزیت کو جو امامتِ علی کا دُوسرا نام تھا بہت تفصیل سے اپنی دو ضخیم کتابوں یعنی البلاغ المبین حصّہ اوّل و دوم میں ثابت کر دیا ہے۔

علیؑ کے خلاف ایک جماعت تو پہلے سے ہی تھی، اِس اعلان سے اُس میں کھلبلی مچ گئی۔ اور اس کی سازشوں میں مزید تیزی ہو گئی۔ اب یہاں سے مسلمانوں کی تاریخ اس جماعتِ مخالفین کی سازشوں اور اُن کے نتائج کی داستان ہے۔

پوپ کے طرزِ عمل کا اثر خلافتِ صدرِ اوّل پر

حکومتِ رومانوی کے تتبع نے جو اثر خلافتِ صدرِ اوّل پر ڈالا وہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور جس طرح پوپ نے جس میں حُبّ دُنیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی مذہب کے نام پر اور اُس کی بناء پر اقتدار و غلبۂ حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی وُہ اب بیان کرتے ہیں۔

پاپائے روم نے دعویٰ کیا کہ حضرت عیسےٰؑ کے بڑے حواری پیٹر کی قبر روم میں ہے۔ اور اپنے عہدہ کا شجرہ کرسی بہ کرسی اُس مقدس ہستی سے ملانا چاہا۔ اور کہنا شروع کیا کہ پہلے پوپ پیٹر تھے مسیحیت اگرچہ غربت میں شروع ہوئی لیکن بوجوہات چند در چند جن کا ذکر ہم نے فلسفۂ اسلام حصّہ اوّل میں ذرا تفصیل سے کیا ہے بہت جلد اُس مرتے ہوئے کُفر کے خلاف غلبہ حاصل کر لیا۔ چونکہ مذاہب

کفر کے بہت سے اصول و رسوم مسیحیت نے اپنے میں لے لئے تھے لہٰذا بہت جلد اس مذہب مسیحیت کو اُن مذاہب کے خلاف رسوخ و اقتدار حاصل ہو گیا۔ یہاں تک کہ بہت سے شاہان روم چاہتے تھے کہ یہ طاقتور جماعت ہمارے ساتھ ہو جائے۔ اِدھر پوپ کی بھی یہ کوشش تھی کہ جو جذب و شہرت، ہر دلعزیزی اور عظمت رومن نام کے ساتھ وابستہ ہے وہ بھی اس میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ اُس زمانہ کے یورپ میں دو مقتدر و عظمت و کرامت والی جماعتیں تھیں۔ سب سے پہلا عیسائی شاہ روم کونسٹینٹائن (Constantine ۳۰۶ء لغایت ۳۳۷ء) تھا۔ اُس نے جیسا کہ عیسائی مورخین کا خیال ہے مسیحیت کو دل سے نہیں بلکہ دُنیاوی فائدے کی غرض سے اختیار کیا تھا۔ مسیحیت کی اِتنی طاقت تھی کہ بغیر اُس کی مدد کے شاہ روم کو بہت مشکلات پیش آ رہی تھیں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اُس زمانہ تک حکومت و مذہب کا اتحاد و امتزاج ایک قابل منفعت امر سمجھا جاتا تھا۔ ابھی تک فلسفہ کی باریک بینیوں اور تجربہ کی غلط بینیوں نے امتزاجِ حکومت و مذہب کے بزعم خود نقصان وہ خرابیوں کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں دلائی تھی۔ عہد نامہ عتیق اور نغمہ ہائے داؤد کے مطالعہ سے اُن کی تعلیم کا اندازہ ہوتا ہے کہ قومیت کی بناء مذہب کے اتحاد پر ہونی چاہیئے۔

پوپ نے رومن نام کی جاذبیت اور اُس کے اثر کو دیکھ کر اپنے تئیں اُس سے وابستہ کر لیا۔ اُس زمانہ میں بھی کہ جب نہ تو رومن ایمپائر میں شکت اور نہ اُس کی روش میں اقتدار تھا رومن نام میں بڑی جاذبیت تھی۔ کوئی شے یا نظریہ یا جماعت قابل توجہ نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک اُس کے نام کے ساتھ رومن لفظ نہ ہو یہ بات رومن ایمپائر کو اُس کی پہلی عظمت کی وجہ سے حاصل تھی جس میں امتداد زمانہ کی مدد تھی۔ اور یہ عظمت اُس کو ظلم و تعدی و زبردستی سے حاصل ہوئی تھی جس کو رومن بادشاہوں نے تمام صوبہ کے رعایا کو حقوق و مراعات دے کر اُن کے دلوں میں جاگزین کر دیا تھا۔ کوئی شخص اپنے تئیں مہذب اِنسان نہیں سمجھتا تھا جب تک اس کو رومن شہری کا خطاب نہ مل جائے۔ یہ بات اکثر تاریخ میں پائی جاتی ہے۔ خلافت اسلامیہ کو حرے

ہوئے بہت عرصہ ہوگیا تھا لیکن پھر بھی اُس کے نام کا اتنا اثر تھا کہ محمود غزنوی باوجود اپنی فتوحات کے اُس کے خطاب کو قابل رشک سمجھتا تھا۔ سلطنت مُغلیہ شروع اُنیسویں صدی میں کیا تھی لیکن پھر بھی اُس کا نام بہت عظمت رکھتا تھا۔ انگریز ہندوستان و پاکستان سے چلے گئے لیکن اُن کا اثر اب بھی لوگوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے کے لئے بہت ہے۔ ٹرک کچھ بھی نہیں رہا لیکن پھر بھی یورپ کی دایہ بچّوں کو ٹرک کے نام سے ڈرایا کرتی ہے۔

جب وحشی اقوام کا حملہ رومن ایمپائر پر شروع ہوا اور پوپ نے دیکھا کہ اب یہ بڑھتی ہوئی طاقت ہے تو اُس سے مل گیا۔ اور جب ۴۷۶ء میں ODACER نے مغربی رومن ایمپائر کا خاتمہ کیا تو اُس نے بھی رومن نام کی عزّت کی۔ اور اب اس طرح پوری رومن ایمپائر اور پوری چرچ کا اتحاد ہوگیا۔ یہ ہی دو متوازی طاقتیں مسیحیت کے اتحاد کی ضامن تھیں جب فرینک قوم نے روم پر قبضہ کیا تو فاتح شارلمین نے روم میں آن کر اپنا تاج پوپ کے ہاتھ سے عطیہ کے طور پر لیا۔ یہ ۸۰۰ء کا واقعہ ہے۔ اور وُہ ہی رومن ایمپائر اس اتحاد کی وجہ سے اب ہولی رومن ایمپائر کہلانے لگی۔ ہم نے درمیانی مراحل جن میں پوپ نے دیگر ممالک کے بادشاہوں سے تنازعہ کیا اور آخر کار اُن کو مغلوب کر لیا چھوڑ دیئے ہیں۔ اور نیز ان پاپائے روم کے چال وچلن وروش و ہوس مُلک گیری کے بیان کو اپنے اس مضمون کے لئے ضروری نہیں سمجھا۔

ہمارا مدّعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسی طرح خلافتِ صدرِ اوّل کے کارکنان نے خلافت کے نام اور جناب پیغمبر اسلام کی نسبت سے دُنیاوی جاہ وحشم حاصل کیا۔ اور اُن کے اس خیال کے پیدا ہونے اور درجہ بدرجہ کامیابی تک ترقی کرنے میں پاپائے روم کی نظیر سامنے تھی ہو نہ ہو انہوں نے اپنی حکومت کو اُسی طرح چلایا۔

یہ تھے وُہ امور جن کے ذریعہ سے ارکین خلافتِ صدرِ اوّل نے لوگوں کے دلوں میں سے امامت کے خیالات کو محو کر کے اپنی حکومت کو یونانی فلسفۂ حکمت کے مطابق کامیاب حکومت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ عرب فطرت ہمیشہ سے روبیۂ عزّت کی

حریص رہی ہے انعامات اور ان تخیلات کے ذریعہ سے لوگوں میں خیال پھیلایا کہ ہم کامران و کامیاب حکمران ہیں۔ عربوں کے نزدیک اُس سے زیادہ کون کامیاب ہوسکتا ہے جو اتنی غنائم و فتوحات حاصل کریں لہٰذا انہوں نے بھی یہ ہی نعرہ لگایا کہ انکی حکومت کامیاب ہے اہل یورپ تو شروع ہی سے یونانی فلسفہ کے دلدادہ تھے ان کے کاموں کو اُس فلسفہ کے مطابق پایا اور کہا کہ ہاں واقعی وُہ کامیاب حکمران تھے یہ کسی نے نہ دیکھا کہ اسلام کے فقہ و فلسفہ کے مطابق کامیابی کس کو کہتے ہیں اور آیا یہ بزرگوار اُس معیار سے بھی کامیاب تھے یا نہیں۔ اور اب تو امتداد زمانہ نے اور حق کے اُوپر مٹی ڈال دی ۔ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بُلبُل چہ گفت و گُل چہ شنید و صبا چہ کرد

یہ شعر کتنا حسب حال ہے اگر بُلبُل کی جگہ آنحضرتؐ کو، گُل کی جگہ اُمّت کو اور صبا کی جگہ ان بزرگوارانِ خلافت کو تصوّر کریں۔

یہ ہوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا حشر، حسبُنا کتاب اللہ کہنے والوں نے کس خوبصورتی سے کتاب اللہ کو درمیان سے نکالا ہے یہ تاریخ عالم کا حیرت انگیز کارنامہ اور اُستادان فطرت انسانیہ کے لئے بڑا عبرت آموز سبق ہے ÷

یہ تو ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ اب آخری و قطعی فیصلہ میدان حشر میں میزان عدل کے نیچے ہوگا جہاں بغیر سورج کے روشنی اور بغیر انسانی عقل کے عدل کامل ہوگا۔ امور فیصلہ طلب یہ ہوں گے۔

۱۔ کیا فاطمہ بنت رسولؐ اور علی و آل رسولؐ اُس ہی سلوک کے لائق تھے جو سلوک اُمّت نے ہر بہانہ اور ہر عُذر سے اُن کے ساتھ کیا ÷

۲۔ اگر نہیں، تو اِس سلوک کا کون کون ذمّہ دار ہے ÷

کتاب التحریف

باب ششم

تحریف کی ضرورت کیوں ہوئی

حاصل شدہ حکومت کو قائم رکھنے کے لئے تحریف کی ضرورت ہوئی

جس حکومت کی بناء تفریق پر رکھی گئی تھی اُس کو مُستقل و مُستحکم بنانے کے لئے تحریف کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ اس حکومت کی وجہ ہست و بود مذہب تھا لہٰذا حکومت پر قبضہ مُستقل و مستحکم نہیں ہو سکتا تھا جب تک مذہب پر بھی قبضہ نہ ہو جائے اور مذہب میں مداخلت بے جا تحریف ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی تھی۔ تحریف سے ہمارا یہاں یہ مطلب ہے کہ اسلام کے بُنیادی اصول و قواعد کے بجائے ایسے اصول قائم کرنا جو انہیں حکومت کے قائم رکھنے اور جناب رسولؐ خدا کے ارشادات کی مخالفت کرنے میں مدد دیں اور جو ان میں سے نہ بدلے جا سکیں اُن کی غلط تاویل اپنی عقل سے کر دیں۔

ساڑھے تیرہ صدیوں کے فاصلہ سے ہم اُن مُشکلات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے جو جماعت مخالفین کو جناب رسولؐ خدا کے مقرّر کردہ نظام کو درہم برہم کرنے میں پیش آئیں۔ جو حکومت اُنہوں نے ایک ایسے عمل سے جس کو فرانسیسی زبان میں COUP D'ETAT کہتے ہیں حاصل کر لی تھی اُس کو قائم رکھنا اور اُس کو مُستقل بنانا اس سے بھی زیادہ مُشکل و اہم تھا۔ حُکّام وقت نے اپنے اِس

مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت سی تدابیر اختیار کیں جن کا ذکر تفصیل سے ہم البلاغ المبین میں کر چکے ہیں۔ سب سے بڑی مشکل اُن کے لئے یہ تھی کہ حکومتِ اسلامیہ حاصل کرنے کے لئے اُنہیں دائرہ اسلام کے اندر رہنا ضروری تھا۔ وہ ایک ایسی حکومت تھی جس کی پیدائش ہی مذہب سے ہوئی تھی، جس کا خمیر مذہب سے تھا اور جس کی طاقت اور آئندہ کی ہستی مذہب اور محض مذہب پر مبنی تھی۔ یہ بھی امر واقعہ تھا کہ شارع اسلام اس حکومت کے لئے ایک مرکز قائم کر چکے تھے۔ اُس کے لئے ائمہ اور حکّام مقرّر کر چکے تھے۔ اس صورتِ حالات نے حکّام سقیفہ کے لئے بہت بڑی مشکل پیدا کر دی تھی۔ اُنہیں دائرہ اسلام کے اندر رہنا بھی ضروری تھا اور حکومت نہیں حاصل ہو سکتی تھی جب تک اُن جاری شدہ احکام رسول کی مخالفت نہ کی جاوے۔ حاکم و والئ حکومت کے مذہب میں رہنا، اُس کے مذہب میں رہنا جس نے یہ حکومت حاصل کی تھی۔ اور پھر اُسی حاکم کے احکام کی نافرمانی کرنا۔ یہ وہ حالت تھی جو عام انسانوں کی ہمّت توڑنے کے لئے کافی تھی۔ یہ معمولی حاکم نہ تھا بلکہ ایسا حاکم و پیغمبر تھا جس کی بے چون و چرا اطاعت کا حکم وہ ہی قرآن دے چکا تھا جس کو اسی جماعت کے سردار نے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہہ کر اپنا ہر ایک مقصد حاصل کیا تھا۔ جس ہوشیاری و عقلمندی کے ساتھ حضرت عمر نے اس مشکل کو حل کیا ہے وہ اُن کا ہی حصّہ تھا اپنی تجاویز کی ابتدا تو حضرت عمر نے اس عقیدہ کے اختراع کرنے سے کی کہ نبوّت اور حکومت دو مختلف شے ہیں۔ آنحضرتؐ کی نبوّت میں حکومت شامل نہیں ہے۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے احکام دو قسم کے ہوئے۔ ایک عہدہ نبوّت کے متعلق اور دوسرے حکومت کے متعلق۔ مقدم الذکر ہمارے لئے قابل اطاعت ہیں۔ موخر الذکر کی اطاعت واجب و لازم نہیں۔ ہماری اپنی خواہش پر مبنی ہے۔ حصولِ حکومت و انتزاع خلافت از علی میں تو یہ عقیدہ

مدد دے سکتا تھا اور دی۔ لیکن چونکہ بطور امر واقعہ آنحضرتؐ کی نبوّت میں حکومت شامل تھی اور ایک دوسرے سے ایسے وابستہ تھے کہ ان کا جدا کرنا ناممکن ہو گیا۔ لہٰذا جب اُن احکام پر غور کیا جو اُن کی رائے میں دائرہ نبوّت سے باہر تھے اور ان احکام کو معلوم کرنا چاہا جو دائرۂ نبوّت کے اندر ہو سکتے تھے تو حضرت عمر اِن دونوں قسم کے احکام کو جدا نہ کر سکے جب اُن احکام کو حکومت کے دائرہ کے اندر رکھنا چاہا تو نبوّت کے لئے کچھ نہ باقی رہا۔ اور جب اُنہیں نبوّت میں داخل کرنے لگے تو حکومت علیحدہ نظر نہ آئی۔ لہٰذا حضرت عمر کی ذہانت و ذکاوت نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ اُن کی سیاست مکمل طور سے اُس وقت ہی کامیاب ہو سکتی ہے کہ جب یہ مذہب یعنی فقہ اسلام پر بھی قبضہ کر لیں۔ انہوں نے اس کی ابتداء زمانۂ رسول ہی سے کر دی اور مذہب کے امور میں مداخلت شروع کر دی تاکہ لوگوں میں اسلام کی تشکیل کرنے والوں میں یہ بھی ایک سمجھے جاویں۔ غور کیجئے کہ جناب رسولؐ خدا کی حیات میں ان کو امور مذہبی میں اپنے قیاس و عقل کے استعمال کی کیا ضرورت تھی۔ ان کی عقل، ان کا قیاس جناب رسولِ خدا کے عقل و قیاس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرتؐ خود ہی امور اسلام کو بہترین طریقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا کی حیات ہی میں یہ تجویز زیر عمل آچکی تھی اور امور مذہب میں مداخلت شروع ہو چکی تھی۔ اور آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد تو فقہ اسلامی حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک موم کا کھلونا بن گیا۔ جب جی چاہا ناک کی جگہ کان لگا دیئے اور کان کی جگہ ٹانگیں لگا دیں اور منہ کو تو بالکل گم ہی کر دیا۔ آخر کار جناب رسولِ خدا کے اسلام کے مقابلہ میں ایک جدید مذہب سیرتِ شیخین کے نام سے ایسا جاری ہوا کہ جس میں شریعت محمدیہ منسوخ ہو گئی اور اس کی جگہ سیرتِ شیخین نے لے لی۔ محمد مصطفےٰ برائے نام پیغمبر اسلام رہ گئے۔ اور اُن کی جگہ

حضرت عمر مقرر کر دئے گئے۔ چونکہ حضرت عمر نبوّتِ حقیقیہ کی رفعتِ شان تک نہیں پہنچ سکتے تھے لہذا انہوں نے نبوّتِ حقیقیہ کی شان کو اتنا گرایا کہ وہ ان کے قد کے برابر آ گئی۔ نبوّتِ اصلی کی شان کے ساتھ ساتھ محمد مصطفےٰ کی قدر و منزلت کا گرنا ضروری تھا چنانچہ وہ گرتی گئی یہاں تک کہ وہ ایک معمولی انسان کے درجہ پر آن کر حضرت عمر کے قد سے نیچے رہ گئے۔ لوگوں کے دلوں میں جنابِ محمد مصطفےٰ کی قدر و منزلت کے گھٹنے اور اس کے مقابلہ میں حضرت عمر کی شان و عظمت کے بڑھنے کا ثبوت اِس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے فرزند ارجمند عبید اللہ بن عمر نے تین آدمیوں کو بغیر وجہ و قصور کے قتل کر ڈالا۔ جرم عیاں تھا۔ حضرت علی نے قصاص میں عبید اللہ کے قتل کا فتویٰ دیا لیکن اُمّت کی اکثریت نے ایک کہرام مچا دیا کہ ہم عبید اللہ کو قتل نہ ہونے دیں گے۔ یہ ہمارے خلیفہ عمر کا لڑکا ہے آخر کار قانونِ قصاص معطّل ہو گیا اور حضرت عثمان نے بطورِ ولی کے خوں بہا ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ بھی فقہ اسلامی کی تحریف کی ایک مثال ہے۔ اُن کو خون معاف کرنے کا کیا حق تھا۔ برعکس اس کے محمد مصطفےٰ کے پیارے نواسے حسینؑ اور اُن کی ذریّت پر جو ظلم و ستم اُمّت اسلامیہ کی اکثریت نے کئے محض اُن کے بیان کرنے سے جو اُن مسلمانوں کے ماتھوں پر کلنک کا ٹیکہ لگتا ہے وہ انہیں دُنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑتا۔ اُس وقت کسی نے یہ نہ کہا کہ یہ ہمارے پیغمبرؐ کا نواسہ ہے ہم اس کو قتل نہ ہونے دیں گے۔ دیکھی آپ نے حضرت عمر کی عظمتِ شان اور جناب محمد مصطفےٰ کی کس مپرسی کی حالت۔ یہ صورتِ حالت اصلی اسلام میں ناممکن تھی۔ یہ اُس ہی مذہب میں جائز ہو سکتی تھی جس کے شارع حضرت عمر تھے۔

---

۴۷ ابن کثیر شامی :۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء السابع ص ۱۴۸، ۱۴۹۔
اُردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد چہارم ص ۱۸۶۔

باب ہفتم (۷)

آئندہ کی تحریف کے اِرادوں کی اِبتدائی علامتیں

اِسلام لانے کے بعد جو معرفت نبوّت اِس جماعتِ مخالفینِ علی اور اُس کے سردار حضرت عمر کو حاصل ہوئی اُس کا درجہ اُن نکتہ چینیوں اور اعتراضوں سے ظاہر ہوتا ہے جو یہ جماعت اور حضرت عمر جناب رسولؐ خدا کے افعال و اقوال و احکامات و حرکات و سکنات پر اُن کی حیات میں وقتاً فوقتاً کرتے رہے۔ اِن نکتہ چینیوں کا ذکر جو آنحضرتؐ کے اُن افعال و احکام پر تھیں جن کا تعلق براہ راست حضرت علی کی خلافت سے تھا ہم کتاب التفریق میں کر چکے ہیں۔ اب ان شرعی احکام کی نکتہ چینیوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا نتیجہ تحریف فقہ اسلامی تھا اور جو کئی اغراض سے کی گئی تھیں۔ منجملہ اُن کے ایک غرض یہ بھی تھی کہ ہم بھی شارع اِسلام کے دوش بدوش نظر آئیں اور جب شارع اِسلام لوگوں میں نہ رہیں تو ہم کو لوگ شارع اِسلام کی بجائے سمجھیں۔ بہر صورت یہ اپنی مذہبی اہمیت کا مظاہرہ ضرور تھا۔ اُن کے اِس مقصد کو مؤرخ تو کیوں بیان کرتا۔ واقعات خود چغلی کھا رہے ہیں اور اس کی طرف اشارہ ہم مولوی شبلی کی عبارت میں بھی پاتے ہیں۔ الفاروق میں وہ لکھتے ہیں:-

قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں، ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں

الفاروق حصہ دوم صفحہ

ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ اُن کے
برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔

الفاروق حصّہ دوم ص ۲۳۳

آنحضرت نے ایک دفعہ فقہ کا مسئلہ بتا دیا۔ خاموش ہو جانا چاہیئے۔ لیکن
نہیں۔ حضرت عمر کی تسلّی پہلے جواب سے نہ ہوئی۔ اِس پر کچھ اعتراض کیا۔ رسولِ خدا نے
پھر بتایا۔ پھر نکتہ چینی کی۔ رسولِ خدا نے پھر تفصیل کی۔ بار بار کے معنی ہیں
دو سے زیادہ دفعہ۔ جو شخص دوسرے جواب پر رُک جائے اُسے بار بار نہ کہیں گے
دیکھیئے اِس بار بار کی گستاخی سے جس کو آنحضرت کے خلق عظیم نے برداشت
کیا ایک امتیازی صورت حاصل ہو گئی۔ لوگ سمجھنے لگے کہ یہ جرأت حضرت
عمر ہی کر سکتے ہیں۔ صاحب فہم و ذکا ہیں۔ فقہ کی باریکیاں نکالتے ہوں گے
رسولِ خدا کے عزیز ہیں وہ جھڑک کر دور نہیں کرتے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ
حضرت عمر کے بار بار کے دریافت کرنے میں کچھ خوبی نہ تھی بلکہ آنحضرت
اپنے خلق عظیم کی وجہ سے اِس گستاخی کو برداشت کرتے تھے۔ خود مولوی
شبلی کی عبارت سے ظاہر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اِسی جملہ کے بعد مولوی شبلی
مثالاً بیان کرتے ہیں:۔

"کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے، اُنہوں نے
آنحضرت سے اِس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آ گئے اور فرمایا
کہ سورۂ نساء کی اخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے.........
مسائل فقہیہ کے متعلق اُن کو جو کد و کاوش رہتی تھی اُس کا اندازہ
کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہو گی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک
قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید میں
اِس کی تعریف مفصّل مذکور نہیں اِس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ
کہ کلالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمر نے خود آنحضرت سے

چند بار دریافت کیا۔ اس پر تسلی نہ ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی
کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو
جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں
ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے
تو مجھ کو دنیا اور ما فیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت۔ کلالہ۔ ربا۔
چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالہ سے
اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔"

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۲، ۲۳۳)

مولوی شبلی نے یہ عبارت دراصل حضرت عمر کی نکتہ سنجی اور قابلیت حل
مشکلات کی تعریف میں لکھی ہے۔ اس کا عنوان "امامت اور اجتہاد" ہے
مولوی شبلی نے حضرت عمر کی مدح کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے "حضرت
عمر نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت
دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا اس کی نظیر صحابہ کے زمانہ میں کم ملتی
ہے" الفاروق ص۲۰۷ اب ہم ناظرین کی توجہ اس عبارت کے معانی کی طرف
مبذول کراتے ہیں۔

قرآن شریف میں کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے لیکن تفصیل نہیں ہے جس طرح
نماز کی رکعات کی تشریح نہیں ہے۔ ضرور اس کی تشریح و تفصیل کو خداوند تعالیٰ
نے اپنے رسول پر چھوڑا جس طرح کہ نماز کی جزئیات کو آنحضرت پر چھوڑا۔
لیکن باوجود اس کے رسول خدا نے خود نہ بتایا۔ حضرت عمر کو پوچھنا پڑا۔
یہ تو ایک کوتاہی ہوئی۔ آگے چلئے۔ حضرت عمر بار بار پوچھتے ہیں۔ وہ ہیں بہت
نکتہ سنج۔ مشتبہ مسائل کی حقیقت کو فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ آنحضرت بتاتے ہیں
کبھی دفعہ بتاتے ہیں۔ لیکن آنحضرت کا بیان ایسا مبہم و غیر تسلی بخش ہوتا ہے
کہ حضرت عمر کو ہر ایک جواب میں نکتہ چینی کا موقعہ مل جاتا ہے اور ان کی تسلی

نہیں ہوتی اس سے زیادہ کسی پیغمبر کی نا اہلیت کیا ہو گی کہ اُمّت کا ایک ذہین شخص ایک لفظ کی تشریح چاہتا ہے۔ وُہ پیغمبر بتانے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن پُوچھنے والے کی تسلّی نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ نے اپنی ساری قابلیّت صرف کر دی لیکن حضرت عمر کو نہ سمجھا سکے۔ اگر کسی ٹریننگ کالج میں پیوپل ٹیچر اپنی کلاس کو ممتحن کے سامنے موڈل سبق پڑھاتا ہے۔ کلاس میں ایک ذہین لڑکا ہے وُہ کسی لفظ کی بار بار تشریح پُوچھتا ہے۔ پیوپل ٹیچر بتاتا ہے۔ لیکن لڑکے کی تسلّی نہیں ہوتی۔ وُہ اُستاد کے جواب پر کچھ نہ کچھ نکتہ چینی کر کے پھر سوال کر بیٹھتا ہے۔ آخر کار پیوپل ٹیچر کا سارا مبلغِ علم ختم ہو جاتا ہے اور وُہ دق ہو کر شاگرد سے کہتا ہے کہ اب گھر جا کر تم خود کتاب میں سے معنی نکالنا تو اس پیوپل ٹیچر کا ممتحن اس کو سنو میں سے صفر نمبر دے گا۔ یہ نقشہ کھینچا ہے مولوی شبلی نے جناب رسولؐ خدا کی قابلیتِ تعلیم کا اور حضرت عمر کی ذہانت کا۔ یہ جناب رسولؐ خدا کی توہین نہیں تو اور کیا ہے۔ اس میں تو وحی کی بھی توہین شامل ہے۔ یقیناً آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو اِس لفظ کی تشریح میں وُہ ہی بتایا ہو گا جو بذریعہ وحی آپ کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے تعلیم کیا گیا ہو گا۔ لیکن حضرت عمر کی ذہانت کے سامنے وُہ وحی کی تعلیم بھی ہیچ ثابت ہوئی۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت عمر نے بذریعہ تحریر بتوسّط حضرت حفصہ پھر آنحضرتؐ سے اس لفظ کے معنی طلب کئے۔ حضرت عمر بھی پیچھے ہی پڑ گئے تھے۔ اگر آنحضرتؐ نے اِس مکتوب کا جواب نہیں دیا تو یہ تعلیم کی کوتاہی ہوئی اور اگر جواب دیا تو وُہ تسلّی بخش نہ تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ اگر آنحضرتؐ ان تین چیزوں یعنی خلافت، کلالہ اور ربا، کی حقیقت بتا جاتے تو بہت اچھا ہوتا۔ اُس پیغمبر کی غفلت اور لاپروائی کا آپ کتنا درجہ سمجھیں گے جو اپنی تعلیم کے تین نہایت اہم امور اپنی اُمّت کو نہیں بتاتا۔ آپ اُس کیمسٹری کے پروفیسر کی قابلیت کا کیا اندازہ لگائیں گے جو اپنی کلاس کو بھی

نہیں بتاتا کہ ایٹم (A T O M) کس کو کہتے ہیں اور مولیکیول (MOLECULE) کہا ہے دیکھئے حضرت عمر یہ نہیں کہتے کہ جناب رسول خدا نے ان چیزوں کی حقیقت ہمیں بتا دی لیکن ہم نہیں سمجھے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اُن کے متعلق کچھ بتایا ہی نہیں۔ ابھی آپ سُن چکے ہیں کہ کلالہ کے معنی بتانے میں آنحضرتؐ نے کتنا سر کھپایا تھا۔ لیکن حضرت عمر کے نزدیک وہ نہ بتانے کے برابر تھا۔ جو کچھ بتایا گیا۔ وہ بے معنی شے تھی۔ ربا اور کلالہ بلکہ خلافت یہ تینوں الفاظ قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔ ربا کو حرام بتایا گیا ہے۔ کلالہ کو ورثہ دیا گیا ہے۔ خلافتِ الٰہیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن رسول جس پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اپنی اُمت کو ان کی حقیقت سے آگاہ ہی نہیں کرتا۔ گویا ایک حرام شے کی حقیقت نہ بتائی۔ اگر اُمت اُس کا استعمال کر لیتی ہے تو حق بجانب ہے رسولؐ نے تو بتایا ہی نہیں کہ وہ کیا ہے دیکھئے کس عقلمندی کے ساتھ رسول کی توہین کی گئی ہے۔ اُن کی شان کو گرایا گیا ہے۔ رسول نے اِس نقص کو نہ معلوم کیا۔ حضرت عمر نے معلوم کر لیا۔ کسی کمی یا نقص کو معلوم کرنا بھی تو ایک درجہ کا علم ہے۔ وہ درجہ علم رسولِ خدا میں نہیں تھا حضرت عمر میں تھا لہٰذا حضرت عمر افضل ہوئے رسول سے ہمیں افسوس ہے کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی جو کہتا کہ قبلۂ عالم جناب رسولؐ خدا تو کچھ بتانا بھی چاہتے تھے آپ نے یہ کہہ کر بند کر دیا کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہِ۔ اب کتاب اللہ میں سے ان کے معنی نکالنے کی قابلیت پیدا کیجئے۔

لیکن جو لوگ جناب محمد مصطفےٰ کو رسول برحق جانتے ہیں وہ تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ شخص کتنا غبی و کند ذہن تھا جو ایک رسول برحق کے اتنی دفعہ کلالہ کے معنی سمجھانے کے باوجود نہ سمجھا کہ کلالہ کیا ہے جو شخص ایسا ہو وہ کہیں نائب ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اِس عنوان "امامت اور اجتہاد" کے تحت میں پہلا پیراگراف جو مولوی شبلی نے لکھا ہے وہ یہ ہے :-

امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں :- واز میان اُمت جمعے مُستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شُدہ وایں جماعہ دراصل فطرت خلفائے انبیاء اند در امت۔ (الفاروق حصّہ دوم ص ۲۰۶)

اِس ہی بات کے منوانے کے لئے ہم نے البلاغ المبین کے دو ہزار صفحے لکھے لیکن آپ نے نہ مانا۔ وہ ہی بات مولوی شبلی نے اِن دو سطروں میں کہی ہے اور ولی اللہ شاہ نے بھی دو ہی سطروں میں وہ بات کہی ہے۔ اب تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا کہ امام یعنی خلیفۂ رسول کی فطرت قریب قریب رسول کی فطرت کے مخلوق کی جاتی ہے۔ خدا خالق ہے۔ وہ خلق کرتا ہے۔ جس طرح انبیاء لوگوں کے اجماع یا رائے سے مقرر نہیں ہوسکتے۔ اُسی طرح خلفاء انبیاء کا قیام اُمت کی رائے یا اجماع پر منحصر نہیں ہوتا۔ خداوند تعالےٰ اُن کی فطرت کو بناتا ہے۔ اپنے رسول کو بتاتا ہے۔ وہ اُمت میں اعلان کرتا ہے۔ اب تو یقین آیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ یا شوریٰ میں اصلی خلیفۂ رسول نہیں بنتا اور نہ بن سکے۔ یہ تو خدا ہی کی طرف سے طے شُدہ بات ہوتی ہے۔ دیکھئے سقیفہ بنی ساعدہ میں بنے ہوئے تھے کتنا رسول خدا نے کلالہ کے معنی سمجھائے لیکن وہ نہ سمجھے۔ دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا بتانے والے کا قصور یا نہ سمجھنے والے کا قصور۔ جو جواب آپ دیں گے اُس کو ہم اپنی بحث میں لے لیں گے اگر بتانے والے کا قصور آپ کہتے ہیں تو ہم کہیں گے دیکھئے آپ نے حضرت عمر کو جناب رسولؐ خدا پر فوقیت دی اور اگر آپ نہ سمجھنے والے کا قصور کہیں گے تو ہماری بحث یہ ہوگی کہ ایسے ہی کُند ذہن شخص کو آپ نائب رسول مانتے ہیں۔ دیکھئے خُدا کے بنائے ہوئے اور مقرر کئے ہوئے خلیفہ ایسے ہوتے ہیں۔ سینکڑوں دفعہ حضرت علی سے آنحضرتؐ کی راز کی باتیں ہوئیں، معانی قرآن سمجھائے گئے ایسا ناسمجھی کا تنازعہ کبھی پیش نہ آیا۔ وہاں تو یہ حالت تھی کہ ایک نُکتہ بتایا اور

کتابِ معرفت کے ورقوں کے ورق خود ہی سمجھ لئے۔ یہاں رسول بتاتے بتاتے دق ہو جاتا ہے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسے ہی شخص کی نسبت آپ کہتے ہیں کہ وہ اور اُن کے ساتھی ابوبکر و عثمان شہر علم نبی کی چھت اور دیواریں تھیں۔ اس چھت اور دیواروں نے تو ایسا روشنی کو روکا کہ اُمت محمدیہ کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا۔

غرضکہ آئندہ ایسی بہت سی عبارتیں آئیں گی۔ ناظرین ابھی سے نوٹ کرتے رہیں کہ پیغمبر اسلام کی تحقیر و توہین کرنا اور حضرت عمر کو آنحضرتؐ سے بڑھانا اُس مذہب کے ارکان میں داخل ہے جس کو حضرت عمر نے ایجاد کیا اور اُن کے مقلدین نے نہایت شوق اور عصبیت کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ آگے چلئے۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:۔

"حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔ لَیْسَ علیکم جناحٌ ان تقصروا من الصّلوٰۃ اِن خِفتم ان یفتنکم الذین کفروا لیکن جب راستے مامون ہو گئے۔ تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔"

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۰)

مولوی شبلی کے لہجے کو ملاحظہ کیجئے۔ اُن کے خیال میں حضرت عمر کی ذہانت نے جناب رسولؐ خدا اور خداوند تعالےٰ دونوں کی غلطی پکڑی۔ جو آیت انہوں نے نقل کی

ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے کہ "جب تُم سفر میں ہو تو تُم پر گناہ نہیں ہے اگر تم صلوٰۃ (نماز) کو قصر
کردو اگر تم کو یہ ڈر ہے کہ کُفّار تم کو ایذا پہنچائیں گے"۔ مولوی شبلی خود حضرت عمر کے اعتراض
کو یہ کہہ کر تقویّت پُہنچاتے ہیں کہ قرآن شریف میں بھی اس ہی کی طرف اشارہ ہے
دُشمنوں کا خطرہ بھی نہیں رہا تو اب جو حُکمِ قصر باقی رہا وُہ دونوں کی غلطی ہے اگر
خُدا نے بھی حُکمِ قصر واپس نہ لیا اور محض جناب رسولؐ خدا کی غلطی ہے اگر خُدا نے
حُکم واپس لے لیا لیکن رسول نے اپنی اُمّت کو اس منسُوخ حُکم کی اطّلاع نہ دی۔
مولوی شبلی نے آنحضرتؐ کا جواب تو نقل کر دیا کہ یہ خدا کا اِنعام ہے کہ حُکم قصر منسُوخ
نہ ہُوا۔ لیکن سیاق کلام بتا رہا ہے کہ اس جواب سے نہ تو حضرت عمر کی اور نہ حضرت
شبلی کی تسلّی ہوئی۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ نہ مولوی شبلی آنحضرتؐ کے اس جواب کا
مطلب سمجھے اور نہ حضرت عمر۔ ہم اِس جواب کے آگے صرف چند الفاظ بڑھا دیتے
ہیں اور پھر ناظرین خود اس کا مفہوم سمجھ جائیں گے۔ اِس جواب کا مطلب یہ تھا
"یہ خُدا کا انعام ہے کہ اگر پھر کبھی کسی زمانہ میں اِسی طرح خوف کا موقعہ آوے تو
حُکمِ قصر موجود رہے"۔ یہ حضرت عمر نے اپنے اعتراض میں قطعاً نظر انداز کر دیا کہ
اِسلام فقط اُس زمانہ کے عربوں کے لئے نہ تھا۔ قیامت تک قائم رہنا تھا اور
ایسے خوف کے موقعے اکثر آتے رہتے ہیں۔ لیجئے آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی
حضرت ابو بکر نے وُہ موقع پیدا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ تمام عرب میں ارتداد کی وبا پھیل
گئی اور راستے مخدوش ہو گئے۔ اِسی طرح حضرت امام حسینؑ کے سفر کربلا اور واقعاتِ
کربلا پر نظر ڈالو۔ کیا آنحضرتؐ کے زمانے کے مسلمانوں کو حسین علیہ السلام سے
زیادہ دُشمن کے خطروں سے سابقہ پڑا تھا۔ حضرت عمر کی رائے میں تو فتح مکّہ کے بعد
ہی اِس حُکم کو منسُوخ ہو جانا چاہئے تھا۔ پھر اب کون اس حُکم کو رائج کرتا۔ حضرت عمر کی
محدُود نظری کی یہ بیّن مثال ہے۔ اور اگر اس حُکم کو اس طرح ترمیم کر دیتے کہ جب
کبھی سفر میں تم کو دشمنوں کی عداوت کا خطرہ ہو تو قصر کر لیا کرو اور اگر خطرہ نہ ہو تو
قصر نہ کرنا اُس خطرہ کا اندازہ کون کرتا۔ محض قیاس ہی ہوتا۔ راستہ میں دُشمن ہوں

یا ممکن ہے کہ نہ ہوں۔ اس قیاس کی بناء پر اگر دو صد آدمیوں کی ٹولی باہر سفر پر جائے تو چند آدمی تو اس میں قصر کرتے ہوئے نظر آتے۔ اور چند آدمی پوری نماز پڑھتے جماعت کیونکر بنتی۔ فرض کرو میں پچاس دوستوں کے ساتھ دیہات میں سفر پر جاتا ہوں۔ اُس جماعت میں تاجر بھی ہیں، ڈاکٹر بھی، پولیس کے افسر بھی ہیں اور عدالت کے حکّام بھی ہیں۔ تاجر و ڈاکٹر تو سمجھتے ہیں کہ ہمیں کس کا ڈر ہے ہم سے تو سب خوش ہی ہوں گے۔ پولیس کے افسر اور حکّام عدالت سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو بہتوں کے خلاف مقدّمات بنائے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو پھانسی کا حکم دیا ہے۔ ہمارے تو بہت دشمن ہوں گے۔ اب نماز جماعت عجیب ہو گی دو جماعتیں ہو جائیں گی۔ ایک بوجہ خوف قصر کرے گی۔ دوسری بوجہ اطمینان قصر نہ کرے گی۔ پھر اگر امام ایسا ہوا کہ اُسے تو کچھ خوف نہیں، مقتدی ایسے ہیں کہ اُنہیں خوف ہے۔ وہ کیسی نماز پڑھائے۔ حضرت عمر اتنی ذرا سی بات نہ سمجھ سکے کہ صحیح و اٹل قانون وہ ہے جو ہر امکانی صورتِ حالات پر حاوی ہو۔ بہر صورت یہ جملہ معترضہ آ گیا۔ مولوی شبلی کی عبارت سے ثابت ہو گیا، کہ حضرت عمر امور شریعت پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اُن میں سے اکثر کو خلافِ عقل سمجھتے تھے۔ اب ذرا چند ورق پیچھے اُلٹ کر کتاب التفریق میں علامہ شہرستانی کی وہ عبارت تو پڑھ لیجئے جو ہم نے نقل کی ہے کہ نصِ صریح اور حکم نبی پر نکتہ چینی کرنا سُنّتِ ابلیس ہے۔ ابلیس نے بھی تو یہ ہی کہا تھا کہ اپنے سوا دوسرے کو سجدہ کراتا ہے۔ میں نہیں کروں گا۔

اگر ابھی آپ کو حضرت عمر کی مخالفتِ رسول پر شبہ ہے تو ہم پھر مولوی شبلی کو گواہی میں پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات

ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی - مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی بکر کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔ قیدیان بدر کے معاملہ میں اُن کی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صُلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صُلح کی جاوے۔ اِن تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر اِن باتوں کو منصب نبوّت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وُہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم اُن کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے ....

حضرت عمر کو اِس امتیاز مراتب کی جُرأت اِس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد احکامات میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اِس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الٰہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز برجنازۂ منافق۔ اِن تمام معاملات میں وحی جو آئی وُہ حضرت عمر کی رائے کے موافق آئی۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۷، ۲۳۸)

تفریق و امتیاز احکام و تجزیۂ عُہدۂ نبوّت پر تو ہم دُوسری جگہ بحث کریں گے یہاں چند امور عجیبہ کی طرف ناظرین کی توجہ دلاتے ہیں۔ اوّل تو آپ یہ دیکھ لیں کہ پھر اِس بات کا اعادہ ہے کہ حضرت عمر آنحضرتؐ کے متعدد احکام میں مخالفت کرتے تھے۔ دُوسرے یہ کہ مولوی شبلی مان گئے کہ اگر حضرت عمر نے اُن امور اور

اُن احکام رسول اللہ میں مداخلت کی ہے جو دائرۂ نبوت کے اندر تھے، لہٰذا حضرت عمر اسلام سے خارج تھے۔ یہ بہت قیمتی اصول موضوعہ قائم ہوا۔ اس کو کبھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے۔ مولوی شبلی کا یقین ہے کہ امور متعلقہ قیدیان بدر حجاب ازواج مطہرات، نماز برجنازۂ منافق صلح حدیبیہ یہ سب دائرہ نبوت کے اندر نہیں آتے۔ پہلی سطر میں تو یہ لکھتے ہیں اور دوسری سطر میں فرماتے ہیں کہ وحی جو ان امور کے متعلق آئی وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق تھی۔ ان امور کے متعلق وحی آئی لہٰذا وہ دائرۂ نبوت کے اندر تھے۔ اگر منصب نبوت سے علیحدہ ہوتے تو خدا کیوں مداخلت کرتا اور وحی کیوں آتی۔ وحی ہی تو امتیازی نشان نبوت تھا۔ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ" اچھا دوسرے طریقے سے بحث کرو قرآن شریف کا نزول عہدۂ رسالت و نبوت سے تعلق رکھتا ہے یا دائرۂ نبوت و رسالت سے باہر ہے۔ اس کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ وہ عہدۂ نبوت و رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن شریف کیا ہے۔ چند احکام و چند امور کا مجموعہ۔ اس ہی قرآن میں قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز برجنازۂ منافق کے متعلق آیات ہیں۔ لہٰذا یہ سب امور دائرہ نبوت کے اندر ہوئے۔ حضرت عمر نے ان امور میں دخل دیا۔ لہٰذا حسب منشاء قاعدہ مقرر کردۂ حضرت شبلی، حضرت عمر دائرۂ اسلام سے خارج ہوئے۔ ہم سے آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ جناب شبلی کہتے ہیں۔ تیسرے طریقہ سے اس ہی بحث کو لیجیئے۔ قیدیان بدر کا تعلق جہاد سے ہے۔ نماز جنازہ کا تعلق نماز سے ہے۔ اگر جہاد اور نماز بھی دائرہ نبوت کے اندر نہیں رہے تو پھر کیا رہ گیا۔ خیر اس اندر و باہر پر تو ہم تفصیل سے بحث ابھی ٹھہر کر کرتے ہیں۔

یہ امر واقعہ مولوی شبلی کی شہادت سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر احکام فقہیہ میں بہت نکتہ چینی کرتے تھے۔ اتنی کہ آنحضرت دق ہو جاتے تھے۔ یہ کیوں ایسا کرتے تھے۔ اس کی غرض و غایت ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ یہ عملی

ابتداء تھی اُس تحریف فقہ و دین اسلام کی جس کو حضرت عمر نے آخر کار اپنے عہدِ خلافت میں تکمیل کو پہنچایا اور اُمّت محمّدیہ کے لئے ایک ایسا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا جس کے شارع وُہ خود تھے ۔

حضرت عمر اور اُن کے مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ اکثر قرآن شریف حضرت عمر کی رائے کے مطابق اُترتا تھا۔ اِس بات کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دعویٰ اُن کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔ چنانچہ اُوپر کی عبارت میں بھی مولوی شبلی کہتے ہیں کہ قیدیان بدر و نماز بر جنازۂ منافق و حجاب امّہات المومنین کے معاملات میں وحی الہٰی جناب عمر کی رائے کے مطابق آئے۔ یعنی حضرت عمر کی رائے مقدم تھی اور وحی مؤخّر۔ وحی تابع تھی حضرت عمر کی رائے متبوع۔ مولوی شبلی کی اس عبارت پر ذرا غور تو کریں کہ کیا فرماتے ہیں۔ اُن کا مطلب ہے کہ جب کبھی آنحضرتؐ و حضرت عمر میں اختلاف ہوتا تھا تو غلطی پر ہمیشہ جناب رسولؐ خدا ہی ہُوا کرتے تھے کبھی تو وُہ خود ہی اپنی غلطی کو معلوم کرکے حضرت عمر کی رائے کو اختیار کر لیتے تھے۔ اور اگر کبھی آنحضرتؐ اپنی رائے پر اصرار کرتے تھے اور حضرت عمر کی رائے نامنظور کر دیتے تھے تو بذریعہ وحی آپؐ کو تہدید ہو جاتی تھی اور اپنی غلطی اور حضرت عمر کی اصابتِ رائے سے متنبّہ کیے جاتے تھے۔ وُہ ہی سلسلہ حضرت عمر کو آنحضرتؐ پر فوقیت دینے کا برابر جاری ہے ۔

باب ہشتم (۸)

جنابِ رسولِ خدا کے نظامِ حکومت کی تردید و تنسیخ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے مصمّم ارادہ کر لیا تھا کہ جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی حکم، قاعدہ اور اصول کو بغیر اپنی ترمیم و تغیر کے آئندہ نسلوں تک نہ جانے دیں گے۔ جناب رسولِ خدا نے خلافت کے لئے وصیّت لکھنی چاہی وہ نہ لکھنے دی۔ اُن کے مقرّر کردہ حکّام کو حکومت نہ لینے دی اپنی حکومت علیحدہ قائم کر لی۔ جناب رسولِ خدا نے حکومتِ الٰہیہ کے لئے جو آئین قوانین و قواعد مقرّر کئے تھے اُن سب کو متغیّر کر دیا۔ جو مذہب جناب رسولِ خدا نے پیش کیا تھا اُس کے بجائے اپنا علیحدہ مذہب قائم کر کے رائج کیا۔ اِس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اب نظامِ حکومت کے متعلق تذکرہ کرتے ہیں ۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ جناب رسولِ خدا کے نظام میں استبداد و امپریلزم و فتوحاتِ ملکی کو جگہ نہ تھی۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عرب قوم دُنیا کی دیگر اقوام کو فتح کر کے مالِ غنیمت جمع کرے اور اس طرح مسلمانوں میں سرمایہ داروں کی وہ لعنت شروع ہو جائے جو ہمیشہ سے دُنیا کے عدل و امن و چلن کی دشمن اور خدا کی طرف سے انسانوں کا رُخ پھیرنے والی رہی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ عرب قوم نہیں بلکہ مذہبِ اسلام دُنیا کو فتح کرے۔ ہر ایک قوم اپنے مُلک میں خوش رہے لیکن وہ سب اِسلام کے جھنڈے کے تلے جمع ہو جائیں۔ ہم ابھی بتاتے ہیں کہ اس کے لئے کیا تجویز آپ نے اور قرآن نے کی تھی۔ لیکن جب آنحضرتؐ کی خواہش کے خلاف مسندِ حکومت پر اُن لوگوں نے قبضہ کر لیا جو اُس کے اہل نہ تھے تو اُنہوں نے

اِس نظام کو تبدیل کر دیا۔ سیاسی ضرورتوں نے اُنہیں مجبور کیا کہ لوگوں کو باہر بھیج کر لڑائی میں مشغول رکھیں اور مالِ غنیمت حاصل کریں تاکہ لوگوں کا مُنہ بند کریں اور ان کو اپنی طرف کریں اور اس طرح وُہ امپیریلزم شروع ہوا جس نے اسلام کو مسخ کر دیا ‌‌٭

امپیریلزم اور استبداد کے لئے تین چیزوں کی بہت ضرورت ہوتی ہے یعنی فوج، خزانہ اور فتوحاتِ مُلکی۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے انہی کی طرف اپنی توجہ منعطف کی۔ اور ہم بھی پہلے ان پر ہی بحث کرتے ہیں ٭

فوج۔ سب سے پہلے ہم فوج کو لیتے ہیں۔ جناب رسولؐ خدا نے کوئی فوج مقرر نہیں کی۔ اور نہ تنخواہ دار سپاہیوں کا نظام قائم کیا۔ بلکہ آپ نے جہاد کو ہر ایک مُسلمان کا ایک فرضِ مذہبی قرار دے کر یہ مسئلہ قائم کیا کہ ہر ایک مُسلمان سپاہی ہے۔ جب ضرورت جنگ پر جانے کی ہوتی تھی تو نماز جامعہ کی منادی کرا دی جاتی تھی۔ اور نماز کے بعد جنگ پر جانے کا حُکم دے دیا جاتا تھا۔ جہاد کی واپسی پر مال غنیمت لڑنے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اُن کو بھی حصّہ ملتا تھا جو کسی عذر شرعی مثلاً بیماری یا حُکم حاکم وغیرہ کی وجہ سے لڑائی پر نہ جا سکے۔ مالِ غنیمت میں سے اُن کو حصّہ نہیں ملتا تھا۔ جو بغیر کسی وجہ کے گھر بیٹھ رہے تھے۔ وُہ تو ایک قسم کے گنہگار ہوتے تھے اُنہیں انعام کیسا۔ چُنانچہ علّامہ جرجی زیدان کہتے ہیں :-

"اِسلام کا ظہور ہوا تو اہل اسلام باقی تمام اہلِ عرب سے علیحدہ ہو گئے۔ اور دین کی اجتماعی قوت نے انہیں یکدست بنا کر دُشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے متفق اور مُتحد کر دیا۔ اِس وجہ سے وُہ چھوٹے بڑے سب کے سب سپاہی تھے مُسلمانوں کے پہلے سپاہی مہاجرین تھے مگر وُہ مدینہ میں آئے تو انصار سے مِل کر سب ایک ہی لوگ بن گئے جن کے کمان افسر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ان کا باہمی رابطہ معاہدۂ دوستی اور اسلامی بھائی چارہ کی قوت تھی۔ ان دونوں مُسلمانوں کی

تعداد بہت تھوڑی تھی۔

اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلّم اور ابو بکر کے زمانوں میں غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ کیونکہ روز بروز عربی قبائل کے چھوٹے بڑے سب لوگ نجد، یمامہ، یمن اور حجاز سے اُن میں ملتے چلے جاتے تھے اور اسلامی اجتماع اُن کو یکجا کرتا جاتا تھا۔ آخرکار وُہ تھوڑے سے بہت ہو گئے۔

(جرجی زیدان: تمدّن اسلام حصّہ اوّل ص ۱۶۳)

علاّمہ شبلی کہتے ہیں:۔

عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا اسلام کے آغاز تک اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں صرف اِس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وُہ سب لوگوں پر دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دُوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہلِ فوج کا کوئی رجسٹر بنا۔ نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہُوا۔ حضرت عمر کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن ۱۵ھ ہجری ہی میں حضرت عمر نے اِس صیغے کو اِس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔ (الفاروق حصّہ دوم ص ۹۲، ۹۳)

اِس کے بعد علاّمہ شبلی لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوہریرہ عامل بحرین وہاں سے پانچ لاکھ درہم لائے تو حضرت عمر نے ایک مجلسِ شوریٰ قائم کی۔ اِس غرض کے لئے کہ اِس رقم کو کس طرح خرچ کیا جائے۔ وُہ لکھتے ہیں:۔

حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیانِ مُلک کو

دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔
حضرت عمر کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اِسم نویسی اور ترتیبِ دفتر کا
خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے
سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے۔ کیونکہ
جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔

الفاروق حصّہ دوم ص ۹۳

فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۵، ۴۳۶

آگے چل کر علاّمہ شبلی کہتے ہیں :-

" فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض
بے ترتیبیاں تھیں۔ سب سے بڑا خلطِ مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے
ساتھ پولٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی
رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ ہجری میں حضرت عمر نے
اِس صیغے کو اِس قدر مرتّب اور منظّم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک
کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔" (الفاروق حصّہ دوم ص ۹۷)

اِس کے بعد علاّمہ شبلی حضرت عمر کے فوجی نظم و نسق کا ذکر کرتے ہیں۔ شہروں
میں اصطبل خانے بنانا، فوجوں کے لئے بارکیں بنانا، فوجی صدر مقامات
مقرر کرنے، فوجی چھاونیاں بنانا، فوجی رسد کے لئے مقامات مقرر کرنے وغیرہ
وغیرہ اِن سب امور کا تذکرہ کرتے ہیں گویا استبدادی امپریلزم کی بُنیاد بھی پڑ گئی
اور اُس کے کئی مراحل بھی طے ہو گئے۔

سب سے بڑا ثبوت اِس امر کا کہ اِسلامی نظامِ حکومت میں تنخواہ دار
افواج کا دائمی قیام مقرر نہیں کیا گیا تھا یہ ہے کہ قرآن شریف نے حکم دیا کہ
جو غنائم حاصل ہوں اُن کا ⅘ حصّہ فتح کرنے والے مسلمانوں کا ہوگا۔ اگر اِن
افواج کا تنخواہ دار ملازم رکھنا مقصود ہوتا تو پھر غنیمت میں سے اُنہیں کچھ حصّہ نہ ملنا

وُہ تو محض حکومت کے مُلازم ہوتے ۔ اور سارا مالِ غنیمت حکومت کا حق ہوتا
جس طرح کہ آج کل ہوتا ہے ۔ یہ قاعدہ صاف بتا رہا ہے کہ وُہ مُلازم نہ تھے
جہاد اُن کا فرضِ مذہبی تھا ، فرضِ مذہبی کی ادائیگی کے لئے تنخواہیں نہیں ہوتی
اپنا فرض اور اپنا ہی کام سمجھ کر لڑتے تھے ۔ اِس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فتوحاتِ
مُلکی جن میں مذہب کو دخل نہیں اور جن کے لئے مُستقل قیامِ افواج ضروری ہوتا
ہے اِسلام کے مقصدِ حکومت میں داخل نہ تھیں ۔

الغرض اِن بیانات سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ جناب رسولِ خدا کے
نظامِ حکومت میں اِس طرح دائمی افواج کے قیام کو دخل نہ تھا اور یہ فقط
حضرت عمر کی جدّت یا بدعت ہے ۔ مولوی شبلی نے یہ کہہ کر حضرت عمر کی
وکالت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ضرورت نہ تھی ۔ لیکن یہ غلط ہے
آنحضرتؐ کے زمانہ میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں اور وُہ سب اُس ہی نظامِ
جہاد کے ذریعہ سے فتح ہوئیں جو آنحضرتؐ نے مقرر کیا تھا ۔ حضرت ابوبکر کے
زمانہ میں بھی شام و عراق میں لڑائیاں ہوئیں اور مُسلمانوں نے فتوحات کیں
لیکن یہ دائمی فوج کا خیال حضرت عمر کو ہی آیا ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سُنّتِ رسولؐ کو
چھوڑ کر اِس معاملہ میں حضرت عمر نے سلاطینِ عجم یا شام کی تقلید کی یعنی وُہ ہی
جو پُرانا استبدادی امپیریلزم تھا اُس کی تقلید مناسب سمجھی گئی ۔ پھر اسلام کا
ایک نئی شریعت اور جدید طرزِ حکومت قائم کرنے کا فائدہ کیا ہُوا ۔ حضرت
عمر نے اسلام کو اُس کی روش پر تو نہ چلایا بلکہ کُفّار کی تقلید کی ۔ یہ ظاہر
ہے کہ حضرت عمر نے جناب رسولِ خدا کے طرزِ عمل کو اپنے حالات کے لئے نامناسب
سمجھا ۔ ہم ثابت کر چکے ہیں اِس کے دُہرانے کی ضرورت نہیں کہ آنحضرتؐ کی
نبوّت میں حکومت شامل تھی اور آنحضرتؐ کی نبوّت تا قیامت چلنی ہے ۔ لیکن
حکومت تو پُورے چار سال بھی نہ چلی ۔ حضرت عمر کے ترقّی کے زمانے کے لئے
اُس کے اصول ناموزوں ثابت ہوئے ۔ بحث کی جا سکتی ہے جیسی مولوی شبلی نے

کی ہے کہ آنحضرتؐ کا زمانہ ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو فتوحات ہوئیں وہ اس کی ہی مقتضی تھیں کہ فوج کا ایسا انتظام کیا جاتا۔ اوّل تو یہ بحث اس امرِ واقعہ کو نظر انداز کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوّت میں حکومت شامل تھی اور جب اُس نبوّت میں جو قیامت تک چلنی تھی حکومت شامل تھی تو نبی کو چاہیئے تھا کہ حکومت کا دائمی انتظام فرماتے جو فتوحات کے لئے بھی موزوں ہوتا۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ یہ بزرگوار اثرِ نبوّت کو بھی آنحضرتؐ کی حیات ہی تک محدود رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی حیات کے بعد کے زمانہ کے لئے اُمّت کی ہدایت کا کوئی انتظام ہی نہ فرمایا۔ اگر نبوّت اور حکومت کے تعلّق کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہ تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ نے عمداً ایک حکومتِ اسلامیہ کی بُنیاد ڈالی۔ اگر بیرونی فتوحات آپ کی سکیم کے اندر ہوتیں اور دُوسرے ممالک کو فتح کرنا آپ کا منشاء ہوتا تو ضرور آنحضرتؐ اُن فتوحات کا اِنتظام فرماتے اور فتوحات کے اِنتظام میں فوج کا قیام نہایت ضروری تھا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دائمی فوج کے قیام کا تصوّر آپ کے دماغ میں آہی نہیں سکتا تھا کیونکہ عرب میں اِس کا رواج نہ تھا۔ اِیران و رُوم کی مُستقل اور دائمی فوجیں آپ کے زیرِ نظر تھیں۔ عرب ہی میں شاہانِ تبع، حکمرانانِ حمیر اور منذری خاندانوں کے فرمانرواؤں کے پاس مُستقل اور دائمی افواج رہتی تھیں[۵۵]۔ اِن تمام واقعات کو ایک جگہ رکھ کر غور کرنے سے فقط ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وُہ یہ کہ غیر مُلکی فتوحات آپ کا منشاء نہ تھا۔ مسلمانوں کی قوم کو محض بیرونی دُشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے ایک اِسلامی سلطنت قائم کر لی تھی اور اس کی حفاظت اور اندفاعِ دُشمن کے لئے یہ انتظام تھا کہ ہر ایک فرد ایک سپاہی ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ کا نظام تو بہت صاف و سیدھا تھا ہر ایک مُسلمان سپاہی ہے۔ لیکن وُہ محض اپنی اور اپنے مذہب کی حفاظت اور

---

۵۵ جرجی زیدان: اُردو ترجمہ تمدّنِ اسلام حصّہ اوّل ص ۱۶۳۔

اندفاع دشمن کی خاطر جنگ کی آگ میں کو دے گا ۔ چونکہ مذہب جان سے زیادہ عزیز ہے لہٰذا خدا نے اجازت دیدی ہے کہ کمتر چیز کو بہتر چیز کی حفاظت کے لیے ضائع کرسکتے ہو۔ مسلمان کی جان بہت قیمتی شے ہے ۔ اس جان کو محض ماہواری تنخواہ کے لئے فروخت کر دینا اور تنخواہ دار ہو کر بطور ملازم کے لڑنا اسلام کے سپاہی کی شان کے خلاف ہے مسلمان کا نفس، مسلمان کی جان صرف خدا کے لئے ہے۔ کسی انسان کا دوسرے انسان کی جان کو روپیہ کے بدلہ خریدنا اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ تنخواہ دے کر تہلکۂ جنگ میں ڈالنا گویا جان کو ماہواری تنخواہ کے عوض مول لے لینا ہے اور یہ اصول اسلام کے خلاف ہے تاریخ کا تجربہ بتا رہا ہے کہ تنخواہ دار فوج کا درجہ بہت کم ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ کمزور ثابت ہوتی ہے ۔ بمقابلہ اس جماعت کے جو لڑائی کو اپنی لڑائی سمجھ کر لڑتی ہے۔ تنخواہ و جاہ منصب دے کر ان کی خاطر لڑانا اور پھر فوج کا جوش یہ کہہ کر بڑھانا کہ تم خدا کی خاطر لڑ رہے ہو۔ ان تجاویز میں سے ایک تجویز ہے جو سنا ہے کہ جرمنوں نے استعمال کی تھی ۔ ایک قسم کی گولیاں کھلا دیتے تھے جن کے اثر سے فوجی نیم پاگل ہو کر اپنی جان کی پرواہ نہ کر کے لڑتے تھے ۔

ممکن ہے یہاں یہ بحث کی جاوے کہ اگر حضرت عمرؓ نے فتوحات کیں اور ان کا انتظام کیا تو کیا برا کیا ۔ اسلام ان کے ذریعہ سے تمام دنیا میں پھیل گیا ہم ابھی ثابت کرتے ہیں کہ یہ فتوحات اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہایت مضر ثابت ہوئیں، شارع علیہ السلام کے منشاء کے بہت خلاف تھیں ۔ ہم یہ بھی دکھائیں گے کہ آنحضرتؐ نے توسیع و اشاعت اسلام کے لئے کیا انتظام کیا تھا ۔ آپؐ نے تو ایسا انتظام فرمایا تھا کہ اگر اس پر عمل کیا جاتا تو آج کو ایک غیر اسلامی ملک دنیا بھر میں نہ ہوتا ۔ یہاں تو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ دائمی افواج کا قیام شارع علیہ السلام کے انتظام حکومت کی مخالفت میں کیا گیا ۔

فتوحات ملکی ۔ ابتدائی تہذیب سے اب تک کی تاریخ کا مطالعہ بتا رہا ہے

کہ دائمی و مُستقل افواج کا قیام ہمیشہ مُلک و سلطنت کی بربادی کا باعث رہا ہے سپاہیوں کی ایک ایسی علیحدہ قوم مُلک میں پیدا ہو جاتی ہے جو اپنی طاقت سے اور باقی آبادی کی کمزوری سے واقف ہو کر سلطنت پر حاوی ہو جاتی ہے اور ہر ایک امر اپنی خواہش کے مطابق کرانا چاہتی ہے۔ تُرکوں کی سلطنت کی بربادی کا باعث یہ ہی فوج ہوئی۔ خلافتِ اسلامیہ کے فرمانرواؤں کو یہ فوج ہی تکلیف دیتی رہی۔ ہندوستان میں سلطنتِ مُغلیہ کا چراغ اس نے ہی گُل کیا۔ اور زمانۂ حال میں دُنیا کے سامنے جاپان کو اُس کی فوج ہی نے ذلیل کرایا۔ سلطنتِ تُرکیہ میں بادشاہ افواجِ جاں نثاران کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا۔ شاہجہان اور اورنگ زیب کے مرنے پر مُختلف دعویداران سلطنت کو ان افواج ہی نے کھڑا کیا۔ جاپان میں فوجی پارٹی نے اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ قوم کو اپنی رائے کے خلاف کوئی اور رائے ہی نہ قائم کرنے دی۔ اس طرح کی دائمی فوج تو ہاتھیوں کے دستہ کی طرح ہوتی ہے۔ اگر طبیعت چاہی تو دُشمن سے لڑیں گے ورنہ اپنی ہی فوج پر پلٹ کر اُس کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ دائمی افواج تو محض ایک مقصد کے لئے مفید ہوتی ہیں اور وہ قیام سلطنت جور و استبداد ہے جس کو زمانہ حال کی اصطلاح میں امپیریلزم کہتے ہیں لیکن ایسی سلطنت ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ اور جب وہ گرتی ہے تو ایسا طوفان و تلاطم عظیم پیدا کرتی ہے کہ بنی نوعِ انسان کے مصائب میں ایک دائمی اضافہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو خلافتِ اسلامیہ کا جب عالی شان محل گرا ہے تو دُنیا میں ایک تلاطمِ عظیم پیدا ہو گیا تھا۔ سلطنتِ مُغلیہ جب ہندوستان میں ختم ہوئی ہے تو کیا ہُوا۔ رومن ایمپائر کے ختم ہونے پر دُنیا کتنی مصائب میں مُبتلا ہوئی۔ ہر ایک ایسی سلطنت کے ختم ہونے پر دُنیا میں ایک نیا دور اور نیا نظام شروع ہوتا ہے۔ لیکن سلطنت کے ختم ہونے اور نئے نظام کے مُستقل اور عمل پذیر ہونے کے درمیان کا عرصہ بسا اوقات طویل ہوتا ہے اور مُلک کے لئے مصائب و ابتلائے عظیم کا زمانہ ہوتا ہے۔ نیا نظام پہلے نظام سے مُختلف ضرور ہوتا

ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ بہتر بھی ہو۔ اگر ہر ایک نیا نظام پہلے سے بہتر ہوتا تو یورپ نے تو بہت سے نظام دیکھے ہیں۔ اُس کا یہ آخری اور موجودہ نظام سب سے بہتر ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بدترین نظام ہے۔ یہ بھی کوئی نظام ہے کہ جس میں ایک انسان دُوسرے انسان کو کھائے جاتا ہے۔ آرام، چین، راحت، اطمینان دُنیا سے اسی طرح مفقود و معدوم ہیں جس طرح رات کو سُورج غائب ہوتا ہے اور چوکیدار کی آنکھ سے خواب مفقود ہوتا ہے۔ ایسے نظام کو جس میں آٹم بمب جیسا آلہ بنی نوع انسان کو کلیتہً ختم کرنے والا ایجاد کیا جاوے کوئی احمق ہی بہتر اور قابلِ تقلید نظام کہے گا۔ خیر۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی سلطنتوں کے بعد فتنوں ظُلموں خُونریزیوں اور طوائف الملوکی کا بازار ایسا گرم ہو جاتا ہے کہ جو ہمیشہ کے لئے بنی نوع انسان کو ایک منزل نیچے گرا دیتا ہے۔ پھر وُہ اُٹھے یا نہ اُٹھے یہ دُوسری بات ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کے گرنے پر مرثیے لکھے گئے۔ ہلاکو خاں کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ وزیروں پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ہلاکو خاں کو مدعو کیا۔ جان من یہ تو خود کردہ ہے۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ جب رُوم و ایران پر اُن کے قصور کے بغیر تم نے حملہ کرکے یہ اصول قائم کر دیا کہ طاقتور قومیں کمزور ممالک کو فتح کر سکتی ہیں تو پھر جب وُہ اصول تمہارے خلاف کام کرنے لگا تو اب شکایت کیسی۔ افسوس تو یہ ہے کہ اُس اِسلام میں جو عدل و انصاف کا نمونہ قائم کرنے دُنیا میں آیا تھا تُم نے یہ جور و ظُلم والا قاعدہ رائج کر دیا کہ بغیر قصور کے ہمسایہ قوموں پر حملہ کر سکتے ہیں۔ وُہ اِسلام جو تُم لے کر نکلے تھے وُہ تو تمہارے پہلے حملہ ہی کے ساتھ رگر پڑا۔ اور اُس یلغار پر فخر کرنا۔ یہ اُس گرنے کی دُوسری منزل تھی۔ تُم نے دُنیا میں اِسلامی سلطنت الٰہیہ کا نمونہ نہیں بلکہ اسلامی امپریلزم کا نمونہ قائم کیا۔ ہاں جب دیگر قوموں کے امپریلزم سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو تمہارا امپریلزم بہترین ثابت ہوتا ہے۔ بس اتنی تعریف ہے جس کے تُم اہل ہو اور جو فخر و مباہات ان فتوحات کی بناء پر شاعروں کے کلام میں اور مورخوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے

وہ مختصر الفاظ میں فقط اتنا ہی ہے کہ تمہارا امپیریلزم بہترین تھا لیکن تھا دنیاوی امپیریلزم ۔ سلطنت الٰہیہ نہ تھی ۔

اِس سوال پر بحث کرنے کے لئے کہ آیا حضرات شیخین کے زمانے کی مُلکی فتوحات اِسلام کے لئے مفید ثابت ہوئیں یا مُضر تھیں امور مندرجہ ذیل پر غور کرنا ہوگا :-

(۱) حکامِ سقیفہ کی اِس لشکر کشی کی غرض و غایت کیا تھی ۔

(۲) کیا یہ لشکر کشی بانیٔ مذہب کے منشاء اور احکامِ قرآنی کے مطابق تھی یا اُن کے مخالف ۔

(۳) کیا صحیح اِسلام ، اعتقاداً اور عملاً لوگوں کے اندر اتنا راسخ ہو گیا تھا اور صحیح تاویل قرآن کو اُنہوں نے اِس طرح ذہن نشین کر لیا تھا کہ فتوحاتِ مُلکی کے جزوی نہایت خطرناک نتائج تھے یعنی (۱) دولت و ثروت اور (ب) غیر مذاہب و ملحدانہ تخیل سے تصادم ، ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ ہو سکتا تھا ۔

(۴) کیا محض فتوحاتِ مُلکی عروج مذہب کی علامت ہے ۔

(۵) کیا بطور امرِ واقعہ اسلامی سلطنت کی وُسعت و عروج کے زمانہ میں مذہب اِسلام کو بھی عروج حاصل تھا ۔

(۶) مفتوحہ ممالک میں عرب کس قسم کا اِسلام لے کر گئے ۔

(۷) مفتوحہ ممالک میں کونسا عنصر غالب ہو کر رہا ؟ فاتح قوم کا مذہب و تمدّن یا مفتوحہ قوم کا تخیل و تہذیب ۔

(۸) کیا اِن فتوحات سے دُنیاوی وجاہت و ثروت کے علاوہ کوئی دائمی فائدہ مذہب و تمدنِ اسلام کو ہُوا ۔

(۹) اِن فتوحات کا اثر فاتح قوم کے مذہب و تہذیب پر کیسا ہُوا ۔

فتوحاتِ مُلکی سے اِسلام کو نقصان پہنچنا بہت سے ناظرین کے لئے باعثِ تعجب مقولہ ہے ۔ لیکن ذرا سا غور و فکر اس تعجب کو یقین کے ساتھ مبدّل

کر دے گا۔ خود سوادِ اعظم کے مفکرین اِس ہی نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ یہ جو فتوحاتِ ملکی ہوئیں وُہ اسلام کے لئے مفید نہ تھیں۔ چنانچہ سید ابوالحسن علی ندوی سیرتِ احمد شہید میں فرماتے ہیں:۔

یہ حقیقت کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ ولید بن عبدالملک ہارون، مامون اور عبدالرحمٰن الناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیاز اور مستند نہیں ہے اُن لوگوں کے لئے نئی ہوگی جو اسلام کے معنی اسلامی تمدن سمجھتے ہیں اور اسلامی تمدن سے اُن کی مُراد بغداد و قرطبہ، دمشق، غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے۔ وُہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی، فن تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانہ سے ناپتے ہیں لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی، رُوحانی اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے اُن کو اس کی ترقی بغداد و قرطبہ کے عالیشان دارالخلافہ اور سر بفلک مسجدوں کی بجائے مدینہ کے جھونپڑے میں نظر آئیگی ...... اہل علم و دین خوف سے یا امید سے حکومت کے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔ احتساب ختم ہوگیا۔ اُسی وقت سے اسلام اپنے گھر میں پردیسی اور انتہائی دُنیاوی شوکت و عروج و حکومت کے زمانہ میں بے کس ہوگیا۔ دیندار طبقہ اقلیت میں ہوگیا۔ اہل حق گوشہ نشین ہوگئے اور اپنے اپنے حلقہ میں اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ لیکن اُن کی حالت بالکل ذمیوں کی سی ہوگئی۔ (سیرت احمد شہید ص ۲۱، ۲۲)

یہ وہ ہی بات ہے جو ہم کہہ رہے تھے۔ دیکھئے تو سہی سید ابوالحسن ندوی کیا کہہ رہے ہیں۔ اسلامی ممالک میں سلطنت اسلامیہ کے عروج کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت ذمیوں کی سی ہوگئی۔ ذمی اور مسلمان میں کیا فرق ہے۔ غیر مذہب کا ہونا۔ ذمی مسلمان نہیں ہوتا۔ اسلامی مُلک میں مسلمانوں کا ذمی ہونا یہ مطلب رکھتا ہے کہ سلطنت کا مذہب اور تھا۔ دیندار مسلمانوں کا مذہب اور تھا۔

یعنی سلطنت مُسلمانی عقائد کی پابند نہ تھی۔ اُس زمانہ کی لکھی ہوئی ابو الفرج کی کتاب الاغانی کا مطالعہ کر لو۔ یہ یقین اور بھی مضبُوط ہو جائے گا۔ جو شے اپنے عُروج میں اِسلام کے لئے ضرر رساں تھی وُہ اپنی ابتدا سے انتہا کے زمانہ تک مُضِر ہی ہوگی ۔

حکومتِ سقیفہ کے عربوں کی سُرعتِ فتوحات جتنی کہ ظاہر بین آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اُتنی ہی دُور بین نظروں اور درد رکھنے والے دِلوں کے لئے باعثِ رنج و افسوس ہے۔ ہمارے نوجوان کتابوں میں پڑھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اِسلام نے یورپ کے ازمنہ وسطیٰ کی تاریکی کو اپنے مشعلِ علم سے منوّر کر دیا۔ یورپ کو یُونان کا فلسفہ مُسلمانوں ہی کے ذریعہ سے پُہنچا۔ علوم ریاضی، ہئیت، جُغرافیہ اور اسفار میں مسلمانوں کے کارنامے اب تک خراجِ تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ دہلی، غرناطہ، قرطبہ، بیجاپور، آگرہ کی عمارتیں اپنی غمگین خاموشی سے مُسلمانوں کی گزُری ہوئی عظمت کو یاد دلا رہی ہیں۔ لیکن تصویر کا دُوسرا رُخ بھی ہے۔ جناب رسولؐ خدا جُغرافیہ اور اصطرلاب کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ یُونان کے فلسفہ کو پھیلانا فقۂ اِسلامی کا مقصد نہ تھا۔ ہم نے یُونان، ایران، ہندوستان، فرنگستان کو بہت کچھ دیا لیکن اُن سے لیا بھی بہت کچھ۔ کیا لیا؟ ایرانیوں کی دوخدائی، رُومی عیسائیوں کی سہ خدائی اور ہندوستان کی صنم خدائی اِن تخیّلات نے اِسلام کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ ابھی عربوں میں زمانۂ جاہلیت کا تخیّل باقی تھا صنم پرستی کا اثر موجُود تھا۔ اعمال و عقائد میں ابھی ہم آہنگی پیدا نہ ہوئی تھی۔ اِسلام نے ابھی ان کے طرازِ تخیّل اور طرزِ زندگی پر پُورا تسلّط نہیں کیا تھا کہ مُختلف تہذیبوں اور مخالف اعتقادات سے تصادم ہو گیا اور مخالف عناصر کا مقابلہ کامیابی سے نہ کر سکے۔ اِس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عربی عنصر اور اسلامی طرزِ تخیّل مُسلمانوں کے ممالک سے بالکل مفقود ہو گیا اور عربوں کی جگہ مفتُوحہ ممالک کے باشندوں نے اِسلام کا لباس پہن کر لے لی۔

اوّل تو وُہ ہی اسلام ناقص تھا۔ جو ان عربوں نے جن کے اندر بقول جناب رسول خدا کفر موجود تھا[۵۵]۔ اور جن کی جبلّت وطینت میں بقول علامہ مشرقی جاہلیت کی روایات اور اعتقادات باقی تھے[۵۶]۔ اپنی مفتوحہ رعایا کو دیا۔ اِس پر طُرّہ یہ ہُوا کہ یہ نو مُسلم اپنا کافرانہ طرز تخیّل اور اپنی مُلحدانہ رسومات اپنے ہمراہ لائے۔ یہ تھا مختلف مذاہب کا مجموعہ جو اسلام کے نام سے ان فتوحات کے ذریعہ دُنیا میں پھیلا۔ حضرت عمر نے عقل وقیاس کو امورِ مذہبی میں مداخلت کی آزادی دے ہی دی تھی بے شمار فرقے پیدا ہو گئے۔ کوئی فرقہ جبر واختیار کے مسئلہ میں پھنسا ہوا ہے، کوئی تدبیر و تقدیر پر غور کر رہا ہے۔ کوئی مسئلہ تناسخ کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ کسی کو خیر و شر کی موجودگی شُبہ میں ڈال رہی ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ شاید زرتشت کا خیال ہی درست ہو۔ خُدا دو ہی ہوں۔ اہرمن ویزداں، ایک شر کا ایک خیر کا۔ کسی کی ہمت اوتاروں کے خیال نے بڑھائی ہوئی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مَیں ہی خُدا ہوں۔ مسئلہ حلول و ہمہ اوست میں محو ہو کر ویدانت کی طرف جُھکے جاتے ہیں۔ بہت لوگ فقۂ اسلامی کو یُونان کے فلسفہ کے مطابق کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ جب اِن پیچیدگیوں سے دم گھبراتا ہے تو اسلام سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور کہتے ہیں ؎ اللّٰھم خفّفنی فی الدین

صنمارہ قلندر سرزا ربمن نمائی — کہ دراز و دُور دیدم رہ و رسم پارسائی

اور لُطف یہ ہے کہ اسلام کے بے شمار فرقے اپنے اپنے اعتقادات کی بناء قرآن مجید پر رکھتے ہیں اور ایک دُوسرے کی تاویل غلط بتا کر آپس میں تکفیر کی دو دھاری تلوار چلا رکھی ہے۔ محض یہی ایک امر بیّن ثبوت ہے اس دعوے کا۔ ان مُسلمانوں کو قرآن شریف کی صحیح تاویل معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کہ فتوحات کا سلسلہ

---

[۵۵] شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفا مقصد ۱ ص ۱۹۹۔ جلال الدین سیوطی۔ کتاب دُر المنثور الجزء الرابع ص ۵۵، علی المتقی مُنتخب کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۱۔

[۵۶] تذکرہ۔ مقدمہ ص ۶۷، ۶۸۔

شروع ہو گیا۔ امرِ حق میں اختلاف و تضاد ناممکن ہے۔ حق ایک ہی ہے۔ لہٰذا ایک ہی تاویل صحیح ہونی چاہیئے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ عربوں کی سُرعتِ فتوحات نے اسلام کو نقصان زیادہ پہنچایا بہ نسبت فائدہ کے۔ فتوحاتِ مُلکی اِسی صورت میں مفید ہو سکتی ہیں جب فاتح قوم کا غلبہ مُستقل و مُستحکم ہو۔ اگر فاتح قوم کا تخیّل اور مذہب مغلوب ہو گیا تو پھر محض تلوار تو بہت جلد کُند ہو جاتی ہے۔

یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ حُکّام سقیفہ نے مسند پر قدم رکھتے ہی لڑائیوں کی طرف کیوں رُخ کیا۔ جب حضرت ابو بکر تخت نشین ہوئے تو اُس وقت اِسلام یا مُسلمانوں کا کوئی اندرونی یا بیرونی دُشمن نہ تھا۔ باہر کے مواضعات کے قبائل میں سے اکثر نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ ماننے سے انکار کر گیا اور کہا کہ چُونکہ وُہ خلیفۂ جائز نہیں ہیں لہٰذا ہم اُن کو زکوٰۃ نہ دیں گے لیکن نہ اُنہوں نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایک حکومت پر حملہ کرنے کے لئے پہلے سے تدابیر سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ حملہ تنظیم کامل کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور یہ تنظیم ان قبائل سے مفقود تھی۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ سوائے اپنے اِس خیال کے اظہار کے کہ ہم ابو بکر کو زکوٰۃ نہ دیں گے ان قبائل نے کوئی دشمنی کا فعل نہ کیا تھا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی مذہب کے فرمان کے بموجب تھی اور قرآن شریف میں اِس کا تذکرہ ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر اصرار کیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں مُسلمان زکوٰۃ جناب رسولؐ خدا کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوّت میں حکومت شامل ہے یا نہیں۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ حکومت شامل نہیں۔ لہٰذا حکومت میں جو آپ کا جانشین ہُوا وُہ زکوٰۃ وصول کرنے کا حقدار نہیں۔ کیونکہ یہ تو مذہبی اور قرآنی حُکم ہے اور جناب رسولؐ خدا اپنے نبی ہونے کی حیثیّت سے زکوٰۃ وصول کیا کرتے تھے اگر نبوّت

ہیں حکومت شامل ہے تو پھر زکوٰۃ وہ ہی شخص لے سکتا ہے جس کو نبی اپنا جانشین مقرر کر دے۔ نبوّت کی جانشینی سقیفہ بنی ساعدہ میں تو تقسیم نہیں ہو سکتی۔ بحث کے کسی پہلو سے حضرت ابو بکر زکوٰۃ وصول کرنے کے مُستحق نہ تھے اور اگر گول مول بحث کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ ایک قسم کا مسلمانوں پر ٹیکس ہے جو حاکم کو ادا ہونا چاہیئے تو اس کا ادا نہ کرنے والا حکومت کا منحرف ہُوا۔ اِسلام کے دائرہ سے تو باہر نہ نکلا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اُن لوگوں نے کبھی زکوٰۃ کی فرضیّت سے انکار نہیں کیا۔ اور یہ ضروری نہیں کہ زکوٰۃ خلیفہ ہی کے پاس بھیجی جاوے جبکہ وہ قرآن و رسول کا مقرر کردہ نہیں ہے آج کل بھی تو مُسلمان زکوٰۃ دیتے ہیں کسی خلیفہ کے پاس تو نہیں بھیجتے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اِس عدم ادائیگی کی وجہ سے وہ مُرتد یا کافر تو نہیں ہو جاتے۔ اِس امر کا ثبوت کہ مانعین زکوٰۃ مُرتد نہ تھے اِس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ تمام صحابہ نے اُن سے لڑنے کو ناجائز قرار دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بھی اُن کے قتال کو ناجائز سمجھتے تھے صرف تن تنہا حضرت ابو بکر اُن سے لڑنا چاہتے تھے۔ اب فرمائیے وہ آپ کا اجماع کہاں گیا۔ یہاں تک کہ جب کوئی صحابی لڑنے کے لئے نہ نکلا تو حضرت ابو بکر اکیلے کھڑے ہو گئے۔ اب خلیفہ کو تنہا کیا چھوڑتے اور رفتہ رفتہ سب کا شرح صدر ہوتا گیا۔ جب حضرت ابو بکر نے مصلحت کو سمجھایا اور کہا کہ حکومت سے یہ سرتابی بُری مثال پیدا کرے گی تو حضرت عمر بھی مان گئے۔ لیکن پھر بھی جب وقت نکل گیا تو حضرت عمر نے اپنے عہد حکومت میں اُن سب کا مال اور قیدی واپس کر دئے۔ کیونکہ قتال ناجائز تھا۔ علاّمہ شہرستانی نے بھی اس کو ایک اختلاف بین المسلمین شمار کیا ہے۔ اِس معاملہ میں ایک تیسرے غیر تعلّق والے عالم کی رائے زیادہ اہمیت رکھے گی ۔

ایک انگریزی مؤرخ لکھتا ہے:۔

The fight against the Ridda was not a fight against apostates, the objection was not to Islam perse but to the tribute which had to be paid to Madina ....
only a few of the tribes more nearly - conected with Madina recognised the supremacy of Abubaker. The others all seceding.
The Cambridge Meduevol History. P. 335

ترجمہ

اہل ردّہ کی جو جنگ مشہور ہے وُہ دراصل مُرتدین کے خلاف نہ تھی کیونکہ انہوں نے اسلام ترک نہیں کیا تھا بلکہ وُہ ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے .... صرف ان چند قبائل نے جو کسی نہ کسی طرح مدینہ سے تعلق رکھتے تھے ابوبکر کی خلافت کو مانا تھا۔ باقی سب اِس کے خلاف تھے۔

اِس لڑائی میں جو جو ظلم حضرت ابوبکر کے ایجنٹ حضرت خالد بن ولید نے کئے وُہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اِس جبر و استبداد سے حضرت ابوبکر نے ان کو مغلوب تو کر لیا لیکن ان کا نچلا بیٹھنا ناممکن تھا۔ اندرون عرب کے یہ وُہ قبائل تھے جن کی طرف سے دائمی خطرہ لگا ہُوا تھا۔ اِس خطرے سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وُہ یہ کہ ان کو عرب کے باہر دُوسرے ممالک کی مہم پر لگایا جائے تاکہ ان کا شوقِ غنائم ان کو خوشی کے ساتھ مشغول رکھے اور غنائم کی فراوانی ان کو رفتہ رفتہ حکومت کا دلی طرفدار بنا دے

اِس دُنیا میں اکثریت کو یہ طاقت ہے کہ اگر دِن کو رات کہیں تو دُنیا رات ہی کہنے لگتی ہے۔ اور اگر رات کو دِن کہیں تو وُہ دِن ہی سمجھا جاتا ہے مسلمانوں کی

اکثریت و مورخین نے یہ کہہ دیا کہ سب سے پہلے حضرت علی کے زمانے میں مسلمانوں میں آپس کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو اب دنیا بھی ماننے لگی۔ در امرِ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی پہلی خانہ جنگی حضرت ابوبکر کے زمانہ کا یہ قتال مانعین زکواۃ تھا۔ بہر حال ان مانعین زکواۃ کو حضرت ابوبکر نے مرتدین کا ناجائز خطاب دے کر ان سے لڑائی شروع کر دی۔ اصلی مرتدین کی سرکوبی تو بہت کچھ آنحضرتؐ نے کر دی تھی۔ آنحضرتؐ کے زمانۂ اخیر میں دو جھوٹے نبی طلیحہ اور مسیلمہ کھڑے ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے کچھ اپنے مقلدین بھی جمع کر لئے تھے۔ آنحضرتؐ نے اُن کی سرکوبی کا کافی انتظام کر دیا تھا۔ اور آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد یہ فوراً ہی مغلوب کر لئے گئے۔ حضرت ابوبکر کی سیاسی ترکیب یہ تھی کہ اِن مرتدین و مانعین زکواۃ کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر سب کو مرتدین کا خطاب دے دیا۔ اور یہ چال اپنا کام کر گئی۔ ابھی خالد بن ولید اہل یمامہ سے جنگ کر کے واپس ہی ہوئے تھے، راستے ہی میں تھے کہ انہیں حکم مل گیا کہ عراق پر فوج کشی کرو۔ وہ ابھی جاری ہی تھی کہ بہت جلد یہ حکم دیا گیا کہ ایران سے ہوتے ہوئے شام پر حملہ کرو۔ رُوم و ایران نے کوئی وجہ مخاصمت کی نہیں دی تھی اور امن سے بیٹھی ہوئی قوم پر حملہ کرنا اسلام کے عدل کے خلاف تھا۔ قرآن شریف کا حکم ہے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ غور کرو۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ اپنے لوگوں کو آرام سے نہ بیٹھنے دینا۔ اِدھر سے اُدھر جائے۔ وہاں سے باہر ہی باہر دوسری طرف چلے جائے۔ مدینہ میں نہ آنے دینا اِس میں کیا مصلحت تھی۔ بات یہ ہے کہ جس سُرعتِ رفتار کے ساتھ سقیفہ کے واقعات نے حرکت کی تھی اِس نے کسی کے لئے یہ موقع نہ چھوڑا تھا کہ رحلتِ رسولؐ کے بعد وہ غور کرے کہ اب کیا کریں۔ اور کیونکر کریں حضرت

عمر نے نہایت تیزی سے کر کے دکھا دیا کہ یہ کریں اور لوگ مجبور ہو گئے۔ حضرت عمر نے واقعات کو اس تیزی کے ساتھ حرکت دی تھی کہ اس وقت سب مبہوت ہو گئے۔ جب وہ حالت گزر گئی تو پھر لوگوں کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ انصار بھی اپنے کیئے پر پچھتانے لگے اور سب کو تعجب ہوا کہ بنی تیم و بنی عدی کیوں خلافت پر قبضہ کریں اور سب کے لئے یہ سوچنا کہ دراصل خلافت کس کا حق ہو سکتا ہے بالکل فطری امر تھا۔ سُرعت واقعات کی مدد سے کامیابی کو حاصل کرنا تو زیادہ مُشکل نہیں ہوتا اُس کامیابی کو قائم رکھنا بہت مُشکل ہوتا ہے۔ سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ لوگوں کو اپنی طرف کیا جائے اور اُن کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ اِس معاملہ پر زیادہ غور و خوض کریں یا بنو ہاشم سے ملنے کے منصوبے باندھیں۔ اِس مُشکل کا حل حضرت ابو بکر نے اِس طرح کیا جس طرح دُنیا کی تاریخ میں ان سے پہلے اور ان کے بعد مُدبّرانِ سلطنت ایسے موقعوں پر کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ساری قوم کی قوم کو لڑائی پر لگا دیا اور باہر بھیج دیا تا کہ یہ مشغول رہیں اور مالِ غنیمت جو آئے اُس سے سب کا مُنہ بند کر دیا جائے اِس چاروں طرف کی لشکر کشی کی یہ غرض و غایت تھی۔ اِسلام کی محبّت اُس کی وجہ نہ تھی۔ اِسلام کے تو مُسلّمہ قانون کے خلاف تھی +

حُکّامِ سقیفہ اپنے اِس مقصد میں نہایت آسانی کے ساتھ کامیاب ہو گئے کیونکہ اس طرح کی لشکر کشی جس سے مالِ غنیمت حاصِل ہو عربوں کی فطرت کے عین مطابق تھی۔ جناب رسولِ خدا ان کی اس جبلّی میلان کو روکتے رہے لیکن جب لوگوں نے دیکھا کہ حُکّامِ سقیفہ کی سیاسی اغراض اُن کی اس جبلّت و فطرت کے میلان کے مطابق ہیں تو اُنھوں نے نہایت خوشی سے لبّیک کہا۔ ہم مولوی شبلی کی زبانی بتاتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں مالِ غنیمت کی محبّت کس قدر تھی۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مالِ غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا۔ اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا۔ جاہلیت میں تو غنیمت کو محبوب ترین چیز سمجھتے تھے، ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے پوچھا:۔

رجل یرید الجھاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی غرضا من اغراض الدنیا فقال النبی لا اجرلہ فاعظم ذلک الناس وقالوا للرجل عد لرسول اللہ فلعلک لم تفھمہ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۳۴۸)

ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دُنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے آپ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا یہ امر لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوا اور لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھو غالباً تم نے آنحضرت صلعم کا مطلب نہیں سمجھا۔

بار بار لوگ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بالآخر جب آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ لا اجرلہ یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ تب لوگوں کو یقین آیا۔

ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکلے۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انہوں نے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حملے سے بچ گئے، اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو مال غنیمت سے محروم کر دیا۔ ابوداؤد میں صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے

فلامنی اصحابی وقالوا احرمتنا الغنیمۃ۔ ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۴۵ یعنی مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کی کہ تم نے

ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا ۔

جب لوگوں نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے آکر ان کی شکایت کی تو آپ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دئے گئے) کے بدلہ اتنا اتنا ثواب ملے گا۔ (ابو داؤد)...

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تائید میں غزوۂ حنین میں جو ۸ھ ہجری میں واقع ہوا تھا اسی وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے۔

فاقبل المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسھام

یعنی بس مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا ....

ابو داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا۔ سب ٹوٹ پڑے، اور بکریاں لوٹ لیں، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر ہوئی آپؐ موقعہ پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں اُبالی جا رہی تھیں آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ نے اس سے ہانڈیاں اُلٹ دیں، اور سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر فرمایا لوٹ کا مال مُردار گوشت کے برابر ہے۔ سیرۃ النبی جلد اوّل حصہ اوّل۔ تقطیع کلاں ص ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷ ۔

وہ لوگ جو ادعا کرتے ہیں کہ اسلام نے یک لخت عرب کی ساری فطرت ہی بدل کر ان کو ایسا بنا دیا کہ اُن میں سے ہر ایک آسمانِ ہدایت کا ستارہ بن گیا، اِس عبارت کو غور سے پڑھیں، غزوۂ حنین آنحضرتؐ کا آخری غزوہ تھا جنگ احد میں سبق بھی مل گیا، تب بھی غنیمت کی محبت نہ ان لوگوں کے دل سے گئی

خواہ مخواہ غیروں کا مال ہی لوٹ لیتے ہیں، آنحضرتؐ کو سب ہانڈیاں اُلٹنی پڑیں اسلام کی محبت کا حال تو معلوم ہو گیا، عرصہ تک پچھتا وا رہا کہ غنیمت ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اُس صحابی کو جس نے دشمن کو مسلمان بنا دیا تھا۔ ملامت ہی کرتے رہے۔ خالد بن ولید کا قصہ آپ جانتے ہی ہیں، جناب رسولؐ خدا نے ان کو بنو جذیمہ کی طرف محض تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، اور خاص طور سے ہدایت کر دی کہ لڑنا نہیں بنو جذیمہ مسلمان ہو گئے، ایمان لے آئے کلمہ پڑھنے لگے، لیکن مال غنیمت کے لالچ میں حضرت خالد نے ان کو قتل کرا دیا، اور مال غنیمت لوٹ لیا۔ جب وہ واپس آئے تو جناب رسولؐ خدا اُن پر بہت ناراض ہوئے۔ تین دفعہ آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا اے خدا خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں دیکھو تاریخ طبری الجزو الثالث ص ۱۲۴، سیرۃ النبی مولوی شبلی حصہ اوّل جلد اوّل تقطیع کلاں ص ۴۳۸۔ ان ہی خالد بن ولید کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں کہ کس طرح باوجود مسلمان ہونے کے انہوں نے مالک بن نویرہ کو محض اس کی عورت کی خاطر قتل کیا اور اس کے مسلمان ہونے کا خیال نہ کیا، اور یہ ہی خالد بن ولید حضرت ابو بکر کے حکم سے ملک عراق و شام کو فتح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ جیسی اسلام کی محبت یہ اپنے دل میں لے کر گئے ہوں گے وہ ان دونوں واقعات سے اچھی طرح عیاں ہے، اور جو ان کی غرض و غایت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

اسلام کا کلیہ ہے:۔ الاعمال بالنیات، حضرات شیخین کے جہاد کی غرض و غایت یہ تھی کہ۔

(۱) احکام سقیفہ لوگوں کی نکتہ چینی سے محفوظ رہیں۔

(۲) وہ لوگ بنی ہاشم سے نہ ملنے پائیں۔

(۳) حکام سقیفہ لوگوں کی نظروں میں ہر دلعزیز ہو جائیں۔

(۴) مال غنیمت سے لوگوں کا منہ بند کر دیں اور دلوں پر مہر لگا دیں تا کہ ان کی

حضرات شیخین کی جنگوں کی غرض و غایت

سلطنت محفوظ و مستحکم ہو جائے۔

حکّامِ سقیفہ کے اس طرزِ عمل نے دُشمنوں کو موقع دیا کہ وُہ اسلام و بانیٔ اسلام پر نکتہ چینی کریں اور کہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور مُلک غنیمت کے لالچ سے فتح ہوا اور پھر اسلام پر (Imperialism) کا وُہ بدنما داغ لگ سکے، جو ظلم و ستم کی بدترین شکل ہے۔ یہ لفظ آج کل فرنگی سیاست میں بہت مشہور ہے اور اس کے معنی ہیں :- کمزور ہمسایہ کے مُلکوں پر طاقتور مُلک کا محض ہوسِ مُلک گیری کی وجہ سے قبضہ کرنا ہمارا یہ ادّعا ہے کہ یہاں مذہب یا اسلام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب فاتح یعنی حضرت عمر نے خود کہہ دیا کہ نبوّت اور حکومت علیحدہ علیحدہ شے ہیں اور نبوّت میں حکومت شامل نہیں ہے یعنی مذہب اور حکومت جُداگانہ شے ہیں، تو پھر اب کسی کو حق حاصل نہیں کہ حکومت کی غلطیوں کو مذہب کے سر تھوپے، جو فتوحات ہوئیں وُہ مذہب کے خاطر نہیں ہوئی تھیں اور اسلام کا پھیلانا ان فتوحات کا مدّعا نہ تھا، حضرت عمر کے اس اقبال کے بعد کہ حکومت و مذہب جُداگانہ شے ہیں ایک کو دُوسرے سے تعلق نہیں، اور ان واقعات کی شہادت کے بعد جو ہم نے اُوپر بیان کئے اب بارِ ثبوت مدّعی کے اُوپر ہوگا کہ وُہ بتائے کہ ان فتوحات میں کون سا کام انہوں نے مذہب کے لئے کیا، یا کون سا ان کا فعل تھا جس سے یہ ظاہر ہووے کہ اس لشکر کشی کا باعث اسلام کا پھیلانا تھا۔ یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ محض فتوحات ہی نے اسلام پھیلا دیا، اگر محض فتوحات سے اسلام پھیلا تو یہ تو ان فتوحات کا نتیجہ ہوا کسی فعل کے نتیجہ کو اس فعل کا باعث تو نہیں کہہ سکتے، خصوصاً جب کہ فعل کے ارتکاب کے وقت وُہ نتیجہ مدِّ نظر نہ تھا، یہ بھی اس کا جواب نہ ہوگا کہ لڑائی سے پہلے حکّامِ سقیفہ کے لشکر کا جنرل یہ بھی شرط پیش کرتا تھا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو ہم تم سے صُلح کر سکتے ہیں۔ ایسے حالات کے اندر یہ شرط پیش ہوتی تھی کہ وُہ جنرل جانتا تھا کہ یہ منظور نہ ہوگی۔ جب تم نے لشکرِ جرّار

کے ساتھ ایک ایسی سلطنت پر حملہ کر دیا جو عرصہ سے قائم ہے اور اس نے تمہیں روکنے کے لئے ایک لشکر بھی تیار کر لیا تو اب اُس سے کہنا کہ مُسلمان ہو جاؤ بے معنی ہے اس کے جذباتِ حمیّت و غیرت و شجاعت کو تو پہلے بھڑکا دیا اور اس کو تم جنگ کے درجۂ حرارت تک پہلے ہی سے لے آئے۔ تو اب یہ شرط تو محض بے معنی ہو گئی۔ تمہارا دِل گواہی دیتا ہے کہ ان حالات میں کوئی اِنسان ایسی شرط منظور نہیں کر سکتا۔ وُہ تمہارے مذہب سے ناواقف ہے اور تُم نے اپنے مذہب کا وُہ رُخ بنا کر اس کی طرف پیش کیا ہے کہ تمہارے مذہب کے حق ہونے کا امکان اس کے دِل سے پہلے ہی سے نکل گیا۔ وُہ دِل میں کہے گا کہ ایسی قوم کا مذہب کیونکر حق ہو سکتا ہے کہ جس نے بغیر کسی وجہ کے بغیر کسی حق کے بغیر میرے کسی قصور کے میرے مُلک کو مجھ سے چھیننے کا تہیّہ کر لیا ہے۔ تبلیغ کا تو قاعدہ ہے کہ اپنے مذہب کو بہترین لباس میں دکھایا جاوے۔ تم نے تو اپنے مذہب کو بدترین لباس طمع و آز میں آراستہ کیا ہوا ہے اور مُنہ سے کہتے ہو کہ اسلام قبول کر لو۔

جنابِ رسولِ خدا کے اصول و مبانیٔ جہاد میں تغیر۔ وُہ مذہبی جہاد مبنی بر عدل و انصاف تھے۔ حُکّامِ سقیفہ کے مُلکی جنگی مبنی بر عدوان و جبر تھے۔

اِسلام کے مبانی و اصول قرآن شریف میں درج ہیں۔ چنانچہ جہاد بالسیف جن اصولوں پر ہونا چاہیئے وُہ اِن دو آیتوں میں ملتے ہیں۔

(۱) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (پارہ ۳ سورۃ البقرع ۳۴)

ترجمہ:۔ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ نہیں ہے ہدایت کھلم کھلا گمراہی سے ممیز ہو گئی ہے۔

(۲) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (پارہ ۲ سورۃ البقرع ۲۴)

ترجمہ:۔ قتل کرو تم اُن کو (کُفّارانِ مکّہ) جہاں پاؤ اور اُن کو (کُفّارانِ مکّہ کو) اُن کے گھروں سے نکال دو جس طرح اُنہوں نے (کُفّارانِ مکّہ نے) تم کو نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ بُرا ہوتا ہے۔

پہلی آیت میں اصول تبلیغ و اشاعت اسلام بیان کیا ہے۔ جبر و تعدّی سے مذہب کی اشاعت نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے مذہب کو اپنے قول و فعل و عمل سے اس طرح غیر مسلموں پر ظاہر کرو کہ وُہ خود دیکھ لیں اور قائل ہو جائیں کہ حق کہاں ہے اور گمراہی کدھر ہے۔ اس طرح اپنے دِل سے یقین کر کے جب وُہ اسلام لائیں گے تو وُہ راسخ اور پکّا دین ہو گا۔ اور اگر تم نے جبر و تعدّی و تلوار سے مُسلمان کیا تو اُن کا اسلام محض زبان پر رہے گا۔ دِل میں داخل نہ ہو گا۔ دِل سے ہمیشہ تمہارے دُشمن رہیں گے اور ہر ممکن موقع پر تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے رہیں گے۔ دیکھو کُفّاران مکّہ جو فتح مکّہ کے بعد آسانی سے فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے دل سے منافق ہی رہے اور آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد اُسی طرح گروہ در گروہ اصلی اسلام سے خارج ہو گئے۔ اس کا جواب یہ درست نہ ہو گا کہ فتح مکّہ میں آنحضرتؐ نے جبر و اکراہ کے اصول پر عمل کیا بلکہ فتح مکّہ دُوسری آیت کے تحت میں آتی ہے۔ وُہ آیت قصاص کا اصول بیان کرتی ہے اور محض کُفّارانِ مکّہ کے لئے ہے۔ اُس کے حُکم میں کُفّاران ایران و روم نہیں آتے۔ اصول قصاص کو کتنا صاف کر کے بیان کیا ہے تم بھی انہیں قتل کرو جس طرح انہوں نے تم کو قتل کیا ہے۔ تم بھی اُن کو اُن کے گھروں سے نکالو جس طرح انہوں نے تم کو گھروں سے نکالا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کُفّارانِ مکّہ سے تو شروع ہی سے جنگ تھی۔ درمیان میں صُلح حدیبیہ سے التواء ہو گیا تھا۔ اور جب وُہ معاہدۂ صُلح کُفّاران مکّہ نے توڑ دیا تو وُہ ہی پہلی حالت جنگ عُود کر آئی۔ اور اُس جنگ میں کُفّارانِ مکّہ نے سبقت کی ہوئی تھی آنحضرتؐ کو مکّہ سے نکالا۔ پھر بار بار مدینہ پر حملے کئے۔ اب اُن کا جواب ترکی بترکی دینے کی اجازت دینے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ دُنیا کے ہر ایک کافر کو جبراً مسلمان کرنے کا منشاء اس آیت کا نہیں ہے۔

ہمارے اِس خیال کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جو جناب

عبد اللہ ابن عمر سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ کسی نے اُن سے اِس آیت کے معنی پُوچھے وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (ان کا فرانِ مکہ سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب سارا خُدا کے لئے ہو جائے) تو عبد اللہ ابن عمر نے فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ جب اسلام کم تھا آدمی اپنے مذہب کی بناء پر فتنہ میں مُبتلا ہو جاتا تھا لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے۔ اب جب اِسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہ رہا۔ [۵۷] یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یہ آیت اُس آیت کے بعد ہی اور اُس ہی کے سلسلہ میں ہے جو ہم نے اُوپر نقل کی ہے۔ یہ بھی اصولِ قصاص کی تائید کرتی ہے اور کُفّارانِ مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے "ھُم" کی ضمیر اُن کی ہی طرف راجع ہو رہی ہے۔ اسی میں ہے کہ کُفّارانِ مکّہ سے تم مسجد الحرام کے پاس نہ لڑو۔ لیکن اگر وُہ تم سے مسجد الحرام کے پاس لڑیں تو تم بھی ان سے وہیں لڑو۔ اور اگر وُہ باز رہیں تو خدا غفور الرحیم ہے۔ فقرہ یہ ہے فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یہ آیت یعنی وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ الآیہ سورۃ الانفال ع ۵ پارہ ۹ میں بھی دوہرائی گئی ہے۔ وہاں بھی اس کا منشاء اُن ہی کُفّاران سے ہے جنھوں نے پہلے اذیتیں پہنچائی ہیں اور تکلیفیں دی ہیں کیونکہ اس کی پہلی آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کہہ دے اے رسُول ان کافروں سے کہ اگر وُہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وُہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر وُہ ہی حرکات کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا جو طریق جاری ہو چکا ہے وُہ ہی اُن کے ساتھ برتا جائے گا۔ اپنے افعال سے باز آ جائیں اس کا یہی مطلب ہے کہ تکلیفیں نہ پہنچائیں۔ تمام قرآن مجید کو پڑھ جاؤ۔ کہیں یہ حُکم نہیں ہے کہ تم غیر مُلک کے کافروں اور یہودیوں اور

---

[۵۷] شبلی: سیرۃ النبی حصّہ اوّل جلد دوم ص ۸، تقطیع کلاں۔

عیسائیوں پر چڑھائی کر و درآنحالیکہ انہوں نے کوئی وجہ مخاصمت نہ پیدا کی ہو
کفارانِ قریش کی نظیر کی طرف اشارہ کرکے یہ بتادیا گیا کہ کوئی قوم تم پر ظلم و
زیادتی کرے تو پھر تم کو اُس سے لڑنا چاہیئے۔ اور ضرور لڑنا چاہیئے۔ یہ بطور
قصاص کے ہوگا۔ ابتداء دی جنگ نہ ہوگی۔ کمزور ہمسایوں پر محض اُن کی
کمزوری کی وجہ سے حملہ کرنے کی ترغیب مذہب اسلام میں نہیں ہے۔
اور اس کے معنی جہاد فی سبیل اللہ کے نہیں ہیں۔ اِن معنوں کو مدنظر
رکھ کر کوئی تضاد ان دونوں آیتوں میں واقع نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے
وُہ لوگ جو حکّام سقیفہ کی بے وجہ پوزیشن کی تائید کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ
دونوں آیتیں ایک دوسرے کی ناسخ و منسوخ ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ جب مسلمان
کمزور تھے تب تو آیت لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ نازل ہوئی۔ اور جب مسلمان
طاقتور ہوگئے تو پھر آیہ جہاد یعنی واقتلوا ھم حیث ثقفتموھم الآیہ
نازل ہوئی۔ جیسا اُن کا اپنا طرز عمل رہا ہے کہ جیسا موقع دیکھا ویسی بات
اپنے مقصد براری کے لئے کہہ دی۔ کبھی کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ جب
مطلب نکل گیا تو دوسرے موقعہ پر کہہ دیا۔ نہیں۔ بلکہ حدیث لا نورث زیادہ
قابل تقلید ہے۔ ویسی ہی ذہنیت یہ معاذاللہ صاحب قرآن کو دینی چاہتے
ہیں۔ جب مسلمان کمزور تھے تب تو یہ اصول قائم کر دیا کہ دیکھ بھئی۔ دین کی
باتوں میں زبردستی نہیں ہوتی۔ تم کیوں ہم کو مجبور کرتے ہو کہ ہم دین اسلام
قبول نہ کریں۔ جب وُہ موقع نکل گیا تو کہا کہ نہیں غیر مذہب والوں کو
مارنا چاہیئے جہاں بھی ملیں۔ یہ کیسی غلط تاویل ہے جو قرآن شریف کی
یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اس طرح ایک نہایت عمدہ اصولِ اخلاق و مذہب
کو خراب کرتے ہیں۔ دیکھیئے حکم منسوخ ہو سکتا ہے اصول منسوخ نہیں ہوتے
ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ تم سات دن تک
روزے رکھنا۔ پھر تھوڑی دیر میں میری حالت دیکھ کر یا کسی اور وجہ سے

آپ نے کہہ دیا کہ میں اپنا حکم واپس لیتا ہوں۔ تم روزہ نہ رکھنا۔ یہ تو آپ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ ایک دن تو آپ نے کہا کہ دیکھو دُوسروں کی امانتیں واپس کرنی بہت اچھی ہیں۔ تمہارے پاس بھی دُوسروں کی جو امانتیں ہیں وُہ واپس کر دو۔ دُوسرے دِن آپ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ لوگوں کی امانتیں واپس کرنی بُری بات ہے۔ دیکھو تمہارے پاس جو دُوسروں کی امانتیں ہیں وُہ تم خود ہضم کر جاؤ۔ یہ ایک اصول ہے کہ دین میں اکراہ و اجبار نہیں ہوتا ہر ایک شخص اپنی مرضی سے دین پسند کرتا ہے۔ اس اصول کو منسُوخ نہیں کیا جا سکتا۔ اصول حق پر مبنی ہوتے ہیں اور حق کبھی منسُوخ نہیں ہوتا وُہ آیات جن میں حُکم دیا گیا ہے منسُوخ ہو سکتی ہیں۔ وُہ آیات جن میں حق بیان کیا گیا ہے۔ اصول بیان کئے گئے ہیں کبھی منسُوخ نہیں ہو سکتیں۔

امام راغب نے جہاد کی تعریف یہ کی ہے: الجہاد استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو[۷۹] یعنی انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا جہاد ہے[۸۰] اسلامی فقہ و شریعت میں اسلام کا مفہوم جہاد یہ ہی ہے کہ دشمن کو دفع کیا جاوے۔ دُشمن پر پہلے بغیر وجہ کے حملہ کرنا اسلامی اخلاق و شریعت کے خلاف ہے۔ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا دستور حالتِ جنگ میں بھی یہ تھا کہ خود دُشمن پر پہلے حملہ نہیں کرتے تھے۔ جب وُہ حملہ کر لیتا تھا تو اس کا حملہ روک کر پھر خود حملہ کرتے تھے۔ جب معاویہ کے مقابلہ میں فوجیں روانہ کی ہیں تو آپ نے اپنی افواج کو حُکم دیا تھا کہ پہلے تم حملہ نہ کرنا۔ جب دُشمن حملہ کر لے تب حملہ کا جواب دینا۔

خود مولوی شبلی نے بتا دیا ہے کہ اسلامی شریعت میں جہاد کیسا ہوتا ہے اور

---

۷۹ المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۰ لفظ جہد

۸۰ حامد الانصاری: اسلام کا نظامِ حکومت ص ۲۰۷

جناب رسول خدا کے جہاد کیسے تھے۔ جنگ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے وُہ فرماتے ہیں :-

اِسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدّ راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے۔ اُس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے صرف معاہدۂ صُلح کافی ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں لیکن جب کوئی قوم خود اِسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اُس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اِسلام کا پہلا مفتوحہ مُلک تھا۔

(سیرۃ النبی حصہ اوّل مجلد اوّل تقطیع کلاں ص ۳۵۲)

اِس معیار پر عراق و شام کی لشکر کشی پوری نہیں اُترتی۔ لہٰذا وُہ شریعت اسلام کے خلاف تھی عُلماءِ اِسلام نے جنہوں نے شریعت اسلامی پر غور و خوض کیا ہے اِس لشکر کشی کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس یورش سے جو ممالک فتح ہوئے اُنہیں غصب شدہ جائداد سمجھ کر ناجائز قرار دیا ہے۔ چُنانچہ علّامہ خطیب بغدادی اپنی "تاریخ" میں لکھتے ہیں۔

ذکر اقوال العلماء فی ارض بغداد و حکمها وما حفظ عنهم من الجواز والکراهة لبیعها فذکر عن غیر واحد منهم ان بغداد دار غصب لا تشتری مساکنها ولا تباع	زمین بغداد کے متعلق عُلماء کے اقوال کا ذکر اُس کے خرید و فروخت کی کراہت کی نسبت اُن سب علماء کا قول ہے کہ بغداد دار غصب ہے اُس کی اراضیات و مکانات کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

تاریخ بغداد المجلد اوّل ص ۴۔

ایک بات سے قطعی فیصلہ اس امر کا ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامی نے دُوسروں کے مُلک فتح کرنا اپنے پروگرام میں داخل نہیں کیا تھا ورنہ ہی

یہ قرآن شریف اور شارع علیہ السلام کا منشاء تھا۔ جو چیزیں دشمن سے حاصل کی جا سکتی ہیں اُن کے لئے فقہ اسلامی کا یہ حکم ہے کہ پانچواں حصہ یعنی خمس تو خدا و رسول کے لئے ہے اور باقی اُن لشکریوں میں تقسیم ہونا چاہیئے جنہوں نے غنیمت حاصل کی ہے۔ جب حضرت عمر کے زمانہ میں مُلک فتح ہوئے تو اِس قاعدے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوال اُٹھا کہ مفتوحہ اراضیات بھی لشکریوں میں تقسیم کی جاویں۔ قاعدے کی رُو سے تو یہ ہونا چاہیئے تھا لیکن حضرت عمر نے اِس میں بہت سی خرابیاں دیکھیں تو اپنی معمولی عادت تاویل کو کام میں لا کر لشکریوں کے اِس مطالبے کو نامنظور کر دیا۔ ہماری بحث یہ ہے کہ واقعی حضرت عمر صحیح کہتے تھے۔ اگر اراضیات لشکریوں میں تقسیم ہو جاتیں تو بہت خرابیاں پیدا ہوتیں۔ اُن میں سے ایک تو یہ تھی کہ کئی افسر اور جنرل وُہ ممالک اپنے قبضہ میں لے کر چھوٹے چھوٹے بادشاہ بن جاتے اور بادشاہت کے اندر یہ کئی بادشاہیاں موجب فساد ہوتیں۔ صریح نتیجہ نکلتا ہے کہ غنیمت کی تقسیم کا جو قاعدہ قرآن شریف نے مقرر کیا اس میں اراضیات شامل نہ تھیں کیونکہ اِس طرح اراضیات کے فتح کرنے کی اجازت قرآن شریف نے نہیں دی تھی اور اگر اُن کی اجازت ہوتی تو اس قاعدے میں ان کو صراحتاً مستثنےٰ کر دیا جاتا۔ اگر وُہ شامل تھیں تو ان کی طرف سے بالکل خاموشی بیجا تھی۔ فتوحات کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ مُلک کے مُلک فتح ہو جاتے ہیں۔ اُن کے لئے تو قاعدہ مقرر ہونا چاہیئے تھا +

یہ بھی صورت ہوسکتی تھی کہ کوئی عرب کا ہمسایہ مُلک اِسلام پر فوج کشی کرتا۔ اور اُس کی مدافعت میں مُسلمانوں کو لڑنا پڑتا اور دُشمن مغلوب ہو جاتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس صورت میں کیا کرنا چاہیئے تھا۔ اُس کی بھی اراضیات ہوتیں اور اُن پر کیا قاعدہ لگایا جاتا۔ اِس سوال کا حل خیبر کے واقعات سے ہوتا ہے۔ ہم اُن واقعات کے متعلق علامہ طبری کی تاریخ کے اردو ترجمہ سے

ذیل میں نقل کرتے ہیں - یہ ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب نے کیا ہے اور شعبہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے حیدر آباد دکن میں طبع ہوا ہے وہ لکھتے ہیں :-

رسول اللہ صلعم نے اہل خیبر کو اُن کے قلعوں وطیح و سُلالم میں محصور کر لیا۔ جب اُن کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوا اُنہوں نے رسول اللہ صلعم سے درخواست کی کہ آپ ہماری جان بخشی کریں اور ہمیں یہاں سے جلا وطن کر دیں۔ آپ نے اُس پر عمل کیا۔ اس سے قبل آپؐ نے اُن کے مواضعات شق، نطاۃ، کتبہ اور ان دو قلعوں کے علاوہ اور تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب اہل فدک کو اہل خیبر کی اس دُرگت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بھی رسول اللہ صلعم سے یہی درخواست کی کہ آپؐ اُن کی جان بخشی فرما کر ان کو جلا وطن کر دیں اور وہ اپنی تمام جائداد آپ کے لئے چھوڑ کر چلے جائیں آپؐ نے اُسے منظور کر کے اُس پر عمل کیا ؟

اِس مصالحت کے لئے بنی حارثہ کے محیصہ بن مسعود فریقین میں وکیل بنے۔ جب اہل خیبر نے مذکورۂ بالا شرائط پر اطاعت کر لی۔ تو اُنہوں نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آپ اِن زمینوں کی نصف پیداوار کی ادائگی پر ہم سے معاملہ کر لیں کیونکہ ہم دُوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ان سے زیادہ واقف ہیں اور بہتر طریقے پر ان کو آباد رکھیں گے آپؐ نے اسے منظور کر لیا۔ زمینیں اُن کے پاس رہنے دیں اور یہ شرط کر لی کہ جب ہم چاہیں گے تم کو اُن سے بے دخل کر دیں گے اہل فدک نے بھی اِس شرط پر صُلح کر لی۔ اِس طرح خیبر تمام مُسلمانوں کی ملکیت عامہ ہوا اور فدک محض رسول اللہ صلعم کا خالصہ ہوا کیونکہ اِس پر مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی۔ (اُردو ترجمہ تاریخ طبری

جلد اوّل حصّہ سوم ص ۴۰۰، ۴۰۱ ۔

اِس عبارت پر غور کیجیے۔ زمین مفتوحہ کی ملکیت تمام مسلمانوں کی ہو گئی سرکاری زمین نہیں بنی۔ فدک چونکہ مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تھا وُہ آیت قرآنی کے مطابق جناب رسولؐ خدا کی خالص ملکیت میں آیا۔ وُہ ہی غنیمت کی تقسیم کا قاعدہ جو قرآن شریف نے مقرر کیا تھا۔ اراضیات مفتوحہ کی تقسیم پر بھی حاوی ہوا۔ جناب رسولؐ خدا نے خیبر کی اس آمدنی سے خمس کا حصّہ بھی لیا تھا جیسا کہ تاریخ طبری میں دوسری جگہ درج ہے۔ ایسی بہت کم نظائر ہوتی ہیں جب منظم سلطنت پر کوئی ہمسایہ سلطنت بے وجہ حملہ کرے۔ یہ اُسی وقت ہوتا ہے کہ جب کسی کے دماغ میں استبدادی و جبری منصوبوں کی سکیم ایک شکل اختیار کر لے۔ لیکن ہٹلر اور نپولین روز روز نہیں پیدا ہوتے لہٰذا ایسے بہت کم موقعے پیش آتے ہیں۔ جو انتظام جناب رسولؐ خدا نے فرمایا تھا وُہ اگر کار فرما ہو جاتا تو مسلمان قوم اِتنی مضبوط رہتی کہ کسی ہمسایہ قوم کو اُسے چھیڑنے کا خیال بھی نہ آتا۔ اور اُس نظام میں ساری ہمسایہ قومیں تو مسلمان ہوتیں تو پھر چھیڑتا کون کرتا اور لڑائی کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ اِسلام تو امن و عدل کی نعمت لے کر آیا تھا اُس کے نظام میں انسانوں کا آپس میں لڑنا خلاف فطرت تھا۔

قاعدۂ تقسیم غنیمت اور مفتوحہ اراضیات کے تعلق کو کولمبیا کے ایک پروفیسر نے اِس طرح ظاہر کیا ہے:۔

Of the above three classes of revenue which may accrue to the muslim community or the state, namely, the sadaqah, booty and fay revenues, the four fifths of fay revenue is a part of the public treasury because its

disposition is made according to the personal judgment of the Imam. on the contrary, the four-fifths of booty revenue (ganimah) is not a part of treasury. and on this point, the hanafite and the malikite views are at one .... for the benficiaries of the booty-revenue have been prescribed by express-revealed provision (nass) and are definite persons, namely, the army who fought the battle, and the Imam may not dispose of the booty in any other way.[۵۸۱]

ترجمہ

متذکرہ بالا آمدنی کی تین قسموں میں سے جو مسلم قوم یا مسلم حکومت کو حاصل ہو سکتی ہیں یعنی صدقہ، غنیمت اور فے، فے کا $\frac{۴}{۵}$ حصہ تو بیت المال کا حق ہے کیونکہ اس کی تقسیم امام کی ذاتی رائے سے ہوتی ہے۔ لیکن برخلاف اس کے غنیمت کا $\frac{۴}{۵}$ حصہ بیت المال کا حق نہیں ہے۔ اور اس پر مالکیوں اور حنفیوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ جو لوگ اس کے مستحق ہیں وہ وحی الٰہی (نص قرآن) کے ذریعہ سے مقرر ہو چکے ہیں۔ یعنی یہ وہ فوج کے آدمی ہیں جنہوں نے لڑ کر یہ غنیمت حاصل کی اور امام کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ غنیمت کو کسی اور طرح استعمال کرے۔

۵۸۱ muhammadan theories of finance by nicolas P. Aghnides, P. 426.

ایک اور جگہ یہی پروفیسر لکھتا ہے :-

When the Imam conquers a place or a city by force of arms (Anwant) he may divide the property taken — whether lands or chattels, after the deduction of the state's share of one fifth, among the victorious army since the prophet had done so with respect to Khyber. or the Imam, if he so choses, may leave the lands in the hands of thier original holders, and impose upon their persons the jazyah, and their lands the Khiraj. ۵۸۲

ترجمہ

اگر امام کسی جگہ یا شہر کو فوج کشی سے فتح کرتا ہے تو اسے غنیمت کو خواہ وہ منقولہ ہو خواہ اراضیات بعد اپنا پانچواں حصہ لینے کے فتح کرنے والی فوج میں تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ جناب رسولؐ خدا نے خیبر میں کیا تھا۔ یا امام ان اراضیات کو ان کے پہلے مالکان کے قبضہ میں چھوڑ سکتا ہے اور ان پر لوگوں پر جزیہ اور ان کی اراضیات پر خراج لگا سکتا ہے۔

اِس شرعی معمہ نے اپنے تئیں ہر ایک صاحب غور و فکر کے سامنے پیش کیا ہے۔ علامہ خطیب بغدادی نے اپنی مشہور تاریخ میں ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے :-

۵۸۲ Ibid. P. 410

الخبر عن السواد و فعل عمر فیه ولاوی علة ترك قسمة بین مفتتحیه
یعنی ارضِ سواد کے حالات اور اس کے متعلق حضرت عمر کا عمل اور وجہ کہ کیوں اُنہوں نے اُس مُلک کو اُس کے فتح کرنے والوں کے اُوپر تقسیم نہیں کیا۔ اُس میں لکھتے ہیں :-

لما افتتح المسلمون السواد قالوا لعمر بن الخطاب اقسمہ بیننا تابی فقالوا انا افتتحنا ھا عنوۃ قال فما لمن جاء بعد کم من المسلمین فاخاف ان تفاسدوا بینکم فے المیاہ واخاف ان تقتتلوا فاقرا ھل السواد فے ارضھم وضرب علی رؤسھم الضرائب یعنی الجزیہ وعلے ارضھم الطسق یعنی الخراج ولم یقسمھا بینھم۔ عن عمر لولا اٰخر المسلمین ما فتحت قریۃ الا قسمتھا کما قسم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خیبر۔ عن زید ابن اسلم عن ابیہ قال سمعت عمر بن الخطاب یقول لولا ان اترک الناس بیانا لا شئ لھم ما فتحت قریۃ الا قسمتھا کما قسم رسول اللہ

جب مُسلمانوں نے مُلک سواد کو فتح کیا۔ تو انہوں نے عمر بن الخطاب سے کہا کہ اِس کو ہم پر تقسیم کردو۔ لیکن عمر نے انکار کیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ اِس کو ہم نے اپنی کوشش سے فتح کیا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ تمہارے بعد جو مُسلمان آئیں گے اُن کے لئے کیا بچے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ تم آپس میں فساد کرو گے اور ایک دُوسرے کو قتل کرو گے۔ پس حضرت عمر نے اُس مُلک کے لوگوں ہی کو اس میں رہنے دیا اور اُن پر کئی قسم کے ٹیکس مثلاً جزیہ اور خراج لگا دیا۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ اگر مجھے آئندہ کے آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو مَیں کوئی قریہ فتح نہ کرتا لیکن یہ کہ اُس کو اُس کے فتح کرنے والوں پر تقسیم کر دیتا جیسا آنحضرتؐ نے خیبر کو کیا تھا۔ زید ابن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کو یہ کہتے ہوئے مَیں نے سُنا ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ اِس طرح کرنے سے آئندہ آنے والے لوگ

صلے اللہ علیہ وسلم خیابر۔ ۵۳ محتاج ہو جائیں گے تو میں کوئی گاؤں فتح نہ کرتا لیکن یہ کہ اُس کو تقسیم کر دیتا جیسا آنحضرتؐ نے خیبر کو کیا تھا۔

حضرت عمر کی اِس صریح مخالفتِ قرآن کو اہلِ مذہب نے آخر کار بُرا جانا چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

وقال مالک بن انس تصییر الارض وقفا بنفس الاغتنام ولاخیار فیها للامام وقال محمد بن ادریس الشافعی لیس للامام ایقافها وانما یلزمه قسمتها۔ ۵۴

امام مالک کہتے ہیں کہ اراضی مفتوحہ بھی مثل غنیمت کے ہوتے ہیں اور غنیمت کا حکم اُن پر حاوی ہے۔ اِس امر میں حاکم کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ محمد بن ادریس الشافعی کہتے ہیں کہ حاکم کے لئے ان مفتوحہ اراضیات کو روک رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ اُس پر لازم ہے کہ ان اراضیات کو اُن کے فتح کرنے والوں پر تقسیم کر دے۔

بروئے شرعِ محمدی حضرت عمر کی یہ غلطی ایسی مسلّم ہو گئی کہ اہلِ مذہب اِن اراضیات کو غصب سمجھتے تھے اور وہاں کا غلہ کھانا اور وہاں قیام کرنا حرام جانتے تھے۔ احمد بن حنبل کی بھی یہی رائے ہے۔ ۵۵

حضرت عمر کی ناجائز فتح کشی سے جو صورتِ حالات پیدا ہوئی اُس کا بیان اُوپر کیا گیا۔ اِسی کو حضرت شبلی اپنے خاص انداز میں بیان کر کے حضرت عمر کی حمایت اِن الفاظ میں کرتے ہیں:۔

حضرت عمر نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی اِس مرحلہ میں پہلی یہ

---

۵۳ تاریخ بغداد خطیب بغدادی مطبوعہ مصر ۱۹۳۱ء المجلد الاوّل ص ۷۔

تاریخ عمر بن الخطاب لامام جمال الدین ابی الفرج بن الجوزی الباب السابع والثلاثون ص ۶۸، ۶۹۔

۵۴ تاریخ بغداد خطیب بغدادی ص ۹۔ مجلد اوّل۔

۵۵ تاریخ بغداد خطیب بغدادی ص ۵، ۶۔ مجلد اوّل۔

مُشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر اُن کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں اور باشندوں کو اُن کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی وقاص کو وہاں کی مردم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کُل باشندوں اور اہلِ فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصّہ میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور اُن کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ اہلِ فوج کے ہمزبان تھے۔ حضرت بلال نے اِس قدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دِق ہو کر فرمایا اللھم اکفنی بلالا یعنی اے خُدا مجھ کو بلال سے نجات دے۔ حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، مُلک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے مُلک کو فتح کیا ہے اُنہیں کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مُفت کیونکر پا سکتی ہیں...... کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمرؓ کو دفعتاً قرآن مجید کی آیت یاد آئی جو اِس بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی للفقراء الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم الخ اِس آیت کے اخیر فقرے والذین جاؤا من بعدھم سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پُرزور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں

پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شک آپ کی رائے بالکل صحیح ہے اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کیئے جائیں وہ فوج کی مِلک نہیں ہیں بلکہ حکومت کی مِلک قرار پائیں گے۔ اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۴۱، ۴۲)

اب اِن تمام عبارات پر اچھی طرح غور کریں۔ ان عبارات سے یہ امر تو قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) بروئے نص قرآنی غنائم میں فتح کرنے والی فوج کا ۴/۵ حصہ ہوتا تھا۔
(۲) امام یا حاکم کو حق نہ تھا کہ اُن کے حصّے کو کم کرے۔
(۳) ان غنائم میں مال منقولہ و اراضیات سب شامل ہیں۔
(۴) لہٰذا مفتوحہ اراضیات میں بھی فتح کرنے والے لوگوں کا ۴/۵ حصہ ہے اور وہ اُن کو ملنا چاہیئے۔

لیکن ساتھ ہی اس کے عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ اس طرح تمام مفتوحہ ممالک کی اراضیات فوجیوں میں تقسیم کر دینا اور اُن کے باشندوں کو فوجیوں کی غلامی میں دے دینا نہ تو اسلام کا منشاء ہو سکتا تھا اور نہ سیاستِ ملکی کا تقاضا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر اور ان کے مُدبّروں میں آپس میں اختلاف ہو گیا۔

اب ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ یا تو اِسلام کا منشاء نہیں تھا کہ دوسروں کے مُلکوں پر بغیر وجہ کے حملہ کر کے اُن کو اپنی ملکیت میں شامل کیا جائے اِسی وجہ سے غنائم میں اراضیات کا ذکر نہیں کیا۔ اگر اراضیات کا اِس طرح فتح کرنا منشاء قرآن ہوتا تو غنائم میں اراضیات کا خاص طور سے ذکر کیا جاتا اور اُن کے لئے علیحدہ قاعدہ مقرر کیا جاتا۔ اُن کو ہرگز فوج میں تقسیم کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ یا حضرت عمر کی تاویل صحیح ہے۔

اب ہم حضرت عمر کی تاویل پر غور کرتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ

تاویل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تاویل و طرز عمل کے خلاف ہے کیونکہ خیبر میں آنحضرتؐ نے اُن اراضیات کو فوج کی ملکیت قرار دے کر یہودیوں کو اخراج کا حکم دے دیا تھا۔ علامہ طبری کی عبارت مُلاحظہ ہو۔ اُن ساری اراضیات کا ⅘ حصّہ ملکیت فوج قرار پایا۔ یہ دُوسری بات ہے کہ بعد میں فوج کی رضامندی سے وُہ حصّہ روپیہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور وُہ روپیہ مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ اُس زمانہ میں بیت المال نہ تھا۔ دولت کو جمع کرنے کا اصول حضرت عمر نے ایجاد کیا ہے۔ اُس زمانہ میں تو جو مالِ غنیمت یا خراج یا لگان آئی فوراً حقداروں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کی تاویل آنحضرتؐ کے طرز عمل و تاویل کے خلاف تھی تو صریحاً نتیجہ نکلا کہ وُہ غلط تھی اور حضرت عمر اپنی علیحدہ شریعت قائم کرنا چاہتے تھے۔ توڑ مروڑ کے قرآنی آیات کو اپنے مقصد کے مطابق کرنا ہی آئندہ کے فرقوں کا باعث ہوا ہے۔ اور اِس طریقے کے ایجاد کرنے والے حضرت عمر ہیں*

اب ہم اُس آیت کو لیتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ مولوی شبلی نے کِس طرح قرآن شریف کے الفاظ و معانی میں محض اپنے خلیفہ کو الزام سے بچانے کے لئے تحریف کی ہے۔ للفقراء سے شروع کیا ہے۔ فقراء کے واسطے کیا چیز فقراء کے واسطے وُہ نہیں بیان کیا۔ یہی تو سارا فریب ہے۔ ہم پُوری آیات نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ وُہ کیا چیز ہے جو فقراء وغیرہ کو دی جاتی ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(پارہ ۲۸ سورۃ الحشر ع ۱)

ترجمہ:۔ (یہ ترجمہ مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری کا ہے جو تاج کمپنی کے قرآن شریف کے ہمراہ چھپا ہے) جو (مال) خدا نے اپنے پیغمبر کو اُن لوگوں سے (لڑائی بھڑائی کے بغیر) دلوایا ہے اُس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اُونٹ لیکن خدا اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ جو (مال) خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وُہ خدا کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مُسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہیں کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وُہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ اور خُدا سے ڈرتے رہو۔ بیشک خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور (اُن مفلسان تارک الوطن کے لئے بھی) جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جُدا) کر دئے گئے ہیں (اور) خدا کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار اور خدا اور اُس کے پیغمبر کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں اور (اُن لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی

(مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں مُستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کرکے اُن کے پاس آتے ہیں اُن سے محبّت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور اُن کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خواہ اُن کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مُراد پانے والے ہیں۔ اور اُن کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دُعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دِل میں کینہ (و حسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے ۔

مولوی شبلی نے جو تحریف قرآن شریف کے ان آیات کے مطلب و منشاء و معانی میں کی ہے وُہ اپنی آپ ہی نظیر تو نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بزرگوار اپنے مقصد حاصل کرنے کے لئے ایسی ہی تحریفوں کے عادی ہیں۔ اور اس ضمن میں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر تحریف کی مثالیں ملیں گی۔ لیکن اس تحریف کی اہمیت یُوں زیادہ ہو جاتی ہے کہ مولوی شبلی اپنے تئیں مُورخ بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے ذِکر تو تھا مالِ غنیمت کی اراضیات کا۔ اور فاتح لشکر کو اُس کے حق سے محروم کرنے کے لئے اپنی بحث کی حمایت میں آیات وُہ بیان کرتے ہیں جن میں فے کا ذِکر ہے۔ فے وُہ اراضیات ہیں جو لشکر کی مدد کے بغیر رسولِ خدا کو حاصل ہوئی تھیں اور صریحاً اُن میں لشکر کا حق نہیں رکھا گیا جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے۔ یہ کتنی بڑی تاریخی بد دیانتی ہے جو مولوی شبلی صاحب نے کی ہے پہلی آیت جس میں لشکریوں کے حق نہ ہونے کی بابت ذکر ہے مولوی شبلی نے نقل ہی نہیں کی۔ دونوں آیات ایک دُوسرے سے وابستہ ہیں اور دونوں میں فقرہ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ہے ہم نے ساری آیات نقل کر دی ہیں۔ اِس قسم کی اراضیات خدا و رسول کی ہیں۔ اور ان کا مصرف بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں سب سے پہلے تو جناب رسولؐ خدا کے قرابت داروں کا ذِکر ہے

وہ حقدار ہیں۔ پھر دیگر مستحقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام کی فہرست یہ ہے (۱) قرابندارانِ رسول (۲) یتامیٰ (۳) مساکین (۴) مسافر (۵) فقراء مہاجرین جن کو کفّار نے اُن کے گھروں اور مال سے محروم کر دیا تھا (۶) انصارانِ مدینہ جنہوں نے مہاجرین کو اپنے پاس جگہ دی (۷) وُہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔

سیدھی اور صاف بحث کو چھوڑ کر مولوی شبلی نے اِس فقرہ کو پکڑ لیا "وُہ لوگ جو ان کے بعد آئے" اس سے وُہ آئندہ کی آنے والی نسلیں مُراد لیتے ہیں۔ اوّل تو یہی امر مشکوک ہے کہ اس سے آئندہ کی آنے والی نسلیں مُراد ہیں اگر وُہ مُراد بھی ہوں تو غیر متعلق بحث ہے۔ ان کا مال فے میں ساتواں درجہ ہے لیکن سوال زیرِ بحث تو اُن اراضیات کی تقسیم کا ہے جو مالِ غنیمت میں آتی ہیں اور جن میں لشکریوں کا ⅘ حصّہ ہے۔ اور ان لشکریوں والے حصّہ میں نہ یہ فقرہ ہے اور نہ آنے والی نسلیں مُراد ہیں۔ قصّہ یہیں ختم ہو گیا۔ دیکھو پہلی آیت پارہ دہم کی۔

اور وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِھِمْ کے فقرہ کے بھی یہ معنی نہیں جو مولوی شبلی لیتے ہیں کہ قیامت تک کی آنے والی نسلیں مُراد ہیں۔ بلکہ وُہ لوگ مُراد ہیں جو جناب رسولِ خدا کی ہجرت کے بعد آئے اور وُہ بہت تھے۔ جب ہی تو اُن کی دُعا میں لفظ لِاِخْوَانِنَا ہے ورنہ لِاٰبَائِنَا ہوتا۔ علامہ سیوطی فقرہ وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِھِمْ کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:۔

اخرج عبد بن حمید عن مجاھد رضی اللہ عنہ وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِھِمْ قال الذین اسلموا ۔۔۔۔ واخرج الحاکم وصححہ وابن مردویہ عن سعد بن ابی وقاص قال	عبد بن حمید نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ والذین جاؤا من بعدھم سے مُراد وُہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام لائے ۔۔۔۔ حاکم نے یہ روایت اپنے اسناد سے بیان کی ہے اور اس کی توثیق کی ہے اور ابن مردویہ نے بھی

الناس علی ثلاثۃ منازل قد مضت منزلتان وبقیت منزلۃ فاحسن ما انتم کائنون علیہ ان تکونوا بھذہ المنزلۃ التی بقیت ثم قرأ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ الآیۃ ثم قال ھؤلاء المھاجرون وھذہ منزلۃ وقد مضت ثم قرأ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ الآیۃ ثم قال ھؤلاء الانصار وھذہ منزلۃ و قد مضت ثم قرأ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ فقد مضت ھاتان المنزلتان وبقیت ھذہ المنزلۃ فاحسن ما انتم کائنون علیہ ان تکونوا بھذہ المنزلۃ ۔

جلال الدین سیوطی : کتاب الدر المنثور الجزء السادس ص ۱۹۸ ÷

بیان کی ہے۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تین منزلیں تھیں ۔ دو منزلیں (مہاجرین اوّل و انصار) تو گزر گئیں۔ ایک باقی رہ گئی اور کیا اچھا ہو کہ تم اس منزلت میں ہو کر جو باقی رہ گئی پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم الآیہ اور کہا کہ ان سے مہاجرون مراد ہیں اور یہ درجہ گزر گیا۔ پھر پڑھا والذین تبوّ والدار والایمان من قبلھم الآیہ اور پھر کہا کہ ان سے انصار مراد ہیں اور یہ منزل بھی ختم ہوئی۔ پھر پڑھا والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سابقونا بالایمان الآیہ اور کہا کہ پہلے دو منزلیں تو گزر گئیں اور ان سے تمہاری موجودہ منزل اور اُن کے لوگ مراد ہیں۔ بہت اچھا ہو اگر تم اُس پر قائم رہو ÷

ظاہر ہے کہ اِن آیات میں یہ تین قسم کے لوگ بیان کئے گئے ہیں یعنی (۱)

مہاجرین (۲) انصار اور (۳) اُن کے بعد جو مسلمان ہوئے اور بس۔ ان سے مہاجرین اور انصار کی اولاد مراد نہیں ہے۔ اگر وُہ مُراد ہوتے تو یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا۔ بہر صورت یہ فے کی تقسیم کا تذکرہ ہے اور اس سے وُہ غنائم مُراد نہیں جو لشکریوں کی فتح سے حاصل ہوتے تھے۔

آپ نے تاریخی بددیانتی کا بدترین نمونہ دیکھا جس میں اپنے عقیدہ کی حمایت میں قرآن شریف کی معنوی تحریف سے بھی نہ ڈرے۔ جب یہ حالت ہے تو جو درجہ ان بزرگوار کی تاریخی کتب کا صحت اور حقیقت کے اعتبار سے ہونا چاہئے وُہ ظاہر ہے۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی اِس آیت پر اسی طرح استدلال کیا تھا۔ اور وُہ استدلال اتنا قوی سمجھا گیا کہ حاضرین نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اگر یہ درست ہے جو مولوی شبلی فرماتے ہیں تو اس کے سوا ہم کیا کہیں کہ ع این خانہ ہمہ آفتاب است۔

بس اب ایک ہی نتیجہ رہ گیا اور وُہ یہ کہ یہ اسلام کا منشاء نہ تھا کہ دُوسری قومیں پر اُن کی طرف سے اظہارِ خصومت و مخالفتِ اسلام کے بغیر حملہ کر کے دُنیا کے امن و چین کو غارت کیا جاوے۔ ایسا کرنا عدل و انصاف کے اصول کے خلاف ہے اور عدل و انصاف کرنا مذہب اسلام کا فرضِ اوّلین ہے۔

فتوحات کی خرابیاں دولت و ثروت

اِن فتوحات کا پہلا اور لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دولت و ثروت بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس دولت و ثروت کی فراوانی نے سرمایہ داری کے وُہ سارے عیوب مسلمانوں میں پیدا کر دئے جو ہمیشہ سے بنی نوع انسان کے جسم میں سرطانِ دائمی کی طرح اُس کے صحیح نشو و نما میں حارج رہے ہیں۔ یہ سرمایہ داری کس حد تک پھیل گئی تھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے جناب رسولِ خدا دولت و ثروت کی فراوانی کو بُرا سمجھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے مَیں اپنے بعد تمہارے لئے ڈرتا ہوں وُہ یہ ہے کہ تمہارے اُوپر دُنیاوی دولت و وجاہت کے دروازے کھُل جائیں گے[۵۸۶] نتیجہ نکلا کہ

---

[۵۸۶] مسند احمد حنبل الجزء الثالث ص ۹۱ - الجزء الخامس ص ۱۷۸ ٭
صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید الجزء الاوّل ص ۱۶۱ ٭

جس چیز کا لازمی نتیجہ یہ دولت و وجاہت تھی یعنی جو چیز یہ دولت و وجاہت یقیناً پیدا کرتی ہے اس کو بھی آپ بُرا سمجھتے تھے۔ امپریلزم کی فتوحات ہمیشہ دولت و ثروت و کاہلی پیدا کرتی ہیں۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ آنحضرتؐ امپریلزم کی فتوحات کو بُرا سمجھتے تھے ہم نے امپریلزم کی فتوحات نام رکھا ہے حضرات شیخین کے زمانہ کی فتوحات امپریلزم کی فتوحات تھیں۔ کیونکہ جن ممالک پر فوج کشی کی گئی ان کی طرف سے کوئی وجہ مخاصمت و مخالفت پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ محض اُن کی کمزوری دیکھ کر اُن کو مغلوب کرنے کی کوشش کی گئی ؛

یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ فتوحات کے بُرے رُخ کو تو دکھا دیا ان کا اچھا نتیجہ بھی تو ہوتا ہے۔ ان فتوحات مُلکی سے اسلام دُنیا کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا۔ ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ ہمارا مذہب پھیلے۔ ہم فاتح قوم بن کر رہیں۔ مؤلف کتاب ہذا نے تو عجیب درویشانہ گوشہ گیری کا لکچر دیا ہے۔ حق کی خاصیت تو غالب ہو کے رہنا ہے۔ نہ کہ مغلوب کی حیثیت میں رہنا۔ اسلام کا تو مقصد اولیٰ یہ تھا کہ دُنیا کے کونہ کونہ تک پہنچے۔ اور وُہ ان فتوحات ہی کے ذریعہ سے پہنچا ؛

اس اعتراض کا ہم جواب دیتے ہیں۔ فتوحات واقعی اچھی ہوتی ہیں لیکن فتوحات دِل کی ہونی چاہئیں۔ تلوار کی نہیں۔ تلوار کی فتوحات دائمی نہیں ہوتیں۔ اور قوموں میں نفرت پیدا کر دیتی ہیں۔ آج ہماری تلوار تیز ہے کل دُوسرے کی تلوار تیز ہو گی۔ اسلام کو دُنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنا تھا لیکن دلوں کے ذریعہ سے۔ تلوار کے ذریعہ سے نہیں۔ واقعات سے زیادہ بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ بتا دو کہ ان فتوحات کے بعد جو واقعات ہوئے تھے وُہ اچھے تھے یا بُرے۔ اُن فتوحات کے دلوں میں اصلی حالت اسلام کیا تھی۔ اسلام اپنے وطن میں بے وطن ہو گیا تھا جو حالت

اِسلام کی بیچارگی اور حقارت کی تھی وُہ مولوی ابوالحسن علی ندوی نے سیرتِ احمد سعید میں اچھی طرح بیان کی ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جنابِ رسولؐ خدا نے توسیعِ اِسلام کے لئے کیا تدابیر اختیار کی تھیں تعجب ہے کہ حسبنا کتابُ اللہ کہنے والے ایسے موقعوں پر کتابُ اللہ کی طرف کیوں نہیں رجوع کرتے۔ قرآن مجید میں جہاد کے لئے بھی احکام درج ہیں۔ اور وُہ روش و طریقہ بھی بتایا گیا ہے جو حکومتِ اِسلامیہ کی توسیع کے لئے اختیار کرنا چاہیئے اور ان دونوں اقسام کے قواعد ضوابط کو پڑھنے اور جنابِ رسولؐ خدا کے طرزِ عمل کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان اِس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اُمّتِ اسلامیہ مِنْ حیث القوم اِن قواعد و ضوابط پر عمل کرتی تو آج کو ساری دُنیا اِسلام کی سلطنت کے اندر ہوتی اور مُسلمانوں میں سرمایہ داری اور اُس کے عیوب بھی نہ پھیلتے جہاد کے قواعد و ضوابط ہم ابھی ابھی بیان کر چکے ہیں۔ دوسری قوموں سے محض حفاظتِ خود اختیاری کی بناء پر لڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اُن کے مُلک پر بے وجہ حملہ کرنے کی کہیں ترغیب نہیں ہے۔ بلکہ اُس کو ایک ظُلم سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ہر نا انصافی ظُلم ہے۔ اور دُوسری قوم پر بغیر وجہ کے حملہ کرنا ظُلم صریح ہے اور ہر ظُلم باعثِ عذابِ خُداوندی ہوتا ہے۔ حکومتِ اِسلامیہ کِس طرح پھیلانی چاہیئے اُس کے لئے مندرجہ ذیل قواعد بتائے گئے ہیں:۔

(۱) لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ۔

(۲) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(۳) اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔

(پارہ ۱۴ سُورۃ النحل ع ۱۴)

ترجمہ

(۱) دین میں جبر و کراہت نہیں ہے ۔

(۲) تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو کہ جو نیکی کی طرف لوگوں کو بُلائے۔ امورِ نیک کی ترغیب دے امورِ بد سے روکے ۔

(۳) لوگوں کو اپنے خدا کی راہ کی طرف عقل و دلائل کے ذریعہ سے بُلاؤ اور نہایت اچھے طریقے سے اُن سے مناظرہ کرو۔ تمہارا پروردگار اُن لوگوں کو بھی جانتا ہے جو اُس کے راستہ سے بھٹک گئے ہیں اور اُن سے بھی اچھی طرح واقف ہے جو ہدایت پائے ہوئے ہیں ۔

جناب رسولؐ خدا نے ان ہی قرآن کے مقرر کردہ اصول پر عمل کیا۔ دُوسرے ممالک میں آنحضرتؐ نے تبلیغی وفود بھیجے جن کے ممبران ایسے عمدہ اسلامی قول و عمل کے نمونے ہوتے تھے کہ لوگ محض اُن کو دیکھ کر ہی اسلامی خصائل کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ ذرا سی عمدہ بحث اُن کو اسلام کے راستہ پر لے آتی تھی۔ ان اسلامی جماعتوں کو خاص طور سے حکم ہوتا تھا کہ تم لڑنا نہیں اگر آنحضرتؐ کے بعد آنے والی حکومت بھی ایسا ہی کرتی تو اسلام قوموں کے دلوں کو مسخّر کر لیتا۔ اور چونکہ دل سے اپنی خوشی سے قبول کیا تھا، جزیہ سے بچنے یا سیاسی حقوق حاصل کرنے کی غرض سے نہیں کیا تھا وہ اسلام صحیح ہی ہوتا اور اُن کے دِلوں میں ایسا راسخ ہوتا کہ پھر پُرانی جاہلیت کا تخیّل عود نہ کرتا۔ اِسلام کی حکومت مُستقل ہوتی۔ رفتہ رفتہ رعایا سے بادشاہوں تک یہ اِسلام پہنچتا۔ اور پھر مُلکوں پر اِسلام حاوی ہو جاتا۔ کوئی کافر ملک ہی نہ باقی رہتا۔ اور وہ فطری اصول بھی مان لیا جاتا کہ ہر ایک علیحدہ قوم کو اپنے ہی مُلک میں رہنے کا حق ہے۔ اور اُس کی اپنی ہی حکومت ہونی چاہئے۔ ہر ایک قوم کی تہذیب، طرزِ معاشرت، اِسلامی معیشت، زبان، لباس، رسم و رواج علیحدہ ہوتے ہیں اور ان امور کی تشکیل و تعیین اُس مُلک کے عناصر و مناظرِ قدرت

کرتے ہیں یعنی اُس مُلک کی گرمی، سردی، خشکی، ریت، دریاؤں کی کمی یا فراوانی، سمندر کا قُرب یا بُعد، چٹیل میدان یا پہاڑ اپنا اثر اُس مُلک کے باشندوں پر ڈالتے ہیں۔ اور اس اثر کے زیر عمل اُن کا مزاج اُن کا کیرکٹر، ہمّت، بُزدلی، جُرأت، لباس، زبان، رسم و رواج، تہذیب، طرزِ معاشرت اپنی اپنی علیحدہ خاص صورت اختیار کرتے ہیں۔ قُدرتاً ہر ایک قوم اپنے ہی آدمیوں میں رہ کر خوش رہتی ہے اور عقل سلیم کہتی ہے کہ عدل و انصاف کا اقتضاء یہ ہے کہ کوئی ہمسایہ قوم خواہ کتنی ہی طاقتور ہو اُن کو اُن کے مُلک سے نہ نکالے اور نہ اُن کی آزادی سلب کرے۔ تاریخ کے تجربات پر نظر ڈالو۔ جن قوموں نے کمزور ہمسایہ قوموں کو مسخّر کر کے اُن کے مُلک پر قبضہ کر لیا اُن کو اُس کی سزا خدا کی طرف سے مل گئی۔ اُس مُلک کے اُن ہی اٹل عناصر و مناظر قُدرت نے رفتہ رفتہ اپنا عمل کر کے اُن کو بھی ایسا ہی بنا دیا جیسا کہ اُس مُلک کی پہلی قوم تھی جس کو انہوں نے نکالا تھا۔ یوروپین امپریلزم نے ان مجرّبات تاریخیہ کے زیر نظر اپنا طرز عمل دو قسم کا بنایا۔ یوروپین اقوام کی ایک تو وُہ جماعت ہے جس نے وحشی ممالک کو فتح کر کے وہاں کے اصلی باشندوں کو نیست و نابود کر دیا یا جنگلوں میں نکال دیا اور خود وہیں اپنی بود و باش اختیار کر لی۔ مثلاً امریکہ شمالی اور بہت سی ریاستہائے امریکہ جنوبی، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا وغیرہ وغیرہ۔ دُوسری وُہ جماعت ہے جس نے قدیمی باشندوں کو اُن ممالک سے نکالا تو نہیں لیکن اُن پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا مثلاً ہندوستان، عدن، برما، لنکا، سماٹرا، جاوا، ملایا وغیرہ وغیرہ یہ اِس وجہ سے نہیں کہ وُہ پہلی جماعت سے زیادہ رحمدل یا انصاف پسند تھے۔ بلکہ اِس وجہ سے کہ ان ممالک کے باشندوں کی تہذیب، تعداد۔ تعلیم ایسی تھی کہ وُہ ان کو بالکل مفقود نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا، ان باشندوں کو اپنی سیاست اور اپنی تہذیب۔ طرز معاشرت کا غُلام بنا لیا

لیکن خود ان ممالک میں ان کے قدیمی باشندوں کے ہمراہ رہنا مناسب نہ سمجھا۔ یہ دونوں بظاہر مختلف طرز عمل ایک ہی خیال پر مبنی معلوم ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ ادنیٰ تہذیب و تمدّن و کیرکٹر والی قوموں کے ساتھ رہ کر اعلیٰ درجہ کے اقوام کا درجۂ تہذیب و کیرکٹر گر جاتا ہے اور وُہ بہت جلد لیکن بتدریج ادنیٰ تہذیب والی اقوام کی سطح پر آ جاتے ہیں۔ غالباً اُن کا خیال ہے کہ مناظر قدرت کا اثر انسان کی تہذیب و تمدّن پر نہیں پڑتا۔ کم سے کم اُن کے درجۂ تہذیب کو نہیں گرا سکتا۔ پہلے کلیہ کی صحت تو ظاہر ہے اور تاریخ کے تجربات اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن دُوسرا کلیہ عقلاً غلط معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً اُس صراحت کے ساتھ یہ جماعت بھی اس کلیہ کو تسلیم نہ کرتی ہو۔ صرف اتنا ہی مانتی ہو کہ مناظرِ قدرت کا اثر ہوتے ہوتے اِتنی صدیاں گزر جاتی ہیں کہ ہم اس کو نظرانداز کر سکتے ہیں۔ اگر اس کلیہ کی ترمیم اِس طرح کر دی جائے تو اس کی صحت کو ہم تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ تجربہ ابھی اتنا پُرانا نہیں ہوا کہ ہم نظائر کے ذریعہ سے اس کو صحیح یا غلط کہہ سکیں۔ جس طرح تاثراتِ عوامل فطرت کو ہزاروں صدیاں چاہئیں کہ وُہ ایک معمولی مٹّی کو چٹان بنا سکیں۔ اسی طرح اسباب و علل جغرافیاوی کو ہزاروں صدیاں چاہئیں کہ وُہ انسان کے کیرکٹر پر اثر کر سکیں۔ لیکن اثر ضرور کرتی ہیں۔ اِس عمل کے لئے تین صدیاں کچھ نہیں ہوتیں لیکن ابھی سے دیکھ لو امریکہ کے سفید باشندے اپنے کیرکٹر کی خصوصیات میں خالص یورپین اقوام سے بہت کچھ مختلف ہو گئے ہیں یہ افراد کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ جب مِن حیث القوم یہ لوگ اپنی سیاست کو زیرعمل لاتے ہیں تو پھر اُن میں اور خالص یورپین اقوام میں کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ لیکن اِس قدرتی عمل کے لئے تین صدیوں کی کیا حقیقت ہے بہرصورت یہ کلیہ اب مسلّمۂ عالم ہو چکا ہے کہ جغرافیاوی حالات اور محض جغرافیاوی حالات مثلاً سردی، گرمی، سمندر، دریا، بارش، سورج کی تیزی کی

پہاڑ، چٹیل میدان، ریت، کھلے ہوئے صحرا، زمین کی زرخیزی، پانی کی کمی یا زیادتی وغیرہ وغیرہ یہ ہی وہ اسباب و علل ہیں جو قوموں کو ان کی خصوصیات دیتی ہیں اور افراد کے تہذیب و تمدّن و کیرکٹر پر اثر کرتی ہیں۔ چنانچہ ان اسباب و علل نے عربوں پر بھی اثر کیا۔ عرب سے نکل کر پھر یہ خالص عرب نہ رہے۔ اِس کلیہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ محض دولت و ثروت و مُلک گیری کے لالچ سے کمزور ممالک پر حملہ کر کے اُن کے آدمیوں کو قتل کرنا، اپنے آدمیوں کو قتل کرانا، پھر اُن کے مُلک پر قبضہ کرنا عدل کے خلاف ہے۔ اور اُس مذہب کے لئے جو حکومتِ الٰہیہ کا نمونہ دُنیا کو دکھانے آیا تھا یہ طرزِ عمل نہایت ہی ناموزوں اور ناجائز ہوگا۔

جناب رسولؐ خدا کا پروگرام مملکت اسلامیہ کی توسیع کے لئے یہ تھا کہ اِس طریقۂ تبلیغ سے جو ہم نے اُوپر بیان کیا مُلکوں کے مُلک مُسلمان ہو جائیں گے اور چونکہ اصلی اسلام کا نمونہ دیکھ کر دِل سے مُسلمان ہوں گے لہٰذا اپنے دین میں ثابت قدم ہوں گے۔ ہر ایک اسلامی مُلک اِسی طرح تبلیغی دستے بھیجتا رہے گا اور اپنے قُرب و جوار کے مُلکوں اور قوموں کو مُسلمان کرتا رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بغیر کشت و خُون کے ایک دِن ساری دُنیا مُسلمان ہو جائے گی۔ قومیں بدستور اپنے قومی بادشاہ کے ماتحت رہیں گی۔ اِسلام کا مرکز مدینہ میں رہے گا۔ اور دینی امور میں اُس کی اطاعت سب پر لازم ہوگی۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت جناب رسول خدا کے اس پروگرام پر عمل کرتی تو آج کو دُنیا کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہوتا اور وہ اُس مصیبت میں مُبتلا نہ ہوتی کہ جس میں وہ اب مُبتلا ہے امپیریلزم دُنیا میں جگہ نہ پاتا۔ ناجائز سرمایہ داری کی مصیبتوں سے نجات ملتی اور سب مسلمان ہوتے۔

بیت المال۔ قیامِ بیت المال یا خزانہ شاہی بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اُس امپیریلزم اور فتوحاتِ مُلکی کے لئے ضروری تھا جو حضرت عمرؓ نے اِسلام میں رائج کیا۔ لیکن آنحضرتؐ کے زمانہ میں

بیت المال کا نہ ہونا صاف بتا رہا ہے کہ ملکی فتوحات آنحضرتؐ کا منشاء نہ تھا۔ ہمارے دعوے کا یہ مزید ثبوت ہے۔ مولوی شبلی اِس کو حضرت عمر کی اوّلیات میں فخراً بیان کرتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ یہ بزرگوار اسلام کو مکمل دین مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر آنحضرتؐ نے نامکمل دین پیش کیا تو دوسری بات ہے ورنہ اگر وہ دین مکمل تھا تو اُس میں یہ ایزادیاں کیسی۔ اُن کو تو یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ ہم اُتنے ہی کام کریں جو آنحضرتؐ کے قائم کردہ نظامِ حکومت میں ہو سکیں۔ اور جو مہمات اس نظام کے اندر نہ سما سکیں اُن کے متعلق رائے قائم کرنی چاہیئے تھی کہ وہ مہمات آنحضرتؐ کے مقاصد میں داخل نہ تھیں۔ اگر اس طرح بحث کرتے تو اس توسیع امپیریلزم سے باز رہتے۔ لیکن انہوں نے تو اپنی تجاویز کو ترجیح دی اور رفتہ رفتہ نظامِ حکومت اسلامیہ کو اپنی تجاویز کے مطابق ترمیم کرتے رہے۔ علامہ شبلی بیت المال کو خزانہ شاہی نام دے کر اس کا عنوان اِس طرح قائم کرتے ہیں:۔ بیت المال (یا) خزانہ۔ اور اِس عنوان کے نیچے تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا آنحضرتؐ کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کُل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابوبکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔" (الفاروق حصّہ دوم ص ۴۷)

آگے چل کر مولوی شبلی مرحوم اِس طرح رقم طراز ہیں:۔

تقریباً ۱۵ھ میں حضرت ابوہریرہ کو حضرت عمر نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے۔ حضرت علی نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے اور خزانہ میں جمع نہ رکھی جائے

حضرت عثمان نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا ہیں نے
سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ ہے۔
آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا
لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی
(الفاروق حصہ دوم ص ۷۵)

دیکھئے۔ ہر ایک شخص نے اپنی ذہنیت کے مطابق رائے دی حضرت علی تو آنحضرتؐ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے لہذا اُس کے مطابق رائے دی حضرت عثمان غنی کو دولت کا جمع کرنا پسند تھا لہذا ویسی رائے دی اور ولید بن ہشام نے کافرانہ تخیل کی پیروی کی۔ اور افواج کی طرح بیت المال کا قیام بھی کافرانہ تخیل کی پیروی میں ہوا۔ اور آنحضرتؐ کے طرز عمل کی مخالفت پر مبنی ہوا۔ اگر حضرت علی کی رائے پر عمل کیا جاتا تو شہروں کے غربا کا بہت عرصہ تک گزارہ اس پر ہو جاتا۔ بیت المال کی بنیاد نے اُس سرمایہ داری کی بنیاد ڈالی جو بہت جلد مسلمانوں میں عام ہو گئی۔ بیت المال کے روپے سے جو کام لئے گئے وہ تاریخ کے صفحوں میں محفوظ ہیں۔ خلفائے بنی اُمیہ و بنی عباس کے عیش و عشرت کے سامان اس نے مہیا کئے۔ غریبوں پر ظلم کرنے کے ذرائع اس نے پیدا کئے اور مسلمانوں میں سرمایہ داری کا مرض عام کر دیا۔ خود حضرت عمر نے اس سے اپنی اغراض میں مدد لی۔ اور غالباً اس کو قائم کرتے وقت حضرت عمر کے ذہن میں اپنا ہی مقصد تھا۔ وہ یہ کہ بیت المال کے روپے سے لوگوں کو انعام و اکرام دے کر اپنی جماعت میں اضافہ کیا اور اپنے مخالفین کی تعداد کو کم کیا۔ آگے چل کر امیر معاویہ نے حضرت عمر کے اس اصول پر دل کھول کر عمل کیا اور بجائے عامۃ المسلمین کے غربا کی ناداری کو دور کرنے کے بیت المال سرمایہ داری اور جماعت حکومت کے جبر و استبداد و عیش و عشرت کا ذریعہ بن گیا

یہ تھا حضرت عمر کا کارنامہ جس پر حضرت شبلی کو فخر ہے۔ آنحضرتؐ کا مستقل خزانہ نہ قائم کرنا صاف بتا رہا ہے کہ نہ تو قیام افواج تنخواہ دار اور نہ فتوحات ہر لازم آپ کے نظام میں داخل تھے ۔

عدالتی اور انتظامی صیغوں کی علیحدگی۔

حضرت عمر نے محکمہ قضا میں جو دستبرد کی اُس کی درج مولوی شبلی اس طرح کرتے ہیں :-

صیغۂ عدالت بھی اسلام میں حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مُدتوں کے بعد اُن دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغہ کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ تک خود خلیفۂ وقت اور افسرانِ مُلکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغہ کا اجراء رُعب داب کا مُحتاج رہتا ہے۔ اِس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوائے اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے۔ بلکہ اسی بناء پر عبداللہ ابن مسعود کو فصل قضا سے روک دیا۔ لیکن جب انتظام کا سکّہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمر نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا ۔

(الفاروق حصّہ دوم ص ۵۹ - ۶۰)

پایۂ تخت یعنی مدینہ منوّرہ کے قاضی زید بن ثابت تھے ....

قاضی اگرچہ حاکم صُوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو

قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے ۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۶۵، ۶۶)

(قاضیوں کی) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں ..... قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے ۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۶۷)

حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو ظاہر نہیں ہوتی تھی زبرقان نے حضرت عمرؓ کے یہاں مقدمہ رجوع کیا۔ چونکہ یہ شعرو شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۶۹)

ان عبارات پر ہر پہلو سے غور کیجئے۔ کئی مختلف فیہ مسائل طے ہو جائیں گے اوّل تو ان اقتباسات سے ہمارا یہ دعوےٰ پھر ثابت ہو گیا کہ نہ تو حکّام سقیفہ اور نہ اُن کے مقلّدین جن کا بہترین نمونہ مولوی شبلی ہیں یہ سمجھے کہ جناب رسولؐ خدا بلکہ اسلام کا منشاء کس قسم کی حکومت الٰہیہ جاری کرنے کا تھا اور اس حکومتِ الٰہیہ کے لئے کیسا نظام اور کیسے حکّام آنحضرتؐ نے مقرر کئے تھے ۔ کہنے کو تو ہمارا سوادِ اعظم کہتا ہے کہ ہم دُنیا کے معلّمین ہیں جو دُنیا کو طرز حکومت اور طریقہ معیشت سکھانے آئے ہیں ۔ اور اگر یورپ ہمارے اسلام کے اصولوں پر چلے تو اس کے یہ سارے مصائب دُور ہو جائیں لیکن دِل سے ہمیشہ یہ جناب محمد مصطفےٰؐ کے اسلام کو ناقص اور زمانہ کی ترقی کے مخالف سمجھتے رہے ہیں۔ اپنی ہدایت کے لئے انہوں نے پچھلے زمانہ میں یونان کے فلسفے کو اور یورپ کی تعلیم و نمونہ کو اپنا ہادی سمجھا۔ اس نظریہ کے تحت میں سب سے پہلے تو انہوں نے

نبوّت اور حکومت کو علیحدہ کیا۔ نبوت کے احکام کا تجزیہ کیا۔ اُن کو دو قسم کا بنایا۔ نبوّت سے متعلّق اور نبوّت سے بے تعلّق۔ پھر نبوّت کا دائرہ اتنا تنگ کیا کہ کوئی حکم نبوّت کے متعلّق رہا ہی نہیں۔ نماز و روزہ تک میں ترمیم کر ڈالی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ بات اُن کے مقصد کے لئے مُفید تھی۔ اب یورپ کی تعلیم کے مطابق اسی عقیدہ کی یہ شاخ نکلی کہ انتظامی اور عدالتی محکمے بالکل علیحدہ ہونے چاہئیں۔ یورپ والے اپنی کتاب سیاست کا یہ دیباچہ قائم کر سکتے ہیں کہ چونکہ امور انتظامیہ میں کارکنانِ انتظام عدل و انصاف کا خیال نہیں رکھ سکتے اسوجہ سے عدالتی اور انتظامی محکمے جُدا جُدا ہونے چاہئیں۔ لیکن قرآن اور شریعت اسلامیہ کے تمدّن کا دیباچہ کچھ اور ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ انسان کی زندگی کے ٹکڑے نہیں کئے جا سکتے۔ وُہ ایک مسلسل اور متحد حیات ہے جس کے کسی حصّہ اور کسی حالت میں ظُلم اور ناانصافی کو جگہ نہیں دینی چاہئے۔ اسلامی قانون عدالت یا قضا کیا ہے۔ محض اسلامی فقہ کا ایک جزو۔ اسلام میں کوئی علیحدہ محکمہ انتظام نہیں ہے۔ اگر انکم ٹیکس کی وصولی کو محکمۂ انتظامی میں جگہ دی جاتی ہے تو اسلام میں تحصیل زکوٰۃ و صدقہ ایک فقہ کا جزو ہے اگر افواج باہر لڑائی پر بھیجی جاتی ہیں تو جہاد محض ایک رُکن مذہب ہے اگر جرائم کی سزا دی جاتی ہے تو وُہ بھی حدود شریعت کے اندر رہے۔ جس محکمۂ انتظامی پر غور کرو وُہ ہی ایک شریعت کی شاخ ہے۔ قرآن و شریعت کا حُکم ہے کہ جس حالت میں تم ہو، جس امر میں تم حُکم دو، جس مضمون پر تم غور کرو وُہ عدل کے مطابق ہونا چاہئے۔ جہاں ظُلم آیا وہاں اسلام نہیں۔ گورنروں اور افسروں کے مقرر کرنے میں بھی عدل ہونا چاہئے۔ غرضکہ اسلامی محکمۂ عدالت تو تمام محکموں پر حاوی ہے وہاں علیحدگی کیسی۔ جس شُعبہ کو، جس امر کو، تم نے عدل سے نکال لیا وُہ ہی اسلام سے نکل گیا۔ علاوہ اس کے اسلام کے تمدّن کا مابہ الامتیاز ہی یہ ہے کہ اُس کے تحت میں ہر ایک مسلمان سپاہی بھی ہے

فقیہ بھی ہے، مدبّرِ ملکی بھی ہے، قاضی بھی ہے، عالمِ قرآن بھی ہے۔ اگر وہ ہے تو یہ سب کچھ ہے۔ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ جس نے فقۂ اسلامی کا غور سے مطالعہ کیا وہ اس ہی نتیجہ پر پہنچا۔ چنانچہ M. D. B. Macdonald اپنی کتاب موسومہ

Development of Muslim Theology,
Jurisprudence and Constitutional Theory

کے ص ۱۲، ۱۳ پر لکھتے ہیں:-

Life is manifold but it is also one. So it is seldom possible, and still more seldom advisable, to divide a civilisation into departments and attempt to trace their separate developments; life nowhere can be cut in two with a hatchet. And this is emphatically true of the civilisation of Islam..... In Europe, the state may rule the Church or the church may rule the state, or they may stand side by side in somewhat dubious amity supposedly taking no account of each other. But in Muslim countries, church and state are one indissolubly, and until the very essence of Islam passes away, that unity cannot be relaxed. The law of the land, too, is in theory, the law of the church in

the earlier days at least, canon and civil laws were one. Thus we can never say in Islam. "He is a great lawyer he is a great theologian, he is great state man" One may be all three, almost he must be all three, if he is to be any one.

ترجمہ

انسانی زندگی کی بہت سی نیرنگیاں ہیں۔ لیکن در اصل ایک واحد شے بھی ہے۔ لہذا نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ ہی یہ موزون ہے کہ کسی ایک تہذیب و تمدن کو مختلف محکموں میں تقسیم کیا جائے اور پھر اُن کی تدریجی ترقی کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے۔ انسانی زندگی چاقو سے دو ٹکڑوں میں نہیں تراشی جا سکتی۔ یہ کلیہ نہایت سختی کے ساتھ اسلام کے تمدن و تہذیب پر عائد ہوتا ہے ...... یورپ میں حکومت مذہب پر حکمرانی کرے یا مذہب حکومت پر بادشاہت کرے یا دونوں علیحدہ علیحدہ مشکوک مشتبہ آشتی کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہیں اور یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک کو دوسرے سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن اسلام میں مذہب و حکومت اس طرح سے متحد ہیں اور دونوں مل کر ایک ہو گئے ہیں کہ وہ علیحدہ نہیں کئے جا سکتے۔ اور جب تک اسلام کی روح باقی ہے اس اتحاد و یگانگت میں کمزوری نہیں آ سکتی۔ اسلامی ممالک کی سیاسیات و قانون ہی در اصل مذہب اسلام کا قانون ہے۔ کم سے کم شروع زمانہ اسلام میں مذہبی اور ملکی قانون ایک ہی تھا۔ چنانچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شخص بہت زبردست مقنن ہے۔ وہ شخص بہت بڑا فقیہ ہے۔ اور تیسرا شخص بہت قابل سیاست داں ہے۔ اگر وہ کچھ ہے تو اس ایک ہی میں تینوں صفت ہونی لازم ہیں۔

مولوی شبلی نے انتظامی و عدالتی محکموں کی علیحدگی کو فقہ اسلام کے

کسی اصول و قاعدہ کی بناء پر ضروری نہیں سمجھا۔ بلکہ دُنیا کے غیر مُسلم ممالک میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ اُن کے تجربے کی بناء پر اس علیحدگی کو تمدّن کا پہلا دیباچہ بیان کیا ہے۔ جناب رسولؐ خدا کے زمانے میں ابھی تمدّن کا پہلا دیباچہ بھی شروع نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنی ساری زندگی غیر مہذّب طرزِ معاشرت میں گزاری۔ اسلامی حکومتِ الٰہیہ کے معلّم وُہ ممالک ہوئے جہاں یہ علیحدگی شروع ہو گئی تھی۔ یا جہاں اِس علیحدگی کی موزونیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا انتظامی اور عدالتی محکموں میں علیحدگی نہیں ہو سکتی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہ علیحدگی نہ تھی۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے زمانہ میں حکومت کا نظم و نسق کامل نہیں تھا۔ ہم حیران ہیں کہ جب حالت یہ تھی تو حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے یہ اکملتُ لکمُ دینکمُ الآیۃ کیوں نازل ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو بڑھا کر و کھانے کی کوشش کرنے میں جناب رسولؐ خدا کی توہین و تحقیر کرنے کی یہ پہلی مثال نہیں ہے ایسی بہت سی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں ۔

یورپ و بین ممالک کیوں کہتے ہیں کہ انتظامی و عدالتی محکمے جُدا ہونے چاہئیں؟ اُن کا یہ تخیّل اِس کلیہ پر مبنی ہے کہ امور انتظامیہ میں انصاف مدِ نظر نہیں ہوتا۔ اُن کے متعلق جو احکام صادر ہوتے ہیں وُہ بسا اوقات عدل پر مبنی نہیں ہوتے۔ اور یہ بات دُنیاوی حکومتوں میں ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔ لیکن مولوی شبلی مُنہ سے یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ وُہ جانتے ہیں کہ اسلامی فقہ کی رُوح عدل ہے جس طرح اسلامی عبادات کی رُوح صلوٰۃ ہے۔ اور کوئی وجہ اس علیحدگی کو صحیح و درست ثابت کرنے کے لئے نظر نہ آئی۔ لہٰذا انہوں نے کدو کاوش سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر وُہ وجہ نکالی جو محض مضحکہ اطفال ہے۔ رُعب و داب کی بھی خوب کہی۔ کیا محکمۂ قضا میں کچھ رُعب و داب ہی نہیں۔ جو شخص کروڑوں روپیہ کی جائداد کا فیصلہ کر دے۔ آپس کے تنازعات کا فیصلہ کر دے۔ چور ٹھگے

ہاتھ کٹوائے، زانی کو سنگسار کرائے، قاتل کے لئے قتل کا حکم دے اور دیگر جرائم کی حدود کو جاری کرے۔ کیا اس میں کچھ رعب و داب ہی نہیں ہوتا۔ اسلامی محکمۂ قضا کو تو مولوی و پروفیسر شبلی صاحب نے پنجاب کے پرانے زمانے کی منصفی درجہ دوم سمجھا جس میں اختیارات محض پانچ صد روپیہ زر نقد تک محدود ہوا کرتے تھے اور لوگ کہا کرتے تھے کہ منصف تو بنئے کا کام کرتے ہیں۔ ان کو تو بہیات ہی کی جانچ پڑتال سے کام رہتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں تحصیلدار کیسا رعب و داب والا آدمی ہے۔ کسی کی نمبرداری کی سفارش کی۔ کسی کو ذیلدار بنوایا۔ کسی نے ذرا کچھ اکڑ دکھائی تو اسے جیل میں بھیج دیا۔ یہ ہی گفتگو شاید مولوی شبلی صاحب نے اپنے سفر پنجاب میں سن لی ہوگی۔ دیکھئے کیسا عامیانہ تخیل ہے جو کسی صاحب علم کے لئے شایاں نہیں۔ مفتیوں و قاضیوں کی توہین محض اس وجہ سے کی گئی کہ حضرت عمر کے انتظامات میں کچھ جدت و ندرت دکھائی جا دے۔ غالباً پروفیسر صاحب موصوف کو یہ تو معلوم ہوگا کہ فوجداری مقدمات بھی عدالتی کام کی تعریف میں آتے ہیں۔ جو شخص غیر محدود مالیت کی جائداد کا وارا نیارا کر دے۔ کسی کو حبس دوام کی سزا دے، کسی کو پھانسی کا حکم دے وہ تو رعب و داب والا آدمی نہ ہوا۔ غالباً جو جاگیریں عطا کر سکے بیت المال لٹا سکے وہ صاحب رعب ہوگا۔

اب ہم یورپ کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہیں جس کی تعریف میں مولوی شبلی رطب اللسان ہیں، امر واقعہ یہ ہے کہ حکام سقیفہ اور ان کی جماعت رسول خدا کی حکومت الٰہیہ کے سمجھنے سے بالکل قاصر رہی۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے کس طرح حکومت کو نبوت یعنی مذہب سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور اس طرح جناب رسول خدا اور اسلام کے تخیل و نظریہ کو چھوڑ کر یورپ کے اس عقیدہ کی پیروی کی کہ حکومت و مذہب کا اجتماع ایک شخص میں مضر اور ناموزوں ہے۔ اس عقیدہ سے ہی کی یہ بھی ایک شاخ ہے کہ انتظامی اور عدالتی محکموں کے افسران بالکل علیحدہ ہونے

چاہئیں تاکہ انتظامی ضرورتیں عدل کے راستہ میں رکاوٹ نہ پیدا کریں، یہ دونوں عقیدے یا اصول دنیاوی حکومت میں معیوب نہیں معلوم ہوتے بلکہ مؤخر الذکر عقیدہ تو انسان کے ناجائز میلان اور ناانصافی کرنے کی ترغیبات کے روکنے میں بہت ممد اور معاون ہے لیکن ان دونوں عقیدوں کی گنجائش حکومتِ الٰہیہ کے اندر نہیں ہے اور جن اصول و مبانی کے اوپر جناب رسولؐ خدا نے اپنی حکومت الٰہیہ اور سلطنتِ اسلامیہ کو قائم کرنا چاہا تھا اور قائم کیا تھا یہ دونوں عقیدے ان کے بالکل مخالف ہیں، یہ دونوں عقیدے تو ایسی سوسائٹی کے لئے موزوں ہیں جہاں حکومت کا دارومدار محض حیوانی طاقت پر مبنی ہے اور جہاں عدل و انصاف حاصل کرنے کے لئے مصنوعی ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاں لوگوں کے اخلاق و کیرکٹر اتنے گرے ہوئے ہیں کہ ان کے انتظامی افسر خود ظلم کرنا اور دوسرے سے ظلم کرانا جائز سمجھتے ہیں ان کو خدا سے ڈرا کر نہیں، نیکی کی خوبیوں کی معرفت پہنچا کر نہیں بلکہ ان کے پاس سے بدی کرنے کے ذرائع ہٹا کر بدی نہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ کس ترقی کی علامت ہے جس پر حضرت شبلی ایسے نازاں ہیں۔ اگر وہ ایسے ہی اخلاق کے آدمی ہیں تو کہاں تک ایسے ذرائع سے انہیں روکو گے، ایک در بند ستر در کھلے کیا خود انتظامی محکمہ میں ظلم کم ہوسکتا ہے اور کیا وہاں کا ظلم اچھا معلوم ہوتا ہے اگر سوسائٹی ہی ایسی ہے تو اس کی عدالت کے افسر بھی ایسے ہی ہوں گے، جو شخص دوسرے کے کہنے سے اور اس کے زور کے اندر ظلم کرسکتا ہے تو وہ اپنے نفع کے لئے کیوں نہ ظلم کرے گا، لہٰذا ان دونوں محکموں کو جدا کرنے سے یہ ہوا کہ پہلے تو دونوں مل کر ظلم کرتے، اب ایک دوسرے سے آزاد ہو کر ظلم کریں گے دونوں محکموں کو جدا کرنا تو ایک ذریعہ ہے انصاف حاصل کرنے کا، کیا یہ ذریعہ ہمیشہ کامیاب ہوا ہے کیا عدالتی حکام پر انتظامی حکام کسی طرح اور کسی حالت میں زور نہیں ڈال سکتے دونوں محکمے ایک ہی حکومت کے ملازمین ہیں اور اگر عدالت کے فیصلوں سے انتظام میں

کمزوری آنے لگی تو کیا ججوں کو بغیر اثر ڈالے ہوئے چھوڑ دیں گے، ہندوستان میں جو صورت حالت ہے اس پر غور کرو اور ہمارے کچھ کہے بغیر قائل ہو جاؤ۔ بات وہی ہے جو ہم بار بار دہراتے رہتے ہیں، طرز حکومت یا روش انتظام زیادہ فرق نہیں پیدا کرتا، اصلی بات تو یہ ہے کہ قانون کے عامل اور کارکن کیسے ہیں؟ اگر وہ کامل انسان ہیں تو ظلم نہ ہوگا، اور اگر وہ گرے ہوئے لوگ ہیں، تو ہزاروں جتن کر لو۔ کتے کی دم تو جب نکلے گی ٹیڑھی ہی نکلے گی، کتابی صورت میں تو ہر ایک ملک کا لکھا ہوا قانون خوش نما نظر آئیگا، کون کہے گا کہ ہمارے قانون میں ظلم روا ہے، قانون کی آنکھ میں تو سب برابر ہوتے ہیں، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قانون کے اجراء کرنے والوں کی آنکھ میں بھی سب برابر ہیں؟ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، سائنس ترقی کرتا جاتا ہے۔ ظلم کرنے کے بھی سائنٹفک طریقے ایجاد ہوتے رہتے ہیں، پہلے زمانہ میں حکومت کی صورتیں تھیں بادشاہت آمریت، جمہوریت ہر پھر کر ظلم بھی ہوتا تھا تو انہی پرانے طریقوں پر، زمانہ حال میں ایک اور حکومت کی شکل کو زیادہ رواج ہو گیا ہے اس کو کہتے ہیں پارٹی گورنمنٹ، اگر اس کو اردو میں ترجمہ کرو گے تو کہو گے کہ حکمرانوں کا خاندان مشترکہ، اس خاندان کا ہر ایک ممبر سلطنت کا ایک ایک شعبہ لے لیتا ہے ہر ایک شعبہ میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے سائنٹفک طریقے نکل آئے ہیں۔ زیادہ تفصیل کا یارا نہیں۔ غرضیکہ انتظام کرنے کے جتنے جی چاہے اعلےٰ طریقے ایجاد کر لو جب تک تم کو انسان کامل نہیں ملے گا، تمہارا انتظام درست نہ ہوگا جناب رسولؐ خدا کے نظام میں حکومت اور حکومت کے شعبے کامل انسان کے ماتحت رکھے گئے تھے ان دونوں نظاموں میں یہی فرق ہے۔

غرضکہ اس طرح مصنوعی طریقے سے عدل و انصاف حاصل کرنے کی کوشش کرنے کا نظریہ فرنگی مفکرین اور ان کے غلاموں کا ہے، برخلاف اس کے اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ قوم کے ہر فرد کا اخلاق اعلےٰ درجہ کا ہو اور پھر وہ

خواہ کسی عہدہ پر مقرر کر دئے جائیں اپنے فرائض اسلام کے احکام کے مطابق ادا کریں گے۔ حکومت کو اور حکومت کے ہر ایک شعبہ کو مذہب کے ماتحت رہنا چاہئے اور اس کے اصول و قواعد و احکام کی پیروی کرنا ہر ایک کا فرض اولین ہے۔ حکومت کیوں انتظامی اور عدالتی محکموں کو علیحدہ کرتی ہے، اس وجہ سے کہ اسے نہ اپنے انتظامی افسروں پر بھروسہ ہے اور نہ عدالتی افسران پر، دونوں مل کر ایک دوسرے کو خراب کریں گے۔ لہٰذا حکم دیا کہ تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ، اسلام کیوں ان دونوں محکموں کو ملاتا ہے، اس وجہ سے کہ اس کو بھروسہ ہے کہ میں دونوں کا افسر اعلےٰ ہوں اور کسی کو بگڑنے نہ دوں گا۔ دراصل اسلام میں تقسیم فرائض نہیں ہے، ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ پورے قرآن شریف پر عمل کرے اور پورے قرآن شریف پر عمل کرنے سے وہ سب کچھ بن جاتا ہے، وہ صاحب اخلاق فلاسفر بھی ہے، کیونکہ قرآن شریف اخلاق حمیدہ کی تعلیم دیتا ہے اور کارخانۂ قدرت پر غور و فکر کرنے کی ہدایت کرتا ہے، وہ بہت اچھا منتظم ہے کیونکہ قرآن شریف کا حکم ہے کہ بزرگوں کی اطاعت کرو اور چھوٹوں پر رحم و شفقت و مہربانی کرو، یہی بہترین انتظام ہے، وہ نہایت عمدہ عادل جج بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی ہدایت ہے کہ اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ وہ نہایت عالم فقیہ ہے۔ کیونکہ علم فرائض و فقہ سب قرآن شریف میں ہے۔ وہ نہایت عمدہ دلیر شجاع اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والا سپاہی بھی ہے کیونکہ قرآن شریف میں جہاد کا حکم نہایت سختی کے ساتھ دیا گیا ہے۔ وہ نہایت ریاضت کرنے والا عابد، زاہد عبد خدا ہے۔ اپنے ہمسایہ اور شہریوں سے محبت کرنے والا باشندہ ہے قرآن شریف میں بہت سے علوم کی تعلیم ہے اور وہ ان سب علوم کو جاننے والا ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا معلم ہے اور غیروں نے بھی اس کی اس صفت کا اعتراف کیا ہے، غرضکہ ایک مسلمان اگر ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں، ایسے مسلمان سے کہنا کہ تم منتظم ہو سکتے ہو لیکن جج نہیں ہو سکتے،

تم سپاہی ہو سکتے ہو لیکن فلاسفر و مفکر نہیں ہو سکتے۔ تم فقیہ ہو سکتے ہو لیکن بڑھئی نہیں، تم باغبان ہو سکتے ہو لیکن حاکم نہیں۔ صرف اس مسلمان ہی کی توہین نہیں ہے اگر وہ کامل مسلمان ہے بلکہ اسلام کی بھی توہین ہے۔ اس حکومت الٰہیہ کے لئے پہلا حاکم جو اپنے بعد رسولؐ خدا نے مقرر کیا اُس کو دیکھو۔ حضرت علی سپاہی بھی تھے فقیہ بھی تھے، مفتی و قاضی بھی تھے، واعظ بھی تھے، لکچرار بھی تھے، فلاسفر بھی تھے، باغبانی بھی کرتے تھے اور حکومت بھی کرتے تھے۔ رسولؐ خدا نے تو سب کچھ بتا دیا اور کرکے دکھا دیا۔ اُمت ہی نہ سمجھنا چاہے تو اس کا علاج نہیں۔ اس حکومت الٰہیہ کا جس کو جناب رسولؐ خدا نے شروع کیا تھا یہی منشاء تھا کہ ایسے کامل مسلمان پیدا کرے لیکن حکومت سقیفہ کو ان واقعات نے جن کو حکام سقیفہ نے خود پیدا کیا تھا مجبور کر دیا کہ وہ جناب رسولؐ خدا کے اِس مقصد کو، اسلام کے اس نظریہ کو، حکومتِ الٰہیہ کے اِس نظام کو بالکل متغیر اور منقلب کر دیں اور اسلام میں بھی وہی نظریے اور عقائد رائج کر دیں جو عیسائیت و کفر و الحاد کے اجتماع نے یورپ میں پیدا کر دیئے تھے۔ ہم تینوں کا اجتماع اِس وجہ سے کہتے ہیں، کہ عیسائیت نے تقریباً اپنی ساری تہذیب اور طرز تخیل رومن تہذیب سے لیا۔ اور یہ رومن تہذیب مرکب تھی قدیم یونانی و قدیم رومن تہذیب سے، اور جہاں کہیں مذہب عیسوی کی تعلیم و یونانی تہذیب میں اختلاف ہوا وہیں اپنی مذہبی تعلیم کو چھوڑ کر یونانی و رومن تہذیب کو اختیار کر لیا، اس کی کئی مثالیں ہیں ایک تو تصویر پرستی ہے، حضرت مریمؑ و حضرت عیسٰےؑ کی تصویروں کی پرستش جب حد سے گزر گئی تب ہی ریفریمیشن آئی، دوسری مثال عیسائیت کا وہ اصول ہے کہ اگر کوئی تمہارے گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال اُس کے آگے کر دو۔ یہ حلم و ایثار کی تعلیم رومن و یونانی جنگجو تہذیب کے بالکل خلاف تھی، اور ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ یہ تعلیم محض اس ہی متکبرانہ تخیل کو مٹانے کے لئے آئی تھی جس نے یونانی و رومانوی دُنیا کو جانوروں کا وحشی خانہ بنا دیا تھا۔ لیکن اس

عیسائیت نے جو حضرت عیسےٰ کے دعویداروں نے دُنیا میں پھیلائی اپنے مذہب کی اِس تعلیم کو نہ مانا اور یُونانی و رومانوی ذہنیت کو اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ باوجود اِس تعلیم کے عیسوی یورپ میں بھی اسی طرح لڑائیاں اور کینہ و حسد کے مظاہرے ہوتے رہے جو اس سے پہلے تھے اور تصویر پرستی نے بُت پرستی کی جگہ لے لی، بعینہٖ یہی حالت اِس اسلام کی ہوئی جو سقیفہ بنی ساعدہ کے ظلمت کدہ سے نکلا تھا، حُکّامِ سقیفہ نے بھی اپنے اصلی مذہب کے صحیح اصولوں کو اور جناب رسولؐ خدا کے طرزِ عمل کو چھوڑ کر غیر مسلموں کے اصولوں اور تہذیب کو اختیار کر لیا ہے، اگر اس پر تفصیل سے لکھا جائے تو بذاتِ خود ایک ضخیم کتاب بن جائے، کیسی خوبی سے جناب رسولؐ خدا کی وُہ مشہور حدیث ثابت ہو گئی کہ تم لوگ میرے بعد اُمم سابقہ کی تقلید ہر ایک جُزئی عمل میں کرو گے ایسی تقلید کی کہ جناب رسولؐ خدا کے بُنیادی اصول کو چھوڑ دیا، اور کہہ دیا کہ نبوّت میں حکومت شامل نہیں ہے اور رہنمائے اسلام یعنی جانشین رسول کے لئے کسی خاص علم و فضل کی ضرورت نہیں ہے جس کو ہم سب رومن ریپبلک کی طرح مان لیں وُہ ہی ہمارا بادشاہ۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اگرچہ ضروری تھا، ہم کہہ رہے تھے کہ حُکّامِ سقیفہ اپنے خود پیدا کردہ واقعات کی وجہ سے مجبور ہو گئے کہ جناب رسولؐ خدا کے نظام کو چھوڑ کر صنم و صلیب کی پیروی کریں، ان میں وُہ عصمت اور وُہ علم نہ تھا جو جانشینِ رسول کے لئے ضروری تھا، اور حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کو جناب رسولؐ خدا کے وُہ احکام ہی نظر انداز کرنے لازمی تھے جن میں جانشین منتخب و مقرّر کر لیا گیا تھا لہٰذا وُہ مجبور ہو گئے یہ کہنے پر کہ (۱) جناب رسولؐ خدا کی نبوّت میں حکومت شامل نہیں ہے (۲) حکومت کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور (۳) چُونکہ ہم میں وُہ علم، اہلیت و قابلیّت نہیں ہے کہ جو قضا و فتاویٰ کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا انتظامی محکموں کو عدالتی محکموں سے علیحدہ ہونا چاہیئے، یہ نہایت عظیم الشان تغیّر تھا جس نے اسلام کا رُخ دین کی طرف سے ہٹا کر دُنیا کی طرف

کر دیا، اس کے بعد جتنے مصائب و آلام اسلام پر آتے رہے ان کا ذمہ دار حکام سقیفہ کا بھی طرزِ عمل ہے ان میں وہ خصائل و فضائل نہ تھے جو وہ جانشین رسول ہونے کا دعوے کر سکتے، وہ خود اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ اس جماعت کے سرِ دارِ اعلے حضرت عمر نے فوراً اس کو محسوس کیا اور اپنے تئیں خلیفہ رسول نہیں بلکہ امیرالمؤمنین کہلوایا دیکھئے کس طرح اصلی واقعات کا انکشاف خود اُن کے طرزِ عمل سے ہو گیا، اُن کی حکومت خلافت نہ تھی بلکہ امارت تھی، ان کے مقلّدین جو کہتے ہیں کہ وہ خلیفۂ رسول تھے، اور یہ کہ خلافتِ راشدہ تیس سال تک جاری رہی اس کے بعد امارت ہو گئی واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود اپنے آقاؤں کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت عمر صاف طور سے کہتے ہیں کہ یہ خلافت نہیں ہے امارت ہے، ان کا بعد کا طرزِ عمل بھی یہی بتا رہا ہے کہ وہ اس کو محض دُنیاوی حکومت سمجھتے تھے۔ اپنی دلی کیفیت کو چھپانا اور اس پر کسی ظاہرداری کا پردہ ڈالنا، یہ حضرت عمر کی طبیعت ثانیہ تھی، وہ نہایت عمدہ سیاست داں مدبّر تھے اور سیاست دُنیاوی کا یہ پہلا گُر ہے، لہٰذا انہوں نے لقب امیرالمومنین اختیار کرنے کی یہ وجہ بتائی کہ خلیفۂ رسول کہاں تک چلتا، خلیفۂ رسول، خلیفہ خلیفۂ رسول۔ خلیفہ خلیفہ خلیفۂ رسولؐ علیٰ ہذا القیاس، دیکھی آپ نے حضرت عمر کی ذہانت، کس طرح ان بیچاروں کی آنکھ میں خاک ڈالی ہے، اگر یہ سب خلیفۂ رسول ہونے کی قابلیت رکھتے تھے اور خلیفۂ رسول وہ ہی ہو سکتا ہے جو یہ قابلیت رکھے تو پھر اُن میں سے ہر ایک خلیفۂ رسول تھا، خواہ نمبر ایک ہو یا پانچواں ہو۔ انبیاء کو بھی تو خلیفۃ اللہ کہتے ہیں ہر ایک ہی نبی خلیفۃ اللہ ہوتا ہے، خلیفہ خلیفۃ اللہ تو نہیں ہوتا حضرت یوشع اگرچہ جانشینِ موسیٰ تھے، لیکن بذاتِ خود حضرت موسیٰ کی طرح خلیفۃ اللہ تھے۔ اقلیدس کا اصول موضوعہ جو معمولی عقل کا گُر ہے یہ ہے کہ اشیاء جو ایک ہی شئے کی مساوی ہیں آپس میں ایک دوسرے کی بھی مساوی ہوتی ہیں، یہ تو حضرت عمر کا اقرار تھا، اگر یہ نہ بھی ہوتا تو واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ

جانشین رسول ہونے کے اہل نہ تھے، نقص علم کی یہ حالت تھی کہ ان کے غلط فیصلوں کی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ ذہن ایسا تھا کہ رسول خدا کے بار بار سمجھانے سے نہیں سمجھتے تھے۔ لہذا مجبور ہو گئے کہ محکمۂ قضا کسی کے سپرد کریں، محکمۂ افتا کسی کو دیں قرآن شریف کو خود جمع نہ کر سکیں ایک نوجوان کو اس پر مقرر کریں، قرآن شریف کی تعلیم و صحیح تاویل معلوم کرنے کے لئے رعایا کو ہدایت دیں کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ۔ فرائض کی تعلیم کسی اور کو تفویض کریں، جہاد پر افواج کے افسر بنا کر کسی اور کو باہر بھیجیں اور اپنے لئے محض اوپر کی جمعداری رکھ لیں، خلیفۂ رسول کے لئے اُمّت کی رہنمائی کا کونسا شعبہ باقی رہا، کچھ نہیں، خود کچھ کام نہ کرنا، اور دوسروں کے کام میں نقص نکالنا یہ جمعداری حضرت عمر نے اپنے پاس رکھی تھی ملاحظہ کیجئے اسلام کے حاکم کو کس طرح محض دُنیا کا حاکم بنا دیا، سارے مذہبی شعبے دوسروں کو دے دیئے وہ ہی عریش والی اپنی حفاظت کی پالیسی جو شروع میں تھی اور جو جنگ سے فرار میں ظاہر ہوتی رہتی تھی آخر تک نمایاں ہے۔ جناب رسولخدا کے طرز عمل سے یہ کس طرح مختلف ہے۔ جو خلیفہ اپنے مستخلف کے سارے نظام ہی کو بدل دے وہ کس طرح اس کا جانشین کہلایا جا سکتا ہے۔ برخلاف اسکے جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کی شان ملاحظہ ہو، جناب رسول خدا کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں، صلائے سلونی دے کر قوم کی ہدایت اپنے ذمے لیتے ہیں، محکمۂ قضا کے فرائض خود انجام دیتے ہیں، خود فتوے دیتے ہیں، عدالت کرتے ہیں تو خود کرتے ہیں، جہاد میں خود سب سے آگے ہیں، انتظام ملکی کریں تو خود کریں۔ قرآن خود جمع کرتے ہیں۔ تاویل و تفسیر قرآن خود کرتے ہیں۔ وہ جو اوّل دن اپنے نفس کو خدا کی راہ میں فروخت کر چکا ہے وہی طرز عمل اب تک جاری ہے۔

مولوی شبلی نے نہیں سن لیا کہ آج کل کے زمانہ ترقی و تمدن میں کسی خاص مضمون یا متنازعہ میں اس مضمون کے خاص ماہروں ( ) کی شہادت لی جاتی ہے۔ بس آپ کیا تھا۔ یہ تو ہو گیا نمونہ ترقی۔ اب کوشش

کی جارہی ہے کہ کسی طرح حضرت عمر کی نسبت بھی یہ ثابت ہو سکے کہ اُن کا دماغ بھی آج کل کے زمانہ ترقی و عروج کے لوگوں کے دماغ کے مساوی تھا۔ حضرت عمر نے کہیں حسان بن ثابت سے ایک متنازعہ شعر کے معنی پوچھ لئے۔ بس ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر بھی ماہروں کی شہادت کے مطابق مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ خیر۔ یہ تو ثابت ہُوا یا نہ ہوا۔ یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ حکومت سقیفہ کا معیار صلاحیت یہ نہ تھا کہ احکام قرآنی کے مطابقت ہونی چاہیئے بلکہ اُس کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وُہ آج کل کے تخیُّل کے مطابق حکمرانی کرتی تھی۔ مولوی شبلی اگر چاہتے ہیں تو اس پر فخر کر سکتے ہیں۔

باب نہم (۹)

تکمیلِ تحریف

نبوّت اور نبی کی شان کو گرانا اور دونوں پر غلبہ کرنا۔ حضرت عمر نے سوچا اور اس طرح سوچا۔

(۱) جناب رسولؐ خدا نے حضرت علی علیہ السّلام کو اپنا جانشین اور اپنی حکومت کا ولی و وارث مقرر کر دیا ہے۔

(۲) اِس حکم کی نافرمانی ضروری ہے کیونکہ اس کو ماننے سے ہمیں حکومت نہیں ملتی۔

(۳) لیکن قرآنی حُکم ہے کہ رسول کی اطاعت کرو۔

(۴) یہ بڑی مشکل ہوئی۔ قرآن سے انکار کریں تو لوگ ہمیں اپنا حاکم کیونکر سمجھیں گے۔

(۵) ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ آنحضرتؐ کے حکم دو قسم کے تھے، ایک عہدۂ نبوّت کے متعلق دُوسرے اُس سے باہر، جو عُہدۂ نبوّت کے متعلّق تھے۔ اُن کی اطاعت کا حُکم قرآن میں ہے اور ہمیں منظور ہے۔ لیکن جو عہدہ نبوّت کے باہر حکم ہے اُس کو

نہ ماننے سے ہم دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتے ۔

(۶) بس اِس ہی عقیدے کی اشاعت ضروری ہے ۔

اِس عقیدے ہی کی بناء پر حضرت عمرؓ نے جناب رسولؐ خدا کو وصیّت خلافت تحریر کرنے سے یہ کہہ کر روکا تھا کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہِ ۔ اور اگر اس عقیدہ کی اشاعت لوگوں میں نہ ہو چکی ہوتی تو وُہ نبی کی نسبت کیونکر سُن سکتے تھے کہ ان الرجل لیھجر حضرت عمرؓ کے اُس مکالمہ پر بھی غور کر لیجئے جو عبداللہ ابن عباس کے ساتھ ہوا تھا اور جس کو ہم نے کتاب التفریق کے شروع میں نقل کیا ہے اُس سے بھی یہی عقیدہ ٹپکتا ہے ۔ اگر یہ بھی کافی نہیں تو ہم پھر مولوی شبلی کو شہادت میں پیش کرتے ہیں ۔ وُہ فرماتے ہیں :۔

نبوّت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا ۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خُدا کی طرف سے ہوتا ہے ۔ بعضوں نے زیادہ ہمّت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مُستثنےٰ کیا ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حُکم منصب نبوّت کی حیثیت سے دیتا ہے وُہ بے شُبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے ۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریعی و مذہبی نہیں ہوتے ۔ اِس مسئلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا ۔ خراج کی تشخیص ، جزیہ کی تعیین ، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے ۔ جہاں حضرت عمرؓ کا طریق عمل مُختلف ہے بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے ۔ مگر امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوّت سے تعلق نہیں رکھتے ۔ (الفاروق حصّہ دوم ص ۲۰۸ ، ۲۰۹)

آگے چل کر اس ہی بحث پر مولوی شبلی فرماتے ہیں :۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وُہ کلیتہً

مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے
اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں ان کی
دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوّت سے تعلق رکھتے ہیں اُن کی نسبت
خدا کا ارشاد ہے کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ
فانتھوا۔ یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے
اُس سے باز رہو۔ دوسرے وہ جن کو رسالت سے تعلق نہیں ......
شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے
کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا۔ اس تفریق کے موجد در اصل حضرت
عمر ہیں..... اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو
مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ حضرت عمر نے اپنی رایوں پر عمل کیا
مثلاً حضرت ابوبکر کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے
اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر نے اس کو
بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار
مقرر کی تھی حضرت عمر نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرتؐ
کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمر نے اسّی
کوڑے مقرر کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال
اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر کی کیا مجال تھی کہ اُن میں کمی بیشی
کر سکتے۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۶ لغایت ۲۳۸)

الفاروق حصہ دوم کے صفحہ ۲۳۷ پر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ، قیدیان بدر
اور صلح حدیبیہ کے معاملوں میں حضرت عمر کی مداخلت اور نکتہ چینی کا ذکر کر کے
مولوی شبلی اس طرح گوہر فشاں ہیں:-

ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب

نبوّت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں
منصبِ رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بورگ ماننا تو
درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرہ سے بھی باہر سمجھتے ؎

یہاں مولوی شبلی اپنا دامن بچا کے نکل گئے۔ یہ نہیں کہا کہ یہ امور واقعی منصب نبوّت سے باہر تھے۔ بلکہ یہ کہا کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصبِ نبوّت سے الگ سمجھتے تھے۔ اور اس لہجہ سے بیان کرتے ہیں کہ معلوم ہو کہ یہ الگ سمجھنا حضرت عمر کی دقتِ نظر و صحتِ تفکّر پر مبنی تھا۔ خیر۔ اب پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی شبلی کی ان عبارات سے کیا کیا امور ثابت ہوتے ہیں تا کہ ان کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں تردید کی ضرورت نہ ہو۔ اور ہم اُن کو اپنی اس بحث کے لئے قطعی سمجھیں۔ وُہ یہ ہیں :-

(۱) اس عقیدہ کے مُوجد کہ جناب رسولؐ خدا کے احکام و اقوال یعنی اوامر و نواہی و احادیث دُو قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وُہ جو دائرۂ نبوّت کے اندر ہوتے تھے اور عُہدۂ نبوّت سے تعلق رکھتے تھے دُوسرے وُہ جو اس دائرہ سے باہر ہوتے تھے اور عُہدۂ نبوّت سے تعلق نہیں رکھتے تھے حضرت عمر ہیں ؎

(۲) نبوّت کا تجزیہ اور اُس کی اس طرح کی تفریق کو حضرت عمر نے سب سے زیادہ صاف اور واضح کر دیا ہے ؎

(۳) حُکمِ قرآن مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ آنحضرتؐ کے محض اُس قسم کے اقوال و احکام کے متعلق ہے جو دائرۂ نبوّت کے اندر تھے۔ دُوسری قسم کے احکام سے اس کا تعلّق نہیں ؎

اندریں صورت یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہوا کہ آنحضرتؐ کے کونسے احکام عُہدۂ نبوّت کے متعلق تھے اور کون سے احکام اِس عُہدے سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ یہ بھی مولوی شبلی کی عباراتِ بالا سے معلوم ہو جائے گا ؎

(۴) کچھ امور تو مولوی صاحب موصوف نے مثالاً خود بیان کر دئے ہیں جو اُن کے

اور حضرت عمر کے نزدیک عہدۂ نبوّت سے باہر تھے اور وُہ یہ ہیں:-
امور معاشرت، خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت، شراب کی حد، نماز جنازہ، قیدیان بدر کا معاملہ، صُلح حدیبیہ، حجاب ازواج مطہرات۔

(۵) باقی کے لئے مولوی صاحب نے ایک گُر مقرر کر دیا۔ وُہ یہ کہ جن جن امور میں حضرت عمر نے مداخلت کی، تبدیلی یا نکتہ چینی کی وُہ سب امور دائرۂ نبوّت سے باہر تھے۔ بلکہ یہ جو امور مولوی شبلی نے بیان کئے ہیں کہ دائرۂ نبوّت سے باہر ہیں وُہ بھی اپنے اِس گُر کے مطابق ہی لئے ہیں کیونکہ ان کے متعلق حضرت عمر مداخلت کرتے تھے۔

(۶) اب ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ کون کون سے امور تھے جن میں حضرت عمر نے مداخلت کی۔ حضرت عمر کے وُہ مکالمے جو حضرت عبداللہ ابن عباس کے ساتھ ہوتے تھے اور جن کو ہم نے کتاب التفریق کے شروع میں نقل کیا ہے اُن میں حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ مرض الموت میں جناب رسولؐ خدا حضرت علی کے حق میں جانشینی کی وصیت تحریر کرانا چاہتے تھے مگر مَیں نے اسلام کی ہمدردی کی وجہ سے نہ لکھنے دی۔ جناب رسولؐ خدا نے چاہا کہ علی اُن کے جانشین ہوں۔ حضرت عمر نے چاہا کہ علی جانشین رسول نہ ہوں۔ خدا نے بھی اِس امر میں حضرت عمر کی موافقت کی اور چاہا کہ علی جانشین رسول نہ ہوں۔ وُہ ہی ہوا جو حضرت عمر نے اور خدا نے چاہا۔ اگر تقرر ہادی یا جانشین رسول نبوّت کے دائرہ کے اندر اور منصوص من اللہ ہوتا تو نہ حضرت عمر مداخلت کرتے اور نہ خدا و رسول کے درمیان یہ اختلاف رائے یا اختلاف خواہش ہوتا لہٰذا جانشینیٔ رسول کا معاملہ بھی دائرۂ نبوّت سے خارج ہوا۔

مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں:- "اِس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔" الفاروق حصّہ دوم ص ۲۷۶۔
حضرت عمر نے مذہبی امور میں دخل دیا اور اُن کی رائیں مذہبی احکام بن گئیں

لہٰذا بہت سے امور مذہبی بھی دائرۂ نبوت سے باہر ہوئے۔
مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں:۔

"نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا کسی نے ترہی کی رائے دی۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہُوا۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۷۶)

لیجئے اذان بھی دائرۂ نبوت سے خارج ہوئی۔ معلوم نہیں مولوی شبلی کے فقہ حنفیہ میں اذان رکن نماز ہے یا نہیں۔ اتنے عرصہ تک جناب رسولؐ خدا بغیر اذان ہی کے نماز پڑھتے رہے۔ یہ فرو گذاشت حضرت جبرئیل کی پکڑی گئی۔ نماز کے اور ارکان بتائے۔ اذان نہ بتائی۔ اِتنے عرصہ تک کی جناب رسولِ خدا علی مرتضےٰ اور دیگر مومنین کی ساری نمازیں ناجائز ہوئیں اگر اذان ایک رکن نماز ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو ہم اب کیوں نہ اُسے نماز میں سے خارج کر دیں۔ اگر حضرت عمر کو ایسے امور میں دخل دینے کا حق ہے تو ہمیں کیوں نہیں۔

صحیح مُسلم سے ایک اور واقعہ اِس ہی قسم کا نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے اپنی دونوں نعلین مُبارک مجھے دے کے ارشاد فرمایا کہ ان کو لے جاؤ اور اِس باغ کے پیچھے جس شخص کو بھی دیکھو کہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی زبان سے دیتا ہے اور اس کا دِل بھی اِس بات پر یقین رکھتا ہے تو اِس کو بہشت کی خوشخبری دے دو۔ میں وہ جوتیاں لئے ہوئے وہاں سے نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمر ملے۔ انہوں نے خود ہی مجھ سے پُوچھا کہ اے ابو ہریرہ یہ دونوں جُوتیاں کیسی ہیں۔ میں نے

کہا کہ یہ دونوں جوتیاں جناب رسول خدا کی ہیں اور انہوں نے مجھے یہ دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ جس شخص سے ملوں اور دیکھوں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی زبان اور دلی یقین کے ساتھ دیتا ہے تو اُس کو بہشت کی خوش خبری دیدوں۔ یہ سُننا تھا کہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر اس زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا اور کہا کہ اے ابو ہریرہ واپس اُن کے پاس چلے جاؤ جنہوں نے تم کو بھیجا ہے۔ میں واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا، حضرت عمر بھی میرے پیچھے لپکے ہوئے آئے۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں آپؐ کا پیغام لے کر چلا تو راستہ میں عمر ملے اور میں نے آپؐ کا پیغام اُن کو پہنچایا، انہوں نے تو یہ سُنتے ہی میرے سینے میں زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا اور مجھے واپس کر دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے جواب دیا کہ اے رسولؐ خدا بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ کیا آپؐ نے واقعی ابو ہریرہ کو اپنی جوتیوں کے ساتھ یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص ایک خُدا کی گواہی دے اور اس کا دل بھی یقین رکھتا ہو تو اُس کو بہشت کی خوشخبری دے دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں اس پر حضرت عمر نے آنحضرتؐ سے کہا کہ آپؐ ایسا نہ کیجئے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اِس بات پر بھروسہ کرلیں گے ان کو چھوڑ دیجئے کہ کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد اچھے عمل بھی کریں۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا کہ ان کو چھوڑ دو۔

(صحیح مُسلم مطبوعہ مصر الجزء الاوّل۔ کتاب الایمان ص ۴۴، ۴۵)

کِسی رسول کی توہین اُس کے اُمتی کے ہاتھ سے اِس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے نعلین مُبارک کے ساتھ کرنے کا یہ ہی مقصد تھا کہ قاصد و پیغام کی تصدیق ہو جائے حضرت عمر نے یہ ہی نہیں کہ اِس کو نرمی کے ساتھ اپنے ہمراہ واپس لے آتے بلکہ اس کے سینہ پر گھونسہ مار کر عدل فاروقی کی نظیر قائم کی۔ بھلا اس بیچارے کا اِس سے زیادہ کیا قصور تھا کہ اُسنے جناب رسولِ خدا کے حکم کی تعمیل کی تھی، یہ حکم تو براہ راست عہدۂ نبوت سے

تعلق رکھتا تھا اور دائرۂ رسالت کے اندر تھا۔ کیا ایسے احکام جناب رسولخدا بغیر وحی کے صادر فرمادیا کرتے تھے، اور اللہ میاں کی جنّت کو بغیر اُس کی مرضی ہی کے لوگوں میں بانٹ دیتے تھے، ضرور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہوگا کہ کلمۂ طیّبہ کی یہ عظمت میرے نزدیک ہے کہ مَیں اس کے کہنے اور یقین و عمل کرنے والوں کو جنّت دوں گا مگر جو اس میں خرابی تھی وہاں تک خدا و رسول دونوں میں سے کسی کا خیال نہ گیا، حضرت عمر کا کیا کہنا ہے فوراً اُنہوں نے اصلی خرابی کو دیکھ کر منع فرمایا اور رسولخدا کو ہدایت کی کہ اپنا حکم واپس لے لیں، رسولخدا کی مجبوری بھی ملاحظہ ہو، کس مجبوری سے فرماتے ہیں کہ اچھا جانے دو۔ پھر بھی خیر ہوگئی، کہ سب سے پہلے حضرت عمر ہی مل گئے، اگر دس بارہ آدمیوں کے پاس یہ پیغام پہنچنے کے بعد حضرت عمر ملتے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتیں، لیکن حضرت عمر نے اس میں خرابی کیا دیکھی، معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے امور کے علاوہ باقی امور پر حضرت عمر سطحی نظر ہی ڈالا کرتے تھے، اس میں ایک شرط تھی کہ لا الٰہ الا اللہ کا عین الیقین ہوگا، اس شرط کے پورا ہونے سے جنّت کے حصول کی ساری شرطیں پوری ہوجاتی ہیں صرف خدا ہی کو اپنا مالک آقا و خدا سمجھنے کا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کریں گے، صرف اس سے ہی دُنیا و آخرت کی مدد چاہیں گے، اپنی اُمیدوں اور خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے صرف خداوند تعالیٰ ہی سے مدد کے طالب ہونگے خرابی تو یہی ہے کہ آج کل لوگ زبان سے خداوند تعالیٰ کو ایک ہی گنتے ہیں۔ لیکن در اصل دِل سے مال و دولت و اولاد و خواہشات و حُکّام کو اپنا خدا سمجھتے ہیں ان چیزوں کی تلاش میں خدا کی عبادت کو بھول گئے، اُس کی اطاعت سے مُنہ موڑ لیا جہاں ان کا اور خدا کا تصادم ہوا وہیں خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں، اپنی خواہشات و اُمیدوں کے حصول کے لئے حُکّام کی خوشامد کرتے ہیں۔ حُکّام کی خوشی کو خدا کی خوشی پر ترجیح دیتے ہیں غرضکہ مسلمانوں نے اپنے اتنے خُدا بنا لئے ہیں کہ کلمۂ توحید تو زبان کی نوک سے آگے نہیں بڑھتا، اگر ان باتوں کو چھوڑ دیں اور خداوند تعالےٰ کو خدا اور ایک خدا سمجھ کر عمل کریں تو جنت کے حصول کی کوئی شرط ہی نہیں ہے جو پوری نہ ہو

خُدا کو خدا سمجھنے کا مطلب ہے کہ اُس کی ہر صفت کا عین الیقین ہو، اُس کو اسی طرح حاضر و ناظر سمجھیں جتنا اپنے حاکم کو موجود سمجھتے ہیں، تو پھر ایک گناہ بھی نہ ہو، بات کی نہ کہ تو خود نہ پہنچے گھونسہ مار دیا، میاں ابوہریرہ کو، رسول خدا نے دیکھا کہ ان لوگوں کی عقل کا معیار باوجود میری صحبت میں رہنے کے اتنا ہی ہے فرمایا کہ اچھا جانے دو، اس سے تو تم بجائے راہِ راست پانے کے گمراہی پھیلاؤ گے، یہ ہماری بحث تو اس روایت کے صحیح ہونے کی بناء پر ہے، ورنہ شیعہ حضرات تو اس روایت کی صحت کے شروع سے قائل ہی نہیں۔ کیونکہ اس سے توہین رسالتمآبؐ بہت ہوتی ہے۔ دیکھو سوانح عمری حضرت عمر مطبوعہ مطبع اصلاح حصہ اوّل ص ۱۱۸۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اب تو ہماری بحث سن کر سُنّی حضرات بھی اس روایت کی صحت سے انکار کرنے لگیں گے، اور ایک ایسا ہی واقعہ ہم آپ کو سُناتے ہیں *

امام احمد حنبل اپنے مسند میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو وحشی جانوروں کے بھٹ میں لے جا کر اُسے بُری طرح اپنی خواہشات کے لئے استعمال کیا۔ پھر وہ حضرت عمر کے پاس آیا۔ اُن سے واقعہ بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا تیرا بُرا ہو۔ ممکن ہے اس عورت کا خاوند راہِ خدا میں چلا گیا ہے۔ اُس نے کہا ایسا ہی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ابوبکر کے پاس جاؤ۔ اُن سے جا کر حال بیان کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا اور فرمایا کہ جناب رسولؐ خدا کے پاس جاؤ۔ وہاں گیا آنحضرتؐ نے بھی یہی کہا۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ یعنی نماز قائم کرو آفتاب کے ڈھلنے کے وقت اور اوّل شب۔ بہ تحقیق نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں *

فقال یا رسول اللہ الی خاصۃ	اُس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہؐ یہ آیت خاص
ام للناس عامۃ فضرب عمر	میرے لئے نازل ہوئی ہے یا عام مسلمانوں کے لئے
صدرہ بیدہ لا ولا نعمۃ	(آنحضرتؐ ابھی جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ)

عیین بل للناس عامة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدق عمر۔	حضرت عمر نے اُس شخص کے سینہ پر تھپڑ مار کر کہا کہ نہیں نہیں کوئی نعمت جو بیان کی جاتی ہے وُہ سب عام لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ خاص آدمیوں کے لئے مخصوص نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عمر سچ کہتے ہیں ۔
مسند امام احمد حنبل الجزء الاوّل ص ۲۲۵	

یہ ایک اور مثال ہے حضرت عمر کے احسانات کی جو انہوں نے اسلام پر وقتاً فوقتاً کئے۔ حضرت عمرؓ ڈرے کہ کہیں آنحضرتؐ کچھ ایسی ویسی بات نہ بول اُٹھیں جو اسلام کے مفاد کے خلاف ہو۔ لہٰذا خود پیش دستی کر کے اس بیچارے کے سینہ پر مکّہ مار کر کہا کہ ہر ایک نعمت جو ظاہر کی گئی ہے وُہ سب کے لئے عام ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کے احسانات کی مثالیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ رسولؐ خدا کی توہین کی مثالیں ہیں۔ اور اِن روایات کو حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کے لئے اُس مذہب کی ترقی کے لئے وضع کیا گیا جو آنحضرتؐ کے بعد اسلام کے بجائے سیاسی ضرورتوں اور اپنی عدم معرفت نبوّت کی بناء پر لوگوں نے حضرت عمر کی سرکردگی میں قائم کر لیا تھا۔ بہرصورت چونکہ ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کے مسند میں یہ ہے ہم تو اس کو سچّا ہی سمجھ کر بحث کرتے ہیں اور حضرت شبلی کی اُن کے بنا کردہ دائرۂ نبوّت کے محیط کی طرف توجّہ دلاتے ہیں کہ اتنا سکڑا کہ فقط نقطہ رہ گیا۔ اور وُہ بھی اقلیدس کا نقطہ کہ جسکی اصلیت محض فرض کرنی پڑتی ہے ۔

آنحضرتؐ نے شرابی کی سزا چالیس کوڑے مقرر کئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اِس سزا کو خفیف سمجھا اور چالیس کے بجائے اسّی کوڑے شرابی کی سزا مقرر کردی۔

شہ مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص ۲۷۲ ۔
الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۴ ۔

غور کیجئے اس ابتدائی سزا سے کتنی ناانصافی ہوئی ہوگی اور کتنے آدمیوں کی جان گئی ہوگی۔ اس قتلِ ناجائز کی ایک مثال تو خود مدّاحانِ حضرت عمر نہایت فخر و مباہات کے ساتھ لکھتے ہیں۔ بے لاگ عدل و انصاف کے حاشیہ کے تحت میں مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں :- اُن کے بیٹے ابوشحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ان کو اسّی کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وُہ بیچارے قضا کر گئے۔[۵۶]

یہ ایک اور مثال ہے اس کلیہ کی کہ کسی شخص یا شے کی محبت آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس کو یہ لوگ جائے فخر و مُباہات سمجھتے ہیں۔ غور کیجئے یہ تو قتلِ بے جا کی مثال ہے۔ جاہلیت میں تو فقط اولاد اناث ہی کو قتل کرتے تھے۔ حضرت عمر اسلام لانے کے بعد ایک درجہ سنگ دلی میں اور بڑھ گئے اور قتلِ اولادِ ذکور بھی ان کے نزدیک جائز ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے بیچارے ابوشحمہ سے یہ کسی خانگی معاملہ پر ناراض ہوں گے۔ اُسے اس طرح دُنیا سے نکال دیا شارع علیہ السلام نے تو چالیس کوڑے مقرر کئے اور اُس حد تک ابوشحمہ نہیں مرے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اِدھر آخری کوڑا پڑا اور اُدھر بیچارے کی جان نکلی۔ چالیس کوڑے کے بعد جتنی سزا دی گئی وُہ ناجائز اور اُس زیادتی سزا کی وجہ سے جو قتل واقع ہوا وُہ قتلِ عمد۔ ومن قتل مومنا متعمداً فجزاءہ جھنم اور اس جزا کے اُوپر فخر و مباہات کرنا یہ حماقت کی آخری حد ہے یا نہیں۔

ایک دُوسری جگہ مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں :-

حج کے ارکان میں رمل ایک رُکن ہے۔ یعنی طواف کرتے وقت پہلی تین دَوروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں۔ اس کی ابتداء یُوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے

---

[۵۶] الفاروق حصّہ دوم ص ۱۸۹ ٭

مشہور کر دیا کہ مسلمان ایسے نحیف و کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے رمل کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا۔ چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سُنّت سمجھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مالنا وللرمل انما کنا راٰئینا بہ المشرکین وقد اھلکھم اللہ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض۔ اس سے مُشرکین کو مرعوب دلانا مقصود تھا سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ (الفاروق حصّہ دوم ص ۲۱۱)

یہ مولوی شبلی اور حضرت عمرؓ کا خیال ہے کہ رمل کا حُکم آنحضرتؐ نے اس وجہ سے دیا تھا، ورنہ کہیں یہ ممکن ہے کہ کُفّار کے طعنوں کی بناء پر اعمالِ دین مقرّر کئے جائیں۔ حضرت عمرؓ اور علّامہ شبلی کے خیال میں آنحضرتؐ اعمالِ دین مقرّر کرتے وقت وحیِ الٰہی کے مُنتظر نہیں ہوتے تھے بلکہ کُفّار کے طعنوں پر نظر رکھتے تھے، یقیناً یہ فتحِ مکّہ کے بعد کا ذکر ہے، کیونکہ اُس ہی وقت آنحضرتؐ مدینہ سے مکّہ پہلی دفعہ تشریف لائے تھے، کیا اُس وقت تک کافروں کو مُسلمان نحیف و نزار ہی نظر آتے تھے، اِتنی لڑائیاں فتح کیں، عمر عبدود مرحب و عنتر جیسے پہلوانوں کو زیر کیا، خود مکّہ فتح ہو گیا، کیا ابھی مسلمانوں کی طاقت کُفّار پر ظاہر نہیں ہوئی تھی، اِس دس قدم دوڑنے میں کیا بہادری کی شان تھی کہ جس نے کُفّار کے دلوں پر مُسلمانوں کا سکّہ بٹھا دیا اور اگر آنحضرتؐ کے وقتِ رحلت تک مُسلمان ایسے ہی نحیف و نزار تھے کہ یہ بناوٹی شان بہادری قائم رکھنی ضروری تھی تو حضرت عمرؓ نے ان میں کون سی بہادری کی رُوح پھونک دی تھی جو آنحضرتؐ نہ کر سکے۔ کیا اِس سے مقصد حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ پر ترجیح دینے کا ہے۔ ایسے متین و سنجیدہ پیغمبر کے ذمّہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو محض اِس وجہ سے دوڑایا اور بھگایا کہ کفار کہیں دیکھو مسلمان بھاگے جا رہے ہیں، اگر آنحضرتؐ کُفّار کے طنز کو اہمیت دیا کرتے تو

اسلامی عبادات میں سے سجدہ تو بالکل مفقود ہو جاتا، کیونکہ کفار نے سجدہ کو تو اپنی طرز کا خاص نشانہ بنایا ہوا تھا، ہم حیران ہیں کہ علامہ شبلی جیسے فاضل و ذہین مورخ اور یہ عبارت، وہ مانتے ہیں کہ ائمہ اربعہ جن کی امامت پر اہل سنت و جماعت کے دین کا قیام ہے، اس قیاس کی تردید کرتے ہیں اور رمل کو سنت میں داخل سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر ایسا نہیں سمجھتے تھے، اب حضرت عمر کا درجہ امورِ دین میں کیا رہا۔ کس طرح خود حضرت شبلی کی بحث سے ہمارا دعوےٰ ثابت ہو گیا کہ اہلسنت والجماعت امورِ دین میں حضرت عمر کو پیروی اور تقلید کے قابل نہیں سمجھتے، اور بات بھی ٹھیک ہے انہوں نے تو اپنے عقیدے خلافت حاصل کرنے کی غرض سے ایجاد کئے تھے وہ اسلام کے صحیح ارکان تو نہ تھے، اُس زمانے کے مسلمان غلطی کھا گئے، مقصد حاصل ہو گیا، قصہ ختم ہوا، نبوت کی حقیقت کے متعلق جو مولوی شبلی نے عبارت لکھی ہے جس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اس میں بھی وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے علماء کی اکثریت کا عقیدہ نبوت کے متعلق حضرت عمر کے عقیدے کے مخالف ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر نے اُن کو صحیح مذہبی عقیدے سمجھ کر اختیار نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو اُن کی سیاسی تدبیریں تھیں ۔

ہمارے دعوے کو خود مولوی شبلی ثابت کرتے ہیں۔ ہم نے اُوپر اُن کی عبارت نقل کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تو اس پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے قصر کے حکم میں آپ نے نکتہ چینی فرمائی ۔

دیکھا آپ نے حضرت عمر کی جسارت کو، پہلے تو یہ عذر تھا کہ جو حکم آنحضرتؐ کا منصبِ نبوت کے اندر نہیں ہوتا تھا اُس پر نکتہ چینی کرتے تھے، اب مسائل شرعیہ کی نسبت بھی حضرت عمر اپنی رائے کو دخل دینے لگے، یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں مسائل شرعیہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے مقرر کئے گئے حضرت عمرؓ

ان کو خلافِ عقل سمجھنے کی جسارت کرتے ہیں، معاذ اللہ حضرت عمر کی عقل مشیتِ ایزدی سے بھی زیادہ صحیح ہوئی، کیا حضرت عمر نے اسلام اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام میں داخل ہو کر اس میں اپنی عقل سے تغیّر و تبدل کریں، اب جو مسخ شدہ اسلام اکثریت تک پہنچا ہے کس کی کارکردگی کا نتیجہ تھا، آگے چل کر مولوی شبلی اس طرح گہرافشانی کرتے ہیں کہ :-

"امورِ شریعت میں قیاس کرنا حضرت عمر کی اولیات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا، قیاس کا وجود نہ تھا، قیاس کی بنیاد اوّل جس نے ڈالی وہ حضرت عمر ہیں"۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۴۰)

یہ مولوی شبلی کی رائے ہے کہ امورِ دین و احکامِ الٰہی میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں لیکن علمائے اسلام کی رائے ہے کہ اوّل من قاس ابلیسؑ۔

جس بزرگ میں اتنی جسارت ہو کہ احکامِ الٰہی کو بھی خلافِ عقل کہہ سکے اس سے یہ عقیدہ بعید نہیں ہے، آنحضرتؐ کے دین میں جس دلیری سے کام لے کر حضرت عمرؓ نے تغیّر و تبدّل پیدا کیا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں یہاں تک کہ نماز کو بدل ڈالا۔ جب ایک مدت کے بعد حضرت علیؑ نے جناب رسولؐ خدا کی طرح نماز پڑھائی تو لوگوں نے کہا کہ آج ہم نے رسولؐ خدا کی سی نماز پڑھی۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب یکبر)

دائرۂ نبوت پر حضرت عمر کی تغلب کی ان داستانوں کو سن کر آپ کو تعجب تو ہوا ہوگا کہ بارِ الٰہا جب یہ سب کچھ دائرۂ نبوت کے باہر ہے تو اس کے اندر کیا رہا۔ ابھی اور سنتے جائیے۔ پھر ہم ایک ہی دفعہ بتائیں گے کہ اس کے اندر کیا رہا۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں :-

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا کیونکہ جن

فقہ اسلامی کی تفریق

بہیر صورتیں آنحضرت کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے
ان میں اس بات کا موقعہ باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے
لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں، چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے
زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع
کئے۔ جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۸)

اس عبارت پر اچھی طرح غور کریں۔ اس سے بہت سے مطالب حل ہونگے
نبوت کے تجزیہ کے بعد اب فقہ اسلامی کی بھی تفریق ہوتی ہے۔ فقہ اسلام
دو قسم کا ہو گیا۔ ایک وہ جو منصب نبوت والے احکام سے مرتب ہوا ہے۔
اور دوسرا جو آنحضرت کے اُن احکام سے مرتب ہوا ہے جو منصب نبوت میں داخل نہ
تھے۔ غور تو کیجئے وہ فقہ دین اسلام کیا جو آنحضرت کے عہدۂ نبوت سے باہر رہ کر۔
اسلام کا کلمۂ شہادت تو یہ ہے :۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
وَعَبْدُهٗ۔ اچھا اب یہ جو اسلام دائرۂ نبوت سے باہر والے احکام سے
مرتب ہوا ہے اُس کا کلمۂ شہادت کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس میں سے
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَعَبْدُهٗ نکل جائے گا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ اس دوسرے
اور جدید اسلام میں حضرت عمر نے نئے نئے قواعد وضع کئے۔ وہ یہ بھی فرماتے
ہیں کہ موجودہ حنفی فقہ کا بہت زیادہ حصہ ان ہی حضرت عمر کے بنائے ہوئے
قواعد سے مرتب ہے۔ آگے چل کر وہ تصریح کرتے ہیں کہ " فقہ کا فن تمام تر حضرت
عمر کا ساختہ پرداختہ ہے۔" ؎۵ گویا تمام حنفی فقہ حضرت عمر کا مرتب شدہ ہے
یاد رکھئے یہ وہ حصۂ اسلام ہے جو آنحضرت کے عہدۂ نبوت سے باہر والے
احکام سے مرتب ہوا تھا۔ اور حضرت عمر نے ان اصول و قواعد کی جگہ اپنے

؎۵ الفاروق حصہ دوم ص ۲۴۰

نئے نئے آئین مقرر کر دئیے جو عقل کے مطابق تھے ۔ اِس حنفی فقہ کے کلمۂ شہادت میں ان محمداً رسولہ وعبدہ کہنا جائز نہیں ہے ۔ اُن کے عُہدۂ نبوّت کے تو یہ باہر ہے ۔ دیکھئے جناب محمد مصطفےٰ کو کس خوبصورتی سے کلمۂ شہادت سے باہر کر دیا ۔ اور حضرت عمر کو اُن کے بجائے داخل کر دیا ۔ اِس حنفی فقہ کا کلمۂ شہادت یہ ہوا یا ہونا چاہیئے ۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان عمر رسولہ وعبدہ ۔ حضرت شبلی کی بحث اور حضرت عمر کے افعال کے بموجب جناب محمد مصطفےٰ تو فقط اُن امور میں نبی رہ گئے جو دائرۂ نبوّت کے اندر باقی رہے ابھی ہم اُدھر بھی غور کرتے ہیں ۔ دائرۂ نبوّت کے اندر کچھ نہ رہا ۔ یہ دائرہ تو فقط اقلیدس کا نُقطہ بن گیا جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور سارے مذہب اسلام پر مکمّل قبضہ حضرت عمر کا ہو گیا ۔ یہی اُن کا مقصد تھا ۔ بہر صورت اگر کچھ لفظی تفرق اندر و باہر کی یہاں نظر آتی ہے تو وُہ بھی نہیں رہے گی ۔ مکمّل شریعت پر حضرت عمر کا قبضہ ہوتا ہے ۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں :-

> شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقل پر مبنی ہیں ۔
> مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں ۔ دُوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقل پر مبنی ہیں یہی دُوسرا خیال علم اسرار الدین کی بُنیاد ہے ......
> مگر حضرت عمر اس ہی دُوسرے اصول کے قائل تھے ۔ اور وُہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اسرار الدین کی گویا بُنیاد ڈالی ۔
>
> (الفاروق حصّہ دوم ۲۰۹ ، ۲۱۰)

لیجیئے سارا قصّہ تمام ہُوا ۔ مکمّل مذہب اسلام پر حضرت عمر کا قبضہ ہو گیا اب شریعت کا جو حُکم حضرت عمر کی عقل کے مطابق ہو گا وُہ تو قائم رہے گا ۔ باقی سب بدل دیا جائے گا ۔ جناب محمد مصطفےٰ کی جگہ انھوں نے لے لی ۔ جس طرح

اپنی عقل کی پرستش

چاہیں گے شریعت کو بدل دیں گے۔ اب تو مولوی شبلی کو بھی تسلیم کرنا ہی پڑا کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئے دین کی بُنیاد ڈالی۔ وُہ نیا ہی دین ہُوا جس کی بُنیاد ڈالنے والے پہلے شخص حضرت عمرؓ ہیں۔ نام اس کا خواہ اسرار الدین رکھو، خواہ علم الدین رکھو۔ ہے وُہ نیا دین۔ اُس قیاس سے ایجاد ہوا ہوا ہے جو حضرت محمد مصطفےٰؐ کے زمانہ میں رائج نہ تھا۔ حضرت شبلی کہہ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امور شریعت میں قیاس کیا اور اُس کو قیاس سے تبدیل کیا۔ یہ بات جناب رسولؐ خدا کے زمانہ میں نہ تھی لہٰذا جو دین بنا وُہ نیا جدید دین ہوا جس کی بُنیاد ہی حضرت عمرؓ نے ڈالی۔ گویا اِس دین کے شارع یہ ہوئے۔ اِس دین میں صرف وہ ہی اصول و قواعد ہیں جو مطابق عقل کے ہیں۔ جناب رسولؐ خدا کی شریعت میں تو بہتیرے ایسے احکام و قواعد تھے جو مطابق عقل نہ تھے۔ مذہب کو زمانہ کی رفتار کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ پہلے ہم حضرت شبلی کی ایک عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے بہت سے ارشادات میں اِس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ اس کے معانی پر غور کیجئے۔ آنحضرتؐ کے بہت سے احکام میں تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ وُہ اِس قابل نہ تھے کہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ چلتے۔ اگرچہ آنحضرتؐ میں اور حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں صرف دو سال ہی کا وقفہ تھا۔ لیکن اتنے ہی قلیل عرصہ میں آنحضرتؐ کے احکام ناکارہ ہوگئے۔ لیکن حضرت عمر نے جو اُن کی جگہ دُوسرے اصول و قواعد مقرر کئے وہ ایک ایسے عالی دماغ کا نتیجہ تھے کہ اُن میں زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی اہلیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ صدیاں گزر گئیں لیکن اب بھی حنفی فقہ میں

وہ ہی کار فرما ہیں ۔ آپ کو آنحضرتؐ کے اُوپر جناب عمرؓ کی فوقیت معلوم ہوئی ۔ غرضکہ حضرت عمرؓ نے اتنا ردوبدل فقہ میں کیا کہ پہلا آنحضرتؐ کا مقرّر کردہ فقہ بالکل معدوم ہو گیا ۔ مولوی شبلی کہتے ہیں :۔

> حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مُستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقل کے موافق ہیں ۔
>
> (الفاروق حصّہ دوم ص ۲۱۱)

دیکھئے حضرت عمر نے جو دین ایجاد کیا اس کا فقہ اتنا زیادہ ہے کہ ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے ۔ شریعتِ محمدیؐ پر اُس کو بہت فوقیّت حاصل ہے ۔ حضرت عمر کا فقہ مصالح عقل کے موافق ہے ۔ شریعتِ محمدیؐ عقل کے مطابق نہ تھی جب ہی تو حضرت عمر کو ضرورت پڑی کہ اُس کی بجائے اپنے اصول و قواعد رائج کریں ۔ اگر شریعتِ محمدیؐ عقل و زمانہ کے مطابق ہوتی تو پھر حضرت عمر کو اُس کے تبدیل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور فقہ میں ایسے خصوصیّت رکھنے والے مسائل اِس کثرت سے بیان کرنے کی ضرورت رہی کیا ہوتی ۔ یہ ایک فوقیّت ہے حضرت عمرؓ کو جناب رسول خدا کے اُوپر ، اور یہ حضرت عمر کا خاص احسان ہے اسلام کے اُوپر کہ اُنہوں نے اسلام کے محدود ، وقتی فقہ کو اپنی خداداد عقل و ذہانت و ہمہ گیر قیاس کی وجہ سے ایک عالمگیر، مُستقل اور دائمی فقہ میں تبدیل کر دیا ۔ اگر آپ کو مزید ثبوت کی ضرورت ہے تو ہم پھر مولوی شبلی کو گواہی میں پیش کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں :۔

> فقہ کا فن تمامتر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے .... فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اُس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے ۔
>
> یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی

سے کام لیا جائے۔ اسی صورت سے ائمہ اربعہ یعنی ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد حنبل سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور اُن کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ مگر قیاس کی بنیاد اوّل جس نے ڈالی وُہ حضرت عمر فاروق ہیں ..... حضرت ابوبکر کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔ (الفاروق حصّہ دوم ص ۲۴۰)

یہ عبارت بھی بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ جناب رسولِ خدا نے امورِ شریعت و فقہ میں قیاس کی اجازت نہیں دی۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایسا قیاس ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے امورِ فقہ و شریعت میں قیاس کی بدعت جاری کی۔ دُوسری بات جو ثابت ہوئی وُہ یہ کہ سارا فقہ حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قیاس کے بغیر فقہ تمام ضروریات کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ جناب رسولؐ خدا نے قیاس کی اجازت نہیں دی۔ لہٰذا آنحضرتؐ کا فقہ محدود تھا اور تمام ضروریات کے لئے ناکافی تھا۔ مان لیا کہ قرآن مجید میں عام نظر کے لئے جزئیات موجود نہیں ہیں وُہ اِس لئے کہ رسول موجود تھا۔ وُہ ان جزئیات کی تعلیم کرے گا۔ لیکن معلوم ہوا کہ رسول نے بھی اپنا فرض ادا نہیں کیا۔ کیونکہ احادیث میں بھی تمام جزئیات موجود نہیں ہیں۔ اگر موجود ہوتیں تو حضرت عمر کو دخل دینے کی کیا ضرورت تھی۔ لہٰذا صریح نتیجہ نکلا کہ جناب رسولؐ خدا کا مقرر کردہ فقہ بالکل ناکافی تھا اور ناکامیاب ہو جاتا۔ اگر حضرت عمر اُس کو اپنے قیاس سے وسیع و ہمہ گیر نہ بنا دیتے۔ مولوی شبلی ابھی فرما چکے ہیں کہ آنحضرتؐ کے وُہ ارشادات جو منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے۔ اُن میں حالاتِ موجودہ کے لئے نئے قوانین بنانے کا موقع باقی رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے ارشادات (احادیث) ان امور پر موجود تو تھے مگر چونکہ وُہ رفتارِ زمانہ کے

ساتھ ساتھ چلنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے لہٰذا اِس تفریق کی وجہ سے موقع باقی رہا کہ حضرت عمر اپنے قیاس سے اِس نقص کو دُور کر دیں۔ دیکھئے۔ حضرت شبلی مورخان فرنگ کے اس اعتراض کو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا کا اِسلام محدود ہے اور تنگ نظری پر مبنی ہے۔ لیکن ساتھ ہی جواب دیتے ہیں کہ وُہ ایسا ہے تو ہُوا کرے جو اسلام حضرت عمر نے جاری کیا وُہ تو زمانہ کی رفتار کے مطابق ہے۔ قرآن میں جو جزئیات موجود نہیں ہیں اُن کے لئے حضرت عمر کی عقل و قیاس کافی ہیں۔ یہ وہ ہی تو قرآن ہے جو اکثر حضرت عمر کی رائے کے مطابق اور آنحضرتؐ کے عمل ورائے کے خلاف نازل ہوتا تھا اور اپنی عقل و قیاس ہی پر بھروسہ کر کے حضرت عمر اعلان کر چکے تھے کہ رسولؐ خدا کی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔ ان دونوں چیزوں کو ملا کر تو غور کرو۔ قرآن شریف میں جزئیات نہیں بتائی گئیں، رسول کی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ جہاں جزئیات نہ ہوں وہاں حضرت عمر کا قیاس جائز ہے۔ ساتھ ہی اس کے حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ دیکھئے کس خوبصورتی کے ساتھ قرآن مجید و حضرت عمر کے درمیان میں سے جناب رسولؐ خدا کو نکال دیا۔ قرآن مجید اور حضرت عمر کا قیاس۔ بس اُمّتِ اسلامیہ کے لئے یہ ہی دونوں چیزیں کافی ہیں۔ رسول یا آلِ رسول کی ضرورت نہیں۔ مولوی شبلی کی رائے ہے کہ امور فقہ میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمر ہیں لیکن عُلمائے اسلام کہتے ہیں کہ اول من قاس اِبْلِیسُ اگر خداوند تعالےٰ کا فرشتوں کو سجدۂ آدم کے لئے حُکم دینا منصبِ الٰہیت میں داخل نہ تھا بلکہ امور انتظامیہ سے تعلق رکھتا تھا تو ابلیس کا قیاس تو امورِ انتظامیہ میں ہوا۔ امور شریعت میں یہ اُس کی اوّلیت کا سہرا جناب عمر ہی کے سر پر رہا ؎

حضرت عمر کی تعلیم جو مولوی شبلی و شاہ ولی اللہ کی عبارات مندرجۂ بالا میں

بیان کی گئی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے :-

۱- نبی کے احکام دو قسم کے ہوتے ہیں - ایک وُہ جو منصب نبوّت سے تعلق رکھتے ہیں - دُوسرے وُہ جو عہدۂ نبوّت سے باہر ہیں -

۲- لہذا جناب رسولِ خدا کا مُرتّب کردہ فقۂ اسلام دو قسم کا ہوا - ایک وُہ جو اُن احکام سے مُرتّب ہوا ہے جو منصب نبوّت کے متعلق ہیں - دُوسرا وہ جو اُن احکام سے مُرتّب ہوا ہے جو عُہدۂ نبوّت سے باہر تھے ٭

۳- یہ دُوسری قسم کے احکام اور دُوسری قِسم کا فقہ حضرت عمرؓ کی عقل و قیاس کے ماتحت ہیں ان میں سے جس کو وُہ چاہیں مانیں اور قائم رکھیں اور جس کو چاہیں وُہ منسُوخ کردیں ٭

۴- جناب رسولِ خدا کا مُرتّب کردہ فقہ محدُود تھا - مطابق عقل نہ تھا - زمانہ کی ترقّی کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا - لہذا حضرت عمرؓ نے اُس کے بجائے اپنا فقہ مُرتّب کیا جو مطابق عقل تھا اور جس میں زمانہ کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت تھی ٭

۵- تمام شریعت اِسلامیہ کے احکام مصالح عقل پر مبنی ہیں - جو حضرت عمرؓ کے عقل و قیاس کی کسوٹی پر پُورے اُترتے ہیں وُہ تو قائم رہ سکتے ہیں لیکن جو حضرت عمرؓ کے عقل و قیاس کے خلاف ہیں اُن کو وُہ منسُوخ کرسکتے ہیں یہ ایک علیحدہ مذہب و دین ہے - جس کا نام اسرار الدین ہے اور اس کی بُنیاد حضرت عمر نے ڈالی ٭

۶- سارا فقہ اسلامیہ حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے اور اُس کی خصوصیت یہ ہے کہ وُہ مصالح عقل کے موافق ہے ٭

۷- حضرت عمر کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئے ٭

۸- جناب محمد مصطفےٰؐ کی نبوّت کی شناخت یہ تھی کہ جن امور میں حضرت عمرؓ نے مداخلت کی وُہ عہدۂ نبوّت سے باہر تھے - اور جن میں حضرت عمرؓ نے

مداخلت نہ کی وُہ دائرۂ نبوّت کے اندر تھے ۔

۹۔ اگر کوئی یہ ثابت کردے کہ حضرت عمر نے اُن امور میں مداخلت کی جو آنحضرتؐ کے دائرۂ نبوت کے اندر تھے تو پھر حضرت عمر اسلام سے خارج تھے ۔

جناب رسولؐ خدا کی نبوت کی معرفت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوا کہ ہم معلوم کریں کہ کن امور میں حضرت عمر نے مداخلت کی۔ وُہ تو نبوّت سے باہر ہوں گے۔ باقی سب نبوّت کے اندر ہوں گے۔ مولوی شبلی کی عبارات مندرجۂ بالا کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجۂ ذیل وُہ امور ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے مداخلت کی :۔

حضرت عمر نے کن کن امور میں مداخلت کی

(۱) تنزیل قرآن ۔

(۲) تفسیر آیات قرآن۔ (ان الحسنات یذھبن السیئات الآیہ)

(۳) کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی برکت اور اُس کا اثر ۔

(۴) کن احکام خداوندی کی تبلیغ عام کرنی چاہئے۔ اور کن کو روک لینا چاہئے۔ (حضرت عمر نے مناسب نہ سمجھا کہ کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اثر اور اُس کا نتیجہ جو خداوند تعالیٰ نے بتایا تھا وُہ عام لوگوں میں تبلیغ کیا جاوے ۔

(۵) اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئے۔ گویا مذہبی امور میں مداخلت عمر یہ جائز ہے ۔

(۶) فقہ اسلامیہ کا تمام تر فن ۔

(۷) جناب رسولؐ خدا کے احکام کی مخالفت ۔

(۸) تمام احکام شریعتِ اسلامیہ ۔

(۹) نماز۔ کیونکہ نماز بر جنازۂ منافق اور نماز قصر پر اعتراض کیا اور اذان ایجاد کی جو نماز کا جزو ہے ۔

(۱۰) حج۔ کیونکہ اُس کے ایک رُکن ' رمل ' کو منسوخ کر دیا ۔

(۱۱) جہاد۔ قیدیان بدر کا معاملہ یاد کرو۔ صُلح حدیبیہ پر غور کرو ۔

(۱۲) حجاب ازواج مطہرات ۰
(۱۳) اجرائے قیاس و عقل در امور فقہ و شریعت ۰
(۱۴) ایک نئے دین کا اجراء جس کا نام اسرار الدین رکھا گیا ۰
(۱۵) منع بیع اُمّہات اولاد ۰
(۱۶) جزیہ ۰
(۱۷) حدود، آنحضرتؐ نے شرابی کے لئے چالیس کوڑے تجویز کئے حضرت عمر نے اسّی ۰
(۱۸) منع تمتع حج ۰
(۱۹) منع تمتع نساء۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یہ بھی مسلمہ ہے ۰
(۲۰) تراویح۔ جس کا ذکر امور مندرجہ بالا میں نہیں ہے۔ لیکن مسلمہ طور سے حضرت عمر کی ایجاد ہے ۰
(۲۱) خراج کی تشخیص ۰
(۲۲) امور متعلق جانشینیٔ رسولؐ ۰
(۲۳) تیمم جنابت ۰
(۲۴) طلقات ثلث ۰
(۲۵) امورِ معاشرت ۰
(۲۶) امورِ حکومت ۰

اب ناظرین غور کریں کہ جناب محمد مصطفےٰؐ کی نبوّت کے اندر کیا رہ گیا جن امور میں حضرت عمر نے مداخلت کی ہے وہ آنحضرتؐ کی نبوّت کے دائرہ سے باہر ہوں گے۔ اس طرح تنزیل قرآن، تفسیر تاویل قرآن، انتخاب احکام خداوندی برائے تبلیغ، فقہ، شریعت، نماز، حج، جہاد، احکام ماہِ صیام، جزیہ، خراج، امور حکومت، امور معاشرت، اجازت قیاس در امور شریعت حدود وغیرہ یہ سب امور آنحضرتؐ کے عہدۂ نبوّت سے باہر ہو گئے اب فرمائیے کہ آنحضرتؐ کی نبوّت کے لئے کیا رہ گیا۔ ظاہر ہے کچھ بھی نہیں رہا۔

دائرہ نبوت کے اندر کچھ نہ باقی رہا

اور حضرت عمر کا قبضہ مذہب اسلام اور سلطنت اسلام پر مکمّل ہو گیا۔ حضرت عمر کی رائیں مذہبی احکام بن گئے۔ سارا فقہ حضرت عمر کا بنایا ہوا ہے۔ ایک نُقطۂ نظر تو یہ ہوا۔ یا یہ سمجھو جو امرِ واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے اِن امور میں بھی دخل دیا جو منصبِ نبوّت میں تھے۔ اِس موقعہ پر مولوی شبلی کا کلمۂ حق قابلِ غور ہے کہ اگر حضرت عمر امورِ دین میں دخل دیتے ہوئے پکڑے جائیں تو خارج از اسلام سمجھے جائیں گے۔ اُن کا امورِ دین میں دخل دینا تو ثابت ہو گیا آپ اپنے قاعدہ پر عمل کریں یا نہ کریں آپ کو اختیار ہے۔

حضرت عمر نے فقہ کو کس طرح بدلا

ہم بار بار کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حضرت عمر کو جناب رسولِ خدا کی نبوّت اور فقۂ اسلام کو اِس طرح تِکّا بوٹی کرنے کی ضرورت محض اِس وجہ سے پڑی کہ وُہ جناب رسولِ خدا کے احکام خلافت علیؑ بن ابی طالب کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کی نظروں میں سقیفہ بنی ساعدہ کے جواز کو ثابت کرنا اُن کا مقصد تھا۔ ورنہ ہر ایک مُسلمان، خصوصاً آنحضرتؐ کے پاس بیٹھنے اُٹھنے والا صحابی تو یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ آخری نبی و رسولِ دُنیا کے تھے، خدا کا یہ آخری پیغام بنی نوعِ انسان کے لئے لائے تھے لہٰذا اُس پیغام کی یہ خصوصیّت ہونی چاہیئے کہ وُہ انسان کی زندگی کے ہر ایک شعبہ اُس کے ہر ایک پہلو پر حاوی ہو۔ اِنسان کی زندگی کا کوئی لمحہ اسلام سے باہر نہ گزرے۔ اب کوئی اور پیغام تو قیامت تک آئیگا نہیں ورنہ ایسا ہو سکتا تھا کہ کوئی پہلو مثلاً معاشرت یا حکومت کا اسلام چھوڑ دیتا اور آئندہ آنے والی شریعت اُس پر حاوی ہو جاتی۔ اِس پیغام کو دعوئے اکملیّت بھی ہے، اسلام کو دعوئے ہمہ گیری بھی ہے۔ باوجود اِس اکملیت کے باوجود اِس ہمہ گیری کے یہ اعتقاد وضع کیا جاتا ہے کہ اسلام نے انسانی زِندگی کے ایسے اہم شُعبے مثلاً حکومت و معاشرت چھوڑ دیئے۔ انسان کی ساری خوشی و راحت تمام رنج وغم کا انحصار اِنہی دو شعبوں پر ہے۔ یہ

دونوں شعبے اِنسان کی زِندگی کو بناتے اور بگاڑتے ہیں اور وہ ہی مذہبِ اسلام سے باہر ہوں تو پھر اِس مذہب کی ہمہ گیری کیا ہوئی اور اِس دین کی اکملیّت کیا ہوئی۔ کچھ نہیں تو قرآن کو تو دائرۂ نبوّت کے اندر رکھو۔ وُہ تو محمد مصطفٰے پر نبوّت ہی کی وجہ سے نازل ہوا۔ دیکھو اُس میں امورِ حکومت کا بھی ذِکر ہے اور امورِ معاشرت کا بھی۔ جہاد، اطاعتِ حُکّام، جزیہ، خراج، مالِ غنیمت نکاح، متعہ، وراثت، خُوش خلقی، بدمزاجی، پُورا تولنا، پُورا ناپنا، سچ بولنا، امانتیں واپس کرنا، خیانت نہ کرنا، معاہدے کِس طرح کئے جاویں۔ ایفاءِ معاہدہ، بیع، رِبا، وصیّت، جادُو سے اجتناب، اِنصاف کرنا۔ ناانصافی سے اجتناب، حُکّام کے پاس رشوتیں نہ لے جانے کا حُکم وغیرہ وغیرہ اِن سب امور کا قرآن شریف میں ہونا صاف بتا رہا ہے کہ آنحضرتؐ کا دین ان سب پر حاوی ہے۔ اگر یہ امور مذہبِ اسلام کے اندر نہ ہوتے تو ان کا ذکر قرآن شریف میں کیوں ہوتا۔ محض یہ ایک بحث حضرت عمر اور اُن کے دوستوں کے سارے ادعا کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اگر اب بھی وُہ اپنے ادعا پر قائم رہتے ہیں تو قرآن شریف کو بھی دُو حصّوں پر تقسیم کریں ایک وُہ حصّہ جو عہدۂ نبوّت کے متعلّق نازل ہوا دُوسرا وُہ حصّہ جو عُہدۂ نبوّت سے متعلّق نہیں ہے۔ لیکن یہ صریحاً غلط ہے ؛

حضرت عمر کا مذہب تفریق و تقسیم پر مبنی تھا

دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ ان کا سارا مذہب تفریق و تقسیم پر مبنی ہے۔ جو حکومت انہوں نے حاصِل کی تھی وُہ تفرقہ پر مبنی تھی۔ اور اُمّتِ اسلامیہ میں بغیر تفرقہ پیدا کئے قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ فقہ میں بھی تقسیم پیدا کرنے کی ضرورت پڑی۔ اِسلامی جماعت میں بھی تفریق پیدا کی، اِسلامی فقہ میں بھی تقسیم پیدا کی۔ اِسلامی شریعت میں بھی تقسیم پیدا کی تب اُن کو حکومت ملی اور وُہ حکومت قائم رہ سکی۔ جنابِ رسولؐ خدا نے سچ فرمایا تھا کہ اگر تم نے میرے اہلبیت کا دامن چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے ؛

بعض دفعہ تیزئ فہم بھی حافظہ کو باطل کر دیتی ہے ابھی الفاروق کے صفحہ ۲۰۸

پر تو مولوی شبلی فرما چکے ہیں کہ امورِ معاشرت دائرۂ نبوّت سے باہر ہیں۔ لیکن صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں کہ جنابِ رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ بعثت لاتمم۔ مکارم الاخلاق ایفائے وعدہ، راستبازی، پرہیز از ظلم، ایمانداری، امانتوں کی حفاظت وغیرہ وغیرہ یہ سب مکارمِ الاخلاق میں داخل ہیں اور یہی امورِ معاشرت ہیں جب آنحضرتؐ کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اخلاقِ انسانی کو درست کیا جاوے تو پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ امورِ معاشرت آنحضرتؐ کی نبوّت سے باہر ہیں۔ حکومت جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ جزیہ، خراج، بھی حکومت سے تعلّق رکھتے ہیں اِن سب کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ لہٰذا حکومت آنحضرتؐ کی نبوّت میں شامل ہوئی۔ عُہدۂ نبوّت کا تجزیہ اور آنحضرتؐ کے احکام کی تفہیق محض مصنوعی چیزیں ہیں جن کو سیاسی ضرورت کی وجہ سے حضرت عمرؓ قائم کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ کہنے کو تو کہہ دیا کہ آنحضرتؐ کی نبوّت میں حکومت شامل نہیں مگر کوئی معیار قائم نہ کر سکے کہ جس کی وجہ سے نبوّت کے اندر کے امور کو اُس کے باہر کے امور سے مُمیز کر سکیں ⁂

عبارات مندرجہ بالا سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی نظر میں اُس اسلام و فقہ کی کیا قدر تھی جو جنابِ رسولِ خدا نے تعلیم کیا تھا۔ وُہ کوتاہ تھا۔ محدود تھا۔ ترقیٔ زمانہ کے لائق نہ تھا۔ عقل کے مطابق نہ تھا۔ ایسا تھا کہ تین سال بھی نہ چل سکا۔ لیکن حضرت عمر کی ترمیمات اور اُن کے نئے نئے قائم کردہ اصول و قواعد اب تک پُرانے نہیں ہوئے۔ اور اب تک حنفی فقہ میں موجود ہیں کیونکہ اُن کو ایک ایسی عقلِ کامل نے مُرتّب کیا تھا کہ اُن میں قیامت تک کے واقعات پر مطابق آنے کی اہلیت باقی ہے۔ سلطنتیں گزر گئیں، قوتیں بدل گئیں، تمدّن بدل گئے۔ تمدّن و تہذیبِ انسانی کی پیچیدگیاں کہاں سے کہاں پہنچ گئیں۔ لیکن وُہ اسی طرح قابلِ پابندی رہے ⁂

شریعت کی تو یہ گت بنی۔ اب شارع علیہ السلام کو لیجئے۔ آنحضرتؐ حضرت عمر کی رایوں کو بے چوں وچرا مانتے چلے جاتے ہیں اور جہاں کبھی اپنی رائے پر اصرار اور حضرت عمر کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں وہیں بذریعہ وحی تہدید کی جاتی ہے اور حضرت عمر کی رائے کو صائب ظاہر کیا جاتا ہے آنحضرتؐ وحیِ الٰہی کی تبلیغ کرنی چاہتے ہیں۔ حضرت عمر روک دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کہتے ہیں اچھا جانے دو۔ حضرت عمر ایسے ذہین اور نکتہ رس ہیں کہ آنحضرتؐ اُن کو کلالہ کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھا سکتے اور آخر تک نہ سمجھا سکے۔ بقول حضرت عمر رسولؐ خدا نے چاہا تھا کہ مرضِ موت میں خلافت کی وصیت علیؑ کے نام کردیں لیکن حضرت عمر نے فتنہ و امرِ اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ لیکن آنحضرتؐ کو اتنا بھی نہ معلوم ہوسکا کہ علیؑ کے جانشین ہونے سے اسلام خراب ہو جائے گا۔ یا اگر معلوم تھا تو علیؑ اور خاندان کی محبت نے حق نہ دیکھنے دیا (معاذاللہ)۔ حضرت ابوبکر کو مرتے وقت اپنی تکلیف کا اتنا خیال نہ تھا جتنا کہ اسلام کا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کے یہاں بازپرس ہوگی کہ تم نے اُمتِ محمدؐ پر کس کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اُس شخص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جس کو وہ سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت عمر تو بوجہ ہمدردی و شفقت جو اُن کو اسلام کے ساتھ تھی ہمیشہ اپنے جانشین کے خیال میں بقول مولوی شبلی غلطاں و پیچاں رہتے تھے۔ اور جب اُن کو زخم مُہلک لگا تو حضرت عائشہ نے پہلی ہدایت جو بھیجی وہ یہ تھی کہ دیکھو اُمّتِ محمدؐ کو بغیر نگہبان کے نہ چھوڑنا۔ اور اس پر حاکم مقرر کرتے جاؤ۔ ورنہ فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اُس کا انتظام کر دیا۔ لیکن جناب محمد مصطفٰےؐ بانیٔ اسلام خود اسلام کے مفاد سے اتنے بے خبر اور (معاذاللہ) اُس کی ہمدردی اور شفقت سے اتنے عاری تھے کہ اُنہوں نے کبھی اِس طرف دھیان ہی نہ دیا۔ نہ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ نہ اُس کے انتخاب و تقرر کا انتظام

کیا نہ حضرت عمر کی طرح ایک مختصر سی جماعت ہی مقرر کر دی جس میں سے خلیفہ چُن لیا جاتا۔ اُنہوں نے تو اُمّت کو یُوں ہی بے مُہار چھوڑ دیا کہ آپس میں خوب سر پھٹول کرو۔ اور جس کے پاس لاٹھی ہو وُہ ہی بھینس کو ہنکالے جاوے۔ یہ بھی تو نہ خیال آیا کہ خُدا کے یہاں باز پُرس ہو گی۔ یہ ہیں اسلام مروجہ کے اعتقادات حالانکہ مانتے ہیں کہ رسولِ خدا تو حضرت علیؑ کے لئے خلافت کی تحریر لکھ رہے تھے حضرت عمر نے منع کر دیا۔ جناب رسولؐ خدا تو غلطی کر ہی چکے تھے لیکن حضرت عمر نے سقیفہ میں پہنچ کر اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھال لیا یہ اسلام کی ہمدردی ہی تو تھی جس نے حضرت عمر کو اپنے محسن پیغمبر کے جسدِ اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ میں جا کر حکومت کو خود اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور کر دیا۔ حضرت ابو بکر نے خلافت حاصل کرنے کے بعد پہلا خطبہ جو دیا، اُس میں فرمایا تھا کہ میرے اُوپر شیطان سوار ہو جایا کرتا ہے۔ جب میری یہ حالت ہوا کرے تو تُم مجھ سے اجتناب کیا کرنا۔ حضرت ابو بکر پر شیطان کا غالب آنا دل میں کھٹک رہا تھا۔ نہ تسلّی ہوئی۔ جب تک کہ رسولؐ کو بھی شیطان سے مغلوب نہ کرا لیا۔ یہ عبارت مُلاحظہ ہو:۔

لما رای رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم تولی قومہ عنہ وشق علیہ ما یری من مباعدتہم ماجاءہم بہ من اللہ تمنی فی نفسہ ان یاتیہ من اللہ ما یقارب بینہ وبین قومہ ..... حتی حدث بذلک نفسہ و تمناہ واحبہ فانزل اللہ عزوجل والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وماغوی

جب رسولؐ خدا نے دیکھا کہ اُن کی قوم اُن سے مُنحرف ہو گئی اور آپ کو اس سے رنج ہوا کہ آپ کی قوم آپ کی نبوّت کو نہیں مانتی تو دِل میں آنحضرتؐ نے یہ تمنّا کی کہ کچھ ایسی وحی نازل ہو جس سے اُن کی قوم سے اُن کی مصالحت ہو جائے ...... یہاں تک کہ ان کا دِل اس خواہش سے بھر گیا اور انہوں نے اسکی تمنّا کی پس خداوند تعالیٰ نے سورۃ نازل فرمائی والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم

وما ینطق عن الھوی فلما انتھیٰ الی قولہ افرأیتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ القی الشیطان علی لسانہ لما کان یحدث بہ نفسہ ویتمنی ان یاتی بہ قومہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتضی فلما سمعت ذلک قریش فرحوا وسرھم واعجبھم ما ذکر بہ الھتھم فاصاخوا لہ والمومنون مصدقون نبیھم فیما جاءھم بہ عن ربھم ولا یتھمونہ علی خطاء ولا وھم ولا زلل فلما انتھی الی السجدۃ منھا وختم السورۃ سجد فیھا فسجد المسلمون بسجود نبیھم تصدیقا لما جاء بہ واتباعا لامرہ وسجد من فی المسجد من المشرکین من قریش وغیرھم لما سمعوا من ذکر الھتھم فلم یبق فی المسجد مومن ولا کافر الا سجد ...... واتی جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد ماذا صنعت لقد

وما اغوی الآیۃ۔ جب آنحضرتؐ اس حصّہ آیۃ تک پہنچے افرأیتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ جاری کرا دئیے کیونکہ آنحضرتؐ کی یہ خواہش تھی کہ اُن کی قوم اُن سے خوش ہو جائے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن ترتضی (یہ بڑی ہستیاں ہیں اور ان کی شفاعت قبول ہوگی) جب قریش نے یہ سُنا تو بہت خوش ہوئے۔ اور جس طرح رسولِ خدا نے اُن کے خداؤں کا ذکر کیا تھا اُس سے انہیں بڑی خوشی ہوئی اور مومنوں اپنے نبی کی تصدیق اُس میں کرتے تھے جو نبی پر نازل ہوتی تھی اور وہ اپنے نبی کو خطا اور وہم ولغزش سے بری سمجھتے تھے پس جناب رسولِ خدا نے سورۃ ختم کی اور سجدہ پر پہنچے تو آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور اپنے نبی کی تتبع میں مسلمانوں نے سجدہ کیا کیونکہ وہ اپنے رسول کی پیروی کرتے تھے مشرکین جو موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا کیونکہ آنحضرتؐ نے اُن کے خداؤں کا ذکر اس خوبی سے کیا تھا مسجد میں مومن وکافر میں سے کوئی نہ تھا جسنے سجدہ نہ کیا ہو...... پس جبرئیل امین رسولِ خدا کے پاس آئے اور کہا کہ اے محمدؐ یہ تم نے کیا کیا۔ لوگوں پر وہ پڑھ دیا جو میں خدا کی

آنحضرتؐ پر بہتان کہ شیطان نے آپ کی زبان سے تلک الغرانیق العلیٰ کہلوایا

تلوت علی الناس مالم اٰتاک بہ عن	طرف سے نہیں لایا تھا اور تم نے وہ کہہ دیا
اللّٰہ عزوجل وقلت مالم یقل لک۔	جو تم سے نہیں کہا گیا تھا ⁂

تاریخ طبری الجزء الثانی ص ۲۲۶ ⁂

مروجہ اسلام میں یہ ہے نبوت کی شان۔ کسی نبیٔ مرسل کی توہین اور تحقیر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ بہت سے نبیوں کو خداوند تعالےٰ نے عبدِ صالح و مخلص کہا ہے۔ ہمارے نبی علیہ السّلام تو معاذ اللہ عبدِ صالح ہی نہ رہے اور نہ مخلصون میں رہے کیونکہ ابلیس نے خداوند تعالےٰ کی عزت کی قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تیرے تمام بندوں کو بہکاؤں گا۔ ہاں جو تیرے عبدِ صالح و مخلص ہیں اُن کو میں نہ بہکا سکوں گا (سورۃ ص ع ۵ پارہ ۲۳) آنحضرتؐ کو تو وُہ بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ لہٰذا آنحضرتؐ معاذ اللہ مخلصین میں نہ رہے۔ یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہُوا۔ بلکہ وُہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ ایسی وحی نازل ہو جو مُشرکین سے مصالحت پیدا کر دے۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے یہ کہہ دیا۔ گویا اپنے دِل کی خواہش سے وُہ بات کہی جو وُہ جانتے تھے کہ اُن پر نازل نہیں ہوئی۔ کسی نبی یا رسول کو اُس کے عالی منصب کا نااہل بنانے کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ سب صرف اِس لئے اختراع کیا گیا کہ حضرت ابوبکر کی بات رہ جائے ⁂

ایک اور مثال لیجئے۔ حالانکہ نبیذ حرام ہے۔ نبیذ کے نام سے نبیذ کو حرام کیا گیا ہے۔ ۵۷۸ لیکن باوجود اُس کے حرام ہونے کے حضرت عمر نبیذ

---

۵۷۸ مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص ۲۷، ۴۷، ۴۸، ۱۰۴ ⁂

الجزء الرابع ص ۳، ۶، ۳۵۶ ⁂

الجزء السادس ص ۹۶، ۹۹، ۱۱۲ ⁂

خوب پیا کرتے تھے ۹۷ھ چنانچہ جب آپ کو زخم کاری لگا تو لوگوں نے کہا کہ آپ کچھ دودھ پئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ نہیں مجھے تو نبیذ پلاؤ ۹۸ھ اس کی برداشت ان لوگوں کو نہیں ہو سکتی تھی۔ بے چین تھے۔ جب تک رسول خدا کو نبیذ نہ پلا لیں۔ چنانچہ اس طرح پلائی گئی :-

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن بکر انا ابن جریج قال حدثنی حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس وداؤد بن علی ان رجلا نادی ابن عباس والناس حولہ فقال سنۃ تتبغون بھذا النبیذ او ھوا ھون علیکم من العسل واللبن فقال ابن عباس جاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم عباسا فقال اسقونا

(اسمائے راویان عربی میں دیکھو) حسین بن عبد اللہ اور داؤد ابن علی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے عبد اللہ ابن عباس کو آواز دی۔ درآنحالیکہ لوگ ان کو گھیرے ہوئے تھے اور اس نے کہا کہ تم اس نبیذ سے غنودگی چاہتے ہو یا یہ تمہارے لئے شہد و دودھ سے بھی (اس اثر میں) کمزور ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ ایک دفعہ جناب رسولخدا عباس کے پاس آئے، اور کہا کہ ہم کو بھی

۹۸ھ/۹۷ھ امام جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی :- تاریخ عمر بن الخطاب ص ۱۶۰۔

الفاظ یہ ہیں : -عن عبد اللہ بن عمر ان عمر بن الخطاب لما طعن قال لہ الناس یا امیر المومنین لو شربت شربا فقال اسقونی نبیذا وکان من احب الشراب الیہ قال فخرج النبیذ من جرحہ مع صدید الدم یعنی عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن الخطاب کو مہلک زخم لگا تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ امیر المومنین آپ کوئی شربت پئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے تو نبیذ پلاؤ۔ حضرت عمر کو نبیذ بہت ہی محبوب تھی۔ اور وہ اکثر پیا کرتے تھے۔ نبیذ انہیں پلائی گئی۔ لیکن وہ خون کے ساتھ زخم سے نکل گئی ⁂

فقال انّ ھٰذا النبیذ شراب قد مغث ومرث افلا نسقیک لبنا وعسلا فقال اسقونی ممّا تسقون منه الناس قال فأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ اصحابہ من المھاجرین والانصار بعاس فیھا النبیذ فلما شرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عجل قبل ان یروی فرفع رأسہ فقال احسنتم ھکذا فاصنعوا قال ابن عباس فیرضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک اعجب الیّ من ان تسیل شعابھا علینا لبناً وعسلاً۔

پلاؤ، عباس نے کہا کہ نبیذ تو شراب ہے کیا ہم آپ کو دُودھ اور شہد نہ پلائیں، آنحضرتؐ نے کہا کہ نہیں مجھ کو وہی پلاؤ جو لوگ پی رہے ہیں پس ایک بڑا کاسہ نبیذ سے بھرا ہوا آنحضرتؐ کو دیا گیا، آنحضرتؐ کے اصحاب مہاجر و انصار وہیں تھے، ان کو بھی دیا گیا، آنحضرتؐ نے بہت جلدی جلدی کرکے پی لیا قبل اس کے کہ اور لوگ آپ کو دیکھیں یا قبل اس کے کہ آپ سیراب ہوں پس آپ نے سر اُٹھایا اور کہا کہ تم نے بہت اچھا بنایا ہے، پس بناتے رہو ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا اس سے خوش ہوئے اور یہ میرے لئے زیادہ تعجّب کی چیز ہے اس بات سے کہ ہمارے لئے دُودھ اور شہد کے چشمے بہا دیئے جاتے۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الاوّل ص ۳۳۶۔

جناب رسولِ خدا کی توہین و تذلیل کا اس سے بدتر نمونہ قیاس میں نہیں آسکتا۔ یہ تحریم نبیذ کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب ہی تو حضرت عباس نے آنحضرت کو اوّل مرتبہ نبیذ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ تو نبیذ ہے اور خمر ہے۔ ہم آپ کو شہد اور دُودھ کیوں نہ دیں مگر آنحضرتؐ نے اصرار کیا کہ نبیذ ہی دو اور جب دی گئی تو جلدی جلدی دُوسروں کی نگاہ سے چُھپا کر پینا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حُرمت نبیذ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور ہمارا اعتقاد اور یقین تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے حُرمتِ شراب سے پہلے بھی شراب کا استعمال نہیں فرمایا علاوہ جناب رسولؐ خدا کی توہین کے حضرت عمر کے اِس فعل سے فقۂ اسلامی میں

جو انقلاب پیدا ہوا وہ بہت مضر ہے۔ اِس کا ذکر ہم آئندہ چل کر کریں گے یہاں تو ناظرین فقط اتنا یاد رکھیں کہ آنحضرتؐ نے نبیذ کو حرام فرما دیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عقل و قیاس کی بناء پر اُس کو جائز رکھا اور استعمال فرماتے رہے۔

حضرت عمرؓ کی شان بڑھانے کے لئے آنحضرتؐ کی شان گرائی گئی

حضرت عمرؓ کو بڑھانے کے لئے آنحضرتؐ کی شان وعظمت کو ان بزرگواروں نے اتنا گرایا کہ عام انسانوں کی سطح پر لے آئے۔ بلکہ عام انسانوں سے بھی کمتر ہی ظاہر کیا۔ بہت سے لیڈر دُنیاوی اور دینی ایسے ہوئے ہیں کہ جو اصول و قواعد اُنہوں نے مقرر کر دیئے اُن پر خود بھی کاربند ہوتے تھے اور خود کاربند ہونے کے بعد لوگوں سے عمل کراتے تھے۔ آنحضرتؐ نے خود نبیذ کو حرام کر دیا۔ خُدا کے حُکم سے حرام کیا۔ لیکن خود دیکھو کیسی چوری سے پی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اِن لوگوں نے کتنا عظیم الشان بُہتان آنحضرتؐ پر باندھا۔ حضرت عمرؓ کی شان کو دیکھئے کتنا بڑھایا ہے۔ آنحضرتؐ کی غفلت دیکھو کہ اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کا کیا کہنا۔ اکثر قرآن شریف اُن کی رائے کے مطابق نازل ہوتا تھا۔ جنابِ رسولِ خداؐ کو یہ فخر حاصل نہ ہوا۔ جب کبھی آنحضرتؐ میں اور حضرت عمر میں اختلاف رائے ہوا تو قرآن شریف نے نازل ہو کر حضرت عمر کو حق بجانب ٹھیرایا اور آنحضرتؐ کو تنبیہ اور تہدید کی۔ اِس ضمن میں قیدیان بدر کی مثال خاص طور سے پیش کی جاتی ہے۔ قرآن شریف تو خاص طور سے آنحضرتؐ کی نبوّت سے وابستہ ہے۔ اُس سے بھی معاذ اللہ اِتنی غفلت آنحضرتؐ نے برتی کہ نہ خود جمع کیا اور نہ اُس کے جمع کرنے کا فرض کسی کے ذمہ لگایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن شریف تو مفقود و معدوم ہو ہی چکا تھا اگر حضرت عمر اسلام کی مدد کو نہ پہنچتے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو اُس کے جمع کرنے پر اصرار

کے ساتھ آمادہ نہ کرتے۔ فقۂ اسلامی میں جو جو حصّہ خلافِ عقل و قیاس تھا اس کو حضرت عمرؓ نے نکال دیا۔ اور فقہ و شریعت اسلامی کی ترمیم اس خُوبی سے کی کہ وُہ سب عقل کے مطابق ہو گیا اور ایسا مطابق ہوا کہ باوجود حالات بدل جانے کے، صدیاں گزُر جانے کے، باوجود سائنس کی موجُودہ ترقّی کے حضرت عمر کی ترمیمات اب تک حالاتِ موجودہ پر حاوی ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ آنحضرتؐ کے احکام دو قسم کے ہوتے تھے۔ ایک نبوّت کے اندر، دُوسرے نبوّت کے باہر۔ جو نبوّت کے باہر تھے اُن میں تو نقائص تھے ہی۔ منجملہ دیگر نقائص کے خلافِ عقل ہونا اُن کا بڑا نقص تھا۔ لیکن جو احکام و فرائض نبوّت کے اندر تھے اُن میں بھی معاذاللہ آنحضرتؐ سے کوتاہی ہوئی۔ قرآن شریف تو نبوّت سے وابستہ تھا۔ اُس کی جمع کا انتظام نہ فرمایا۔ جہاد کرنا تو آپ کی نبوّت میں شامل تھا۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے۔ اس میں قیدیان بدر و صُلح حدیبیہ وغیرہ کے امور میں آنحضرتؐ نے غلطی کی۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا تبلیغ کریں اور کیا تبلیغ نہ کریں۔ کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی برکت کو تبلیغ کرنے بیٹھ گئے۔ وُہ تو حضرت عمر نے وقت پر بچا لیا ورنہ اسلام میں خرابی تو پڑ ہی گئی تھی۔ خداوندا! میں مجبوراً اِن خرافات کو نقل کر رہا ہوں، تو میری گرفت نہ کیجیئو۔ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی خواہش سے جو کُفّار کے ڈر پر مبنی تھی قرآن شریف میں تغیّر و تبدّل کر دیا اور تلک الغرانیق العلے کہہ دیا۔

حضرت عمر کے شائع کردہ اسلام میں نبوّت اور نبی کی یہ شان ہے جو آپ نے مُلاحظہ فرمائی۔ ان بزرگواروں کے مقدّس اجماع نے خداوند تعالیٰ کی غلطی کو بھی صحیح کر دیا۔ قابلیت اور استعداد کو دیکھتے ہوئے نبی تو حضرت عمرؓ کو بنانا چاہیئے تھا۔ خدا نے جناب محمد مصطفےٰ کو نبی بنا دیا۔ اب ان بزرگواروں کے اجماع نے حضرت عمرؓ کو مسندِ نبوّت پر بٹھا کر اس غلطی کو صحیح کر دیا۔

باب ۱۰ دہم

عقائد جو تفریق و تحریف فقہ و شریعت سے پیدا ہوئے

اور

جنہوں نے مسخِ اسلام کو مکمّل کردیا

تقسیم و تحریفِ فقہ و شریعت کی اوّل غرض و غایت ایسے عقائد پیدا کرنا تھا جو حکّامِ وقت کو اُن کی سیاسی ضرورتوں میں مدد دیں۔ اس کے لئے اُنہوں نے چند اصول و قواعد مقرّر کیئے۔ امور فقہ و شریعت میں اپنی مداخلت کو جائز دکھانے کے لئے اُنہوں نے پہلا اصول یہ مقرّر کیا کہ آنحضرتؐ کے احکام فقہ دو قسم کے تھے۔ ایک تو وُہ جو دائرۂ نبوّت کے باہر تھے اور دُوسرے وُہ جو دائرۂ نبوّت کے اندر تھے۔ اوّل الذکر قسم کے احکام کو اُنہوں نے قابلِ منسوخی و ترمیم قرار دیا اور آخر الذکر قسم کے احکام کو اُنہوں نے ظاہر کیا کہ اُن کی مداخلت میں نہیں آتے لیکن اپنے عمل سے اُنہوں نے دائرۂ نبوّت کو اتنا تنگ کیا کہ تمام امور فقہ و شریعت اُس کے باہر ہو گئے اور اس طرح تمام فقہ اسلامی پر قبضہ کر کے اُنہوں نے اُس کو قابلِ ترمیم و تنسیخ قرار دے دیا۔

دُوسرا اصول جو قائم کیا گیا اور جس کو حضرت عمر نے اپنے حکم کی صورت میں اپنے عمّال کے پاس بغرض تعمیل بھیجا وُہ یہ تھا کہ جب کسی امر پر تم کو حکم قرآن و صحیح حدیث نبوی نہ ملے تو تم اپنے عقل و قیاس سے کام لو۔ لیکن عملاً اس میں بھی حضرت عمر نے اپنے تئیں ہر ایک قید سے بالاتر کر دیا۔ یعنی اُنہوں نے خود وہاں بھی مداخلت کی جہاں صریح حُکم رسولؐ موجود تھا۔ اور اُس حُکم کے خلاف مداخلت کی۔ مثلاً رمل، قصرِ نماز، تحریم نبیذ، برکتِ کلمۂ توحید

وغیرہ وغیرہ اور ان کے متعلق اپنی عقل کے مطابق ایک نیا دین ایجاد کیا جس کا نام مولوی شبلی نے اسرار الدین رکھا ہے ۔

اِن دونوں اصولوں کی غلطی روزِ روشن کی طرح ایسی واضح ہے کہ ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ حضرت عمر جیسے صاحبِ فہم و ذکاء و فراست نے اس غلطی کو نہ دیکھا۔ یہی کہنا پڑے گا کہ سیاسی ضروریات کی وجہ سے ان اصولوں کے نقائص اور خطرناک نتائج سے عمداً چشم پوشی کی گئی۔ ان اصولوں کی غلطی ثابت کرنے کے لئے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں، غلطی بالکل سطح پر نمایاں ہے۔ جبکہ قرآن شریف میں اُن تمام امور کے اوپر احکام موجود ہیں جن کو حضرت عمر اور اُن کے مقلدین نبوّت کے دائرہ سے باہر سمجھتے ہیں، مثلاً حکومت، معاشرت اخلاقیات تو وُہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ امور آنحضرتؐ کی نبوّت سے باہر تھے قرآن جزو وعُہدۂ نبوّت ہے اور جو اُس کے اندر ہے وُہ نبوّت کے اندر ہے نبوّت اور اُس کے احکام کا تجزیہ کرنا محض ایک بے معنی شے ہے۔ ابھی ابھی تو آپ کہہ چکے ہیں کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ۔ قرآن شریف ہمارے سارے اُمور کے لئے کافی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے ہوتے ہوئے کسی مزید ہدایت نبوی کی بھی ضرورت نہیں۔ تو اب یہ امکان کہاں سے پیدا ہو گیا کہ کوئی امر اس کے باہر ہو سکتا ہے ۔

اِن دونوں غلط اصولوں سے جو خطرناک عقائد پیدا ہوئے اور مُضر نتائج نکلے وُہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ جب چند اصول و قواعد امورِ دین میں قائم ہو جاتے ہیں تو پھر اُن کے نتائج کو اُن ہی امور تک محدود نہیں رکھ سکتے جن کے لئے وُہ اصول و قواعد مقرر کئے تھے خصوصاً جبکہ اصول و قواعد مقرر کرنے والے زمانہ اوّلی کے وُہ لوگ تھے جو بانیٔ جماعت کے پاس بیٹھنے اُٹھنے والے تھے۔ اور پھر زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر انہوں نے اپنے اصول و قواعد کو حکومت کے زور سے تمام مملکتِ اسلامیہ میں پھیلایا۔ بعد میں آنے والے

لوگ ہر ایک ممکن طریقۂ منطق و استعمالِ عقل سے تمام وُہ نتیجے نکالتے ہیں جو اُن اصول و قواعد سے نکل سکتے ہیں اور جب یہ اصول و قواعد اُن کی خواہشِ نفسانی و میلانِ فطرتِ حیوانی کے مطابق ہوتے ہیں تو وُہ ہر ایک کو چھوڑ کر انہیں کو پکڑ لیتے ہیں۔ چنانچہ اِن قواعد و اصول کے متعلق آنے والی نسلوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ خواہشِ نفسانی اور میلانِ فطرت حیوانی کے اثر کا ذکر آ گیا تو ہم ناظرین کی توجہ اِس امر کی طرف دلاتے ہیں کہ اُمّتِ اسلامیہ کو دو نہایت اہم سبق پڑھائے گئے، ایک سقیفہ بنی ساعدہ والے دن، دُوسرا کربلا والے دن، پہلا سبق دُنیاوی وجاہت و ثروت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتا تھا۔ دُوسرا سبق حق کی راہ میں قربانیاں کرنے کا حکم دیتا تھا۔ چونکہ پہلا سبق خواہشِ نفسانی کے مطابق تھا کیسا یاد رہا ہے کہ تیرہ صدیوں کے گزر نے کے بعد بھی اُس کے اثر میں کمی نہیں ہوئی۔ دُوسرا سبق مُشکل تھا، خواہشِ نفسانی کے خلاف تھا اُسے اُمّتِ اسلامیہ ایسی بھُولی کہ گویا کبھی پڑھا ہی نہ تھا۔ اُس فرقہ کی اکثریت بھی کربلا کے اُس سبق کو بھُول گئی جو تمسّکِ ثقلین کا دعویٰ کرتا ہے اور حسین علیہ السلام پر رونے کو موجب نجات سمجھتا ہے۔ ہاں مُستثنیات ہر ایک قاعدہ میں ہوتی ہیں۔ ہم ظلمِ صریح کے مُرتکب ہوں گے اگر یہ نہ بتائیں کہ بہت سے بزرگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ والے سبق کو نہایت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا اور کربلا کے عمل کی پیروی میں اپنا سب کچھ لٹا دیا لیکن الشاذ کالمعدوم *

ہاں، تو ہم کہہ رہے تھے کہ جب ایسے خُوشنما اور طبیعت حیوانیہ کے لئے دلآویز اصول قائم ہو جاتے ہیں تو پھر تمام فرقہ کی اکثریت اُدھر ہی جھُک جاتی ہے اور عقل و قیاس کو زیرِ عمل لانے کے موجبات اتنے ہی ہوتے ہیں جتنے کہ خواہشِ نفس پیدا کر سکے۔ اِس تعداد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ فقۂ اسلامی کی وُسعت جو تمام اِنسانی زندگی پر حاوی ہے بیشمار

ایسے امور انسان کے عقل و قیاس کے تختۂ مشق بننے کے لئے پیش کرتی ہے۔ اندریں صورت تعجّب یہ نہیں ہے کہ اسلام میں تہتّر فرقے کیوں پیدا ہو گئے۔ بلکہ تعجّب تو یہ ہے کہ اس سے بہت زیادہ فرقے کیوں نہ بنے۔ جب یہ اصول مان لیا گیا کہ فقۂ اسلامی پر انسانی عقل و قیاس حاوی ہو سکتا ہے تو پھر تقسیم و تفریق کی کوئی حد ہی نہیں رہتی۔ وہ مرکزیت جس کے لئے جناب رسولؐ خدا نے اتنا انتظام فرمایا تھا بالکل برباد ہو گئی۔ کاش حضرت عمر یہ ہی حکم صادر فرما دیتے کہ جب تمہاری عقل و علم کے مطابق قرآن شریف و احادیث میں کوئی حکم کسی مقدّمہ زیرِ نظر کے لئے نہ ملے تو اس کو خلیفہ ہی کے پاس بھیج دیا کرو تا کہ وہ اپنی عقل و قیاس کے مطابق حکم صادر کر دے۔ اور عام عقل و قیاس کے استعمال کی اجازت نہ دیتے۔ صرف خلیفہ ہی کو اجازت ہوتی کہ وہ اپنے عقل و قیاس سے ایسے امور پر فیصلہ دے۔ اس طرح مرکزیت تو قائم رہ جاتی۔

اس آزادئ عقل و قیاس سے دو قسم کے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور وہ ہی تفریقِ اسلام کے زیادہ باعث ہوئے۔ ایک تو وجاہت پسند علماء اور دوسرے عیش پسند امراء۔ ہم ضمیمہ البلاغ المبین میں ثابت کر چکے ہیں کہ علماءِ اہلسنت و جماعت کا اوّل مقصدِ حیات یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ بادشاہ کے دربار میں رسوخ حاصل کریں۔ ان میں سے بڑے سے بڑا عالم بھی کوئی ایسا نہ تھا کہ جو شاہی درباری یا وظیفہ خوار نہ ہو۔ اگر دو چار علماء ہوئے بھی تو مستثنیات ہمیشہ عام قاعدے کو ثابت کرتی ہیں۔ بادشاہ کو یہ ناراض نہیں کر سکتے تھے اگر ناراض کرتے تو پھر درباری کیونکر رہتے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ تمام تاریخ اسلامی میں، ہر ملک و ہر زمانہ میں علماء کا رسوخ کبھی بادشاہت پر حاوی نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ہمیشہ بادشاہت کے زیرِ اثر اور دست نگر رہے۔ ہاں ایران کی تاریخ میں ایک زمانہ میں آن کر علماء کا طبقہ بادشاہت پر حاوی ہو گیا تھا۔ لیکن وہ شیعہ ملک تھا اور ہم اہلِ سنّت و جماعت کے فقہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

حکومت پرستی

فقۂ شیعہ میں تو مجتہدِ اعظم نائب امام سمجھا جاتا ہے۔ اور امام کے سب محکوم ہوتے ہیں۔ بادشاہ تک بھی امام کی اطاعت کو اپنا فرض جانتے ہیں۔ لہٰذا نائبان امام کا رسوخ و اثر بسا اوقات بادشاہ کے برابر ہوا کرتا تھا۔ لیکن فقۂ اہل سُنّت و جماعت میں کوئی عالم یا مجتہد نائبِ پیغمبر نہیں سمجھا جاتا۔ امام تو ان کے یہاں ہوتے ہی نہیں لہٰذا ان کے علماء ہمیشہ بادشاہ کے دست نگر رہے۔ اور بادشاہ کی مرضی کے مطابق فقۂ اسلامی کو اپنی عقل و قیاس سے توڑ مروڑ کر فتوے دیتے۔ ان کا مقصدِ حیات ہوتا تھا۔ ضمیر کو خاموش کرنے کے لئے حضرت عمر کی نظیر اور اُن کا حکم و عمل موجود ہی تھے۔ پھر کیوں نہ بادشاہ کو خوش کر کے انعام و اکرام حاصل کریں یہ متنازعہ فیہ امر نہیں ہے۔ تاریخ کے صفحے کے صفحے علماء کے ایسے فتووں سے بھرے پڑے ہیں۔ ذیل کی عبارت ہم تاریخ الخلفاء سیوطی کے اُردو ترجمہ سے نقل کرتے ہیں۔ اصل عربی کی تاریخ بھی ہمارے پاس ہے۔ حوالہ اُس کا بھی دیں گے :-

ابن مبارک کہتے ہیں کہ جب ہارون الرشید خلیفہ ہُوا تو اُس کا دل مہدی کی ایک کنیزک پر آگیا۔ اور اس کو طلب کیا لیکن اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں تمہارے والد کی ہمخوابہ رہ چکی ہوں اس لئے تم مجھ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ لیکن ہارون الرشید دل کے ہاتھوں مجبور تھا اُس نے فوراً قاضی ابو یوسف کو بُلایا اور اُن سے چارۂ کار پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین یہ فرض کر لینا کہ تمام کنیزکیں سچ بولا کرتی ہیں صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولتی ہو۔ اُس کو آپ سچا نہ مانئے اور کامِ دل حاصل کیجئے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اِس واقعہ میں کن کن باتوں پر تعجب کروں۔ آیا ایسے بادشاہ پر جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کے جان و مال دیدیئے گئے ہیں۔ اور وہ باپ کی حُرمت کا بھی لحاظ نہیں کرتا۔ یا اُس کنیزک پر جس نے بادشاہ تک سے کنارہ کیا۔ یا اُس فقیہ زمانہ و قاضی ممالکِ اسلامی پر جس نے بادشاہ کو مشورہ

دیا کہ باپ کی حرمت کی توہین کر اور اپنے باپ کی ہمخوابہ سے قضاء شہوت کر اور گناہ میری گردن پر رکھ۔

عبداللہ ابن یوسف کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں نے ایک کنیزک خریدی ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اُس سے قبل از استبراء صحبت کروں۔ اگر کوئی حیلہ ہو تو بتلائیے۔ قاضی ابو یوسف نے کہا اس کو اپنے کسی بیٹے کو ہبہ کر دیجئے اور پھر اُس سے نکاح کر لیجئے۔

اُردو ترجمہ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۵۷، ۱۵۸۔

تاریخ الخلفاء عربی مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی ص ۲۰۱ تا ۲۰۲۔

قاضی ابو یوسف صاحب امام ابو حنیفہؒ کے بڑے شاگرد ہیں۔ دراصل فقۂ حنفی ان ہی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ مولوی شبلی ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

ہاروں رشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ زمانۂ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتۂ قضا میں جو ترقیاں کیں اُن کی تفصیل خود اُن کی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔

(مولوی شبلی: سیرۃ النعمان ص ۲۷۳)

واقعی فقہ میں جو ترقیاں کیں وہ تو اُس نمونہ سے ظاہر ہے جو اُوپر نقل کیا گیا۔ آگے چل کر مولوی شبلی کہتے ہیں:-

فقہ میں جو اُن کا پایہ ہے اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کو خود اُن کے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ امام صاحب عیادت کو گئے۔ واپس آئے تو ساتھیوں سے

کہا کہ اگر خدانخواستہ یہ شخص ہلاک ہُوا تو دُنیا کا عالم ہلاک ہُوا ۔

(سیرۃ النعمان ص ۲۷۴)

قاضی ابو یُوسف کے حالات سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے عُہدے اسی طرح بادشاہ کی خوشامد سے ملا کرتے تھے۔ فقہ کی ناک مروڑنے میں قاضی ابو یُوسف تنہا نہ تھے۔ چُنانچہ علّامہ شبلی امام محمد بن الحسن الشیبانی کے حالات میں لکھتے ہیں :-

۱۷۵ھ ہجری میں یحییٰ علوی نے جب عَلَمِ بغاوت بلند کیا تو ہارون رشید اُن کا سرو سامان دیکھ کر حواس باختہ ہوگیا اور دب کر صُلح اختیار کی۔ معاہدہ قلمبند ہُوا۔ اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے عُلماء فضلاء فُقہاء اور محدثین نے اس پر دستخط کئے۔ یحییٰ صُلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون الرشید نے نقضِ عہد کرنا چاہا۔ تمام علمائے ہارون الرشید کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ صورت موجودہ میں نقضِ عہد جائز ہے۔ لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔ (سیرۃ النعمان ص ۲۷۸)

دیکھیں آپ نے عقل وقیاس کی جولانیاں۔ سارے عُلماء نے اپنے عقل و قیاس کی مدد سے اپنے ضمیر کو تسلّی دے کر ہارون الرشید کو خوش کیا۔ اگر اُن سب میں سے ایک کا ضمیر اتنا مضبوط ہوا کہ حق پر جما رہا تو الشاذ کالمعدوم۔ اور یہ استثنےٰ ہمارے دعوےٰ کو ثابت کرتا ہے۔ مولوی شبلی نے واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہارون الرشید کا زمانہ اِسلامی حکومت کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ حکومتِ الٰہیہ تھی تو اس حکومتِ الٰہیہ کے حاکم نے پہلے تو یحییٰ بن عبداللہ کو عہد نامہ لکھ کر دھوکہ میں ڈال دیا۔ بڑے بڑے عُلماء و فقہاء حنفیہ وشافعیہ سے اُس پر دستخط کرائے۔ اپنے دستخط بھی کئے جب حاکم حکومتِ الٰہیہ کے عہد و پیمان پر بھروسہ کرکے یحییٰ نے اپنا لشکر توڑ دیا اور

خود اُس کی امان میں بغداد چلے آئے تو اُن کو تنہا پا کر قید کر دیا۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ یحییٰ نے بغاوت نہیں کی تھی۔ جب دیکھا کہ علویین پر بہت ظلم ہو رہے ہیں تو اُن مظالم کو بند کرنا چاہا اور اس طرح لڑائی کا موقع آگیا۔ دیکھئے قاضی القضاۃ وغیرہ کے عہدے کن لیاقتوں پر مبنی ہوتے تھے۔ قاضی ابو یوسف کا تمام مملکتِ اِسلامیہ کا قاضی القضاۃ ہونا اور اس کی وجہ تو معلوم ہو چکی ہے اب دُوسرا قصہ سُنئے۔ علّامہ طبری لکھتے ہیں :۔

ایک دن ہارون الرشید نے یحییٰ کو قید خانہ سے بُلوایا۔ اُس روز قاضی ابوالبختری اور محمد بن الحسن ابو یوسف کے دوست بھی وہاں موجود تھے رشید نے وُہ عہدِ امان منگوایا جو انہوں نے یحییٰ سے کیا تھا۔ اور محمد بن الحسن سے پوچھا کہ اس عہدنامہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے آیا یہ صحیح ہے، محمد بن الحسن نے کہا بے شک یہ صحیح ہے۔ اس میں کوئی قانونی سقم نہیں ہے۔ رشید اس سے محبّت کرنے لگے۔ محمد نے کہا کہ یہ امان نامہ تو ایک طرف رہا اگر وُہ لڑا ہوتا اور اُس نے پیٹھ پھیری ہوتی تب بھی وہ مامون تھا۔ اِس فتویٰ کی وجہ سے رشید محمد بن الحسن سے بردا شتہ خاطر ہو گئے۔ اُس کے بعد اُنہوں نے ابوالبختری سے کہا کہ تم اس تحریر کو غور سے پڑھ کر اپنی رائے دو۔ اس نے کہا کہ یہ عہدنامہ اس اور اس وجہ سے ناقص ہے۔ اسے سُن کر رشید نے کہا کہ مَیں نے تم کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ تم بے شک اِس عہد نامہ کی قانونی حیثیت سے زیادہ واقف ہو۔ پھر اُنہوں نے اسے پھاڑ کر پُرزے پُرزے کر دیا۔ اور ابوالبختری نے اُس پر تھوک دیا +

اُردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصّہ دوم ص ۲۱ +

اصل عربی تاریخ طبری الجزء العاشر ص ۵۷ +

یہ سب عقل و قیاس کے کرشمے ہیں، جو اُنہوں نے مذہب میں مداخلت

قاضی ابوالبختری

قاضی محمد ابو یوسف اور قاضی ابوالبختری بادشاہ کو خوش کرنے سے قاضی القضاۃ کا عہدہ پا لیتے ہیں

کرکے پیدا کئے اور یہ سب ابلیسِ اوّل کی قیاس آرائیوں کی شاخیں ہیں ۔

غالباً اس امرِ واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ اصلی اور پہلی تقسیم اُمّتِ اسلامیہ کی مسئلہ امامت پر ہوئی جبکہ ساری اُمّت دو حصّوں پر تقسیم ہوگئی اس تفریق کی تاریخ سے جو ہم ابھی بیان کرچکے ہیں یہ بات بہت اچھی طرح ہویدا ہے کہ سب سے پہلے مسئلہ امامت پر اُمّت کی تقسیم ہوئی۔ علّامہ شہرستانی نے قضیۂ قرطاس ہی کو پہلا تفرقہ اور اختلاف لکھا ہے۔ وُہ تفرقہ محض خلافت کے معاملے پر تھا اور رسولِ خدا سے تھا۔ اور حضرت عمر نے پیدا کیا تھا۔ علّامہ مسعودی یہ لکھنے کے بعد کہ خلافت ایک وصیّت تھی جو ایک نور کی صورت میں ایک صلب سے دُوسرے صلب تک منتقل ہوتی رہی اور جس کو بحکمِ خدا ایک نبی اپنے جانشین کے متعلق کرتا رہا کہتے ہیں:-

فكانت الوصيّة جارية تنتقل من قرن الى قرن الى ان ادّى الله النور الى عبد المطّلب وولده عبد الله الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا موضع تنازع الناس فيه من اهل الملّة ممّن قال بالنص وغيرهم من اصحاب الاختيار والقائلون بالنص هم الامامية اهل الامامة من شيعة علي بن ابي طالب رضي الله عنه والطاهرين من ولده الذين زعموا ان الله لم يخل عصراً من الاعصار من قائم

پس یہ وصیّتِ خلافت جو ایک نبی یا امام اپنے جانشین کے حق میں کرتا رہا ایک زمانہ سے دُوسرے زمانہ تک منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ خداوند تعالےٰ نے یہ نور عبدالمطلب کے صُلب میں منتقل کیا اور پھر اُن کے بیٹے عبداللہ والد آنحضرتؐ کی طرف منتقل ہوا۔ اب یہاں سے اُمّتِ اسلامیہ میں تفرقہ پیدا ہوگیا۔ ایک فرقہ نص کا قائل ہوا اور باقی سب اختیار کے قائل ہوئے۔ نص کے قائلین ہیں شیعہ علی اور اولادِ علی ہیں جو اس اُمّت کے امامیہ ہیں اُن کا اعتقاد ہے کہ کوئی زمانہ حجۃ اللہ و قائم بحق اللہ سے خالی نہیں ہوتا یا نبی ہوگا یا وصی جو خدا و رسول کی طرف سے منصوص ہوگا۔ صاحبانِ اختیار میں فقہاء امصار، عوام و معتزلہ و خوارج

بحجۃ اللہ: اما انبیاء واما اوصیاء منصوص عن اسمائہم واعیانہم من اللہ ورسولہ واصحاب الاختیار ہم فقہاء الامصار والمعتزلہ وفرق من الخوارج والمرجئۃ وکثیر من اصحاب الحدیث والعوام وفرق من الزیدیہ فزعم ہؤلاء ان اللہ ورسولہ فرض الی الامۃ ان تختار رجلا منہا فتنصبہ لہا اماما وان بعض الاعصار فلا یخلو من حجۃ اللہ وہو الامام المعصوم عند الشیعۃ۔

و مرجیۂ و اصحاب حدیث و زیدیہ ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا و رسول نے امام کے منتخب کرنے کا اختیار اُمت کو تفویض کیا ہے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو امام مقرر کرلیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اکثر زمانے حجۃ اللہ سے خالی ہوتے ہیں۔ فرقہ شیعہ امام کو معصوم مانتے ہیں۔

مروج الذہب مسعودی الجزء الاوّل ص ۲۸، ۲۹

علّامہ مسعودی نے صاف بتادیا کہ اُمتِ اسلامیہ صرف دو فرقوں میں تقسیم ہے۔ صاحبانِ نص یعنی شیعہ اور صاحبانِ اختیار جن میں باقی فرقے شامل ہیں تمام اہل سُنت و جماعت و معتزلہ و خوارج و مرجیۂ، اہلِ حدیث سب اصول اختیار کے معتقد ہیں۔ شیعوں میں اگرچہ ضمنی عقائد میں کئی فرقے ہو گئے لیکن بقول مولوی نجم الغنی" شیعہ تمام علی الاتفاق حضرت علی کو سب سے افضل جانتے ہیں اور وہ نص کے حامی ہیں" دیکھو مذاہب الاسلام ص ۲-۴۰۔ علّامہ شہرستانی نے ان دونوں فرقوں کے اعتقادات کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کردیا۔ اہلِ علم و شعور خود دیکھ لیں کہ کونسا اعتقاد مطابق عقل سلیم کے ہے۔ یہ تو مسلمہ ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے انبیاء سلف میں وصیت یعنی نص تھی اور خداوند تعالیٰ خود نور کو منتقل کرتا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہ سُنتِ الٰہیہ کیوں

تبدیل ہوگئی۔ حالانکہ قرآن شریف تو بتاتا ہے کہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ اگر حجۃ اللہ اور قائم بحق اللہ کا رکھنا سُنّت الٰہیہ میں داخل ہے اور آنحضرتؐ کے زمانہ سے پہلے ہر زمانہ میں ایک حجۃ اللہ رہا ہے تو اب کیوں زمانہ حجۃ اللہ سے خالی ہو۔ اور اگر کوئی زمانہ حجۃ اللہ سے خالی رہا ہے تو بتایا جائے کہ وُہ کونسا زمانہ تھا اور اس میں کیا مصلحت تھی۔

اِس اختیار کے اعتقاد نے اسلام میں بہت خرابیاں پیدا کیں۔ امامت کا تعلّق نبوّت سے ہے اور اُس کی ماہیّت نبوّت سے ملتی جلتی ہے چنانچہ علّامہ شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں :-

"امامت کا منصب درحقیقت نبوّت کا ایک شائبہ ہے۔ اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔" شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں :- از میان اُمّت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ و ایں جماعۃ دراصل فطرت خلفائے انبیاء اند در اُمّت - (الفاروق حصّہ دوم ص ۲۰۶ - ازالۃ الخفاء جلد اوّل ص۹)

اتنا تسلیم کرتے ہی عقیدۂ اختیار و اجماع کی غلطی تو عیاں ہوگئی۔ فطرتِ جوہر کا پیدا کرنا خُدا کا کام ہے۔ اُمّت اپنے اختیار و اجماع سے پیدا نہیں کر سکتی۔ لیکن باوجود غلط ہونے کے یہ سیاسی عقیدہ رائج ہوگیا کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کی جوازیت جس کے اُوپر حکومت کا انحصار تھا بغیر اس عقیدہ کے قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ اِس عقیدے نے نبوّت، و امامت دونوں کے حصول کو انسان کے اختیار میں دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں جھوٹے نبی، ہزاروں اُمیدوارانِ خلافت اور لاکھوں امام پیدا ہوگئے امامت کی تو یہ بے قدری ہوئی کہ ہر ایک پڑھے لکھے مسلمان کے نام کے پہلے امام کا لفظ لگ گیا۔ مسئلہ اختیار نے اپنے معاونین عقل و قیاس کے ساتھ مل کر

صاحبانِ حرص و ہوا کو اپنی تمنائیں پوری کرنے کا خوب موقع دیا۔ ہر ایک امام نے شریعتِ اسلام میں عقل و قیاس کی مدد سے مداخلت کر کے اپنا ایک علیحدہ مذہب بنا لیا۔ اور اس طرح جنابِ رسولِ خدا کی ایک دوسری پیشینگوئی پوری ہوئی کہ تم بھی اممِ سابقہ کے قدم بقدم چلو گے۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں پائی جاتی ہے۔ اممِ سابقہ نے اپنے دین میں تحریف کی تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت نے بھی اختیارِ عقل و قیاس کے ہتھیاروں سے خوب اپنے دین کو چکنا چور کیا اور ایسی تحریف کی کہ اب پہچانا نہیں جاتا۔

اِن مختلف فرقوں کے پیدا ہونے کا طریقہ بھی ہم آپ کو بتاتے ہیں اس زمانہ میں ہر حافظِ حدیث و عالمِ دین اپنے مکان پر مجلسِ درس قائم کرتا تھا۔ اُس کے درس میں حاضر ہونے والوں کی تعداد سے اُس کے عہدۂ امامت کی پیمائش ہوتی تھی۔ اُس کے شاگردوں میں جو زیادہ ذکی و فہیم ہوتے تھے وُہ اِس بات کے کوشاں رہتے تھے کہ کسی مسئلہ پر انہیں اپنے اُستاد سے اختلاف کرنے کا موقع مل جائے۔ جب کوئی ایسا موقع ملتا تھا تو اوّل تو وُہ اپنے اُستاد سے دُنیا کے سامنے مناظرہ کرتا تھا۔ اور جب اُس کی شہرت ہو جاتی تھی تو وہ علیحدہ اپنی مجلسِ درس قائم کر کے ایک امام بن جاتا تھا اور اپنے یا اپنے اختلافی مسئلہ کے نام پر وُہ اپنی جماعت کا نام رکھ لیتا تھا۔ مورخین اسلام نے اِن فرقوں کو شمار کیا ہے جو شخص اِن فرقوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے اُسے چاہئیے کہ مندرجہ ذیل کُتب کا مطالعہ کرے:۔ ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری متوفی ۴۵۶ھ کی کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی متوفی ۵۴۸ھ کی کتاب الملل والنحل اور مولوی محمد نجم الغنی خاں کی مذاہب الاسلام وغیرہ وغیرہ۔ تقریباً وُہ تمام فرقے اپنے بانی کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، واصلیہ، ہذیلیہ، نظامیہ، معمریہ، جاخطیہ، جبائیہ، ضراریہ، جہمیہ، کرامیہ، حازمیہ، میمونیہ،

فرقوں کے پیدا ہونے کا طریقہ

شیبانیہ، اباضیہ، جارودیہ، کرامیہ، شمیطیہ، جارودیہ، ثوبانیہ، غسانیہ، عبیدیہ، یونسیہ، یزیدیہ وغیرہ وغیرہ +

حضرت عمر کے وہ دو بنیادی اصول جنہوں نے اُمّتِ اسلامیہ میں تفرقے کا بیج بوکر اُسے پارہ پارہ کر دیا اور جن کا ذکر اُوپر کیا گیا یہ تھے۔

(۱) جناب رسولؐ خدا کے احکام دو قسم کے تھے۔ ایک نبوّت کے اندر کے دوسرے دائرہ نبوّت سے باہر۔ ان مؤخر الذکر احکام کی اطاعت ہم پر لازم نہیں۔ بلکہ ہماری مرضی پر منحصر ہے۔

(۲) امور دین اور احکام شریعت میں ہماری عقل و قیاس کو دخل ہے۔ ان کے بعد اور خطرناک عقیدہ قائم کیا گیا۔ اور وہ مسئلہ جبر و قدر کے متعلق تھا۔ ہم نے حضرت عمر کی وہ گفتگو جو انہوں نے عبداللہ ابن عباس سے خلافت کے بارے میں کی اس کتاب کے صفحہ ۳۹ پر نقل کی ہے۔ دوران گفتگو میں حضرت عمر نے فرمایا "اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسولؐ خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے۔ لیکن جناب رسولؐ خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ رسولؐ خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا۔ اور خدا کی مُراد جاری ہو گئی۔ اور رسولؐ خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو۔ رسولؐ خدا نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے رسولؐ خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں۔ لیکن میں نے فتنہ وامر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسولؐ اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رُک گئے۔ اور اللہ نے جو مقدّر کیا تھا وہ ہی ہوا"۔

یہ عبارت بہت غور کی محتاج ہے۔ اوّل تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے

حضرت عمر کے دو بنیادی اصول موجب افتراق امت (۱) تجزیہ نبوت (۲) مداخلت عقل وقیاس

مسئلہ جبر و قدر

کہ یہ بزرگوار شانِ نبوت کو کیا سمجھے تھے۔ ان کی رائے میں نبی و رسول تسلیم رضا کی صفت سے متصف نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ امر نبوّت میں بھی خدا کی مرضی کے خلاف اپنی خواہش کرتا رہتا ہے۔ جانشینیٔ نبی تو خالص امر نبوّت ہے۔ اس میں بھی خدا و رسول کی مرضی و خواہش کے درمیان آپس میں تصادم ہو جاتا ہے۔ اور رسول مرتے دم تک اپنی بات پر اڑا رہتا ہے اور خدا کے آگے سرِ تسلیم رضا خم نہیں کرتا۔ یہ تھی شان نبوّت جو حضرت عمر سمجھے تھے۔ اور اس ہی فہم کی وجہ سے آنحضرت کے امور میں دخل دیتے رہتے تھے۔ اور آپ کے انتقال کے بعد اُن سب امور کو متغیر کر دیا۔ اور حضرت عمر کی رائے میں خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف کو اُن کی مرضی کے مطابق اور رسولؐ خدا کی خواہش کے خلاف نازل کیا۔ جناب رسولؐ خدا نے جنازۂ منافق پر حضرت عمر کے مشورے کے خلاف نماز پڑھی۔ قرآن شریف نے حضرت عمر کی تائید اور آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔ قیدیانِ بدر کو آنحضرتؐ نے فدیہ لے کر چھوڑ دیا حالانکہ حضرت عمر اُن کے قتل کا مشورہ دیتے رہے۔ اس امر میں بھی قرآن نے حضرت عمر کی تائید اور آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔ اب ایک معمہ بغیر حل کے رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے اگر صورتِ حالت یہ تھی تو خدا نے حضرت عمر ہی کو نبی کیوں نہ بنا دیا۔ اور اُن پر ہی قرآن کیوں نہ نازل کیا۔

حضرت عمر کے اسلام کا ایک اور عقیدہ جو اِس عبارت سے معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ نبی و رسول بھیج دیتا ہے لیکن اُس کی خواہش یہ رہتی ہے کہ فلاں شخص ایمان لائے اور فلاں شخص ایمان نہ لائے۔ پھر جو ایمان نہیں لاتے اُن کا کیا قصور۔ اور جو ایمان لائے اُن کے لئے کیا ثواب جیسا خدا نے چاہا ویسا ہو گیا۔ یہ تو امور دین میں جبر و قدر ہوا اور لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ باطل ہو گیا۔ اب روزانہ کے واقعات میں دیکھئے۔ تمہیداً اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ جناب رسولِؐ خدا کی خواہش کے خلاف حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام

کو خلافت سے علیحدہ کر کے خود مسندِ حکومت سنبھال لی ہے۔ لوگوں کی نظروں میں اس کو ہر طرح جائز کرنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ بہت سے اصول و قواعد جو اس جوازیت کو ثابت کرنے کے لئے مقرر کئے گئے وہ پہلے بیان ہو چکے ہیں اب ایک نہایت سہل سا طریقہ جبر و قدر کا ہاتھ آ گیا۔ لہٰذا حضرت عمر نے لوگوں کے ضمیر کو یہ کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش کی کہ خدا کی مرضی و خواہش ہی یہ تھی کہ حضرت عمر خلیفہ ہوں اور حضرت علی کو خلافت بلا فصل نہ ملے۔ بظاہر اُن جاہلوں کے لئے یہ نہایت عُمدہ بحث ہے۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ یہ بحث قطعاً غلط ہے ؛

اوّل امورِ دین کو لیجئے۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ خُدا رسول بھی ہدایت کے لئے بھیجے۔ اور خواہش بھی یہ رکھے کہ لوگ ایمان نہ لائیں۔ غالباً حضرت عمر کے حامی قرآن شریف کی اس آیت کی طرف اشارہ کریں۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ہر ایک کتاب کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جاوے۔ اور یہی اصول قرآن شریف کے معنی سمجھنے پر حاوی ہے۔ اس جگہ خُداوند تعالےٰ اُن کافروں کی حالت بیان کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ وُہ خُدا و رسول کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ دِل سے تو ایمان لائے نہیں۔ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ زمین میں فساد کرتے ہیں۔ جب اُن سے کہا جائے کہ ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی احمق ہیں جو ایمان لائیں۔ جو لوگ اِسلام و ایمان کو حماقت سمجھیں اور سمجھانے پر بھی حق کی طرف رجوع نہ کریں تو اُن کی حالت ایسے مریض کی سی ہو گئی ہے جو اچھا ہی نہ ہو گا۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللّٰہ مرضاً راہِ راست کی طرف جانے کے لئے کوشش اپنی ہونی چاہیئے پھر خدا برکت دے گا۔ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ پہلے خود تو دین کی طرف آؤ۔ اُس کی عُمدہ باتوں سے اثر پذیر ہو۔ جب تم نے دین کی طرف سے اُس کو حماقت

سمجھ کر مُنہ موڑ لیا تو پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ خدا کی طرف وُہ آنا ہی نہیں چاہتے تو خدا نے بھی اُن کی طرف سے مُنہ موڑ لیا۔ یہ معنی ہیں ختم اللہ کے۔ ہاں اگر خدا چاہے تو معجزہ کے طور پر نبی کے آتے ہی سب سرِ تسلیم خم کر لیا کریں اور کوئی کُفر نہ کرے۔ لیکن یہ سُنّتِ الٰہی نہیں ہے۔ دُنیا میں اسباب و علل سے واقعات رونما ہوں گے۔ بسا اوقات اُن اسباب و علل کے اثر کو خداوند تعالےٰ اپنی طرف منسُوب کر لیتا ہے مثلاً فرماتا ہے کہ ہم تم کو سمندر میں چلاتے ہیں، ہم زمین سے دانہ اُگاتے ہیں۔ ہم تم کو رزق دیتے ہیں۔ حالانکہ ان سب اثرات کے لئے اسباب و علل ہیں۔ امورِ دین میں یہ سُنّتِ الٰہی جاری ہو چکی ہے کہ دُنیا پر غور کر کے، انبیاء کی تعلیم کو قبول کر کے تم خدا کی طرف بڑھو یا بڑھنے کی کوشش کرو تب خُدا تم کو اپنی طرف بُلائے گا۔ اور اگر تم خدا کی ہدایت کو حماقت سمجھ کر اُس کی طرف التفات ہی نہیں کرتے تو خدا بھی تم کو چھوڑ دے گا۔ اِس چھوڑنے کا نام ہے ختم اللہ۔ حضرت نوحؑ اور اُن کے ساتھیوں کی نسبت خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے نُوحؑ کو اور اُن کو جو اُس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی۔ لیکن پہلے نُوحؑ پر ایمان لا کر کشتی پر سوار ہونا تو اُن لوگوں کا اپنا فعل تھا۔ دیکھو حضرت نوح کے لڑکے نے یہ پہلی کوشش نہ کی اس لئے خُدا نے اُسے نجات نہیں دی۔ ہر ایک اثر کا آخری سبب تو خدا ہی ہے لیکن خواہش اور چاہنا اور چیز ہے خدا کی خواہش و مرضی نہیں ہے کہ کوئی بھی گمراہ ہو۔ وُہ سب کو اپنی طرف بُلاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اُس کی طرف نہیں آنا چاہتا تو خواہ مخواہ خُدا اُس کے پیچھے نہیں دَوڑتا۔ واضح رہے کہ یہ دَوڑنے کا لفظ محاورۃً استعمال کیا گیا ہے یہ بھی امر واقعہ نہیں ہے کہ حضرت ابو طالب ایمان نہیں لائے لیکن اس پر یہاں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

دیگر امور میں اس عقیدہ کی غلطی اور بھی زیادہ نمایاں ہے۔ اِس عقیدہ کا منشاء یہ ہے کہ جو سانحہ یا فعل واقع ہو جاتا ہے وُہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے جو خیر و شر دُنیا میں نظر آتی ہے وُہ خدا کی خواہش کے مطابق ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ جُرم و گناہ کرنے والا نہ تو مجرم اور نہ مستوجب عذاب۔ اور اسی طرح نیکی کرنے والا مُستحق ثواب نہیں۔ سزا و جزا جنّت و جہنّم سب باطل ہو گئے۔ انسان تو خدا کی خواہش کے اجراء کے لئے ایک ایجنٹ ہو گیا۔ اِس طرح ہر ایک گُناہ کرنے کی عام اجازت مل گئی۔ بلکہ گنہگار کو ثواب ملے گا کہ اُس نے مشیتِ ایزدی کو پُورا کیا۔ صرف اِتنی کوشش کرو کہ تم گناہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ اگر گُناہ نہ کر سکے۔ ارادہ چوری کا تھا لیکن مالک آ گیا اور تم بھاگ آئے۔ یا ارادہ زنا کا تھا لیکن موقع نہیں ملا تو تم گنہگار ہو گے۔ کیونکہ اُس صُورت میں نتیجہ نکلے گا کہ وُہ خُدا کی طرف سے مقدّر نہ تھا۔ اور اگر واقعی زنا کر لیا یا چوری کر لی تو بے گناہ کیونکہ وُہ خدا کی طرف سے مقدر تھا۔ اِس سے زیادہ غلط عقیدہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر کا ایجاد کیا ہُوا ہے لہٰذا مُسلمانوں میں بہت سے اُس کے پیرو ہو گئے۔ اور حضرت عمر کے عاشقِ صادق مولوی شبلی کو تو ضرور اِس عقیدہ کی حمایت کرنی لازم تھی۔ آپ فرماتے ہیں:-

> "دُوسرے اختلاف (قدر و جبر) کا منشاء یہ تھا کہ انسان کے افعال کو اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز بھی ہمارے بس کی نہیں۔ یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہمارا اختیاری نہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو ثواب و عقاب جو مذہب کی جان ہے اُس کی بُنیاد اُکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں۔ بعض میں صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خُدا ہی کراتا ہے

قل من عند اللہ بعض کا یہ مطلب ہے کہ انسان
اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک
اس بناء پر اسلام میں دو رائیں قائم ہوگئیں ۔ جو لوگ
زیادہ آزاد تھے انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور
جبریہ کہلائے ۔ جو اس لفظ سے جھجکتے تھے انہوں نے کسب
اور ارادہ کا پردہ رکھا ۔ یہ پردہ بھی ابوالحسن اشعری نے ایجاد
کیا ، ورنہ قدما اس کا بھی نام نہیں لیتے"۔

(مولوی شبلی :۔ علم الکلام حصۂ اوّل صفحہ ۱۲)

مولوی شبلی کی رائے میں یہ عقیدہ زیادہ غور کا نتیجہ ہے ۔ اس کے مخالف عقیدہ اگر کوئی ہو تو وہ سطحی خیال پر مبنی ہے ۔ لیکن اس میں کچھ قرآن شریف نے رکاوٹ پیدا کر دی ہے ۔ مجبور ہیں دل سے تو ایمان اس عقیدہ پر ہے ۔ لیکن زبان سے قرآن شریف کو غلط نہیں کہہ سکتے ۔ عجیب مخمصہ میں پھنس گئے ہیں آخر کار قرآن شریف کی غلطی اور اس کے متضاد ہونے کی طرف اشارہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں ۔ تصوّف کی زبان میں شبلی صاحب کہہ سکتے ہیں ؎

دیر و حرم بھی منزلِ جاناں میں آئے تھے
پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

ان کے الفاظ پر غور فرمائیے "قرآن شریف میں دونوں قسم کی آیتیں موجود ہیں"۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے جو اس لفظ سے جھجکتے تھے ، انہوں نے ایک کمزور سا پردہ ڈال لیا اور پھر وہ بھی چاک چاک ہو گیا ۔ آزاد تھے ، یعنی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے ، اور مذہب کی بے جا قیود کو نظر انداز کر سکتے تھے ۔ لیکن خود مولوی شبلی مجبور ہیں جو دل چاہتا ہے وہ زبان صاف صاف ادا نہیں کر سکتی ۔ صرف اشارہ کر رہی ہے یہ قرآن شریف کا تضاد نہیں ہے ۔ بلکہ اپنی سمجھ کا پھیر ہے ۔ یہاں اتنی

گنجائش نہیں کہ ہم اس مضمون پر تفصیل سے بحث کر سکیں۔ قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے معنی اس کے سیاق و سباق سے نکالنے چاہئیں، جب اظہارِ قدرت مطلوب ہوتا ہے، تو کل من عند اللہ کہا جاتا ہے، اور یہ بھی درست خدا چاہے تو تم میں بُرائی کرنے کا ارادہ ہی نہ پیدا ہو، خدا چاہے تو کوئی کافر ہی نہ ہو، لیکن قدرت و علم اور ہے سبب اور ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ دُنیا میں کُفر باقی ہے اور خدا میں قدرت تھی کہ کُفر باقی نہ رہے۔ لہٰذا کُفر کا سبب خدا ہُوا۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں ایک سونے کے پیالے کے نیچے کالا زہریلا سانپ بند ہے۔ مجھے اُس کا علم ہے۔ ایک شخص آتا ہے وُہ پیالہ کو لینا چاہتا ہے۔ مَیں بتا دیتا ہوں کہ اس میں سانپ ہے۔ لیکن پھر بھی وُہ پیالہ اُٹھاتا ہے، سانپ کاٹتا ہے۔ وُہ آدمی مر جاتا ہے، یہ کون کہے گا کہ اِس آدمی کی موت کا سبب مَیں ہوں، اگرچہ مجھ میں طاقت و قدرت تھی۔ مَیں چاہتا تو اُس آدمی کو زبردستی پیالہ نہ اُٹھانے دیتا۔ اور خوب اچھی طرح اُس کو پکڑ لیتا۔ لیکن کسی مصلحت سے مَیں نے ایسا نہیں کیا۔ باوجود اس کے مَیں اُس آدمی کی موت کا سبب تو نہ ہُوا۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے لن تجد لسنۃ اللہِ تبدیلا۔ یعنی قوانینِ قدرت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اِن قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ ہر ایک فعل ایک اثر پیدا کرتا ہے اور اثر کی نوعیت فعل کی نوعیت پر مبنی ہوتی ہے۔ لہٰذا بُرے افعال کا نتیجہ مصائب و تکلیف کی صُورت میں ظاہر ہونا لازمی ہُوا۔ مصیبتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک امتحان کی صُورت میں نازل ہوتی ہیں، دُوسری عذاب کی صُورت میں۔ دونوں حالتوں میں صبر کرنا باعث اجر ہوتا ہے۔ پہلی صُورت میں صبر باعث حصولِ درجاتِ عالیہ ہوتا ہے۔ دُوسری صورت میں وُہ کفارۂ گناہان ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں بلا یا امتحان ارادۂ خداوندی سے ہوتا ہے۔ دُوسری صُورت میں وُہ مصائب اِنسان کے اپنے ہی افعال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قرآن شریف

ہیں دونوں حالتوں کا ذکر ہے جو لوگ صاحب فہم و ذکا ہوتے ہیں وہ اِس نکتہ کو سمجھتے ہیں، جن کو سقیفہ سازی کی حمایت مطلوب ہوتی ہے وُہ قرآن شریف پر تضاد کا اعتراض عائد کرتے ہیں۔ زیادہ طوالت کی ضرورت نہیں، ہماری بحث کے لئے اتنا کافی ہے کہ خود مولوی شبلی مانتے ہیں کہ اِس اعتقاد سے سزا و جزاء ثواب و عذاب کی بُنیاد اُکھڑ جاتی ہے۔

کون ایسا احمق ہوگا کہ جو یقین کرتا ہوگا کہ حضرت عمر اِس عقیدے کی بُرائیوں سے آگاہ نہ تھے اور دِل سے اُس کو صحیح عقیدہ سمجھتے تھے۔ لیکن مجبور تھے لوگوں کو اپنے فعل کی جوازیت بتانی تھی۔ سقیفہ والے دِن جادۂ مُستقیم سے اِس طرح الگ ہوئے کہ پھر سیدھا راستہ دکھائی ہی نہ دیا۔ خود مولوی شبلی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اور سینکڑوں اس جیسے عقیدے محض مُلکی ضرورِیات کی وجہ سے ایجاد و نشر کرنے پڑے۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:۔

> "اختلاف عقائد اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتداء پالٹیکس یعنی مُلکی ضرورت سے ہوئی، بنو امیّہ کے زمانہ میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی زبان پر آتا تھا تو طرفدارانِ حکومت یہ کہہ کر اُس کو چُپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خُدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہیئے۔ آمنّا بالقدر خیرہ و شرہ"۔
>
> (مولوی شبلی:۔ علم الکلام حصّہ اوّل ص ۱۷)

اِس عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہُوا ہے: "اختلاف عقائد کی بُنیاد پالٹیکس سے ہوئی"۔ دیکھئے حق کس طرح سر چڑھ کر بولا ہے۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ عقیدہ محض غلط ہے محض مُلکی ضرورت کے لئے اختراع کیا گیا تھا، اور وُہ ضرورت یہ تھی کہ حکومت کے ظُلم و جور پر پردہ پڑ جائے لیکن اَلا بَلا بر گردنِ مُلّا سمجھے کہ بنو امیّہ ظُلم و جور میں بدنام ہیں ان کے سر چپیک دو، سب کھپ جائے گا۔ مگر ہم نے ثابت

یہ سب عقائد سیاسی ضرورت پر مبنی تھے اور اختلاف عقائد کی ابتداء سیاست ملکی سے ہوئی

کر دیا ہے کہ یہ عقیدہ حضرت عمر نے ایجاد کیا تھا۔ اور اہل بیت رسول پر جو ظلم ہوا تھا اس کی پردہ پوشی کے لئے ایجاد کیا تھا، اس سے ہمارا دُوسرا بڑا دعویٰ بھی ثابت ہوگیا کہ بنو اُمیہ تو محض شاگرد تھے پالیسی و سیاست تو وہ ہی حضرت عمر کی تھی جو بنو اُمیہ کے زمانہ میں بھی کارفرما تھی اور بنو عباس کے زمانہ میں بھی زیر عمل رہی۔ ایک اور دعوےٰ ثابت ہوا کہ اسلام میں اختلاف کا باعث ان بزرگواروں کی سیاست تھی جس نے ایسے ایسے عقائد کی بنا ڈال کر اسلام کا ستیاناس کر دیا ×

اِن بزرگواروں نے اپنی کتابوں میں جو روایات دیکھیں ان سے یہ صحیح نتیجہ نکالا کہ دراصل نبوت کا کام آنحضرتؐ کی زندگی میں بھی حضرت عمر ہی کرتے تھے اور جو جو عقائد اُنہوں نے قائم کئے ان کی ہی اُوپر اکثریت اُمت کے اسلام کی بنا پڑی بسا اوقات حضرت عمر نے آنحضرتؐ کی غلطیوں کو درست کیا ہے۔ بسا اوقات اِسلام کی ہمدردی میں انہوں نے آنحضرتؐ کے حق میں اِنَّ الرجل لیھجر فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس کے ان بزرگوں نے کارکنان سقیفۂ بنی ساعدہ کے افعال و اعمال پر بھی نظر ڈالی، کہہ کچھ رہے ہیں، کر کچھ رہے ہیں، کہتے ہیں کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ۔ لیکن جب عمل کا موقع آتا ہے تو کتابُ اللہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ جناب فاطمہ سے نصاب شہادت طلب کرنے میں سختی کرتے ہیں۔ ہمنفس رسول پیش ہوتا ہے اُس کی گواہی رد کرتے ہیں۔ کبھی ایک صحابی کے بیان پر جو اس کے اپنے حق میں ہوتا ہے۔ لپیں بھر بھر کر زر و جواہرات کی دیتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہم یک سرِ مُو سُنّتِ رسول سے تجاوز نہیں کریں گے، کبھی اِس سُنّت کی مخالفت ایسی کرتے ہیں کہ خمس تک ذوی القربیٰ کو نہیں دیتے کہتے ہیں کہ رسولِ خُدا نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا، کیونکہ اُمت کا حق تھا کہ خلیفہ حاکم مقرر کرے۔ کبھی اِس سُنّت کو ترک کر کے خود اپنا جانشین مقرر کرنے لگتے ہیں، اپنی حکومت اُستوار کرنے کے لئے عورتوں تک کو رشوت دیتے ہیں، حضرت عباس تک کو رشوت کی تجویز سے اپنی طرف کرنا چاہتے ہیں، بنتِ رسول کا

گھر جلانے تشریف لے جاتے ہیں، رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لئے نبوت تک کی تقسیم کر ڈالی ۔ لیکن اپنے احکام کی اُمت سے یہ کہہ کر اطاعت کراتے ہیں کہ ہر ایک صحابی رسول ہدایت کا ستارہ ہے۔ جس کی چاہے اُس کی اطاعت کرو، اور اگر اُس سے اختلاف پیدا ہو تو یہ بھی رحمت ہے۔ رسول کی اطاعت سے بچنے کے لئے تو نبوت تک کے ٹکڑے کر ڈالے لیکن صحابی کی اطاعت ایسی لازمی ہوگئی کہ اگر اسلام میں تفرقہ بھی پڑ جائے تو وُہ رحمت ہے، اور اگر کتاب اللہ ولا تفرقوا کہتی ہے تو کہا کرے وُہ ہماری عقل کے تابع ہے نہ کہ ہم اُس کے۔ ہم اپنے قیاس سے اُس کی تاویل کریں گے، وُہ اپنے صریح الفاظ سے ہم پر حکومت نہیں کر سکتی غرضکہ اور ایسے ہی ہزاروں اعمال اور افعال ہیں۔ جب جماعتِ اہلِ حکومت نے یہ دیکھا تو اپنے تئیں بہت مشکل میں پایا۔ اور اُن کارکنانِ سقیفہ کو جنتی ثابت کرنا بھی ضروری تھا۔ حضرت علی سے مقابلہ تھا جن کی نسبت جناب رسولؑ خدا فرما چکے تھے کہ علی کی محض ایک ضربت روز خندق کی میری تمام اُمت کے قیامت تک کے اعمال سے بہتر ہے۔ حضرت علی سے مساوات کس طرح ہو۔ مشکل تو بڑی تھی لیکن اس سے بڑی بڑی مشکلیں صاحبان حل وعقد پہلے حل کر چکے تھے اور طریقے بھی بنا گئے تھے، لہٰذا وہی طریقہ استعمال ہوتا ہے اور ایک عقیدہ قائم کیا جاتا ہے کہ ایمان کے لئے عمل کی ضرورت نہیں۔ لیجئے حضرت علی کے ایک فضل کو تو کم کر دیا۔ اُن کے اعمال کتنے ہی اعلیٰ ہوں۔ جب ایمان لے آئے تو ہم اور وُہ سب برابر۔ ہم پھر مولوی شبلی کو شہادت میں پیش کرتے ہیں:۔

"تیسرا اختلاف اِس بناء پر تھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں؟ چونکہ اکثر حدیثوں میں حیا وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں کہ انہ من الایمان اِس لئے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں لیکن اہل نظر نے جن میں امام ابو حنیفہ سب سے پیش رو تھے اِس سے اختلاف کیا، اور اعتقاد وعمل میں تفریق کی۔ محدثین نے اِن لوگوں کا

نام مرجیہ رکھا چنانچہ امام ابو حنیفہ کو بھی بہت سے محدثین مرجیہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں"۔

(مولوی شبلی:۔ الکلام حصہ اوّل ص ۲۲)

دیکھئے کیسا مفید عقیدہ ہے۔ ع　رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ مومن کامل بھی کہلاؤ، جنّت بھی مل جائے۔ کیونکہ جنت ہے ہی مومنوں کے لئے اور خوب عیش و عشرت بھی کر لو، غرضکہ حصول دُنیا ہی کو مقصدِ زندگی سمجھ کر اس کے لئے ہر طرح سے راستہ صاف ہو رہا ہے، پہلے تو ایک عقیدہ قائم ہوا کہ جو ہوتا ہے خُدا کی طرف سے ہوتا ہے ہم بری الذمہ ہیں، خوب آزادی ملی، اب یہ نہلے پر دہلا آیا اعمالوں کی ضرورت ہی نہیں ایمان کے لئے۔ اور ان سب کا مخرج ہے وُہ ہی سقیفۂ بنی ساعدہ اور یہ سب حضرت عمر کے ایجاد کردہ قیاس کی نیرنگیاں ہیں۔ جیسی جیسی ضرورت درپیش آتی ہے، عقائد مُرتّب ہوتے جاتے ہیں، قیاس کئے جاؤ اور مذہب کو اپنے خواہشات کے سانچے میں ڈھالتے جاؤ، حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہنے والوں نے پھر کتابُ اللہ کو نظرانداز کر دیا، قرآن شریف میں جہاں جہاں جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ معنی یہ ہیں کہ اے وُہ لوگو جو ایمان بھی لائے ہو اور جنہوں نے عمل نیک بھی کئے ہیں۔ تمہارے لئے جنّت ہے ایک جگہ بھی ایمان کو عمل سے جُدا کر کے جنّت کے حصول کے لئے کافی نہیں قرار دیا، لیکن کارکنانِ سقیفہ کی مجبت نے مجبور کر دیا کہ ایمان کو عمل سے جُدا کر کے ضرور اسلام کو مسخ کریں، زبانی اعتقاد ہی کو جنّت کے حصول کے لئے کافی سمجھا گیا حالانکہ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ پارہ ۵ سُورۃ النساء ع ۹۔ یعنی قسم ہے تیرے پروردگار کی جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اُس سے اپنے دِل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں تب تک یہ مومن نہ ہوں گے +

دیکھئے کتنی عظیم الشان قسم کے ساتھ کہ جس کے آگے کوئی اور قسم ہی نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تم کو حاکم نہ بنائیں یہ مومن ہی نہیں۔ یہ ایمان کی شرط اوّل ہے اُمّت کہتی ہے کہ نہیں، حکومت تو نبوّت میں شامل ہی نہیں۔ نتیجہ نکلا کہ اس طرح کہنے والے مومن نہیں۔ اس آیت سے قطعاً ثابت ہوا کہ اطاعت بھی جو کہ عمل ہے جزوِ ایمان ہے اور حکومتِ سقیفہ کا عقیدہ جو ایمان سے عمل کو جُدا کرتا ہے باطل ہے۔ دیکھئے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہنے والے کس طرح کتابُ اللہ سے رُوگردانی کر رہے ہیں۔

حکّامِ سقیفہ کا ایک اور عقیدہ اس سے ملتا جُلتا ہے اور وہ یہ ہے۔ اگر تمہارا مقصد نیک ہے تو اُس کے حاصل کرنے کے لئے بد ذرائع مثلاً دھوکہ دہی۔ فساد۔ قتل جعلسازی وغیرہ وغیرہ استعمال کر سکتے ہو۔ ساری سقیفہ سازی اس ہی عقیدہ پر مبنی ہے۔ ان بزرگواروں کی رائے میں حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنا اور خود حکومت پر قبضہ کرنا ایک نیک مقصد تھا۔ دیکھئے اُس کے حصول کے لئے کیا کیا کیا گیا۔ رسُول کی نافرمانی کی، رسول کی طرف ہذیان کو منسوب کیا، رسول کی اکلوتی بیٹی پر ظُلم و تعدّی کی، آلِ رسُول پر ظلم و ستم کیا۔ نا اہلوں کو اُن کے مقابلہ پر بڑھایا۔ یہ سب کچھ اُس مقصدِ نیک کے حصول کے لئے روا رکھا گیا۔ کیونکہ حضرت عمر کا خیال تھا کہ اگر علی خلیفہ ہوئے تو زمین و آسمان کے درمیان ایک فسادِ عظیم رُونما ہو جائے گا۔ اس عقیدے کی ایک اور بیّن مثال ہم بتاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اپنے مرضِ اخیر کے اخیر دِنوں میں حضرت عثمان کو بُلا کر حضرت عمر کے حق میں وصیّت خلافت لکھوانی شروع کی تھی۔ ابھی حضرت عمر کا نام نہیں لکھا تھا کہ حضرت ابوبکر بے ہوش ہو گئے اور حضرت عثمان نے اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام لکھ لیا۔ جب دیر کے بعد ہوش میں آئے تو وصیّت جتنی لکھی گئی تھی پڑھوائی اُس میں حضرت عمر کا نام آیا۔ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ میں نے تو عمر کا نام

نہیں لکھوایا تھا۔ تم نے کیونکر لکھ لیا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ کا انتقال ہو جاتا اور یہاں عمر کا نام نہ ہوتا تو ایک فسادِ عظیم ہو جاتا۔ لہٰذا میں نے آپ کے دل کی بات معلوم کر کے عمر کا نام لکھ لیا۔ اس پر حضرت ابو بکر نے اُن کی تعریف کی۔ یعنی اگر حضرت ابو بکر کو ہوش نہ آتا اور وُہ اِنتقال کر جاتے تو یہ جعلی دستاویز ہی اُمّت پر پیش کر دی جاتی۔ حضرت ابو بکر نے اِس جعلسازی کی تعریف کی۔ ایسے ایسے واقعات سے حُکّامِ سقیفہ کی ذہنیت بہت اچھی طرح نمایاں ہوتی ہے۔

غالباً اس ہی عقیدہ کو مدنظر رکھ کر حضرت عمر نے اصحابِ شوریٰ کو یہ ہدایت کی تھی کہ اگر تُم میں سے پانچ ایک شخص پر متفق ہوں اور چھٹا انکار کرے تو اُس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا۔ اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دُو مخالف ہوں تو اُن دُو کو قتل کر دینا۔ اور اگر تمہاری مساوی رائیں ہوں، تین ایک طرف اور تین دُوسری طرف تو سَرپنچ میرا لڑکا عبداللہ ہو گا ان تین میں سے جس کو وُہ خلیفہ قرار دے تو وُہ خلیفہ ہو گا۔ اور اگر وُہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو ان تینوں کو قتل کر ڈالنا۔

اِن ہدایات پر غور کرنا چاہیئے۔ چُونکہ یہ چھ آدمی وُہ تھے جن سے جنابِ رسولؐ خدا بقول حضرت عمر اپنے مرتے دم تک راضی تھے اور چُونکہ یہ لوگ تمام مؤمنین سے افضل تھے جب ہی تو اُمیدوارانِ عُہدۂ امیر المومنین مقرّر کیے گئے تھے۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ وُہ مومن تھے۔ ان ہدایات نے قرآن مجید کی آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ کو منسُوخ کر دیا۔ یا یُوں کہو کہ حضرت عمر کا آیاتِ قرآنی پر ایمان نہ تھا اور جہنّم کو محض بچّوں کے ڈرانے کا ہَوّا سمجھتے تھے۔ حضرت عمر کے سوانح حیات اور اُن کے افعال و اقوال تو یہی بتاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر کی حمایت میں کہا جائے کہ قرآن مجید کی ایک دُوسری آیت بھی تو ہے کہ الفتنۃ اشد من القتل حضرت عمر نے

اُس فتنہ کو بچانے کے لئے یہ ہدایت جاری کی تو پھر ایک اور اصول قائم ہُوا وہ یہ کہ اگر ہماری رائے میں یا یُوں کہو کہ اکثریت کی رائے میں اپنے مخالف کی ہستی باعثِ فساد ہو سکتی ہے تو ان کا حق بلکہ فرض ہے کہ وُہ اپنے مخالف کو قتل کر دیں قبل اس کے کہ وُہ مخالف کوئی موجب قتل فعل کرے۔ اِرتکاب جُرم سے پہلے سزا دینا اور سزا بھی قتل کی دینا فقۂ عمری ہی میں جائز ہو سکتی ہے شریعت اِسلام بلکہ کِسی قوم کے مجمُوعہ قوانین میں یہ جائز نہیں۔ اِرتکابِ جرم سے پہلے محض احتمالِ جُرم کی بناء پر دفعہ ۱۰۹ ضابطہ فوجداری عائد ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی سشن جج دفعہ ۱۰۹ کے واقعات کی بناء پر کہ ایک شخص محض ایسے وقت اور ایسی جگہ پایا گیا تھا کہ جس سے اِرتکاب جُرم کا ارادہ مترشح ہوتا تھا بجائے ضمانت نیک چلنی طلب کرنے کے پھانسی کا حُکم دیدے تو آپ ایسے سشن جج کو کیا کہیں گے۔ حضرت عمر نے تو حُکم دے دیا۔ حضرت عمر نے اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ یہ حُکم بذاتِ خود باعثِ فتنہ ہے۔ اِنکار کرنے والا تو فتنہ پیدا ابھی نہ کرتا۔ لیکن اُس کا بے جُرم قتل کیا جانا فوراً فتنہ پیدا کر دیتا اور یہی وجہ ہے کہ جب وُہ وقت آیا اور عملی صورت میں اس کی خرابیاں اُن لوگوں کو نظر آئیں تو انہوں نے حضرت عمر کے اُس حُکم کو زیرِ عمل لانے کی جرأت نہ کی۔ یہ بات دُوسری ہے کہ جب حالات بدل گئے تو جناب یزید نے اِس حُکم کو عملی جامہ پہنانے کا تجربہ بھی کر دیکھا۔ نتیجہ نکلا کہ فتنہ کو روکنا حضرت عمر کا مقصد نہ تھا بلکہ اپنی جماعت کو محفوظ و مضبوط اور آل رسول کو قتل کرنا مطلوب تھا۔ غالباً یہی حکم اُن مُسلمان بادشاہوں کے زیر نظر ہوتا تھا جو حضرت عمر کے بعد آئے اور جنہوں نے ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کی گردن مار دینا اپنی عادتِ ثانیہ بنالی۔ بعد آئندہ کے ظلم حضرت عمر ہی کی تاسّی میں ہوئے۔

عقل کو مذہب پر حاوی کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں اُس کی وجہ محض ایک تھی۔ اور وُہ یہ کہ جس عقل کو مذہب کا حاکم بنایا گیا تھا وُہ کامل عقل نہ تھی ورنہ

عقل کامل اور مذہب فطرت ایک دُوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تبھی تو جناب رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ علیؑ و قرآن ہمیشہ قیامت تک ایک دُوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ لیکن جس عقل کو مذہب فطرت پر حکومت دی گئی وُہ وہی تو عقل تھی جو مُدتوں خدا میں اور پتھر میں تمیز نہ کر سکی اور پتھر کو خُدا سمجھ کر پُوجا کی اب یک بیک یہ اُس مذہب کی حاکم بنا دی گئی جس کا دعویٰ یہ تھا کہ مَیں انسان کا بنایا ہوا مذہب نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ کو خود خدا نے مرتب اور منتخب کیا ہے اور اکملیت میرا خاصّہ ہے۔ جس شخص نے اپنی عقل کو ایسے مذہب کا حاکم بنایا اُس کو یا تو اسلام کے اس دعوے پر یقین نہ تھا یا الہیّت کا تخئیل اُس کے دماغ میں ابھی اصنام پرستی کے تاثرات سے آزاد نہیں ہوا تھا۔ یہ وہی سابقہ جاہلیت کا تخئیل تھا کہ انسان خدا کو بھی اپنے ہاتھوں سے بنا کر اس کی پُوجا کر سکتا ہے۔ جب انسان خود خدا کو بنا سکتا ہے تو انسان کی عقل لازمی طور سے خُدا کے مُرتّب کئے ہوئے مذہب کی حاکم بن سکتی ہے۔ اِس عقل نے جو مذہب پر دستبرد کی اُس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ اور اصلی اسلام کے مسخ ہونے کا یہی بہت بڑا سبب ہے۔ اس کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں ایک اب ہم بیان کرتے ہیں ؛

متعۃ النساء۔ ان میں سے ایک متعۃ النساء ہے۔ دُنیا کے بہت مُشکل اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ زن و مرد کے تعلقات کا ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے حکماء و فلاسفران ازمنہ ماضیہ سے حال تک اِس مسئلہ پہ غور و خوض کرتے آئے ہیں اور ماسوائے محمدؐ امیؐ کے کوئی اِس مسئلہ کو صحیح طریقہ سے حل نہ کر سکا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دُنیا میں جتنا کشت و خُون ہُوا ہے اُس میں سے ۹۰ فی صدی غلط تعلّقات زن و مرد کی وجہ سے ہُوا ہے۔ اور جتنے مصائب بنی نوع انسان نے قابیل کے زمانہ سے اب تک جھیلے ہیں۔ اُن میں سے ۹۰ فیصدی کا مخرج و سرچشمہ یہ تھا۔ عورت پر جو تنازعہ ہُوا وہی قتل ہابیل کا باعث تھا۔[۵۸۰]

---

[۵۸۰] تاریخ طبری الجزء الاوّل ص ۶۸ ، ۶۹ ؛

یہ تو ابتدائی زمانہ کا قصہ ہے۔ حال ہی ایک عظیم الشان شاہنشاہ کو عورت ہی کی وجہ سے تاج و تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ عظمت و شہرت آپس میں وابستہ ہیں بڑے بڑے آدمیوں ہی کا نام لیا جاتا ہے۔ ورنہ ہابیل اور اڈورڈ کے درمیان ہزارہا ایسے قصص گزرے ہیں جن کی زندگی کی بربادی کا باعث عورت ہوئی ہے۔ پیغمبر آخر الزماں کی نبوت میں بنی نوع انسان کی معاشرت کی اصلاح اور صحیح اصول و قواعد معیشت کی تعلیم کا داخل ہونا ضروری تھا۔ لہذا اُنہوں نے زن و مرد کے تعلقات کو ایسے صحیح اور عمدہ اصولوں پر قائم کیا کہ ایک غور کرنے والے انسان کے لئے اُن کا یہی عمل اُن کی نبوت کا ثبوت ہے۔ زمانہ حال کا ایک حکیم و فلاسفر کہتا ہے کہ بنی نوع انسان کی جماعتی حالت کا ارتقاء و عروج انتسابی و عرفی حیثیت کی طرف سے معاہدہ کی طرف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وُہ غلاموں عورتوں اور لڑکوں کی حیثیت کو پیش کرتے ہیں جو زمانہ سابقہ میں تھی۔ ان میں سے عورتوں کی حالت تو اب تک کسی حد تک قائم ہے۔ پہلے زمانے میں غلام کی حیثیت پیدائش کے ساتھ وابستہ تھی۔ موجودہ زمانہ میں وُہ معاہدہ سے تبدیل ہوگئی۔ بغیر اقرار خدمت کے جو با معاوضہ ہونا چاہیئے کوئی کسی سے کام نہیں لے سکتا۔ رومانوی قانون میں جس پر تمام یورپ کے قوانین مبنی ہیں عورت کی شخصیت تسلیم نہیں کی گئی تھی۔ نہ اس کی جائداد ہوتی تھی اور نہ مُلک کی حکومت کی نظروں میں اُس کی کوئی ہستی تھی۔ وُہ خود اپنی شادی نہیں کر سکتی تھی۔ شادی سے پہلے اپنے والدین کے خاندان میں اور شادی کے بعد اپنے خاوند کے خاندان میں مدغم ہو جاتی تھی۔ لڑکے بھی اپنے باپ کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کی اپنی حیثیت کچھ نہ تھی۔ سلطنت کے قوانین اور آپس کے معاہدات محض باپ تک پہنچتے تھے۔[۵۸] انگلستان میں اب تک شادی کے بعد عورت

---

۵۸ Sir Henry S. Maine's Ancient Laws P. 151

جائداد حاصل کرنے کے ناقابل تھی۔ نہ وراثت سے اور نہ بیع و شری سے وہ جائداد حاصل کرسکتی تھی۔ اس حالت کی اصلاح کسی حد تک ایکٹ جائداد مستورات منکوحہ ۱۸۹۲ء نے اب کی ہے ۵۸۲ ہندوؤں میں اب تک نکاح کو ایک انتسابی حیثیت دی گئی ہے۔ عورت کی حیثیت بدل نہیں سکتی اگر اُس کا خاوند مر بھی جاوے۔ یہ الہامی قوت نہیں تھی تو اور کیا تھا کہ ایک اُمّی شخص جس کا کوئی انسان اُستاد و معلّم نہ تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں ایک قانون بناتا ہے جس کی ہر شاخ معاہدہ پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ نکاح کو محض ایک خاص قسم کا معاہدہ بنا دیا۔ یہ تہذیب انسانی میں انفرادی آزادی کی آخری حد ہے۔ نکاح کی معاہدانہ نوعیت کو یہ حُکم دے کر واضح تر کر دیا کہ تم ایک وقتِ محدودہ و مقررہ تک بھی نکاح کرسکتے ہو۔ اس کا نام متعہ ہے وہ لوگ جو غور و فکر کرنے کے عادی نہیں ہیں اس پر یہ کہہ کر اعتراض کرتے ہیں کہ اِس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں۔ تعجب ہے اُن لوگوں کی عقل پر جو ازدواجی رشتہ کو جس میں کوئی حد بھی مقرر نہ ہو دائمی نکاح کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ایسی شے ہے جو آج نکاح ہوا اور کل محض تین دفعہ ایک ہی جملہ کہنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ متعہ میں تو پھر کچھ حد تو معیّن ہے ⁂

پہلے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے بحکم خداوندی متعہ نساء کا حُکم دیا اور آنحضرتؐ کے زمانہ تک بلکہ حضرت عمر کے اخیر زمانہ تک برابر جاری رہا لیکن حضرت عمر نے اِس کو منع کر دیا ⁂

حلّت متعۃ النساء قرآن شریف کی آیت سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں در ذیل قولہ تعالیٰ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (پارہ ۵۔ سورۃ النساء ع ۴) لکھتے ہیں:-

---

۵۸۲ Married women's Property Act, 1892

واتفقوا علی انھا کانت مباحۃ
فی ابتداء الاسلام وروی ان
النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لما قدم مکۃ فی عمرتہ فشکی اصحاب
الرسول طول الغروب فقال
استمتعوا من ھذہ النساء

جمیع امّت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ
ابتداء اسلام میں متعۃ النساء جائز و مباح
تھا، روایت ہے کہ جب جناب رسول خداؐ مکہ
معظمہ تشریف لائے تو اصحاب رسولؐ نے
آپؐ سے عورت کی جدائی کی شکایت کی تو
آپؐ نے فرمایا کہ یہاں کی عورتوں سے متعہ کر لو۔

اس ہی آیت کی تفسیر میں علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں :-

نزلت فی المتعۃ التی کانت
ثلاثۃ ایام حین فتح اللہ مکۃ
علی رسولہ علیہ الصلوۃ والسلام
ثم نسخت .... وعن ابن
عباس ھی محکمۃ یعنی لم تنسخ
کان یقراء فما استمتعتم
بہ منھن الی اجل مسمی
تفسیر کشاف۔ الجزء الاوّل ص ۳۶۰۔
تفسیر بیضاوی در ذیل آیت فما استمتعتم۔
تفسیر معالم التنزیل۔
تفسیر ثعلبی۔

یہ آیت متعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی جو
تین دن تک جاری رہا۔ جب خداوند تعالےٰ
نے اپنے رسولؐ کو فتح نصیب کی۔ پھر
منسوخ ہوگئی .... لیکن ابن
عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمات میں سے ہے
یعنی منسوخ نہیں ہوئی اور وہ اس آیت
کو الفاظ الی اجل مسمی کے ساتھ پڑھا کرتے
تھے جس کے معنی ہیں کہ مدت مقررہ تک
کے لئے متعہ کر لو۔

ابن جریر اس آیت کے متعلق اپنی تفسیر میں سدی سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

قال ھذہ المتعۃ الرجل ینکح
المرءۃ بشرط الی اجل مسمی
فاذا انقضت المدۃ فلیس لہ

کہا کہ یہ آیت متعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے،
متعہ یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ وقت معیّن کے
لئے مقررشدہ اجرت پر نکاح کرے پس جب

علیھا سبیل وھی منه بریئة وعلیھا ان تستبرأ ما فی رحمھا و لیس بینھما میراث ولیس یرث واحد منھما صاحبه.

وُہ مدّت تمام ہو جائے تو اِس مرد کو اس عورت سے کچھ سروکار نہیں رہتا اور وُہ عورت اس سے آزاد ہے اور عورت پر لازم ہے کہ بطریق مرّوجہ دیکھے کہ وُہ حاملہ ہے یا نہیں اِس مرد و زن کے درمیان میراث نہیں ہے، اور ایک دُوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حبیب ابن ثابت سے روایت کی ہے۔

قال اعطانی عبد الله بن عباس مصحفا فقال ھذا علی قرأة ابی بن کعب فرایت فی المصحف فما استمتعتم به منھن الی اجل مسمی.

راوی کہتا ہے کہ عبداللہ ابن عباس نے مجھے ایک نسخہ قرآن دیا اور کہا کہ ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق ہے پس میں نے اِس قرآن میں آیہ فما استمتعتم الآیہ کے الفاظ الی اجل مسمّی کے ساتھ دیکھے یعنی وقت مقررہ کے لئے متعہ کر لیو

نیز ثعلبی نے ابونضرہ سے روایت کی ہے۔

قال سألت ابن عباس عن المتعة قال اما تقرء سورة النساء قلت بلی قال قال افما تقرء فما استمتعتم به منھن الی اجل مسمی قلت لو اقرؤھا ھکذا قال ابن عباس والله ھکذا انزلھا الله ثلاث مرات.

راوی کہتا ہے کہ میں نے ابن عباس سے متعہ کی نسبت دریافت کیا انھوں نے جواب دیا کہ کیا تُم نے سُورۃ النساء نہیں پڑھی میں نے کہا کہ پڑھی ہے اس پر ابن عباس نے کہا کہ کیا تُم اس میں یہ نہیں پڑھتے کہ عورتوں سے مقررہ وقت کے لئے متعہ کر لیا کرو میں نے کہا کہ اس آیہ میں الفاظ الی اجل مسمّی (وقت مقررہ تک) نہیں ہیں ابن عباس نے تین دفعہ کہا کہ واللہ یہ آیت اِن الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی۔

جلال الدین سیوطی تفسیر دُرِّ المنثور میں در ذیل آیہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ الآیہ لکھتے ہیں:-

اخرج عبد الرزاق وابو داؤد فی

عبدالرزاق نے اور ابو داؤد نے اپنی ناسخ میں

ناسخ واابن جریر عن الحکم انہ سئل عن ھذہ الآیۃ امنسوخۃ قال لا وقال علی لولا ان عمر نھی عن المتعۃ مازنی الا شقی واخرج عبد الرزاق وابن المنذر من طریق عطاء عن ابن عباس قال یرحم اللہ عمر ما کانت المتعۃ الا رحمۃ من اللہ رحم اللہ بھا امۃ محمد ولولا نھیہ عنھا ما احتاج الی الزنا الا شقی قال وھی التی فی سورۃ النساء فما استمتعتم بہ منھن الی کذا وکذا من الاجل علی کذا وکذا قال ولیس بینھما وراثۃ

اور ابن جریر نے حکم سے روایت کی ہے حکم سے پوچھا گیا کہ کیا آیۂ متعہ منسوخ شدہ ہے اس نے کہا کہ ہرگز نہیں اور حضرت علیؑ کہا کرتے تھے کہ عمر نے متعہ سے منع کیا ہوتا تو پھر کوئی شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا، عبد الرزاق وابن المنذر نے عطا کے سلسلہ سے ابن عباس سے روایت کی ہے، ابن عباس کہا کرتے تھے کہ خدا عمر پر رحمت کرے متعہ تو ایک رحمت تھی خدا کی طرف سے اُمّت محمدؐیہ کے لئے اور اگر عمر اس سے منع نہ کرتے تو پھر کوئی شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا ابن عباس کہتے ہیں وہ حکم خداوندی سورۃ النساء میں ہے کہ عورتوں سے وقت مقررہ کے لئے رقم مقررہ کیلئے متعہ کرلو۔ فریقین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

جلال الدین سیوطی تفسیر دُر المنثور۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حکم خداوندی سے متعۃ النساء جاری ہوا تھا تو اب، ہم بتاتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے اس کو جاری کیا۔ اصحاب نے اس پر عمل کیا اور زمانۂ حضرت عمر تک برابر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے منع کر دیا۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن عمرو بن دینار قال سمعت الحسن بن محمد یحدث عن جابر بن عبد اللہ وسلمۃ بن الاکوع قال خرج علینا منادی رسول اللہ صلی

(اسماء رواۃ عربی میں دیکھو)

جابر بن عبد اللہ اور سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ ایک دن ہماری طرف جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا منادی آیا اور ندا کی

اللہ علیہ وسلم فنادی ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قد اذن لکم فاستمتعوا یعنی متعۃ النساء (مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص ۵۱)

کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تم کو متعہ زنان کی اجازت دی ہے

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا عفان ثنا حماد لنا حمید عن الحسن عن عمران بن حصین قال تمتعنا علی عھد النبی صلے اللہ علیہ وسلم فلم ینھنا عنھا ولم ینزل فیھا نھی

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم زمانۂ رسولؐ خدا میں متعہ کیا کرتے تھے۔ جناب رسولؐ خدا نے کبھی منع نہیں کیا۔ اور نہ اس کی منع کرنے والی کوئی آیت نازل ہوئی۔

(مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص۴۳۹)

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا مؤمل ثنا حماد نا حمید عن الحسن عن عمران بن حصین انہ قال تمتعنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم ینھنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعد ذالک عنھا ولم ینزل من اللہ عزوجل فیھا نھی

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم جناب رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اور اُن کے زمانہ میں متعہ کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے کوئی آیتہ اس کی ناسخ اُتاری۔

(مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص۴۳۸)

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبہ عن زید ابی الحواری قال سمعت ابا الصدیق یحدث عن ابی سعید الخدری قال کنا نتمتع علی عھد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالثوب

ابو سعید خدری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانۂ رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے تھے۔ لباس کے عوض ہیں۔

(مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص۲۲)

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا اسحٰق ثنا عبد الملک عن جابر بن عبد اللہ قال کنا نتمتع علی

جابر ابن عبد اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانۂ رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے

عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر رضي الله عنهم حتى نهانا عمر رضي الله عنه اخيرا يعني النساء

تھے اور زمانۂ ابو بکر و عمر میں بھی متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے آخر زمانۂ خلافت میں حضرت عمر نے اس سے منع کر دیا۔

مسند امام احمد حنبل۔ الجزء الثالث ص ۳۰۱ و ۳۲۵ و ۳۵۶۔

حدثنا عبد الله حدثني ابی حدثنا یونس ثنا حماد یعنی ابن سلمہ عن علی بن زید وعاصم الاحول عن ابی نضرۃ عن جابر ابن عبد الله قال تمتعنا متعتین علی عهد النبي صلى الله عليه وسلم الحج والنساء فنهانا عمر عنهما فانتهينا۔

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ زمانہ رسولِ خدا میں ہم دونوں متعہ کرتے تھے۔ متعۃ النساء اور متعۃ الحج پس عمر نے دونوں سے منع کر دیا اور ہم نے پھر ان کو چھوڑ دیا۔

(مسند امام احمد حنبل۔ الجزء الثالث ص ۳۵۶، ۳۶۳)

حدثنا عبد الله حدثني ابی ثنا عبد الرزاق انا ابن جریج قال عطاء حين قدم جابر بن عبد الله معتمرا فجئناه في منزله فسأله القوم عن اشياء ثم ذكروا له المتعة فقال نعم استمتعنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر حتى اذا كان في آخر خلافة عمر رضي الله عنه۔

عطا سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ جب جابر ابن عبد اللہ عمرہ میں آئے تو ہم ان کے مکان پر آئے، لوگوں نے بہت سی باتیں اُن سے دریافت کیں۔ پھر متعۃ النساء کا ذکر کیا تو جابر ابن عبداللہ نے کہا کہ ہاں ہم زمانہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور زمانۂ ابو بکر و عمر میں متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی خلافت کے آخر زمانہ میں عمر نے ہم کو اُس سے روکا۔

(مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص ۳۸۰)

حدثنا عبد الله حدثني ابی ثنا حجاج ثنا شریك عن الاعمش

ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا نے متعہ کیا تھا۔ پس عروہ بن زبیر نے کہا

عن الفضیل بن عمرو قال اراه عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال تمتع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال عروۃ بن الزبیر نہی ابوبکر وعمر عن المتعۃ فقال ابن عباس ما یقول عریۃ قال یقول نہی ابوبکر وعمر عن المتعۃ فقال ابن عباس اراھم سیھلکون اقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول نہی ابوبکر وعمر مسند احمد حنبل۔ الجزء الاول ص ۳۳۷۔

ابوبکر و عمر نے متعہ سے لوگوں کو روکا اس پر ابن عباس نے کہا کہ عروہ کیا کہتا ہے کہا گیا کہ وہ کہتا ہے کہ ابوبکر و عمر نے متعہ سے منع کیا اس پر ابن عباس نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ عنقریب یہ لوگ ہلاک ہوں گے۔ میں تو کہتا ہوں کہ جناب رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے متعہ کا حکم دیا۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوعمر نے منع کیا

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا بہز قال وثنا عفان قال ثنا ھمام ثنا قتادہ عن ابی نضرۃ قال قلت لجابر بن عبد اللہ ان ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ینھی عن المتعۃ وان ابن عباس یامر بہا قال فقال لی علی یدی جری الحدیث تمتعنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال عفان ومع ابی بکر فلما ولی عمر رضی اللہ عنہ خطب الناس فقال ان القرآن ھو القرآن وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الرسول وانھما کانتا متعتان علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ

ابی نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر ابن عبد اللہ سے کہا کہ ابن زبیر لوگوں کو متعہ سے روکتا ہے اور ابن عباس اس کی اجازت دیتے ہیں۔ پس جابر ابن عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ زمانۂ رسولؐ خدا میں اور نیز زمانۂ ابی بکر میں ہم متعہ کیا کرتے تھے۔ پس جب عمر حاکم ہوئے تو انہوں نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ قرآن ہے تو ہوا کرے اور رسول ہے تو ہوا کرے (اگرچہ) دونوں متعہ جناب رسولؐ خدا کے زمانہ میں جاری تھے یعنی متعہ حج اور متعہ النساء

وسلم احدھما متعۃ الحج والاخری متعۃ النساء۔ (لیکن میں تم کو ان دونوں سے منع کرتا ہوں)

(مسند احمد حنبل الجزء الاول ص ۵۲)

اِس جرأت کو ملاحظہ کیجئے، قرآن ہے تو ہوا کرے رسُول ہے تو ہوا کرے ہم اُن کے احکام کو نہیں مانتے، انہوں نے دونوں متعہ یعنی متعہ حج و متعہ نساء جاری کئے لیکن ہم اُن سے اختلاف کرتے ہیں اور دونوں سے اپنی رعایا کو روکتے ہیں۔ یہ ہے وُہ ذہنیت جس نے اسلام پر اثر پذیر ہو کر اس کو مسخ کر دیا۔

علامہ ثعلبی اپنی تفسیر میں در ذیل آیہ متعہ یعنی فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً میں لکھتے ہیں:-

اخبرنا الحسین بن محمد بن الحسین بن عبد اللہ نا موسی بن محمد بن علی بن عبد اللہ انا موسٰی بن ھارون بن عبد اللہ الحمال انا محمد بن الصباح انا عبد اللہ بن رجا عن عمران بن سلیمان عن ابی رجاء العطاردی عن عمران بن حصین قال نزلت آیۃ المتعۃ فی کتاب اللہ تعالٰی و لم ینزل آیۃ بعدھا تنسخھا فامرنا بھا رسول اللہ وتمتعنا مع رسول اللہ و مات ولم ینھنا عنہ قال رجل برائہ ما شاء قلت فلم یرخص فی

(اسمائے راویان عربی میں ملاحظہ فرمائیے)

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ آیۂ متعہ کتاب اللہ میں نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی جو اس کو منسوخ کرتی۔ پس جناب رسولؐ خدا نے ہم کو متعہ کا حکم دیا اور ہم عہدِ رسولؐ خدا میں متعہ کرتے تھے اور جناب رسولخدا بھی متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے اِنتقال کیا اور ہم کو متعہ سے نہ روکا۔ اُس کے بعد

نکاح المتعہ الاعمران بن حصین و عبد اللہ بن عباس و بعض اصحاب و طائفۃ من اھل البیت ۔	ایک آدمی نے (حضرت عمر نے) اپنی رائے سے وُہ کیا جو اس نے چاہا۔ مَیں کہتا ہوں کہ نکاح المتعہ کو جائز سمجھا، عمران بن حصین، عبداللہ ابن عباس اور بعض اصحاب رسول نے اور اہلبیت کی ایک جماعت نے

حضرت عمر کی اوّلیات میں شمار ہوتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یعنی بہ مخالفت سُنّت آنحضرتؐ متعہ کو بند کر دیا۔ علّامہ جلال الدین سیوطی حضرت عمر کی اوّلیات میں لکھتے ہیں :-

اول من حرم المتعۃ و اول من نھی عن بیع الامّھات و ا ول من جمع الناس فی صلوٰۃ الجنائز علےٰ اربع تکبیرات ...... واول من اخذ زکوٰۃ الخیل ۔	حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام کیا، اُمّہات اولاد کی بیع سے منع کیا جنازہ پر چار تکبیریں مقرّر کیں اور وُہ سب سے پہلے ہیں جنہوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی ۔

جلال الدین سیوطی :۔ تاریخ الخلفاء مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۱۵ء ص ۹۷ ۔

یہ ثبوت جو ہم نے پیش کیا ہے اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :۔

(۱) متعۃ النساء کا اجراء احکام قرآنی کی رُو سے ہوا ۔

(۲) جناب رسولؐ خدا نے بذریعہ عام منادی متعۃ النساء کی حلیت کا اعلان کرا دیا ۔

(۳) جناب رسولؐ خدا نے خود متعہ کیا۔ آپ کے اصحاب نے کیا ۔

(۴) کوئی آیت اس کی ناسخ نہیں ہے ۔

(۵) جناب رسولؐ خدا و حضرت ابوبکر کے پُورے زمانہ تک اور حضرت عمر کے خلافت کے آخری زمانہ تک متعۃ النساء و متعۃ الحج جاری تھے ۔

(۶) حضرت عمر نے یہ کہہ کر کہ قرآن ہے تو ہُوا کرے رسُول ہے تو ہوا کرے مَیں اِن دونوں متعہ کو روکتا ہوں، اِن کو بند کرا دیا ۔

(۷) آیت متعۃ النساء میں الفاظ الیٰ اجل مسمی (ایک میعاد مقررہ کے لئے)

بھی موجود تھے جواب نہیں پائے جاتے ۔

(۸) حضرت عمر امورِ دین میں مداخلت کرتے ہیں اور نہایت دلیری کے ساتھ کتاب اللہ اور رسولؐ خدا کی نافرمانی فرماتے ہیں ۔

امر واقعہ تو اتنا ہی ہے مگر وکلائے اہل حکومت یعنی علماء اہل سنت و جماعت کا فرض تھا کہ وہ حضرت عمر کی مدد کو آئیں لہذا اُن کی بھی کج بحثی بھی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ متعۃ النساء صرف جنگ اوطاس میں تین دن کے لئے مباح ہوا تھا۔ پھر ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار پایا۔ چنانچہ آیت متعہ کی ناسخہ آیت یہ بتاتے ہیں، اِس ذیل میں کہ مومنون کون کون ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ (پارہ ۱۸ سورۃ المومنون ع ۱)

واقعی محبت و تعصب انسان کو اندھا کر دیتے ہیں ۔ سورۂ مومنون مکیہ ہے جس میں یہ آیت ناسخہ ہے اور سورۃ النساء جس میں یہ آیہ متعہ منسوخہ ہے وہ مدنیہ ہے، گویا متعہ جاری تو بعد میں ہوا منسوخ پہلے ہی ہو گیا، اگر ناسخ و منسوخ کا عمل جاری کرتے ہو تو ہم کہیں گے کہ آیت جو سورۂ مومنون میں ہے وہ اثر پذیر ہوتی ہے آیۂ متعہ سے جو اس کی تفصیل کرتی ہے، علاوہ اس کے یہ کہاں سے نتیجہ نکالا کہ یہ آیت متعہ کو منسوخ کرتی ہے۔ متعۃ النساء میں بھی تو عورت بمنزلہ زوجہ کے ہوتی ہے۔ یہاں تو مومنین کی نشانیاں بتائی جا رہی ہیں۔ لہذا مجمل ذکر ازواج کا کر دیا، اگر یہ آیت ناسخہ تھی تو حضرت عمر کی آخر خلافت تک کیوں متعہ جاری رہا۔ کیا جناب رسولؐ خدا اور حضرت ابوبکر کو معلوم ہی نہ ہوا، کہ یہ آیت ناسخۂ متعہ ہے ۔

حلیت متعہ کے لئے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اتنا ہی کافی ہے کہ اِس کو خدا اور رسولؐ خدا نے جاری فرمایا اور اس کو کبھی منع نہیں کیا۔ یہ ایک مثال ہے اِس امر کی کہ حضرت عمر بسا اوقات اپنی عقل کو غلط طریقہ سے

استعمال فرمایا کرتے تھے۔ صحیح عقلی بحث اب درج کی جاتی ہے:

فقہ اسلامی میں نکاح محض ایک معاہدہ ہے، اِس میں اور عام معاہدوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ عام معاہدے تو فسخ نہیں ہو سکتے، جب تک کہ فریقین کی مرضی ہو یا اس میں شرائط ہی ایسی ہوں کہ ان کے واقع ہونے پر وُہ معاہدے خود بخود فسخ ہو جائیں لیکن نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ جس کو ایک فریق محض اپنی مرضی سے جب جی چاہے فسخ کر سکتا ہے، لفظ طَلَّقْتُ کہا اور معاہدہ فسخ، جس کو آپ نکاح دائمی کہتے ہیں وُہ دراصل دائمی تو کیا اُس میں تو ایک لمحہ کی بھی مدت یقینی نہیں ہے بغیر وجہ بتائے ہوئے اور بغیر کسی وجہ کی موجودگی کے خاوند طلاق دے سکتا ہے متعہ میں عورت کو اتنا تو یقین ہو سکتا ہے کہ زمانہ متعہ تک وُہ امن میں ہے۔ متعہ تو دراصل مرد کی اس آزادیٔ طلاق پر ایک قید ہے، وُہی مہر، وُہی عدت، وُہی فرائض و حقوق پرورش اولاد، صرف تعین مدت و عدم میراث کا فرق ہے سو اتنی آزادی رحمتِ خداوندی ہے، جو فریقین کے لئے مفید ہے، اس میں اتنی خوبیاں ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں، تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں:-

افعال ذمیمہ کی بُرائی دو وجہ سے ہوتی ہے ایک بالذات جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے، جیسے اعلام، کُفر، ناشکر گزاری، منافقت، ظلم اور دُوسرے بالنسبت یعنی اُن کی بُرائی، ان کے باہر کے صورتِ حالات کی وجہ سے ہے مثلاً زنا، کذب، عریانی وغیرہ۔ کذب کو لو، اِنسان تنہا بیٹھا ہوا اپنے دل سے باتیں کیا کرے اور اس میں سچ و غلط سب کچھ بیان کر دے کوئی مواخذہ نہیں لیکن ہاں اگر اور لوگوں کے سامنے یا وجود علم کے عمداً جھوٹ بولے تو بُرا ہے، کیونکہ سُننے والے اُس کے بیانات پر عمل کر کے نقصان اُٹھائیں گے۔ کذب سے دُوسرے لوگوں کو نقصان نہیں ہوتا اگر وُہ بغیر کسی سبب کے بولا گیا ہے تو فعل عبث کہا جا سکتا ہے فعلِ مُضر نہ ہوگا۔ اب زنا کو لو، خداوند تعالیٰ نے عورت کی پیدائش کی غرض و غایت ہی یہ رکھی ہے کہ وُہ مرد کے لئے باعثِ تسکین ہو، اِس کو تسکین دے کر

اس کے خیالاتِ پریشاں کو رفع کرکے اس کی صحت و خوشی کے اسباب بہم پہنچا کر
اسے اس قابل کرے کہ وہ دُنیا کی مکروہات و مصائب و مشکلوں کا مقابلہ کر سکے
اور بنی نوع انسان کی آگے کی ترقی کا باعث بنے، بنی نوع انسان کی ترقی منوط و
مربوط ہے محض مرد سے اور اس کے اُوپر ہی منحصر ہے لیکن عورت بیکار نہیں، وہ
مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے تا کہ اس کو اس کشمکش عظیم کے لئے تیار کرے۔ ملاحظہ ہو۔
هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا
پارہ ۹ سُورۃ الاعراف ع ۲۴۔ یعنی خداوند تعالےٰ نے تم کو ایک جانِ واحد میں سے پیدا
کیا، اور اس جانِ واحد ہی میں سے اس کی زوجہ پیدا کی تا کہ وہ (آدم) اس سے تسکین
پاوے۔ اس آیت میں ہم ناظرین کی توجہ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، مِنْهَا، لِيَسْكُنَ کی
طرف دلاتے ہیں۔ یعنی تمام بنی نوع انسان کی نسبت محض مرد یعنی آدمؑ کی
طرف ہے، بنی نوع انسان کی ترقی مرد پر منحصر ہوئی۔ مِنْهَا یعنی عورت اس ہی
نفسِ واحدہ میں سے پیدا کی گئی۔ آدمؑ کی مٹی نہ ہوتی تو عورت پیدا ہی نہ ہوتی،
عورت کی ہستی مرد کے اُوپر منحصر ہوئی، مرد کا حق ہوا کہ عورت پر حکومت کرے۔
الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ اور چونکہ عورت کی ہست و بُود ہی مرد کی وجہ
سے ہے لہٰذا عورت کی زندگی محض مرد کے لئے ہونا چاہیئے، مرد اس سے کیا فائدہ
اُٹھاتا ہے لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا یعنی مرد کو عورت سے تسکین حاصل ہوتی ہے وہ
آدمی جس کو تسکین ہی حاصل نہ ہو ہر وقت خیالات پراگندہ و پریشان رہیں وہ
دُنیا میں کیا کام کر سکتا ہے یا کیا ترقی کر سکتا ہے۔ صحیح تندرستی اور جوانی کی حالت
میں مرد کی خواہشات کا جذبہ عورت کی طرف اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ دُنیا کا
کوئی کام اچھی طرح نہیں کر سکتا، جب تک اسے اس کی طرف سے تسکین حاصل نہ
ہو، چونکہ اسلام مذہب فطرت ہے، اسی وجہ سے اس نے اس جذبے کا
خاص طور سے خیال رکھا ہے، زوجگان کی تعداد میں ایک حد مقرر کرنی ضروری
تھی، وہ بھی چار تک مقرر کی ہے ایک پر انحصار نہیں کیا، اس کے علاوہ لونڈیوں کے

طریقے کو جاری رکھا گیا ہے جس کے بعد پھر انسان کو اس کی طرف سے بالکل اطمینان تسلّی ہو جاتی ہے، از منہ سابقہ میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی مسافروں کی خاطر و مدارات کرنے میں لونڈی کا پیش کرنا بھی تھا تاکہ اگر مسافر کو یہ تسکین حاصل کئے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے اور اس کے خیالات پراگندہ رہنے لگے ہیں تو وہ یہ راحت بھی اپنے میزبان کے گھر میں حاصل کرلے، تعجب ہے حضرت عمرؓ سے کہ متعہ کو تو زنا سمجھ گئے اور اِس لونڈیوں کے استعمال کو کچھ نہ سمجھا۔ خیر، عورت کی پیدائش کی غرض و غایت ہی جب یہ ہوئی تو اب مرد و عورت کا تعلق تو عین حسبِ منشاءِ خداوندی ہو گیا، اس میں برائی کا عنصر یہ ہو سکتا ہے کہ فساد ہو یا رشتہ ایسا قریب ہو کہ ان کا یہ تعلق مکروہ معلوم ہو، لہٰذا اسلام نے چند حدود قائم کیں لیکن بہت کم، فقط اتنی ہی کہ جتنی مناسب ہو سکتی ہیں۔ محرّمات کی تعداد بہت کم ہے، ہندوؤں میں دیکھو وہاں تو ذرا سا بھی خون کے رشتہ کا شائبہ ہوگا تو عورت حرام ہو جائے گی۔ اسلام نے اِس کو روا نہیں رکھا، زنا اُسوقت زنا ہے کہ جب محرّمات کے اندر ہو یا اس سے فساد کا اندیشہ ہو، نکاح کی غرض غایت یہی ہے کہ اِن دو امور سے پرہیز کیا جائے۔ اور یہی غرض و غایت متعہ میں بھی مدّ نظر ہے نکاح کے علاوہ اس میں خوبیاں بہت ہیں اور کوئی برائی متعہ میں نہیں، جو نکاح بس نہ ہو، سفر میں گئے، یا تو زنا کرو، یا خیالات پریشاں سے اپنے تئیں خراب کرو یا نکاح کر کے طلاق کی ناخوشگواری پیدا کرو، متعہ وُہ ہی عورت کرے گی جس کے حالات اس کے مقتضی ہوں گے۔ مدّت پہلے ہی سے معلوم ہے، لہٰذا جدائی بُری نہ معلوم ہوگی، عورت کو اتنے ایام کے لئے فائدہ حاصل ہو گیا۔ بڑھاپے میں مرد کو عورت کی خواہش زیادہ ہوتی ہے اور خصوصاً کم عمر عورت کی، لوگ اِس بات کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اب تو اس کو اتنا معیوب سمجھا گیا ہے کہ اگر کوئی بڈھا کم سن عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو کانگریس کے والنٹیر دروازے پر آن کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم نکاح نہ کرنے دیں گے۔ یہ ضعیف العمر

آدمیوں پر ظلم ہوا کیونکہ اُن کی یہ خواہش جرص و ہوس پر محمول نہیں کی جاسکتی بلکہ طبعی اور فطرتی ہوتی ہے، اندر سے ان کا سارا جسم جوان اور طاقتور خون و حرارتِ غریزی سے مِل کر اپنی کمزوری کو دُور کرنا چاہتا ہے اور از سرِ نو طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے، یہ طبعی اصول ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ آجکل بہت سی کوشِشیں کی جا رہی ہیں کہ کس طرح جوانی از سرِ نو حاصل کی جائے۔ بہت سی دوائیاں نکل آئی ہیں، بندروں کے غدود کی تلاش ہے۔ وُہ ساری دوائیاں ایک طرف اور یہ فطری و سہل نُسخہ ایک طرف، اگر مرد میں عقلِ سلیم باقی ہے اور کم سن عورت کا استعمال دوا کے طریقے پر، عیش و عشرت کے لئے نہیں کرنا چاہتا ہے تو یہ نُسخہ کبھی خطا نہ کرے گا، پہلے زمانہ میں یہ دوا عام تھی۔ چُنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے جب کہ اُن کی عمر پچپن سال کی حضرت ام کلثوم سے نکاح کیا جن کی عمر زیادہ سے زیادہ نو سال کی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے کانگریس کے خُدائی فوجدار بھی کچھ غلط نہیں کہتے تھے، تم اپنے بُڑھاپے کو تو دُور کرنا چاہتے ہو لیکن وہی بُڑھاپا ایک کم سن لڑکی کے حوالے کرنا چاہتے ہو، تمہارے لئے تو یہ مفید ہے لیکن عورت کے لئے اگر ہمیشہ جاری رہا تو یہ رشتہ مُضر ہوگا گویا وُہ تو کبھی جوان مرد کی صحبت سے آشنا ہی نہ ہوگی۔ تم نے تو اس کو دوا کی طرح استعمال کیا، اور اس نے جوانی کا لُطف ہی نہ اُٹھایا، یہ اس پر ظلم ہے فرمائیے کیا کیا جائے کہ نہ مرد پر ظلم ہو، اور نہ عورت پر، مرد کی بھی خواہش پُوری ہو جائے اور عورت کی بھی، کس خوبصورتی سے اور کس عقلمندی کے ساتھ اسلام نے اس مُشکل مسئلہ کا حل کیا ہے متعہ کر لو تھوڑے عرصہ کے لئے تم اس دوا کو استعمال کرو، پھر اس کو چھوڑ دو، عورت کا یہ فائدہ ہوا کہ وُہ متعہ کی قیمت اُتنی رکھے گی کہ اس کے لئے عرصہ تک کافی ہو، پھر جوان مرد سے شادی بھی کر سکتی ہے۔ ظُلم کسی پر نہ ہوا۔ دونوں کا مطلب حاصل ہو گیا۔ افسوس ہے کہ حضرت عمر نے کیسی غلط جگہ اپنی محدود عقل کا استعمال کیا ہے۔ اس سے

اِسلام میں بھی اتنا ہی زنا ہو گیا کہ جتنا دیگر ممالک اور مذاہب میں ہے اور اب سینما زیکل آتے ہیں جذبات کا ہیجان تو پیدا کر دیتے ہیں، اِس ہیجان کی تسکین کے لئے عورت نہیں ملتی، یا تو پیشہ ور سے تعلق پیدا کر کے امراض مول لو، یا خفیہ زنا کرو، اصول طب کے ماہر ہمارے اِس قول کی تصدیق کریں گے کہ اِس طرح ہیجان کا پیدا ہو جانا اور پھر اس کا تسکین نہ پانا جسم انسانی پر ہمیشہ کے لئے نہایت مُضر اثر چھوڑ جاتا ہے، اور اگر بار بار اعادہ ہوتا رہے تو لاعلاج امراض پیدا ہو جاتے ہیں، عورتیں بھی اب سینما کی بہت شائق نظر آتی ہیں، اور جب ہی اِس ہیجان دائمی کی وجہ سے ہسٹریا کا مرض عورتوں میں عام ہو گیا ہے، یورپ کے ممالک کا تو ذکر نہیں، وہاں زنا زنا ہی نہ رہا وہاں تو نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ متعہ کی، عورتیں عام مل جاتی ہیں خرابی ہندوستان جیسے ملکوں کی ہے۔ سینما کا پیدا کیا ہوا ہیجان، سکول، اور کالج کے لڑکوں کو خراب کر رہا ہے، عورتیں ملتی نہیں، لونڈیوں کا رواج نہ رہا کچھ بازاری عورتوں کے شائق ہو جاتے ہیں، جو شرمیلے ہیں وہ غیر طبعی طریقے سے اخراج مادہ کی کوشش کرتے ہیں، اِس غیر تسکین شدہ ہیجان کا اثر دماغ کو مختل کر دیتا ہے، آج کل لوگ یہ کہتے سُنائی دیتے ہیں کہ اب لڑکوں میں جنون کا مرض زیادہ ہوتا جاتا ہے، اِس کی اصلی وجہ پر غور نہیں کرتے، ساری نسل خراب ہو رہی ہے، قوم مٹ رہی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اِس صورت حال کی ذمہ داری بڑی حد تک اُس شخص پر ہے کہ جس نے متعہ کو روک دیا۔

وہ مُسلمان جو اِسلام کی صداقت کو یورپ کے معیار سے پرکھتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے بہت اچھا کیا کہ متعہ کو روک کر اسلام کو یورپ کے اعتراض سے بچا لیا، ان بزرگوں کی رائے میں اسلام ایک محدود وقتی مذہب تھا، خاص زمانہ اور خاص مُلک کے لئے نازل ہوا تھا، اس کے اصول معاشرت

قواعدِ سیاست زمانہ کی ترقی کے دوش بدوش چلنے سے قاصر ہیں۔ ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد کے آنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اسلام کے پرانے و زائد المیعاد اصول و قواعد چھٹتے رہیں اور ان کی جگہ زمانہ کے فیشن کے مطابق رسم و رواج ایجاد ہوتے رہیں لیکن یہ قطعاً غلط ہے، اسلام نے ایک ایسا مستقل و دائمی طرزِ معاشرت قائم کر دیا ہے کہ جس کو زمانہ کی تبدیلیاں اور تہذیب کی قلابازیاں مؤثر کرنے سے قاصر ہیں بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں سے پردے اُٹھتے جاتے ہیں سائنس ترقی کرتا جاتا ہے وہی اسلام کے پرانے اصول و قواعد نئے جوبن دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں اب اس جنگِ عظیم کے بعد جب لوگوں کے سامنے مشکل مسائل معاشرت و معیشت آرہے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ عورتیں بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ ہوگئی ہیں، اُن کا پرورش کرنے والا، اُن کا نگران کوئی نہیں رہا اور وہ مردوں میں رل کر اُن کی طرح روزی کمانے پر مجبور ہیں اور اس خلط ملط ناز یبا سے جو صنفِ نازک کے جوہر نسوانیت پر مضر اثر پڑ رہا ہے اُس کی تفصیل کے لئے بُرک کی فصاحت و بلاغت اور مانی و بہزاد کی مصوری چاہیئے۔ ایسی حالت میں کیا اسلام کا تعدادِ ازدواج و متعہ خدا کی طرف سے رحمت نہیں ہے؟ اس ذہنی غلامی کو رانہ تقلید کے قربان جائیے کہ تہذیبِ فرنگ کی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی یہ لوگ اس ہی کو قابلِ تقلید سمجھتے ہیں کیونکہ اُن کی رائے میں یہ تہذیب انسانی تہذیب کے ارتقائی منازل میں سے آخری منزل ہے، اس آخری منزل کے انتہائی عروج کا نمونہ موجودہ جنگِ عظیم ہے۔ جس تہذیب میں ایک ہی دین رکھنے والے انسان آپس میں ایک دوسرے کا گلا اس بے رحمی سے کاٹیں کہ بندر اور کتوں کو بھی شرم آئے۔ کروڑہا جوان جانیں جو صلی ترقی دنیا کا باعث ہوتیں اس طرح ضائع ہو رہی ہیں اور اس اندھے پن کو دیکھئے کہ ان قوموں کے رہنماؤں اور کارفرماؤں کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہم بُرا کر رہے ہیں، کروڑوں

بچّے، عورتیں بے گناہ بُڈھے، اندھے بموں کا شکار ہو رہے ہیں، جس تہذیب سے بچّے اور عورتیں اور بُڈھے اپنی جانیں بچانے کے لئے جانوروں کے بھٹ میں گھُس رہے ہیں اور وہاں بھی پناہ نہیں ملتی۔ جس تہذیب نے ایسی دُنیا پیدا کی ہے کہ اس میں آسمان سے آگ برس رہی ہے، زمین سے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ پانی میں آگ لگ رہی ہے۔ عقل سلیم کہتی ہے کہ ایسی تہذیب کے وُہ اصول قواعد معاشرت جن کی بناء پر یہ معاشرت قائم ہے سب غلط ہیں کیونکہ نتیجہ غلط ہے احمق محض ہیں وُہ لوگ جو رفتارِ زمانہ ہی میں ترقی کو مضمر جانتے ہیں، زمانہ کوئی چال چلے وُہ ہی اُن کے لئے بہترین نمونہ ہوگا، وُہ ابھی یہی کہے جاتے ہیں کہ باوجود اِس تہذیب کے ان ہیبت ناک مناظر کے یہی تہذیب قابل تقلید ہے اب تو پلٹو اور اپنے صحیح اسلام کی معاشرت کی طرف آؤ۔ جو باوجود بگڑنے کے بھی ایسی نہ بگڑی۔ اِس جنگ عظیم نے فرنگی تہذیب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اب موقعہ ہے مسلمانوں کے لئے کہ اپنے صحیح اسلام کی تہذیب سے دُنیا کو آشنا کریں ؂

متعہ سے اسلام کے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ وُہ بنی نوع انسان کی بدلتی ہوئی معاشرت کے ہر ایک تغیر و تبدّل پر حاوی ہے۔ چنانچہ آج کل یورپ خصوصاً رُوس کی تعلیم کے زیر اثر لوگوں میں نکاح کی بندشوں کو قید سمجھا جاتا ہے بعض لوگ اِس قدر غریب ہوتے ہیں کہ وُہ بیوی اور بچّوں کی پرورش کے متکفّل نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہیں کرتے۔ اِن سب لوگوں کے لئے متعہ ایک نعمتِ غیر مترقّبہ ہے جو اُن کو زنا کی فضیحت سے بچا کر اُن کی اندرونی قوتوں کے نشوونما میں حامی ہو کر تسکین طبیعت کا باعث ہوتا ہے بہت سی عورتیں اِس طبیعت کی ہوتی ہیں کہ وُہ مرد کے تحکّم کو پسند نہیں کرتیں آزادی سے زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی عورتیں اکثر صاحب ثروت ہوتی ہیں وُہ اپنی پسند کے مردوں سے مساویانہ طرز پر زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں وُہ اپنی اولاد کی بھی متکفّل ہو سکتی ہیں۔ اور مرد کو بھی غربت سے بچا سکتی ہیں۔ بہت سے صاحب ثروت مرد

ایسی آزاد طبیعت کے ہوتے ہیں کہ ایک عورت کے ساتھ بسر کرنے میں اُن کو حظ نہیں آتا۔ اُن کی بے شمار دولت کا اِس طرح غریب باحیا شریف عورتوں میں تقسیم ہوتا رہنا سوسائٹی کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے غرضکہ کسی حیثیت کسی درجہ، کسی مزاج، کسی طبیعت کا کوئی ہو، خواہ مرد یا عورت اس کے لئے متعہ نہایت مفید قانونِ نکاح ہے۔ جو بے شمار مصیبت و غم کے مارے رنجور انسانوں کے لئے پیغامِ خوشی و انبساط لاتا ہے۔ متعہ پر غور کرنے میں اکثر ایک امر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور وُہ یہ کہ متعہ میں ماسوائے تعیّنِ مدّت کے اور سب وُہ شرطیں ہوتی ہیں جو نکاح دائمی کے لئے ضروری ہیں۔

بابِ یازدہم

مُسلمانوں کی موجُودہ حالت کا جائزہ

تاریخِ اسلامی کے ان واقعات و حالات کو معلوم کرنے کے بعد ہم مُسلمانوں کی موجُودہ حالت پر نظر ڈالتے ہیں۔ پھر ہم کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ ہماری موجودہ نکبت، ذِلت اور پستی کا باعث کیا ہے۔

دُنیاوی وجاہت و عروج عموماً لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے اور اس کی چکا چوند میں بہت سی چیزیں نظر آنے سے رہ جاتی ہیں۔ اور جو بڑی بڑی چیزیں دکھائی بھی دیتی ہیں وُہ اپنے صحیح تناسب میں نظر نہیں آتیں۔ مُسلمانوں کے سریع اور عظیم الشان فتوحات و وُسعتِ سلطنت کو دیکھ کر ہر ایک دوست و دُشمن یہ کہنے لگا کہ یہ اسلام کی فتوحات ہیں۔ اور جب یہ کھیل بگڑا اور سلطنت غلامی سے، اور ثروت نکبت سے بدل گئی تو دوست تو کہنے لگے کہ چُونکہ مُسلمانوں نے

قرآنی احکام کی اطاعت چھوڑ دی لہذا اُن پر ذلت غالب آئی اور دُشمن کہنے لگے کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ اسلامی اصول ہی ایسے ہیں کہ سوائے نکبت کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلام پھیلا تو تلوار سے اور بگڑا اپنی کمزوری سے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نہ دُشمن سچ کہتے ہیں اور نہ دوست۔ مسلمانوں کی سلطنت میں کب اسلام کی حکومت تھی۔ کب اُنہوں نے قرآنی و اسلامی اصول پر عمل کیا تھا، قرآن شریف کب ان کا ضابطۂ عمل رہا تھا جو ہم اب کہیں کہ اسلامی اصول کو ترک کرنے کی وجہ سے یہ مصیبت پڑی۔ قرآن شریف میں سب سے زیادہ جس کی مذمت کی گئی ہے وہ ظلم ہے۔ شرک کو بھی ظلم عظیم ہی کہا گیا ہے اَقرب لِلتقویٰ جس کو بتایا ہے وہ عدل ہے۔ مسلمانوں کی عظیم الشان فتوحات مُلکی کے زمانہ کو دیکھو، اُن کی وُسعت سلطنت کے زمانہ پر نظر ڈالو۔ وہ کونسا سال تھا بلکہ کونسا مہینہ تھا۔ ہم کہتے ہیں وہ کونسا دِن تھا جو مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت میں حُکّام و عمال سلطنت کی طرف سے ظُلم نہ ہوتا ہو۔ جو سلطنت قائم ہوئی وہ ظلم پر قائم ہوئی جو بادشاہ تخت نشین ہوا وہ ظلم کی بناء پر ہُوا۔ ان کے افعال جو تھے وہ ظلم کا جامہ پہنے ہوئے ہوتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بہت زیادہ فتوحات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئیں۔ اور بہت زیادہ توسیع سلطنت حضرت عثمان کے زمانہ میں ہوئی۔ اور یہ دونوں سلطنتیں اسلامی اصول کے خلاف قائم ہوئیں۔ جمہور مسلمین کا اعتقاد ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے خود اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ اور اپنا حاکم خود مقرر کرنے کا حق اُمت کو دیا لیکن حضرت ابوبکر نے لوگوں کا یہ حق چھین لیا اور حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ حضرت عمر نے بھی سُنّت رسول کے خلاف ایک نہایت ٹیڑھی تجویز سے جس کا ذکر باب چہارم میں کیا گیا ہے حضرت عثمان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لہذا یہ دونوں سلطنتیں اسلامی اصول کے خلاف قائم ہوئیں۔ دُنیاوی نُقطۂ نظر سے کچھ ہی فائدہ ہوا ہو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سلطنت الٰہیّہ تھی۔ بنو اُمیّہ

و بنو عباس کا تو کیا کہنا وہ تو سب مانتے ہیں کہ دنیاوی حکومتیں تھیں۔ پھر جو کشت و خون ان سلطنتوں میں ہوا وہ ہر ایک تاریخ پڑھنے والے پر ہویدا ہے۔ منکرین اسلام مانتے ہیں کہ اسلام اپنے گھر میں پردیسی اور اپنے انتہائی دنیاوی شوکت عروج و حکومت کے زمانہ میں بیکس تھا۔ دیندار طبقہ اقلیت میں تھا اور اہل حق گوشہ نشین تھے اور ان کی حالت بالکل ذمیوں کی سی تھی۔ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ، ہارون، مامون و عبدالرحمٰن ناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیار اور مستند نہیں ہے۔ اسلام کی ترقی کو اس دنیاوی عروج سے کچھ لگاؤ نہیں ہے[۸۶] دشمنوں کا یہ کہنا کہ اسلام تلوار سے پھیلا قطعاً غلط ہے۔ ہم ابھی ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ فتوحات اسلامی اصول کے خلاف ظلم پر منحصر، احکام رسولؐ کی خلاف ورزی پر مبنی تھیں۔ نہ اسلامی اصول پر یہ فتوحات ہوئیں نہ ان کی غرض اسلام کو پھیلانا تھی اور نہ اصلی اسلام ان سے پھیلا۔ جب حالت یہ ہے تو ہم کیونکر کہیں کہ مسلمانوں کا عروج اسلامی اصول کی پابندی کی وجہ سے ہوا اور اب ان کا تنزل اسلامی ضابطۂ زندگی کو چھوڑنے کی وجہ سے ہوا۔

کسی قوم کے عروج و زوال کو اس قوم کے مذہب کا عروج و زوال سمجھنا محض اسلام ہی کی قسمت میں لکھا تھا۔ ورنہ کوئی نہیں کہتا کہ جولیس سیزر یا ہنی بال کا عروج کفر کا عروج تھا یا ان کی ترقی ان کی لامذہبیت کی ترقی ہے یا انگریزوں کا اقبال عیسائیت کی فتح ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ چند مقررہ اور اٹل قوانین ہیں جن پر عمل کر کے دنیا کی قومیں خواہ کسی مذہب کی پیرو ہوں ملکی فتوحات و دنیاوی عروج و ثروت حاصل کرتی ہیں۔ اور اسی طرح چند اسباب ہیں جن کے جمع ہو جانے کی وجہ سے قومیں اپنے مقام عروج سے گر پڑتی ہیں جب کسی خاص قوم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کے عروج کے یہ اسباب اور اس کے تنزل کے یہ بواعث تھے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان مقررہ

---

[۸۶] سید ابوالحسن ندوی:- سیرت سید احمد شہید ص ۲۱

اٹل قوانین عروج وزوال کو اُس خاص قوم میں کن امور نے کارفرما کردیا۔ ان اسباب کی فہرست میں مذہب کو بھی ایک جگہ مل جاتی ہے۔ لیکن اس میں بہت نمایاں مقام اُس قوم کی صدیوں کی تاریخ کا ہوتا ہے۔ اور اُن لوگوں کے کارناموں کا ہوتا ہے جن کو اس قوم نے اپنا راہنما سمجھ کر اُن کے طرزِ عمل کو اپنا چراغِ راہِ ہدایت بنایا ہُوا ہے۔ وجہ صاف ہے محض مذہبی اعتقادات، بہت کم محرک عمل ہوتے ہیں۔ کام جو ایک قوم صدیوں سے کرتی آئی ہے، ان لوگوں کے نظائر جن کو وُہ قابلِ تقلید سمجھتے رہے ہیں اور جن کی پیروی کرنا یہ اپنا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں اصلی محرک عمل یہ ہوتے ہیں اور اگر زیرِ تقلید اُن لوگوں کے افعال ہیں جن کا مطمحِ نظر دُنیاوی وجاہت حاصل کرنا تھا، اور اُن کے افعال سے دُنیاوی وجاہت و ثروت حاصل بھی ہوئی تو پھر اُن کی تقلید ان کی اپنی فطرت کے تقاضے سے مل کر بہت زیادہ محرک عمل ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس پر امتیازی طرّہ یہ بھی لگ گیا ہے کہ اُن پیشرو بزرگوں کو سیاسی واقعات و تاریخی حالات کی وجہ سے یہ لوگ اپنا مذہبی پیشوا بھی سمجھنے لگے ہیں تو بس اُن کا عمل ان کے لئے پتھر کی لکیر ہو گیا۔

تمام اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے لئے فطرت نے ایک ہی قانون بنائے ہیں اور ان کے عروج و زوال کی تاریخ یکساں ہے۔ ہر ایک جنگجو اور فاتح قوم شروع میں غریب ہوتی ہے اور وُہ ضرورتِ بقا کے لئے لڑائی شروع کرتی ہے غریبی کی وجہ سے اُس کے افراد میں محنت و جفاکشی کی عادت، مصیبت و تکلیف میں صبر و استقلال، دُشمن سے مقابلہ کرنے کا عزم بالجزم، موت سے نہ ڈرنا، آپس میں ہمدردی واخوت، خطروں کا مقابلہ کرنا، یہ ساری صفات اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر وُہ اپنے میں یہ صفات نہ پیدا کریں تو انہیں اُن کی بقاء ناممکن نظر آتی ہے۔ اور یہ ہی صفات فتح و کامیابی کے اسباب بن جاتے ہیں اور جب فتح و کامیابی کے ساتھ دولت و ثروت زیادہ ہوتی ہے تو اپنی موجودہ زندگی اور موجودہ حالت انہیں بہت دلآویز معلوم ہونے لگتی ہے عیش و عشرت

[illegible]

کے سامان انہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اب انہیں میدان جنگ کی سختیاں بہت بُری معلوم ہوتی ہیں۔ موت کے خیال سے ڈر لگتا ہے۔ ذرا سی تکلیف ہیں گھبرا جاتے ہیں۔ صبر و استقلال جاتا رہتا ہے۔ لگاتار محنت کرنے سے دل چراتے ہیں۔ جنگ کے امکان کو پیسہ دے کر دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دشمن سے کسی قیمت پر ہو مصالحت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تنزّل کے اسباب ہیں اور جب کسی قوم کے افراد میں یہ صفات پیدا ہو جائیں تو پھر اُس کا گرنا ایک یقینی امر ہوتا ہے۔ یہ اٹل قوانین فطرت ہیں۔ ان میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ یہ اُن قوانین میں سے ہیں جن کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ ولن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا۔ یہ کسی خاص قوم یا مذہب کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کفّار و بُت پرست اقوام نے بھی اِن پر عمل کر کے اسی طرح عالمگیر فتوحات حاصل کیں جس طرح موحّد و خدا پرست لوگوں نے اِس راستہ پر چل کر کامیابی حاصل کی۔ جب آریوں کے لیئے بوجہ قلّت آب و گیاہ و زیادتی آبادی وسط ایشیا میں رہنا ناممکن ہو گیا تو انہوں نے بڑھنے کی کوشش کی اور دُنیا کے چاروں طرف پھیل گئے۔ روم نے کارتھیج کو اتنا دبانا شروع کیا کہ اب اُس کے لئے بغیر جنگ کرنے کے بقا ناممکن نظر آنے لگی۔ لہٰذا مرتا کیا نہ کرتا کے اصول پر عمل کر کے میدان میں اُتر آئے اور کامیابی حاصل کی۔ تاتاریوں اور ترکوں کی فتوحات بھی ان ہی اصول پر مبنی تھیں۔ آبادی زیادہ ہوگئی۔ باہر نکل کر بڑھنے کے امکانات آسان نظر آئے۔ لہٰذا کامیابی و فتح کی راہ پر لگ گئے۔ پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی تک یورپ کی اقوام کچھ تو ترکوں کی دست بُرد سے عاجز آن کر کچھ یورپ میں اسباب زندگی نایاب ہوتے ہوئے دیکھ کر اور یورپ کو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ناکافی پا کر دُنیا میں پھیلنے پر مجبور ہوئیں۔ سولھویں صدی کے بَرّی و بحری سیّاحوں کے دستوں کی کوششیں یورپ کی فتوحات و کامیابی کا باعث ہوئیں اور ملکہ الزبتھ انگلستان، فلپ ثانی، ہسپانیہ و لوئی

چہاردہم فرانس کی عظمت و ثروت نے دُنیا کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی
کل کی بات ہے کہ معاشرتی و سیاسی حالات سے تنگ آ کر فرانس جو انقلاب
پیدا کرنے پر مجبور ہُوا اُس نے فرانس کو نپولین بونا پارٹ کی سرکردگی میں
دُنیا کا حاکم بنا دیا۔ دُور کیوں جائیے۔ ہٹلر کی جرمنی کو دیکھو۔ یہ تو تمہاری نظروں کا
واقعہ ہے سیاسی و معاشرتی ضروریات سے تنگ آ کر جرمنی تمام دُنیا کا مقابلہ کرنے
کو تیار ہو گیا۔ شکست و فتح تو حکیم مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے ساری دُنیا ہی
ایک کے خلاف ہو جائے تو وُہ کیا کرے۔ لیکن یہ دیکھ لو کہ ایک آدمی نے
ساری دُنیا کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ کتنی غلطی ہو گی اگر ان سب فتوحات کی
نسبت کہا جائے کہ وُہ مذہب عیسائیت کی فتح تھی یا عیسائیت کے اصولوں کی
بناء پر فتح کی بُنیاد تھی جب ان فتوحات کا طرّۂ امتیاز تم عیسائیت کو دینے
کے لئے تیار نہیں تو اسلام کے لئے وُہ امتیازی نشان کس مُنہ سے مانگتے ہو۔
امرِ واقعہ یہ ہے کہ بوجوہات چند در چند جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں، خلافت صدرِ
اوّل نے یہ مناسب سمجھا کہ عربوں کو باہر کی فتوحات پر لگایا جائے۔ اگرچہ یہ
اصولِ اسلام و سُنّتِ رسول کے خلاف تھا اور اُس ظُلم پر مبنی تھا جس کی مذمت
قرآن شریف میں اِس شدومد کے ساتھ کی گئی ہے کیونکہ روم و ایران خود
امن کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے اِسلام کے خلاف کوئی جدوجہد
نہیں کی تھی۔ بغیر وجہ کے اُن پر حملہ کرنا ظُلم نہیں تو اور کیا تھا۔ لیکن ارکانِ خلافت
مجبور تھے سیاسی ضرورتیں انہیں مجبور کر رہی تھیں لہٰذا انہوں نے یہ راستہ
اختیار کیا اب جو فتوحات حاصل ہوئیں اُن کے اسباب ایسے صریح ہیں، آنکھوں
کے سامنے نظر آ رہے ہیں کہ اُن کو نہ دیکھنا اور ان فتوحات کو خالص اِسلامی
اصول کا نتیجہ سمجھنا مورخ کو اُس کی اعلےٰ مسند سے اُتار کر متعصب کی صف
نعال میں لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ عرب قوم غریب قوم تھی۔ زندگی کے
عیش و عشرت کے سامان سے نا آشنا، یہ لوگ جنگجو تھے۔ بہادر تھے۔ زندگی سے

زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ موت سے ڈرنے کو عار سمجھتے تھے۔ جفاکشی و محنت و لڑائی کے بغیر ان کا گزارہ نہ تھا۔ زندگی کا زیادہ تر سہارا لوٹ مار پر تھا۔ آدمیوں کو قتل کرنا ایک معمولی بات تھی۔ ان کے یہاں زیادہ تر موت قتل کی وجہ سے ہوتی تھی۔ یہ ہی وہ صفات ہیں جو کسی قوم کو فتح مندی کی طرف لے جاتی ہیں۔ ادھر تو یہ حالت تھی۔ غنیمت کی محبت اور جبلت کی جنگجوئی کو عیش و آسائش کی قلت، زندگی سے تغافل، موت سے آشنائی، فتح کے سارے سامان موجود۔ قوم کو جوانی کی امنگیں، اور شباب کے ولولے ابھار رہے تھے ادھر جن ہمسایہ قوموں پر حملہ کیا وہ اپنے تنزل کے دور سے گزر رہی تھیں۔ ان میں وہ اسباب کارفرما تھے جو قوموں کو گراتے ہیں۔ عیش پرستی، آرام طلبی، موت سے ڈرنا۔ ہمت چھوڑ بیٹھنا۔ جفاکشی سے دور بھاگنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ قومیں اپنے بڑھاپے کے دور سے گزر رہی تھیں۔ واقعہ سے پہلے نتیجہ ظاہر تھا۔ جوان اور بڈھے کی کشتی کیا۔ ایک ہی ٹنگڑی میں چت +

ہاں یہ ضرور ہے کہ عروج و زوال کے درمیان کا زمانہ کم و بیش ہو سکتا ہے اسباب عروج دیر تک کارفرما رکھے جا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے منتقل کر لئے جائیں۔ اسباب تنزل کو بہت عرصہ کے لئے روکا جا سکتا ہے۔ یہ ممکنات میں سے ہے کہ ان کا داخلہ ہمیشہ کے لئے بند کیا جا سکے۔ اب یہاں مذہب، تجربہ، تاریخ گزشتہ، طرز حکومت، طور معیشت و معاشرت، پیروی رفتگان وغیرہ وغیرہ امور کارفرما ہو سکتے ہیں اور یہ سب طریق ملک رانی پر منحصر ہیں۔ اسلامی سلطنت میں ملک گیری تو اسلامی اصول کے مطابق نہ ہوئی دیکھنے کی بات یہ رہ گئی کہ ملک رانی بھی اسلامی اصول کے مطابق ہوئی یا نہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے ہم ناظرین کی توجہ حضرت عمر کی کتاب مناقب کی طرف دلاتے ہیں جو مولوی شبلی نے الفاروق کے نام سے لکھی ہے۔ اسکے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ سلطنت کا سارا ڈھانچہ حضرت عمر نے روم و ایران سے

نقل کیا ہے۔ قیامِ افواجِ مستقلہ، بیت المال، محکمہ دیوانی، محکمہ خراج وغیرہ یہ سب
وہیں سے نقل کئے گئے۔ اور اُس نظام سے بالکل مختلف ہیں جو جناب رسولِ خدا
نے قائم کیا تھا۔ اِن سب امور پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ
اس نظام میں جناب رسولؐ خدا کی جگہ حضرت عمر نے لے لی۔ لہٰذا اُس مذہب کا
بالکل دخل نہیں رہا جو جناب رسولؐ خدا نے جاری کیا تھا۔ بلکہ اکثریتِ اُمت
میں اِسلام کے نام سے وُہ مذہب جاری ہوا جو حضرت عمر نے اپنی عقل
کے مطابق قرآن شریف کی تاویل کر کے اور سیاسی حالات کو مدِنظر رکھ کر
قائم کیا تھا۔

اِس طرح بانیٔ مذہب کے طریقہ و تعلیم کو چھوڑ کر اُس کے بعد کے آنے والے
لوگوں کی پیروی میں اپنی طبیعت و خواہشات کے مطابق ایک مختلف مذہب
بنا لینا کوئی نئی بات نہ تھی۔ زمانۂ ماضی میں عیسائیت اور زمانۂ حال میں
سکھ پنت اس کی نہایت بیّن مثالیں ہیں۔ اور ہم تو ہر ایک مذہب کو
ایسا ہی پاتے ہیں۔ کون کہہ دے گا کہ بُدھ مت وُہ ہی ہے جو گوتم بُدھ نے
قائم کیا تھا۔ بلکہ مہاراجہ اشوک نے جیسا مناسب سمجھا اُس کو بنایا۔ کیا کوئی صاحبِ
عقل و فہم مان لے گا کہ موجُودہ مروّجہ ہندُو مذہب وُہ ہی ویدوں کا قائم کیا
ہوا ہے۔ بلکہ بعد کے آنے والے منی و رشیوں و برہمنوں اور ان کے پرانوں
نے اپنی خواہشات اور اپنے حالات کو مدنظر رکھ کر جیسا چاہا اسے بنا لیا۔
مذہب عیسائیت کو لو۔ موجودہ انجیل کو یہ اپنے مذہب کی اساس سمجھتے ہیں خود
انجیل بتا رہی ہے کہ یہ کس کس کی بنائی ہوئی ہوں۔ انجیل یا بائیبل مقدّس میں
دو کتابیں ہیں ایک تو (Old testament عہدِ عتیق) اور ایک
(New testament) یعنی عہدِ جدید۔ یہ دونوں کتابیں اگرچہ کہنے
کو الہامی کتابیں کہلاتی ہیں لیکن دراصل مختلف آدمیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔
عہدِ عتیق اگرچہ حضرتِ موسیٰ اور دیگر انبیاء سابقہ کے متعلق ہے اس کو توراۃ

کہنا چاہیئے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ لیکن مورخین اور محققین اِس امر پر متفق ہیں کہ اُس میں بہت تحریف ہے۔ یہاں تک کہ اس میں بہت سے عیسائیوں کی تحریریں داخل ہیں ۵۸۷۔ حضرت موسیٰؑ تو حضرت عیسیٰؑ سے پانچ صد سے زیادہ سالوں پہلے ہوئے تھے۔ لیکن عہد عتیق کا سب سے پُرانا حصّہ سنہ ۱۵۰ قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ہے۔ ۵۸۸ عہد جدید کے بہت سے حصّے ہیں۔ لیکن چار ان میں سے ایسے ہیں جو بائیبل کا دِل و دماغ ہیں اور وُہ ہی اصلی گوسپل (Gospel) یا انجیل یعنی الہامی کتابیں کہلاتی ہیں۔ یعنی انجیل لوقا، انجیل میتھو، انجیل مارک، اور انجیل جان۔ ان کے متعلّق عیسائی مورخین و محققین کی رائے ہے کہ یہ سب حضرت عیسیٰؑ کے مرنے کے بعد کی صدی میں لکھی گئیں۔ اُن میں سے سب سے پُرانی یعنی انجیل لوقا حضرت عیسیٰؑ کے انتقال کے پچّاس سال بعد لکھی گئی۔ ان سب کو مختلف حواریین نے لکھا۔ ۵۸۹

سِکھ پنتھ کو لیجیئے۔ کون نہیں جانتا کہ اِس مذہب کے بانی باوا گرو نانک سنگھ جی مہاراج ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق ہندوستان کے لئے توحید کا یہ مذہب ہندو دھرم اور اسلام کے اصولوں میں سے نکال کر قائم کیا تھا لیکن بہت جلدی ان کے اِنتقال کے بعد در اصل سکھ مذہب وُہ ہو گیا جو اُن کے بعد میں آنے والے گرووں نے زیادہ تر سیاسی حالات کو مدنظر رکھ کر مُرتّب کیا۔ سکھوں کو جو نفرت و عناد مسلمانوں سے ہے وُہ ایک غیر جانبدار اور منصف کے لئے جس نے گرو نانک سنگھ جی کی لکھی ہوئی گرو گرنتھ صاحب پڑھی ہے بہت تعجّب انگیز معلوم ہو گا۔ گرو نانک کا مذہب اسلام سے بہت نزدیک اور

---

۵۸۷ Renans Life of Jesus p. 9 R.P.A. series

۵۸۸ Ibid

۵۸۹ Renan's Life of Jesus. p. 11

برہمنی مذہب سے بہت دُور تھا۔ لیکن بعد میں جو گرو ہوئے اُن کے سیاسی اختلافات مُغلوں سے بڑھتے گئے۔ اور پھر اُنھوں نے اپنے مذہب کے سانچے کو اس طرح ڈھالا کہ سکھوں کی جماعت خُدا پرست مسلمانوں سے دُور اور بُت پرست برہمنوں کے نزدیک ہوگئی ۔

جناب رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد مسلمان بھی اس ہی دَور میں سے گزرے۔ اِسلام میں معمولی اسباب کے ساتھ سیاسی اغراض بھی مل گئے اور سیاسی اغراض کے ساتھ ذاتی مفاد وابستہ ہو گئے۔ لہٰذا جو تغیرّ و تبدل دیگر مذاہب میں کچھ عرصہ کے بعد ہوا اسلام میں وُہ فوراً آنحضرت صلعم کے رحلت کے بعد شروع ہو گیا ۔

اِس بحث کو ہم اُس کے دُوسرے سِرے سے لے کر بحث کرتے ہیں۔ اگر نتیجہ وہ ہی نِکلا تو ہم سمجھیں گے کہ یہ بحث صحیح اصولوں پر قائم ہے۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ مُسلمان آج کل تنزّل کی آخری حد میں گرے ہوئے ہیں۔ اسباب تنزّل عرصہ ہوا کہ ان میں کارفرما ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کِن چیزوں نے اسباب تنزّل پیدا کئے اور ان کو سُرعت کے ساتھ جاری کیا۔ وُہ یہ امور ہیں :-

(۱) آپس میں فرقہ بندی ۔
(۲) کِسی کی اطاعت نہ کرنا اور اپنے تئیں سب کا لیڈر سمجھنا ۔
(۳) اغیاروں کے ہاتھ بہت کم قیمت پر فروخت ہو جانا ۔
(۴) اپنے عہد و قول کی پرواہ نہ کرنا۔ کہنا کچھ۔ کرنا کچھ ۔
(۵) مُرتکب ظُلم ہونا۔ اور عدل کو چھوڑ دینا ۔
(۶) اپنی عقل کو اپنے مذہب پر ترجیح دینا۔ مذہب کو چھوڑ کر اپنی عقل کے مطابق عمل کرنا
(۷) تصنع و تقلید ۔
(۸) احساس اخوتِ اسلامی کا معدوم ہونا ۔
(۹) دین کو وجاہت و ثروتِ دُنیوی کے لئے چھوڑنا۔ حُبِّ مُلک و جاہ ۔

مسلمانوں کے تنزل کے اسباب

(۱۰) ترکِ ایثارِ نفس ۔ خود غرضی

ہندوستان ایک ایسا برِّ اعظم ہے جس میں جمادات و نباتات سے لے کر حیوانات کے ہر طبقہ تک جو بھی تمام دُنیا میں مِل سکتے ہیں وہ اس میں پائے جاتے ہیں ۔ دُنیا کے تمام مناظر قُدرت کے نمونے اس میں ہیں ۔ پہاڑی مناظر دریا کی وادیاں ، سمندر ، برفستان ، ریگستان ، جنگل ، صحرا ، سرما ، گرما ، برسات سب اِس میں مِلتے ہیں ۔ ہر رنگ کے اِنسان اس میں ہیں ۔ اِسی طرح دُنیا کی ہر گوشہ کی تہذیب و تمدّن کا نمونہ اس میں مِلتا ہے ۔ بنی نوعِ اِنسان کی معاشرت و معیشت کا ہر نمونہ اس میں مِلتا ہے ۔ ننگے پھرنے والے وحشیوں سے لے کر یورپ کے اعلےٰ ترین لباس کے نمونے یہاں مِلیں گے ۔ دُنیا کی کسی قسم کی سیاست ہو اُس کے پیرو آپ کو ہندوستان میں مِل جائیں گے ، بادشاہت ، جمہوریت ، ڈکٹیٹر شپ ، ڈیموکریسی ، اور جو کچھ اُن کے مابین سیاست کے مراحل ہیں یہاں تک کہ رُوس کے بولشوک خیالات رکھنے والے اِنسان سب آپ کو یہاں مِلیں گے ۔ اِسلامی فقہ کے بھی ہر فرقے کے آدمی یہاں موجود ہیں ۔ لہٰذا ہم جو مُسلمانوں کی خرابیوں کی فہرست اُوپر لکھی ہے اس کی تشریح ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لینے سے اچھی طرح ہو سکتی ہے ۔ اور وُہ تمام دُنیا کے مُسلمانوں پر حاوی ہو سکتی ہے ۔

حکومت کی طرف جانے اور حاکموں کی نظروں میں وُقعت پانے کے لئے یہ لوگ کیا کیا کوشش کرتے ہیں ۔ جس کی بُرائی سُننے سے حاکم خوش ہو گا یا یہ خیال کریں گے کہ اُس کی بُرائی سُننے سے حاکم خوش ہوتے ہیں تو اُس کی ہر ایک خوبی کو نظر انداز کر کے اُس کا ذکر حاکم کے سامنے بیان کریں گے خواہ وُہ ان کا دوست اور ہم مذہب ہی کیوں نہ ہو ۔ حاکم کی خوشنودی حاصل کرنا اُن کا نصب العین حیات ہوتا ہے ۔ اُس کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں ۔ ہر قسم کا جھوٹ بولنے کے لئے تیار رہیں ۔ اپنے بہترین دوست کو پھنسانے

لے لئے تیار رہیں۔ اگر چھوٹے طبقے کے لوگ ہیں تو اُن کے لیئے حاکم تھانیدار یا تحصیلدار ہیں اور اگر بڑے طبقہ کے لوگ ہیں تو ان کے لئے حاکم ڈپٹی کمشنر، کمشنر یا وائسرائے ہے۔ لیکن ہر ایک طبقہ کے لوگوں کا طرزِ عمل اِس ایک ہی اصول پر مبنی ہے کہ کسی طرح حاکم کی خوشنودی حاصل کر کے اُس کی نظروں میں وُقعت حاصل کریں۔ اور ایسی جگہ وہاں بل جائے کہ دُوسرا کوئی آدمی اُس کی نظروں میں وُہ جگہ حاصل نہ کرلے۔ کسی سرکاری جلسہ میں آپ چلے جائیں جہاں ہندو مُسلمان و حُکّام جمع ہیں۔ وہاں آپ مُسلمان رؤساء و علماء کی گُفتگو اور طرزِ عمل کا غور سے مطالعہ کریں۔ حاکم کی جڑ میں گھسے جائیں گے کہ کسی طرح ہماری طرف وُہ دیکھ لے۔ اگر بات کرلی تو کیا کہنے ہیں۔ کبھی آپ نے کسی مُسلمان رئیس کے چہرے کی طرف دیکھا ہے جب ایسے مرحلہ میں وُہ حاکم سے بات کرکے آتا ہے خوشی سے باچھیں کھلی ہوتی ہیں تسلّی اور اطمینانِ قلب کا اثر چہرہ سے نمایاں ہوتا ہے۔ دُوسروں پر اس طرح نظر ڈالتا ہے کہ گویا کہتا ہے کہ جو میرے ہے سو راجہ کے نہیں۔ اُن کی آپس کی گُفتگو یہی ہوتی ہے کہ مجھ سے صاحب نے یہ کہا میں نے یہ جواب دیا۔ صاحب میری بہت عزّت کرتا ہے۔ میں جو اُس سے ملنے گیا تو اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ ملایا۔ جب میں چلنے لگا تو دروازہ تک مجھے پُہنچانے آیا۔ صاحب نے یہ بھی کہا کہ ہمیں آپ کی ضرورت رہتی ہے آپ ہم سے ملتے رہا کریں۔ غرضکہ ان لوگوں کا وُہ وقت جو سونے یا تاش و دیگر لہو و لعب میں نہیں گزرتا وُہ اِن ہی باتوں میں خرچ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی معترض کہے کہ اب ہندوستان میں صاحب ہی نہیں رہے تو یہ صاحب کی باتیں کہاں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ حکومت بدلی ہے اور بدلنے والی ہے۔ محکوم نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے اُن کی وہی ذہنیت رہے گی۔ یہ بات دُوسری ہے کہ صاحب کی بجائے کوئی دُوسرا لفظ آجائے۔ آج کل دیکھئے کیا حالت ہے۔ مُلک میں قتلِ عام جاری ہے۔ ہر ایک قوم اپنے مستقبل پر غور کررہی ہے۔ عام مُسلمان وہی کنکوے اُڑانے اور تاش کھیلنے میں مشغول ہیں۔ جب

اس سے فرصت ملتی ہے اور مختلف رہنمایانِ ملّت اپنی رہنمائی قائم کرنے کے لئے تقریریں کر کے اپنے اردگرد مجمع جمع کر لیتے ہیں تو ان فدایانِ ملک و ملّت کی قوّتِ عمل فلاں زندہ باد اور فلاں مردہ باد سے آگے نہیں بڑھتی۔ صاحبانِ غور و فکر کو رنج ہوتا ہے کہ جب انتہا ہی کرنے پر یا کرفیو کے وقت کے بعد باہر نکلنے پر ان کے گروہ کے گروہ گرفتار کئے جاتے ہیں تو اُن کو ضامن نہیں ملتے جو ضمانت دے کر انہیں لے آئیں۔ برعکس اس کے جب کبھی دُوسری قوم کا کمترین و ذلیل ترین شخص گرفتار ہوتا ہے تو اُس کے بڑے بڑے آدمی کبھی تو یہ کہہ کر کہ یہ ہمارا نوکر ہے اور کبھی ضمانت دے کر اُسے فوراً لے آتے ہیں۔ آجکل کے فسادات میں ان مسلمان فدایانِ ملّت کی یہ شکایت اکثر سُننے میں آتی ہے کہ مسلمان تو گروہ در گروہ گرفتار کر لئے جاتے ہیں اور دُوسری قوم کے بہت کم لوگ گرفتار ہوتے ہیں۔ اور اس کو وہ حُکّام کے تعصّب پر مبنی کرتے ہیں۔ اصلی بات کچھ اور ہی ہے۔ دراصل امرِ واقعہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو خود اُن کے مسلمان بھائی شکایت کر کے اور گواہی دے کر ان کے گھروں سے گرفتار کراتے ہیں۔ موقع پر تو کم پکڑے جاتے ہیں۔ گھروں پر اب یہ مسلمان گواہان کے بیانات پر گرفتاریاں ہوتی ہیں۔ برعکس اس کے دُوسری قوم کے لوگوں میں سے کوئی بھی اپنی قوم کے آدمی کے خلاف شہادت نہیں دیتا۔ فرقہ وارانہ فساد میں مسلمان کی شہادت مسلمان کے خلاف قطعی سمجھی جاتی ہے وہ گرفتار ہو جاتے ہیں۔ دُوسرے فرقے کے لوگوں کے خلاف ایسی مضبوط شہادت نہیں ملتی اس میں بیچارے حاکم کا کیا قصور ہے۔ ہندوستان کیا کہنا ساری دُنیا بھر میں ایک ہندو ایسا نہیں ہے جو کانگریس کے خلاف ہو اور اسے بُرا کہے ایک ہندو ایسا نہیں جو مسٹر گاندھی یا جواہر لال نہرو کو بُرا کہے اور ان میں اخلاقی کمزوریاں بیان کرے اور انہیں اپنا لیڈر نہ مانے۔ مسلمانوں میں ہزاروں ایسے ہیں جو مُسلم لیگ کو اور مسٹر جناح کو بُرا کہتے ہیں۔ اُس میں اخلاقی کمزوریاں بتاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسٹر جناح کو مُسلم لیگ اور کانگریس کے تنازعہ میں بہت دِقتیں

در پیش آرہی ہیں۔ کانگرس کی بڑی بحث یہ ہے کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی بھی نمائندہ نہیں۔ دیکھو فلاں فلاں مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کو نہیں مانتی اور مسٹر جناح کو بُرا کہتی ہے۔ آجکل اِس سیاسی تنازعہ میں مسلم لیگ کے راہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے کہ وہ یہی ہے کہ بہت سی اسلامی جماعتیں اُس کے خلاف ہیں اور کئی مسلمان کانگرس کے ممبر ہیں۔ لیکن یہ کیوں ایسا ہے۔ یہ نہیں کہ اُن کا اعتراض نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اعتراض کرنے والے اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر اعتراض کریں تو پھر خود ہی شرمندہ ہو جائیں اور اعتراض مُنہ سے نہ نکلے مسلمانوں کی بے شمار جماعتیں ہیں جن میں اشتراک عمل کچھ نہیں۔ احرار، خاکسار، جمعیت العلماء، شیعوں کی ایک مختصر جماعت جو مسلم لیگ کے خلاف ہے، سُرخپوش، مودودئے، آل انڈیا مسلم جماعت، تنظیم المومنین، وغیرہ وغیرہ۔ ہم اِس بحث میں نہیں پڑتے کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور مسلمانوں کو کس جماعت کی اقتداء کرنی چاہیئے۔ یہ کتاب سیاسی رسالہ نہیں ہے۔ ہماری تو ساری بحث یہ ہے کہ مسلمانوں کی حُبّ جاہ وثروت وریاست نے اُن کو منتشر کر دیا ہے۔ اور وہ ایک مرکز پر انہیں جمع نہیں ہونے دیتی۔ اور یہ بات مسلمانوں کی اس حالت سے ثابت ہے۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ مُلک کی آج کل کی حالت ایسی ہے کہ انہیں ایک مرکز پر متحد ہو جانا چاہیئے۔ صحیح طرز عمل ایک ہی ہو سکتا ہے۔ مختلف و متفرّق طریقے حق پر مُنتج نہیں ہو سکتے جو ایک ہوتا ہے۔ اچھا مان لیا کہ مسلم لیگ غلطی پر ہے تم سب تو حق پر ہو۔ جو اس کی مخالفت کرتے ہو۔ تم سب ہی مل کر ایک ہو جاؤ۔ لیکن سب کو مل کر ایک ہونے میں ہر ایک جماعت کی سرداری جاتی ہے۔ اُس جماعت کے سردار دوسروں کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ اطاعت کرنی پڑتی ہے، اور یہ منظور نہیں یہی سارے فساد اور انتشار کی جڑ ہے سوائے اپنے تئیں سرداری کے مقام پر لانے کے اور اپنی جماعت کے لئے ایک نمایاں حیثیت قائم کرنے کے ان سے پُوچھو کہ انہوں نے کچھ اور بھی کام کیا ہے کوئی عملی قدم قوم کی معاشرتی، تعلیمی، رواجی، اصلاح کے لئے اُٹھایا ہے۔ کبھی اپنی جماعت کے علاوہ

عام مسلمانوں کا خیال بھی آیا ہے۔ اور اپنی جماعت کا بھی محض اتنا خیال ان کو رہتا ہے کہ اس جماعت میں اطاعت کی اہلیت راسخ ہو جائے تاکہ ہمارے مطیع بنے رہیں ان کے سرداروں کی کتابیں آپ پڑھیں۔ سب میں یہ لکھا ہو گا کہ سردار کی اطاعت ضروری ہے۔ اطاعت کے بغیر مسلمان نہیں۔ اسلام مذہب تسلیم و رضا بھی ہے اور مذہب جنگجوئی بھی ہے۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ اطاعت اچھی شے ہے۔ اسلام مذہب تسلیم و رضا ہے۔ تم بتاؤ تم کس کی اطاعت کرتے ہو۔ یا تم اطاعت سے بالاتر ہو۔ تم جو اتنے متعدّد سردار بن گئے۔ ایک کی اطاعت میں آ جاؤ۔ ایک مرکز بنا لو۔ دیکھو تم میں سے کون سردارِ اعلیٰ بننے کے قابل ہے۔ اُس کو مرکزی حاکم مقرّر کر لو۔ سقیفہ بنی ساعدہ سے اب تک کا رونا تو یہی ہے کہ یہ تو چاہتے ہیں کہ ہماری سب اطاعت کریں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ہمیں بھی کسی کی اطاعت کرنی چاہیئے جو ہم سے افضل و بہتر ہو اُس کی ہم اطاعت کریں۔

ایک بات جو خاص طور سے دیکھنے میں آتی ہے وُہ یہ ہے کہ مُسلمان بہت جلدی اور نہایت کم قیمت پر بک جاتا ہے۔ دُوسری قوم کے لیڈر ذرا ہنس کر بولے، دو چار الفاظ کہہ دیئے۔ چند حسین لیڈیز کے ہاتھوں سے ان کے گلے میں ہار ڈلوا دیئے۔ چند خُوش گلو، خُوش خُو، خُوش رُو، خوش پوش لڑکیوں سے میوزک سنوا دیا اپنے لوگوں میں ذرا ظاہری عزّت دیدی۔ اور پھر جب کام کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔ عالی قدر مراتب وظائف بھی مقرّر ہو گئے۔ بس اور کیا چاہیئے عُمر بھر کے لئے غلام ہیں۔ نہ عاقبت کا اندیشہ نہ اپنے اصولوں کی پرواہ، اور اسلام کو توڑ مروڑ لیں گے۔ اپنی عقل و ذہن سلامت چاہیئے۔ یہ اصول تو پہلے قائم ہو ہی چکا ہے کہ جو کچھ ہے دُنیا کی دولت و ثروت ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے جب تجہیز و تکفین رسول کو نظر انداز کر دیا گیا تو یہ چند اصول کیا ہیں۔

آپس میں مسلمانوں کے طرزِ عمل کو دیکھو۔ کسی کے قول کا اعتبار نہیں۔ خود غرضی عام ہے۔ ایثار نفس جانتے نہیں کس کو کہتے ہیں۔ جو مدنظر رہتا ہے۔ وُہ محض اپنا فائدہ ہے

قوم کے وہ لوگ جو تکالیف میں ہیں یا جن پر ظلم ہو رہا ہے ان کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ ہمدردیٔ قومی تو کیا ہمدردیٔ انسانی تک نہیں رہی۔ جب تک اپنے پاس تک مصیبت نہیں آتی۔ ظلم نہیں پہنچتا مطمئن ہیں۔ خواہ سارے مسلمان مٹ جائیں۔ ہاں جب آگ اپنی طرف آنے لگتی ہے تو گھبراتے ہیں۔ لیکن پھر کیا ہو سکتا ہے۔ جب تم نے اوروں کی مدد نہ کی تو اب تمہاری کون مدد نہ کرے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری اقوام ان کے افراد پر زیادتی و ظلم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اور یہ بیٹھے دیکھا کرتے ہیں وہ بات ہی نہیں کہ ؎

چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

یہ خود غرضی، بے حسی نتیجہ ہے اُس ہی ناجائز حُبِّ دولت و جاہِ دُنیوی کا۔ وعدہ کرتے ہیں محض وقت کو ٹالنے کے لئے یا اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لئے۔ کبھی اُس کے ایفاء کرنے کا خیال بھی نہیں آتا۔ کبھی آپ نے عدالتوں کی بھی سیر کی ہے۔ اگر نہیں کی تو اب کریں۔ وہاں آپ کو تین قسم کے لوگ خاص طور پر نظر آئیں گے یعنی پیشہ ور گواہ، پیشہ ور ضامن اور ملزمان۔ نوّے فی صدی گواہ رقم لے کر یا اپنا کوئی اور فائدہ نظر رکھ کر گواہی دیتے ہیں۔ اِن جھوٹے گواہوں میں آپ کو اسّی فی صدی مسلمان ملیں گے۔ جو دو دو یا چار چار روپے لے کر بے گناہ آدمی کو جیل یا پھانسی پر بھجوانے کے لئے تیار ہوں گے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہندو فریقین ہیں۔ لیکن گواہی دینے کے لئے مسلمان چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح روپیہ لے کر ضمانت دینے والوں میں زیادہ تر مسلمان ہی نظر آئیں گے۔ ملزموں کی طرف چلئے، اگرچہ ملک میں مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن چوری، ڈاکہ، غبن، دنگہ و فساد، جوا، لوٹ مار، زنا بالجبر، اغوا وغیرہ جرائم کرنے والوں میں ماشاء اللہ یہ نوّے فی صدی اُتریں گے۔

مسلمانوں کی حالت کا پورا نقشہ کھینچنے کے لئے تو ایک ضخیم کتاب چاہیئے۔ قصّہ مختصر یہ ہے کہ ان کی تمام بیماریوں اور خرابیوں کا منبع ایک ہی ہے اور وہ بیجا حُبِّ جاہ و ثروتِ دُنیادی ہے۔ اِسی لئے جناب رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے میں اپنے بعد

تمہارے لئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اوپر دُنیاوی دولت و وجاہت کے دروازے کھُل جائیں گے اور تم دُنیا کو اختیار کر لو گے ۵۹۰ اور یہ حُبّ وجاہ و دولت قطعی، لازمی، صریح اور براہ راست نتیجہ ہے کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے طرزِ عمل کا اور اُس کی تقلید کا۔ اپنے پیغمبر کے مُنہ سے قوموا عنی سُننا اور پھر اُس پیغمبر کے جسدِ اطہر کو بے غُسل وکفن چھوڑ کر حکومت حاصل کرنے چلے جانا ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے دُنیا کو ترجیح دے کر دین کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے محسنِ اعظم سے اِس طرح بے رُخی کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ لوگ دُنیاوی وجاہت حاصل کرنے کے لئے ہر ایک صفتِ ممدوحہ وکریمہ، اخلاقیہ کو دُنیا کے پیچھے چھوڑ سکتے ہیں چُنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے ۔

ہندوستان میں زمانۂ حال کے دو نہایت زبردست مفکّرین اسلام موجود ہیں یعنی علّامہ مشرقی اور سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔ اِن دونوں کا تخیّل نہایت زبردست ہے۔ اور اپنے آبائی مذہب کے اصول واعتقادات سے جو منطقی نتائج نکلتے ہیں اُن کے اظہار وانتشار میں نہایت جرأت اور قابلِ تعریف دلیری سے کام لیتے ہیں۔ اور اِسی لئے میرے دِل میں ان دونوں کی بڑی عزّت ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ قرآن تو کچھ کہتا ہے اور ہمارے آبا واجداد و بزرگان دین کا طرزِ عمل کچھ اور ہی بتا رہا ہے لہٰذا انہوں نے صحیح نتیجہ نکالا کہ ہمارے مُفسّرین میں سے کسی نے صحیح تفسیر قرآن نہیں لکھی اور اب تک کسی نے صحیح تاویل و معانی قرآن نہیں سمجھے اِتنی ضخیم تفسیروں کی کتابیں محض ردّی کا ڈھیر ہیں ۵۹۱ انہوں نے دیکھا کہ ہمارے بزرگانِ دین نے دولت وحکومت و وجاہتِ دُنیوی حاصل کرنے کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا۔ دین کو چھوڑا، احکام رسول کی

---

۵۹۰ مسند احمد حنبل الجزء الثالث ص ۹۱، الجزء الخامس ص ۱۷۸ ۔
صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید الجزء الاوّل ص ۱۶۱ ۔

۵۹۱ علّامہ مشرقی :۔ تذکرہ۔ دیباچہ ص ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵ ۔
تفاسیر کیا ہیں ؟ قصّاب خانۂ فہم وعقل ص ۵۵ ۔

نافرمانی کی، خود رسول کی گستاخی کی اُن کی ہدایت کو ہذیان سمجھا، رحلت کے بعد اُن کے جنازہ کو بے غسل و کفن چھوڑ دیا۔ اور خود حکومت حاصل کرنے کے لئے چلے گئے لہٰذا اُنھوں نے نتیجہ نکالا اور واقعی اس طرزِ عمل سے یہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ جو کچھ ہے وُہ دُنیا کی حکومت و وجاہت و ثروت ہے اصلی مسلمان وُہ ہیں جن کو یہ حاصل ہے خواہ اعتقاداً وُہ تین خُدا مانتے ہوں یا تیس ہزار خداؤں کے قائل ہوں۔ جن کو یہ حاصل نہیں وُہ کافر ہیں خواہ اعتقاداً وہ موحد مُسلمان ہوں۔ اصلی اسلام، اصلی دین دُنیا کی حکومت و ثروت ہے۔ خدا کی عبادت وُہ کرتے ہیں جو دُنیا کی وجاہت و حکومت حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہوں۔ جو یہ کوشش نہیں کرتے وُہ خُدا کی عبادت نہیں کرتے خواہ صائم النہار و قائم اللیل ہی کیوں نہ ہوں اُن کا مسجدوں میں خُدائے وحدہٗ لاشریک کو سجدہ کرنا محض اوندھے پڑھ کر غوں غوں کرنے کے مترادف ہے ۹۲؎ یہ امر واقعہ ہے کہ کارکنانِ سقیفہ بنی ساعدہ اور اُن کے مقلّدین کے قول و عمل سے یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے جو علّامہ مشرقی نے نکالا ہے۔ اور اِس جماعت کے دیگر علماء بھی جانتے ہیں کہ اُن بزرگواروں کے طرز عمل سے یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اور یہ علماء جانتے ہی نہیں بلکہ اِس نتیجہ پر عمل پیرا بھی ہیں۔ لیکن ان میں اور علّامہ مشرقی میں یہ فرق ہے کہ علّامہ مشرقی میں تو اپنے اعتقادات کے ظاہر کرنے کی جُرأت ہے اور یہ عُلماء حضرات اِس صفت سے عاری ہیں زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہیں گے جو علّامہ مشرقی نے کہی ہے۔ لیکن دِل سے مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ علّامہ مودودی کے بھی یہ ہی خیالات ہیں۔ اگرچہ اِس زور و صراحت کے ساتھ نہیں بیان کئے گئے ۹۳؎۔ آج کل کے مسلمانوں کا نہیں بلکہ "عُروج اسلام" کے زمانہ کے مسلمانوں کا نقشہ علّامہ مودودی اِس طرح کھینچتے ہیں:۔

"بغداد، دمشق، دہلی، اور غرناطہ کے مترفین مُسلمان ہونے کی وجہ سے خُدا اور آخرت کے مُنکر نہ تھے، مگر اُن کی زندگی کا سارا پروگرام

۹۲؎ علّامہ مشرقی:۔ تذکرہ۔ دیباچہ ص ۱۲۲ ۔

۹۳؎ ابوالاعلےٰ مودودی۔ تجدید و احیائے دین ص ۲۱ ۔

اس طرح بنتا تھا کہ گویا نہ خدا ہے، نہ آخرت، نہ کسی کو جواب دینا ہے، نہ کہیں سے ہدایت لینی ہے، جو کچھ ہیں ہماری خواہشات ہیں۔ ان خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے ذرائع اور ہر قسم کے طریقے اختیار کرنے میں ہم آزاد ہیں اور دُنیا میں جینے کی جتنی مُہلت ملتی ہے اس کا بہترین مصرف بس یہ ہے کہ ع

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" ۹۴

جیسا کہ اُوپر مَیں نے اشارہ کیا اس نظریہ کی عین فطرت یہی ہے کہ اس کی بُنیاد پر ایک خالص مادہ پرستانہ نظامِ اخلاق بنتا ہے خواہ وُہ کتابوں میں مدّون ہو یا صرف ذہنیتوں ہی میں مُرتّب ہو کر رہ جائے پھر اُسی ذہنیت سے علوم و فنون اور افکار و آداب کی آبیاری ہوتی ہے اور پُورے نظامِ تعلیم و تربیت میں الحاد و مادیت کی رُوح سرایت کر جاتی ہے۔ پھر انفرادی سیرتیں اسی سانچے میں ڈھلتی ہیں، انسان اور انسان کے درمیان تعلّقات و معاملات کی تمام صورتیں اسی نقشہ پر بنتی ہیں اور قوانین کا نشو و نما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہے۔ پھر اس طرز کی سوسائٹی میں سطح پر وُہ لوگ اُبھر آتے ہیں جو سب سے زیادہ مکّار، بد دیانت، جھُوٹے، دغا باز، سنگدل اور خبیث النفس ہوتے ہیں۔ تمام سوسائٹی کی سیادت و قیادت اور مملکت کی زمامِ کار ان ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وُہ شتر بے مہار کی طرح ہر حساب سے بے خوف اور ہر مواخذہ سے بے پرواہ ہو کر خلقِ خدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں میکاؤ دیلی (Machiavelli) کے اصولِ سیاست پر ان کی ساری حکمتِ عملی مبنی ہوتی ہے۔ ان کی کتاب آئین میں زور کا

۹۴ ابوالاعلیٰ مودودی: تجدید و احیائے دین ص ۹ +

نام حق اور بے زوری کا نام باطل ہوتا ہے۔ جہاں کوئی مادی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ یہ ظلم مملکت کے دائرہ میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقتور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو کھاتے اور دباتے ہیں اور مملکت کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی امپریلزم اور ملک گیری و اقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے۔ ۹۵

علّامہ مودودی کی رائے میں جناب رسولؐ خدا نے خالص اسلامی نظام حکومت و معیشت و معاشرت قائم کیا وہ نظام اپنی صحیح حالت میں آنحضرتؐ کے بعد فقط حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانہ تک بوجہ ان دونوں حضرات کی جامع کمالات شخصیتوں کے قائم رہا۔ لیکن اُن کے بعد ہی جاہلیت یعنی کُفر کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ اِس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو حکومتِ اسلامی کی تیز رفتار وسعت اور دُوسرے حضرت عثمان کا ان خصوصیات کا حامل نہ ہونا جو حضرات شیخین کو عطا ہوئی تھیں۔ اگرچہ حضرت عثمان و حضرت علی نے جاہلیت کے اِس حملہ کو روکنے کی کوشش کی لیکن وُہ نہ رُکا اور آخرکار حضرت علی کے بعد خلافت علی منہاج النبوّۃ کا دَور ختم ہو گیا اور ملک عضوض یعنی (Tyrant Kingdom) نے اس کی جگہ لے لی۔ اور اِس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی اور آخر دم تک اسی پر قائم رہی ۹۶

آگے چل کر علّامہ موصوف فرماتے ہیں:۔

تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدّدِ کامل پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ عمر ابن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے

---

۹۵ ابوالاعلیٰ مودودی: تجدید و احیائے دین ص ۱۰ +

۹۶ ابوالاعلیٰ مودودی: تجدید و احیائے دین ص ۲۳، ۲۴ +

مگر وُہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اُن کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے اُن میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجدّدِ کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دُنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو خواہ اِس دَور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو۔ اسی کا نام الامام المہدی ہے۔ جس کے بارے میں صاف پیشین گوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں۔ ۹۷ھ

دیکھئے علامہ موصوف اپنے ذہن رسا و صحیح قوتِ غور و فکر کی وجہ سے کتنے صحیح نتائج پر پہنچے ہیں۔ جو تھوڑی سی کمی رہ گئی وُہ محض آبائی عقائد کی وجہ سے ہے۔ جناب رسولِ خدا کے بعد جو حکومتِ اِسلامیہ ساڑھے تیرہ سو سال سے چلی آئی ہے اُس میں صرف تقریباً دُو سال تو حضرت ابو بکر کی حکومت کے اور دس سال حضرت عمر کی حکومت کے ایسے تھے جن میں اِسلامی اصول کے مطابق حکومت ہوئی۔ باقی تمام عرصہ طویل تک اور اب تک سلطنت اسلامیہ پر کُفر کا اثر بلکہ قبضہ رہا در اصل تو کُفر کا اثر زائل نہیں ہوا تھا۔ صرف حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی شخصیتوں نے اُسے اُبھرنے نہ دیا اور اب یہ اثر زائل نہ ہو گا جب تک امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سقیفہ سازی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ہی حکومتِ اسلامیہ نے اسلامی اصول چھوڑ دئیے۔ اور یہ بارہ ۱۲ سال بھی ایسے ہی گزرے جیسے کہ آگے آنے والا زمانہ۔ اور اب صحیح اِسلام رائج نہ ہو گا جب تک امام مہدیؑ کا ظہور نہیں ہوتا۔ دیکھئے ہم میں اور علامہ مودودی میں صرف ۱۲ سال ہی کی حیثیت کا فرق رہ گیا۔ ہماری بحث میں تو منطق ہی ہے۔ علامہ مودودی اِن بارہ ۱۲ سالوں کو کن واقعات کی وجہ سے تمیز کرتے ہیں۔ ہم تو یہ کہتے

۹۷ھ ابوالاعلیٰ مودودی: تجدید و احیائے دین ص ۳۱ ۔

ہیں کہ جناب رسولِ خدا کے انتقال کے بعد اُس تحریک نے اِنقلاب پیدا کر دیا جو آنحضرتؐ کی زندگی میں اُن کے قائم کردہ نظام کے خلاف عمل کر رہی تھی۔ اور حکومت پر قبضہ کرنا اس کا مقصد تھا۔ خاندانِ رسالت سے حکومت کو نکالنا اُس کا مُدعا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ اُس کا آخری میدانِ عمل تھا۔ فرمائیے حضرت عمر کے مرنے کے بعد کونسا اِنقلاب رُونما ہوا جو اُن کی زندگی میں شروع ہو چکا تھا۔ جس طرح اور جہاں اُنہوں نے حکومت کو بھیجنا چاہا وُہ چلی گئی۔ خاندانِ رسالت سے حکومت کو نکالنے کا جو مقصد تھا وُہ اب بھی زیرِ عمل تھا۔ جب ڈر نے اُن کی قوتِ کرو زور کو سلب کر لیا تو حضرت علی کی طرف رجوع کیا۔ جب خوف کے چلے جانے کے بعد وُہ قوت عُود کر آئی تو وُہ ہی پہلی سی کوششیں حضرت عمر کے جانشینوں نے شروع کر دیں اور آخرکار وُہ کامیاب ہوئیں اور حضرت عمر کی سیاست کا مقصد ہمیشہ کے لئے پُورا ہو گیا۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کیا اِس دوازدہ سالہ معشوقۂ حکومت کے چہرہ میں کہیں بھی خلافتِ الٰہیہ کے خدوخال نظر آتے ہیں۔ اِس حکومت کے شروع ہوتے ہی مُسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ ایک مُسلمان جنرل ایک مُسلمان کی منکوحہ عورت پر عاشق ہو جاتا ہے اور ہر ایک ممکن بہانہ سے اُس مسلمان کو قتل کر کے اُسی رات اُس کی زوجہ سے ہمبستری کرتا ہے۔ زمانۂ عدّت کا قانون منسُوخ۔ حکومت اُسے سزا نہیں دیتی۔ بلکہ بچاتی ہے۔ مغیرہ ابن شعبہ زنا کرتے ہیں۔ ہر ممکن طریقہ سے حضرت عمر انہیں بچاتے ہیں۔ سیاسی ترکیبوں کے زیرِ نظر حدیث کے شائع ہونے کو روکا جاتا ہے۔ قرآن شریف بچّوں سے جمع کرایا جاتا ہے۔ باوجود جناب فاطمہ کے حقوق کے عِلم کے فدک اُن سے چھین لیا جاتا ہے۔ جب وُہ فریاد کرتی ہیں تو اُنہیں جھُوٹا قرار دیا جاتا ہے۔ دُخترِ رسُول کے گھر جلانے کو اُمت آگ جمع کر کے تمام دُنیا کو تعلیم دیتی ہے کہ اپنے پیغمبر، اپنے محسن کی اکلوتی بیٹی کو اُس کے باپ کے مرنے کا پُرسا اِس طرح دیا جاتا ہے۔ اِسلامی قانونِ اخلاقیات میں احسان فراموشی، اور ظلم کے

دو باب ایسے کھلتے ہیں کہ جو کبھی ختم ہی نہ ہوئے۔ یہ دو باب کیا ہیں بلکہ دو ورق ہیں اُس کتاب حُبّ و جاہِ دُنیوی کے جو آنحضرتؐ کے زمانۂ حیات ہی میں اُمّت کھول چکی تھی۔ مسلمانوں کی پہلی اور عظیم الشان شکست کا باعث یہی حُبّ دولت ہوئی لوٹ کے لالچ نے اُن تیر اندازوں کو آنحضرتؐ کے حکم کی نافرمانی کرنے پر آمادہ کر دیا جن کو آنحضرتؐ نے کو جو اُحد کے درّہ پر معمور کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ تم کسی حالت میں، خواہ شکست ہو، خواہ فتح، اِس درّہ کو نہ چھوڑنا۔ لیکن اُنہوں نے اِس حکم کی خلاف ورزی کی اور خالد بن ولید نے موقع پا کر مسلمانوں کی فتح کو شکست سے مُبدّل کر دیا۔ یہ حُبّ دولت ہی تھی جس نے ان لوگوں کو جناب رسولِ خدا کی خواہش و حکم کے خلاف حکومت کو خاندانِ رسالت میں سے نکالنے پر آمادہ کیا۔ جسدِ اقدس رسولؐ کو اِس ہی محبّتِ دُنیا نے چھٹوایا امرِ واقعہ یہ ہے کہ اِس دوازدہ سالہ حکومت کے دَوران ہی میں وہ اصولِ سیاست قائم ہو چکے تھے۔ وہ قواعدِ معیشت و آئینِ معاشرت مُرتّب ہو چکے تھے، وہ قوانین اخلاقیات منظور ہو چکے تھے، وہ ضوابط فقہ و دین رواج پا چکے تھے، جن کے اُوپر آئندہ اِسلامی سلطنتوں کا مدار رہا اور جو آئندہ اِسلامی نسلوں کے لئے نمونۂ عمل رہے اور جو آج کل زیر کار ہیں، ان تمام اصول و قواعد و قوانین و ضوابط کا منبع و مخرج محض ایک کلیہ تھا اور وہ یہ کہ حکومت و خلافت خاندانِ رسالت میں نہ جانے پائے۔ یہ خیال کیوں پیدا ہُوا۔ حُبّ دولت و جاہِ دُنیوی کی وجہ سے تمام موجودہ و سابقہ امراض و عوارضِ اُمّتِ اِسلامیہ کی جڑ آپ کو یہیں ملے گی۔ جناب رسولِ خدا کے مقرّر کردہ نظام کو نظر انداز کر کے اُس کے مخالف اپنا نظام قائم کرنے کی کشمکش جو اُمّت نے شروع کر دی یہ جملہ امراض و عوارض اُس کا ہی نتیجہ ہیں۔ اِس کشمکش سے یہ امراض کس طرح پیدا ہوتے رہے

ہم آپ کو گذشتہ اوراق میں بتا چکے ہیں - اور اس طرح جناب رسول خدا کی حدیث ثقلین والی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو آپ نے اپنے اہل بیت و قرآن کریم کی نسبت فرمائی تھی اور جس کے آخری الفاظ یہ تھے :-

انهما لن يتفرقا حتى يردا على الحوض سالت
ربي ذلك لهما فلا تقدموهما فتهلكوا
ولا تقصروا عنهما فتهلكوا ولا تعلموهم فانهم اعلم منكم

جناب ابوبکر صدیق اکبر اور جناب عمر فاروق اعظم کے بارے میں جو باتیں اس کتاب میں درج ہیں وہ قرآن کے منافی ہیں کیونکہ پ ۲۴ سورہ والذی جاء بالصدق وصدق بہ کی آیت صدیق اکبر علیہ السلام کی شان اقدس میں اتری ہیں اور سورہ توبہ میں ان اللہ معنا کے الفاظ جناب رسول خدا اور جناب صدیق کے حق میں ہیں اور اللہ صرف اور صرف متقین، صابرین کے ساتھ ہے - ظالم و جابر کے ساتھ نہیں اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں جناب صدیق اور جناب عمر فاروق کے حق میں جو احادیث اقدس ہیں وہ بھی مد نظر رکھنا بہت ضروری ہیں کیونکہ رسول اللہ کی زبان قرآن خدا ہے - یعنی وہ احادیث بالکل اللہ ہی نے قرآن بھیجا ہے اور سیدہ طیبہ طاہرہ زکیہ نیرہ منورہ والدہ الزہرا صدیقہ رضی اللہ علیہا کے فدک کی بابت سورہ احزاب میں آیت کہ کوئی مرد و اللہ کے رسول کی بات میں بات نہ کرے کی اجازت نہیں ہے ورنہ وہ خائن ہوگا

علمی پرنٹنگ پریس باہتمام شیخ ضیاء الاحمد پرنٹر طبع شد

نوٹ: سرورق ثانی کی پشت یعنی صفحہ ۲ پر مطالعہ کتاب سے پہلے اطلاع عام ضرور پڑھ لیں

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور سب مل کر خدا کی ہدایت کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا (سورۃ آل عمران - ع ۱۱ پارہ ۴)

کتاب

التفرق والتحریف

فی الاسلام

جس میں

اس تاریخی مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ امتِ اسلامیہ اتنے فرقوں میں کیوں تقسیم ہو گئی جبکہ اسلام کا مقصد دنیا کو ایک مرکز پر متحد کرنا تھا۔ اس تقسیم و تفرق کے اسباب و علل کیا تھے۔ کس شخص یا جماعت نے اختلاف کی ابتدا کی کب کی؟ کیوں کی؟ اور کیسے کی؟ اصلی جماعتِ اسلامیہ و ناجی جماعت کون ہیں؟ اس جماعت سے جدا ہونے والے کون ہیں؟ دراصل جماعتِ اسلامیہ کی تقسیم کیا ہے اور کس بناء پر ہے۔

تصنیف

خان صاحب آغا محمد سلطان مرزا ایم۔ اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ سیشن جج ریٹائرڈ۔

مؤلف البلاغ المبین، صراطِ مستقیم، نور المشرقین من حیاۃ الصادقین، کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام، حُبِ وطن، تاریخ ارتقائے تخیل و جذبہ حبِ وطن قوم (انگریزی) وغیرہ وغیرہ

سابق صدر شیعہ مجلس اوقاف دہلی۔ سابق پریزیڈنٹ انجمن سفینۃ الصفا پراونشل شیعہ کانفرنس، سابق ممبر کورٹ یونیورسٹی دہلی، سابق ممبر جنرل کونسل اینگلو عربک کالج اینڈ سکولز سوسائٹی دہلی سابق سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول با اختیارات دفعہ ۳۰ ضابطہ فوجداری، سابق آنریری سکرٹری پراونشل سول سروس ایسوسی ایشن جوڈیشل برانچ وغیرہ وغیرہ۔

بار دوم | مارچ ۱۹۵۹ء | ایک ہزار پانچ صد

ناشر

منیجر امامیہ کتب خانہ لاہور مغل حویلی - موچی دروازہ

قیمت سات روپے مجلد ولائتی ڈائیدار سنہری ساڑھے آٹھ روپے صرف